مرزا عبدالقادر بیدلؔ
حیات اور کارنامے

(ہندوستانی اسلوب کے عظیم ترین نمایندہ شاعر
مرزا عبدالقادر بیدل کی حیات اور ان کی تصانیف کا
تازہ ترین تحقیقات پر مبنی ایک جامع، مستند اور مفصل مطالعہ)

جلد اول
(حیات)

ڈاکٹر سید احسن الظفر
سابق ریڈر شعبہ فارسی
لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

رام پور رضا لائبریری، رام پور

سلسلۂ مطبوعات رام پور رضا لائبریری

Name of the Book : [illegible] Bedil: [illegible]t Aur Karname
Vol-I [illegible]
Name of Author : Dr. Syed Ahsan[illegible] Zafar
Edition : 1430AH / 2009AD
Published By : **Prof. Shah Abdus Salam**
O.S.D, Rampur Raza Library, Rampur

نام کتاب : مرزا عبدالقادر بیدلؔ: حیات اور کارنامے
(جلد اوّل [حیات])
نام مصنف : ڈاکٹر سید احسن الظفر
سن اشاعت : ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
صفحات : ۵۰۴
قیمت : -/500 روپے
مطبع : ڈائمنڈ پرنٹرز، نئی دہلی – 9811126868
ناشر : پروفیسر شاہ عبدالسلام
افسر بکارِ خاص، رام پور رضا لائبریری، رام پور

رام پور رضا لائبریری
حامد منزل، رام پور-۲۴۴۹۰۱ (یو. پی.)

Rampur Raza Library, Rampur
Phone Library : 0595-2325045, 2327244
0595 - 2325346
Fax : 0595 - 2340546
Website : www.razalibrary.com
E-mail : osdrampurrazalibrary@gmail.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

✪✪✪

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ڈاکٹر سید احسن الظفر صاحب (سابق ریڈر، شعبۂ فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی) کی تصنیف ''مرزا عبدالقادر بیدلؔ- حیات اور کارنامے'' ان کی گذشتہ برسوں کی تحقیق و تفتیش کا ثمرہ اور ایک بلند پایہ علمی، ادبی اور تحقیقی کام ہے۔ مرزا بیدلؔ کا شمار فارسی شاعری کے ہندوستانی اسلوب کے تین عظیم نمائندہ شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان میں مرزا بیدلؔ کو افکار و خیالات کی رنگارنگی و بوقلمونی کے لحاظ سے اور اسلوب کی تازگی و بہار ایجادی کے لحاظ سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اردو و فارسی کے عظیم اور مشہور ترین شاعر غالبؔ نے اپنی شاعری میں بیدلؔ کی بہار ایجادی سے متاثر ہو کر اس کی پیروی شروع کی، پھر اس کی پیروی جب قیامت سے کسی طرح کم نہیں لگی تو اسے ترک کر دیا مگر بقول حالیؔ خیالات میں بیدلیت آخر تک قائم رہی۔ اس طرح اردو داں طبقہ میں غالب نے نہ صرف یہ کہ بیدلؔ کو متعارف کرایا بلکہ ان کو ادھر متوجہ بھی کرایا۔ اسی اہمیت کی بنیاد پر بیدلؔ کی حیات اور شاعری پر بحث کا سلسلہ عرصہ سے جاری ہے۔ اس پر اب تک کے تحقیقی یا سرسری کام کا ایک مختصر جائزہ خود مصنف نے اپنے مقدمہ میں پیش کیا ہے۔ بیدلیات کی متعلق کتابوں میں احسن الظفر صاحب کی یہ کتاب اس لحاظ سے ایک اہم علمی اور تحقیقی کاوش کی حیثیت رکھتی ہے کہ اکثر مقالہ نگاروں اور مصنفوں نے بیدلؔ کی زندگی اور اس کی شاعری اور خیالات کے بہت سے مختلف فیہ اور تحقیق طلب گوشوں کو تشنہ چھوڑ دیا تھا۔ مثلاً بیدلؔ کی جائے پیدائش، اعظم شاہ کے دربار میں اس کی مدت ملازمت، دربار سے استعفیٰ کے اسباب، استعفیٰ کے بعد بیدلؔ کی منزل، سفر پنجاب و لاہور، بیدلؔ کی نامردی اور چار شادیوں کا معاملہ، بیدل کی مخصوص وزنی عصا ''نولاسی''، قیامت اور جنت و دوزخ سے متعلق بیدل کے خیالات، سماج کے مختلف طبقوں سے بیدل کے روابط کی نوعیت بیدل کے کلام پر ناقدین کی رائے اور ان کا جواب، بیدل کے دینی، عرفانی، اخلاقی اور سماجی افکار و خیالات کی تحلیل و تجزیہ وغیرہ ان سب اختلافی مسائل اور تشنہ تحقیق موضوعات پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ بیدل کی دو مزید تصانیف ''نصائح پادشاہاں'' اور ''مثنوی سادہ و پرکار'' جن کا ابھی حال میں پتہ چلا ہے، ان کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اس طرح یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بیدلیات کی فہرست میں یہ کتاب ایک اہم اضافہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اہل علم میں اس کی پذیرائی ہوگی اور اس کاوش کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

حسن الظفر صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کے علاوہ لکھنؤ یونیورسٹی سے فارسی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۷۸ء سے لے کر ۲۰۰۶ء تک شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ فارسی زبان وادب میں ان کی مجموعی خدمات پر صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر اے۔ پی۔ جے عبدالکلام نے انہیں پریسی ڈنٹ ایوارڈ سے نوازا۔ ظفر صاحب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان میں رہ کر جدید فارسی زبان وادب میں مہارت اور تحریر وتقریر میں ایرانی لب ولہجہ میں دسترس حاصل کی چناں چہ ۱۹۷۸ء میں ایک اہم کتاب ''عصری فارسی شاعری اور شعراء'' کے نام سے تصنیف کی جو مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے اور اساتذہ وطلبہ میں کافی مقبول ہوئی۔ اس کے علاوہ امیر خسروؔ، بیدلؔ، غالبؔ، مولانا جلال الدین رومیؔ، تفتہؔ، اور غیاث الدینؔ وغیرہ پر بیسیوں مضامین لکھے اور مختلف قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کرکے مقالے پڑھے۔ ان کے مقالے زیادہ تر قند فارسی دہلی، دانش اسلام آباد، کتاب داری تہران، انڈو ایرانکا کلکتہ اور رضا لائبریری رام پور کے جرنل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس طرح وہ فارسی ادبیات سے متعلق مختلف زبانوں اور مختلف میدانوں میں اپنی مہارت کا ثبوت پیش کرتے رہے ہیں۔

رضا لائبریری رام پور کا شعبہ نشر واشاعت معتبر اور مشاہیر ادباء شعراء اور محققین کی معیاری کتابوں کو شائع کرتا رہا ہے۔ اسی سلسلے کی یہ کتاب ''مرزا عبدالقادر بیدل: حیات اور کارنامے'' بھی ہے۔ امید ہے کہ فارسی ادبیات سے ذوق وشوق رکھنے والے حضرات میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی اور رضا لائبریری کے اشاعتی پروگرام میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔

اس کتاب کی اشاعت کے لیے مہامہم شری بی۔ ایل۔ جوشی چیرمین رام پور رضا لائبریری بورڈ، شری جی پٹنائک، پرنسپل سکریٹری گورنر آف اتر پردیش، سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا، شری جواہر سرکار سکریٹری کلچر اور جوائنٹ سکریٹری ڈاکٹر ٹی کمار کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اشاعت کے لیے معقول وسائل فراہم کیے۔ اس کتاب کی اشاعت کے مختلف مراحل میں رضا لائبریری کے لائبریرین ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی، جناب عتیق جیلانی، ڈاکٹر عرفان احمد، ڈاکٹر ارشاد احمد نوگانوی، مس موہنی رانی اور مسز بلقیس فاروقی کے مفید مشورے شامل رہے اس لیے لائبریری ان حضرات کی ممنون ہے۔

(پروفیسر) شاہ عبدالسلام

افسر بکارِ خاص

رام پور رضا لائبریری، رام پور
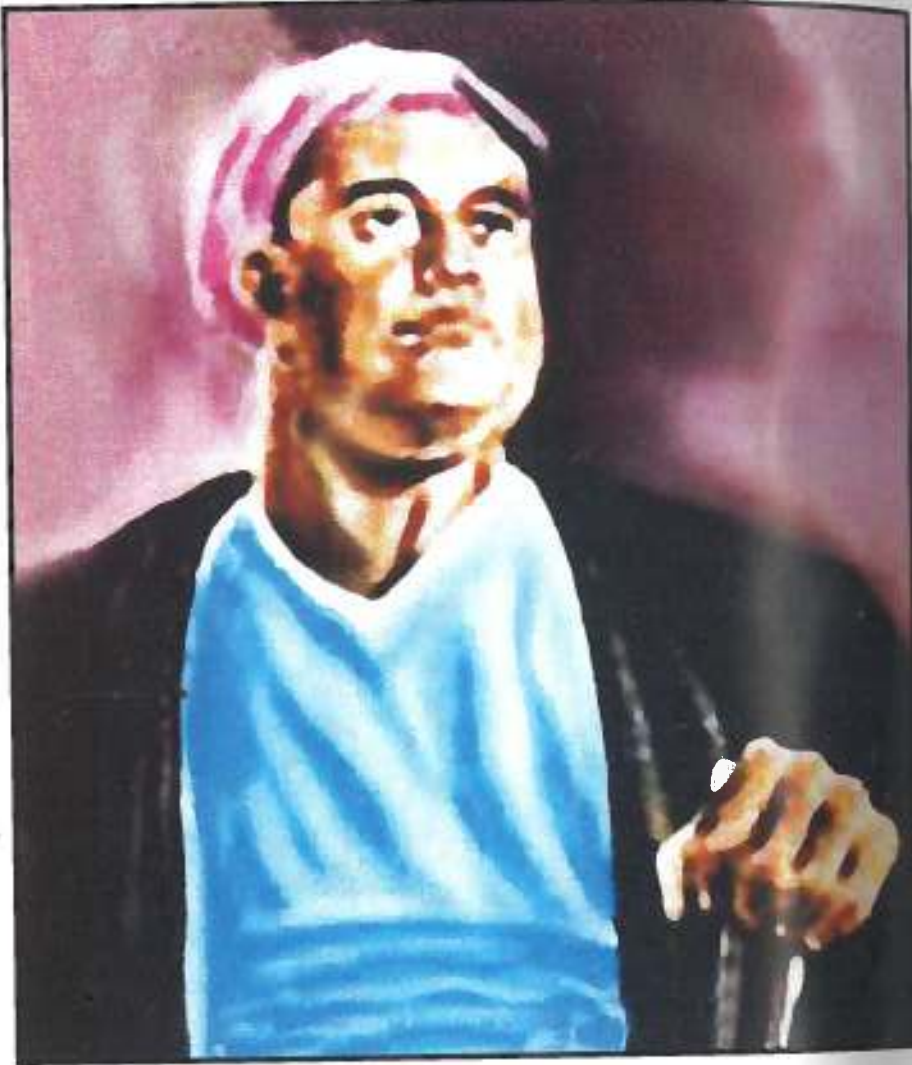
ابوالمعالی میرزا عبدالقادر بیدل

(بشکریہ جناب فائز الرحمٰن صاحب جنھوں نے افغانستان کے ویب سائٹ سے یہ تصویر حاصل کر کے فراہم کی۔)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اپنی بات

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم.

مرزا عبدالقادر بیدل (۱۰۵۴ھ تا ۱۱۳۳ھ/۱۶۴۴ تا ۱۷۲۰ء) کا شمار ہندوستانی اسلوب کے مشہور نمائندہ اور چوٹی کے شاعروں میں ہوتا ہے جس کا کلام ہندوستان کی سرحدوں کو پار کر کے مرکزی ایشیا کے ممالک افغانستان، ازبکستان، تاجیکستان اور ترکستان حتی کہ مدینہ منورہ تک پہنچ گیا اور اپنے وطن سے کہیں زیادہ ان ملکوں میں مقبول ہوا۔

بیدل کی زندگی، اس کی شاعری اور اس کے افکار و خیالات ایک عرصہ سے ملک و بیرون ملک کے دانشوروں کے درمیان موضوع بحث رہے ہیں۔ مجموعی طور پر ہم ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک گروہ مداحوں کا اور دوسرا نقادوں کا۔

اس طرح ہر ایک طبقہ (بہ استثنائے چند) کم وبیش افراط و تفریط کا شکار رہا ہے جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا۔

اس کے مداحوں میں ایک طرح کی خوش فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ اس کو ایک صوفی باصفا اور عارف و خداشناس سمجھتے ہیں۔ اس کی شخصیت کو بایزید، جنید اور ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہم کا ہم پلہ اور اس کے کلام کو سنائی، عطار اور رومی کا ہم رتبہ قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف نقادوں کا ایک طبقہ ہے جو اسے دروغ گو سمجھتا ہے اور اس کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے یہاں تک کہہ گیا ہے کہ بیدل نے شاعری کے حسین و جمیل پیکر کو مسخ کر دیا۔

بیدل کے بابت لوگوں کی آراء میں اس افراط و تفریط نے راقم السطور کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بیدل کی شخصیت اس کی شاعری اور افکار و خیالات کا دقیق و عمیق مطالعہ کر کے ان کا جامع اور ایماندارانہ جائزہ لیں۔

راقم السطور کی ساری توجہ اس نکتے پر مرکوز رہی ہے کہ بیدل کے بابت تذکرہ نگاروں کے مختلف بیانات، اس پر اب تک لکھی گئی کتابوں اور مقالوں نیز معاصر دانشوروں کی آراء سب کو سامنے

رکھ کر بیدل کے بیانات سے ان کا موازنہ کریں اس کے بعد مستند اور معتبر دلائل پر مبنی نتائج پر پہونچیں۔ راقم السطور کو اس سلسلے میں کتنی کامیابی ہوئی ہے اس کا فیصلہ قارئین حضرات کریں گے۔

بیدل پر اب تک جو کچھ تحقیقی یا سرسری کام ہوا ہے اس کا ایک مختصر تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بیدل کا تعارف سب سے پہلے اسداللہ خاں غالب (۱۷۹۷-۱۸۶۹ء) نے کیا جنہوں نے اپنے اشعار اور خطوط میں کبھی اس کو سراہا اور کبھی گرایا۔ کبھی اس کو ''محیط بی ساحل'' ''قلزم فیض'' ''صاحب جاہ و دستگاہ'' اور ''غیر نادان'' کے بھاری بھرکم القاب و آداب سے نوازا اور کبھی جادہ نشناس اور کج رفتار کا خطاب دیا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ''بیدل کی فارسی کیا'' دوسری جگہ کہتے ہیں ''بیدل کا شعر مجھ کو مزا دیتا ہے''۔ کہیں کہتے ہیں ''ٹکسال باہر ہے'' کہیں سند کے طور پر کہتے ہیں ''متاخرین میں سے بھی مرزا عبدالقادر بیدل کہتا ہے'' جو لوگ غالب اور بیدل کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہتے تھے ان کے لئے غالب کے یہ متضاد بیانات حیرانی اور ذہنی کشمکش کا باعث ثابت ہوئے ہیں لیکن ایک بات مسلّم ہے کہ بیدل کے کلام کی جو گہری چھاپ غالب کے ذہن و دماغ پر پڑی تھی اس کو دور کرنے کے سارے جتن کے باوجود وہ اسے دور نہ کر سکا اور اس کی ''بہار ایجادی'' اس پر چھائی رہی اسی لئے ان کے شاگرد رشید حالی نے لکھا ہے ''خیالات میں بیدلیت آخر تک قائم رہی۔''

اس طرح دیکھا جائے تو غالب پہلا شاعر اور ادیب ہے جس نے اردو فارسی کے دانشوروں کے درمیان بیدل کا تعارف کرایا اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بیدل کے کلام کی خصوصیات کا بھی مطالعہ کریں۔ یہاں سے بیدل اور غالب کے کلام کے تقابلی مطالعہ کا سلسلہ شروع ہوا اور مشہور ماہر غالبیات عابد علی عابد، پروفیسر حمید احمد خان، نیاز فتحپوری، ڈاکٹر عبدالغنی اور جگن ناتھ آزاد وغیرہ نے اس پر مقالے لکھے۔ ان کے علاوہ ضمنی طور پر حالی، شبلی، محمد حسین آزاد، یگانہ چنگیزی، غلام رسول مہر، آل احمد سرور، احتشام حسین، خلیل الرحمٰن، یوسف حسین خاں، رشید احمد اور قاضی عبدالودود وغیرہ نے بھی اس موضوع پر قلم فرسائی کی۔

غالب کے بعد اقبال نے اپنے اشعار اور ڈائری کے نوٹس کے ذریعہ بیدل کا تعارف کرایا ایک طرف اس کے لئے ''مرشد کامل'' کا لقب اختیار کر کے اس سے اپنی ارادت کا اظہار کیا تو دوسری جانب ڈائری میں بیدل سے اپنی ممنونیت، مسئلہ حیرت پر بیدل کے شعر سے حد درجہ تاثر اور بیدل کے کلام سے سند پیش کرنے کے علاوہ شنکراچاریہ کے بعد بیدل کو سب سے بڑا مفکر قرار دے کر، بیدل کے کلام کا ایک انتخاب تیار کر کے اور نکات بیدل کو پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کر کے بیدل کی اہمیت کو

اجاگر کیا۔ یہاں سے بیدل و اقبال کے تقابلی مطالعے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر معز الدین، ڈاکٹر محمد ریاض، پروفیسر عبدالحق اور ڈاکٹر اخلاق احمد آہن وغیرہ نے بیدل و اقبال کا تقابلی مطالعہ کر کے اس پر مقالے لکھے۔

احمد حسن شوکت ایڈیٹر ''شحنہ'' میرٹھ نے ۱۹۰۵ء میں ''نکات بیدل'' کا اردو ترجمہ ''حل نکات بیدل'' کے عنوان سے کیا۔ غلام یٰسین خان نیازی، بہ قول ڈاکٹر عبدالغنی، پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیدل کی زندگی اور اس کی تصانیف پر اپنا مقالہ لکھا جو اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۳۲ء میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔

نیاز فتحپوری ایڈیٹر ''نگار'' لکھنؤ نے اگرچہ بیدل پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی لیکن جو مضامین اپنے رسالہ نگار (۱۹۲۵ سے ۱۹۶۰ء) کے بارہ شماروں میں شائع کئے اور راقم السطور نے ان سب کو جمع کیا ہے، واضح کرتے ہیں کہ انہوں نے بیدل کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کی بنا پر وہ ہندستان کے صف اول کے بیدل شناسوں میں ہیں۔ یہ مضامین بیدل کی حیات، شاعری، فلسفہ، ملک کے دانشوروں کی رائے، بیدل پر تحقیق کی نوعیت اور بعض اشعار کی توضیح و تفسیر سے وابستہ ہیں۔

سید سلیمان ندویؒ سے بیدل کے ہم وطن ہونے کے ناطے توقع تھی کہ وہ بہت کچھ اس پر لکھتے لیکن انہوں نے صرف ایک مضمون ''کیا بیدل عظیم آبادی نہ تھے'' معارف اگست ۱۹۴۷ء میں شائع کیا۔

خواجہ عباداللہ اختر پہلے شخص ہیں جنہوں نے ۱۹۵۲ء میں ''بیدل'' کے عنوان سے اردو میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کو ثقافت اسلامیہ لاہور نے شایع کیا، انہوں نے بیدل کے حالات، شاعری خصوصاً تصوف پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس لحاظ سے وہ اہمیت کی حامل ہے۔

مجنوں گورکھپوری کا شمار اردو کے مشہور ادیبوں میں ہوتا ہے انہوں نے ۱۹۵۷ء میں بیدل پر ایک طویل مضمون لکھا جو بڑے سائز کے تقریباً ۲۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور مجلہ سویرا سالنامہ ۱۹۵۷ء میں ''پردیسی کے خطوط بیدل کے سلسلے میں'' کے عنوان سے شائع ہوا یہ مقالہ ان کو بیدل شناسوں کی صف اول میں جگہ دیتا ہے اس میں انہوں نے غالب و بیدل کا موازنہ، بیدل کو غالب پر ترجیح، بیدل کی شاعری، شخصیت، اس کے ہمہ گیر مقام، اس کی حق ناشناسی اور فلسفہ وغیرہ پر بڑی دلچسپ بحث کی ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی لاہور نے بیدل پر ایک مستقل کتاب ۱۹۶۰ء میں Life and Work of Bedil کے عنوان سے انگریزی میں لکھی، یہ درحقیقت ان کے پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جس کو یونائٹڈ پبلشر لمیٹڈ لاہور نے شایع کیا۔ میر محمد آصف انصاری نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ موصوف نے بہ قول خود اپنی سات سالہ تحقیق کے بعد اسے مکمل کیا۔ ان کا خیال ہے کہ بیدل کا کلام ایک بحر ذخار ہے جو آدمی

جتنی گہرائی میں اس کی اترے گا اسی قدر قیمتی موتی اس کے ہاتھ لگیں گے۔ پھر بھی تحقیق کی کوئی حد معین نہیں ہے ادھر چالیس سال کے عرصہ میں بہت سی تازہ دریافتیں ہوئی ہیں جن کی اساس پر اس میں حذف وترمیم کی گنجائش ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی نے کتاب کے علاوہ بیدل پر مضامین بھی لکھے ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے اور ۱۹۶۸ء میں ان کا مجموعہ ''روح بیدل'' اور ''فیض بیدل'' کے نام سے شائع ہوا۔ سارے مضامین نہایت قابل قدر ہیں۔۔ اور ان کی بنا پر وہ صف اول کے بیدل شناسوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر کاشی ناتھ پنڈتا (کشمیر یونیورسٹی) نے ۱۹۶۲ء میں ''شرح احوال و افکار بیدل عظیم آبادی'' کے عنوان سے پی ایچ.ڈی. کا ایک مقالہ فارسی میں تہران یونیورسٹی میں لکھا۔ ان کا کہنا ہے کہ دس سال بعد جب میں نے غور کیا تو محسوس ہوا کہ بہت سی باتیں اس میں کہنے کی رہ گئی ہیں اور بیدل کا تعارف جیسا چاہئے تھا نہیں کراس کا۔

شیخ اکرام نے اپنے کتاب شعرالعجم فی الہند میں بیدل کی حیات وشاعری پر مختصر بحث کی ہے، ان کا خیال ہے کہ بیدل کی کشف وکرامات اور تعویذ گنڈے کے ماحول میں پرورش ہوئی اس لئے انہوں نے دوراز ذہن دقیق وباریک افکار وخیالات کو عارفانہ تاویلات وتوجیہات کے ساتھ پیش کیا اور اپنے عہد کے خیال آفریں اور مضمون بند شاعر کہلائے۔

پروفیسر نورالحسن انصاری مرحوم نے ''فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب'' میں مختصر طور پر بیدل کی حیات اور شاعری سے بحث کی ہے جو ان کی کتاب کا ایک قابل قدر حصہ ہے۔ ظاہر ہے جو آدمی عہد اورنگ زیب کے تمام شاعروں اور ادیبوں کی تمام منثور ومنظور تالیفات وتصنیفات کا جائزہ لینے کی ذمہ داری لے گا وہ ہر ایک کے بارے میں ساری معلومات فراہم نہیں کرسکتا۔۔

پروفیسر نبی ہادی صاحب (علی گڑھ) نے ۱۹۸۱ء میں ''بیدل'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب سوانح، تنقید اور انتخاب کے عنوان سے تین حصوں پر منقسم ہے۔ انہوں نے بیدل کے حالات اور خیالات پر بحث کے دوران فطری ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا نیز بیدل کی زندگی کے بعض حالات اور ان کے اسلوب نگارش کا مذاق اڑایا ہے جس کی ایک سنجیدہ ادیب سے امید نہیں کی جاتی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ پروفیسر امیر حسن عابدی، یعقوب بزمی، غلام رسول خاں، شفیق خواجہ، فخر عالم، سید محمد اصغر، عبدالباری آسی، ضمیر علی بدایونی، ڈاکٹر محمد شفیع، اسرار احمد ندوی، شاہ ولی الرحمٰن کاکوروی، پروفیسر محمود عالم، شریف حسین قاسمی، شرف عالم، غلام غفور آرزو، علی محمد موذنی، ابوالقاسم رادفر، اسداللہ حبیب، عبدالخالق راشد، مہوش وحید دولت، نرگس جابری نسب، حسین فقہی، ادریس احمد، عزیز مجہور،

علی رضا مظفری۔ عطا کاکوی، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر سید حسن، کلیم سہسرامی، شوکت علی خاں، محمد صدیق، سمیع الحق، رضوان الحق ندوی، منظور الحسن برکاتی، سید علی حیدر، طلحہ رضوی برق، غلام مجتبی اور عطا کریم برق ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی حضرات ہیں جنہوں نے بیدل پر مضامین لکھے جو انٹرنیشنل کانفرنس پٹنہ اور دہلی میں پڑھے گئے۔ یہ مضامین بیدل کی زندگی، اس کی شاعری اور اس کے افکار وخیالات کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ہندستانی اور پاکستانی دانشوروں کے علاوہ افغانی، ایرانی اور تاجیکی دانشوروں نے بھی بیدل پر ہم کام کئے ہیں۔ ان میں صلاح الدین سلجوقی کی کتاب ''نقد بیدل'' سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ بظاہر یہ کتاب بیدل کے کلام کا تنقیدی مطالعہ ہے لیکن درحقیقت توصیفی مطالعہ ہے اس کے علاوہ انہوں نے بیدل کے حالات اور اس عہد کی سماجی کیفیت پر صرف ایک صفحہ لکھا ہے جو انتہائی تشنہ ہے۔ استاد خلیل اللہ خلیلی نے ایک کتاب ''فیض قدس'' کے نام سے ۱۹۵۵ء میں لکھ کر شائع کی۔ یہ کتاب بڑے سائز میں ایک سو دو صفحے پر مشتمل ہے اور اس میں زیادہ تر بیدل کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔ خلیلی کا سب سے بڑا کارنامہ کلیات بیدل کو چار جلدوں میں ایڈٹ کر کے شائع کرنا ہے اس طرح بیدل کی ساری تصانیف ان کی نظر سے گذر گئی اور تصحیح کی ذمہ داری کی وجہ سے ان کو غور سے پڑھنے کا موقعہ بھی انہیں ملا۔

پروفیسر غلام حسن مجددی نے ایک کتاب ''بیدل شناسی'' کے عنوان سے دو جلدوں میں لکھ کر کابل یونیورسٹی سے شائع کیا اس میں زیادہ تر ''فیض قدس، نقد بیدل اور ڈاکٹر عبدالغنی کی کتاب ''احوال وآثار بیدل'' سے ماخوذ اقتباسات ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ بہت سے مضامین بھی افغانستان میں بیدل پر شائع ہوئے جن کو ''سی مقالہ دربارہ بیدل'' کے عنوان سے محمد سرور پاکفر نے ۱۹۸۴ء میں ایک جگہ مرتب کر کے شائع کیا۔ اس کے مضمون نگار قاری عبداللہ، عبدالحی حبیب، محمد ابراہیم خلیل، محمد اسمٰعیل اسبق، محمد داؤد الحسینی، طاہر بدخشی، عالم شاہی، محمد حیدر ژوبل، سرور گویا، پروفیسر نورانی، شفیعی کدکنی، مولانا خستہ اسداللہ حبیب، غلام حسن مجددی، رضوان حسین، میر نعمت اللہ حباب، عارف پژماں وغیرہ ہیں۔ ان سب نے بیدل کی زندگی اور اس کی شاعری کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ ان حضرات کے علاوہ محمد عثمان خواجہ، محمد کاظم کاظمی، عبدالعزیز مہجور نے بھی مقالے اور کتابچے لکھے ہیں۔

تاجکستان میں بھی بیدل پر خاصا کام ہوا ہے ایک افغانی دانشور ڈاکٹر اسداللہ حبیب نے ''بیدل شناسی در اتحاد جماہیر شوروی'' کے عنوان سے ایک مقالہ مجلہ ادب کابل دورہ ۲۱ شمارہ ۵، ۶ میں

شائع کیا۔ تاجیکی دانشوروں میں صدرالدین عینی کی کتاب ''بیدل'' اور ان کی صاحبزادی خالدہ عینی کی کتاب ''مثنوی عرفان'' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ جان ریپکا اور یرژی بچکا نے اپنی کتابوں میں ان کے حوالے دیئے ہیں۔ خاکسار نے صدرالدین کی کتاب روسی رسم الخط میں پروفیسر سید حسن مرحوم پٹنہ کے پاس دیکھی تھی اس لئے اس سے استفادہ تو ممکن نہیں ہوسکا۔ ہاں اسد اللہ حبیب نے جو کچھ اس کے بابت لکھا ہے اس سے اندازہ ہوا کہ عینی کو بیدل کے سلسلے میں بہت سی جگہ غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ حال ہی میں عبدالغنی مرزائیف اور اسلام شاہ محمد اوف اور الیاس نظام الدین اوف نے بھی بیدل پر کتابیں لکھی ہیں مگر ان کا مآخذ عینی کی کتاب ہے۔

یرژی بچکا نے ''ادبیات فارسی در تاجیکستان'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں ''بیدل و بیدل گرائی'' کے عنوان سے ایک پوری فصل لکھ ڈالی جس میں تاجیکی دانشوروں کے کام کا ایک جائزہ ہے۔ جان ریپکا Jan Rypka نے اپنی کتاب Literary History of Iran میں اس فصل کو قدرے تبدیلی کے ساتھ جوں کا توں نقل کردیا۔

پروفیسر عبدالغنی مرزائیف نے ایک مقالہ ''روابط ادبی ماوراءالنہر، افغانستان وسند در زمینہ گسترش مکتب ادبی بیدل'' کے عنوان سے لکھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں بیدل کی وفات کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ اس کی تصانیف سند اور پاکستان کے راستے افغانستان اور وہاں سے ماوراءالنہر پہونچیں۔ یہاں کے شاعروں نے جب بیدل کے کلام کا مطالعہ کیا تو اسے اپنے ذوق سے ہماہنگ پاکر فوراً اس کی پیروی شروع کردی۔ بیدل کا اسلوب اور اس کے عارفانہ افکار و خیالات چونکہ ماوراءالنہر شاعروں کے رجحان طبع سے ہماہنگ تھے اس لئے اس کے طرفداروں میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا۔

ایران میں بیدل شناسی کا جائزہ مشہور شاعر و ادیب حسن حسینی نے لیا ہے ذیل میں اس کا خلاصہ انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''ایران میں بیدل شناسی کا سلسلہ ذرا دیر سے شروع ہوا۔ انقلاب اسلامی سے پہلے ایرانی نقاد بیدل کی شاعری اور اس کے اسلوب کی اکثر مخالفت ہی کرتے تھے اس عہد میں جب کبھی ہندستانی اسلوب اور اس کے سوقیانہ پن کا تذکرہ کرنا منظور ہوتا تو از راہ طنز بیدل کا نام بیچ میں ضرور گھسیٹ لیا جاتا۔ درحقیقت اس عہد کے نقاد شبلی نعمانی اور اڈورڈ براؤن کے سر میں سر ملا کر گاتے رہے ہیں۔ البتہ یہ زمانہ خارج آہنگ، نغمے سے یکسر خالی نہیں رہا۔ علی دشتی کے نزدیک ''نگاہی بہ صایب'' میں بیدل صایب کا زبردست رقیب ہے۔

معاصر نقاد، مترجم، اور شاعر ڈاکٹر شفیعی کدکنی کے نقطہ نظر سے اس زمانے یعنی ۱۳۴۷/ ۱۹۶۹ء میں بیدل اور اس کا کلام مجموعی طور پر ان جواں ایرانی شاعروں کے لئے درس عبرت ہے جن کی دیدہ و دانستہ یہ کوشش رہتی ہے کہ اس انداز سے شاعری کریں کہ کسی کے پلّے ہی نہ پڑے اور سمجھتے ہیں کہ ابہام اور وہ بھی جھوٹی نوعیت کا دانستہ ابہام ان کے کلام کو پائیدار اور زندہ جاوید کردے گا اور فارسی زبان کے عظیم شاعروں کی تخلیقات کے دوش بدوش ان کو بھی آنے والی نسل کے لئے محفوظ کردے گا۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد بیدل کی شاعری پر دھیرے دھیرے سنجیدگی سے توجہ دی جانے لگی۔ اس سلسلے میں علی معلم پہلا شاعر ہے جس نے اس دور کے جواں شاعروں میں بیدل کے نام کا چرچا کیا۔

بر سخن غالب نہ شد چوں ما معلم تا کسی   ریزہ خوار خوان عبدالقادر بیدل نہ شد

(معلم کی طرح کوئی شخص شاعری میں کمال حاصل نہ کرسکا جب تک کہ وہ خواں بیدل کا ریزہ خوار (جوٹھا کھانے والا) نہیں ہوا۔

معلم ایک ایسا شاعر ہے جس نے اپنی مثنویوں میں بیدل کی سنجیدہ زبان وخیال کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا ہے اور چونکہ معلم کا کلام اپنے رزمیہ لہجے کی بنا پر مختلف انداز سے انقلاب اسلامی کے بعد کے اکثر شاعروں پر اثر انداز ہوا ہے اس لئے ایک طرح سے معلم انقلاب اسلامی کے بعد کے شاعروں پر بیدل کی بالواسطہ اثر اندازی کا ذریعہ بنا ہے۔

اس دور کے جوان شاعروں میں یوسف علی میرشکاک پہلا شاعر ہے جو معلم سے اپنی والہانہ وابستگی کی وجہ سے بیدل اور اس کے سحر آمیز کلام کا دلدادہ ہوا اس نے ۶۰-۱۳۵۹/ ۸۲-۱۹۸۱ء میں بیدل کے حالات اور شاعری پر چند مقالے روزنامہ جمہوری اسلامی میں شائع کئے، اس کے بعد بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے غزلیات بیدل کو دو جلدوں میں آفسٹ پر چھپوایا۔ اس طرح ایران میں ادب دوست حضرات کو بیدل کے کلام سے آشنائی حاصل کرنے کے لئے یہ ایک اولین سنجیدہ اور مؤثر کوشش تھی۔

بیدل کی غزلیات کے مطالعہ کے بعد مضمون نگار (حسن حسینی) نے ''حوزہ اندیشہ و ہنر اسلامی'' کے چند ہفتہ وار جلسوں میں بیدل کی شاعرانہ خصوصیات اور ہندوستانی اسلوب پر گفتگو کی۔ ان گفتگوؤں کے ماحصل کو چند دوسرے مقالوں کے ساتھ ملا کر ایک مستقل کتاب ''بیدل و سپہری و سبک ہندی'' کی شکل دیدی جس میں ہندستانی اسلوب کی خصوصیات، بیدل کی شاعری اور عصری فارسی شاعری کی ایک شاخ پر اس کے اثرات سے بحث کی گئی ہے۔ ۱۳۶۶/ ۱۹۸۸ء کے موسم سرما میں بیدل کی چند چیدہ غزلیات اور رباعیات ڈاکٹر شفیعی کدکنی- جو ایران میں بیدل شناسی کے واقعی ہیرو ہیں -کے چند

مقالوں کے ساتھ ''شاعرِ آئینہ ہا'' کے نام سے شائع ہوئیں۔۔ یونیورسٹی کے اساتذہ اور فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے حلقوں میں اس کا بڑی گرمجوشی سے استقبال ہوا''۔

ایران کے بیدل شناسوں میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا بھی ہیں۔ انہوں نے تاریخ ادبیات ایران میں چار صفحات بیدل اور اس کی شاعری کے لئے مخصوص کئے ہیں۔ انہوں نے انقلاب سے پہلے عام ایرانی نقادوں کی طرح اس سے بحث کی ہے مگر آخر میں ان الفاظ میں اس کی ستایش بھی کی ہے:

''بیدل کے بابت چاہے جو کچھ کہا جائے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے خیالات کی لہروں میں کبھی کبھی صفائی اور پاکیزگی بھی ہوتی ہے جس کو نظر انداز کرنا ایک قسم کی ناانصافی ہوگی۔''

حسن حسینی کی کتاب ''بیدل و سپہری و سبک ہندی'' کا تذکرہ ان کے اپنے مضمون میں گذر چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسینی ایران میں بیدل کی دفاع کی ذمہ داری نہایت حسن وخوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید علی محمد سجادی نے ''بیدل در دیار بیدلاں'' کے عنوان سے ایک مقالہ مجلّہ دانشکدہ ادبیات وعلوم انسانی شمارہ ۶ میں شائع کیا بہت اچھا مقالہ ہے اور ایک نا آشنا دوست کی حیثیت سے انہوں نے اپنا مقالہ میرے پاس بھیجنے کی زحمت کی۔ ان حضرات کے علاوہ سعیدی سیر جانی اور خسرو فرشید ورد نے اپنے مضامین میں بیدل کا حوالہ دیا ہے۔

بیدل کے یورپین مصنفین میں الکزنڈر بوزانی واحد شخص ہیں جنہوں نے بیدل کا سنجیدہ مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے کابل یونیورسٹی کے ہال میں بیدل پر تین اہم مقالے پڑھے ''وصف طبیعت دراشعار بیدل'' ''ملاحظات درباره ریالزم بیدل'' نظریات ایک دانشمند اروپائی درباره بیدل'' یہ تینوں مقالے کتاب بیدل شناسی میں شامل ہیں۔

راقم السطور نہایت ایمانداری اور خلوص کے ساتھ اعتراف کرتا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں ان سب کتابوں، مقالوں اور مضامین سے استفادہ کیا ہے اور جابجا ان کے حوالے دیئے ہیں۔

ان تصانیف کی موجودگی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیدل پر مزید تحقیقی کام کی پھر کیا ضرورت اور اہمیت رہ جاتی ہے اس سلسلے میں عرض ہے کہ تحقیق کی کوئی آخری حد نہیں ہوتی ہے۔ خود بیدل کا یہی نظریہ ہے

ہر کس اینجا از مقام و حال خود گوید خبر

جس کو جتنا مواد مل سکا اور جتنی گہرائی سے بیدل کا مطالعہ کیا ان کی روشنی میں اس نے جو کچھ سمجھا لکھا۔ راقم السطور نے بھی جو کچھ لکھا اس کے بابت یہی خیال ہے کہ وہ میری حد نظر ہے۔ ہوسکتا

ہے آئندہ نسل میں ایسا کوئی دیدہ ور پیدا ہو جو اس حد کو پار کر کے آگے بڑھ جائے۔ ان تخلیقات میں بیدل کی زندگی اور کارناموں کے کسی ایک پہلو پر زیادہ روشنی ڈالی گئی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ بیدل کا ایک جامع ومانع مطالعہ کیا جائے جس میں اس کے حالات کے مختلف فیہ مسائل خصوصاً جائے پیدائش، سفر لاہور، اعظم شاہ کے دربار میں ملازمت کی مدت، استعفا کا مسئلہ، مسئلہ قیامت پر بیدل کا نظریہ وغیرہ، سماج کے مختلف طبقات سے اس کے تعلقات اس کی نثری وشعری تصنیفات اور اس کے عرفانی، دینی، اخلاقی، سماجی، سیاسی، علمی وادبی افکار وخیالات کا وسیع پیمانے پر جائزہ لیا جائے اور ایک مستند مرقع پیش کیا جائے، اس کتاب کے بابت خود کچھ کہنا منہ میاں مٹھو بننے کے برابر ہے البتہ ہندوستان کے مشہور محقق پروفیسر نذیر احمد اور پروفیسر رفیع الدین کی رائے ذیل میں دی جاتی ہیں جس سے اتنی ساری کتابوں اور مقالوں کے درمیان اس کی حیثیت واضح ہو سکے گی۔ پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:

''بیدل چونکہ فارسی کا ایک عظیم مشکل پسند شاعر سمجھا جاتا ہے اس لئے بہت کم لوگوں نے اس کے حالات اور تصنیفات کا جامع مطالعہ کیا ہے یہ بات اطمینان بخش ہے کہ احسن الظفر صاحب نے اس شاعر کے سنجیدہ مطالعہ کی ذمہ داری سنبھالی اور ایک گرانقدر اور معیاری مقالہ سپرد قلم کیا۔ شاعر کی زندگی اور کلام سے متعلق دستیاب تمام مواد کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان کا شاعر کی خود اپنی تصانیف سے حاصل ہونے والی معلومات سے موازنہ کیا۔ بیدل سے متعلق جملہ معلومات کو اکٹھا کر کے ان کا تقابلی مطالعہ کر کے صحیح نتائج پر پہنچنے اور بیدل کی حقیقی ادبی حیثیت متعین کرنے میں مصنف نے غیر معمولی کاوش اور صلاحیت کا مظاہرہ کیا اور ایک مشکل موضوع کو نہایت کامیابی کے ساتھ نبھایا، اس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں''۔

ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں:

''مصنف نے بیدل کے حالات مفصل اور جامع شکل میں پیش کئے ہیں اور اس کی تصانیف کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے، جن نتائج پر وہ پہونچا ہے مجموعی طور پر توازن اور انصاف پر مبنی ہیں۔ یہ تصنیف مصنف کی نئے حقائق کی دریافت اور معلوم شدہ حقائق کو نئی تعبیر دینے کی صلاحیت پر گواہ ہے۔ اسلوب نگارش بھی بہت دلچسپ اور واضح ہے۔''

آخر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی طرح کا تعاون کیا خصوصاً اپنے شفیق ومخلص استاد ونگراں پروفیسر ولی الحق انصاری کا جنہوں نے اپنی گرانقدر آرا کے ساتھ پوری یکسوئی سے کام کرنے کا موقعہ فراہم کیا اور کئی اہم قلمی اور مطبوعہ نسخے اپنے ذاتی کتب خانہ سے مطالعہ کے لئے عطا کئے، پروفیسر نیر مسعود صاحب کا جنہوں نے کلیات بیدل

مطبوعہ کابل کے علاوہ اپنے ذاتی کتب سے فراخدلی سے استفادہ کا موقعہ دیا، پروفیسر حکیم الدین قریشی سابق صدر شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کا جن کے ذریعہ پروفیسر پنڈتا اور پروفیسر میر حسن شاہ سے تعارف اور تعاون دونوں حاصل ہوا، امتیاز علی خاں عرشی ناظم رضا لائبریری رامپور، نثار احمد صاحب استاد ندوۃ العلماء عزیز دوست ڈاکٹر سید حسن عباس صاحب بنارس یونیورسٹی، محمد حسین رضوی لائبریرین آزاد لائبریری علی گڈھ، اسلم محمود صاحب، محمد ہاشم کاردوش سابق کلچر کونسلر ایرانی سفارتخانہ دہلی کا جنہوں نے بہت سی ادبی اور تنقیدی کتابیں تحفے میں عطا کیں، ڈائرکٹر برٹش میوزیم لندن کا جنہوں نے بیاض بیدل کے ایک صفحے کا فوٹو بھیجا۔ ان کے علاوہ قاضی عبدالودود صاحب، پروفیسر عطاء الرحمٰن عطا کاکوی صاحب، پروفیسر سید حسن صاحب، پروفیسر حسن عسکری صاحب، پروفیسر امیر حسن عابدی صاحب، پروفیسر فیاض حیدر و جمیل مظہری کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے ان حضرات نے انٹرویو کے دوران قیمتی مشورے کے ساتھ رہنمائی کے فرائض انجام دیئے اور ریسرچ اس کالرز عزیزی احمد حسن صاحب کا جنہوں نے کمپوژنگ کا بڑا اہم کام انجادیا۔

آخر میں قارئین سے گذارش ہے کہ راقم السطور شاعر نہیں ہے اس کے باوجود بیدل کے بعض اشعار کا منظوم ترجمہ کرنے کی سعی غیر مشکور کی ہے۔ اس میں شاعرانہ خامیاں اگر نظر آئیں (ضرور نظر آئیں گی) تو ان سے چشم پوشی کی جائے، مقصود صرف مفہوم کا ادا کرنا ہے۔

سید احسن الظفر
لکھنؤ، ۲۰۰۹ء

باب اوّل

۱۰۵۴ہجری تا ۱۱۳۳ہجری ۱۶۶۴ء تا ۱۷۲۰ء
کے دوران ہندستان کے سیاسی سماجی اور ادبی حالات

ہستی جز جانکنی و خون خوردن نیست
از عالم مرگ و عیش جان بردن نیست
در خلق، برون خلق بودن غلط است
صحبت با زندگی است، بامردن نیست (بیدل(۱)

کہتے ہیں جس کو 'ہستی' وہ ہے جانکنی کا نام
ممکن نہیں بچے کوئی موت و حیات سے
مخلوق سے فرار نہیں رہ کے ان کے بیچ
صحبت تو زندگی سے ہے، نہ کہ ممات سے

فنکار کے ماحول کا مطالعہ ضروری کیوں؟

ہر مقامی معنی تغییر ما می پرورد
آب اگر در برگ باشد، سبز و بر گل احمر است (بیدل)
ہوتا ہے ہر جگہ کا تقاضا الگ الگ
پتے پہ قطرہ سبز ہے تو پنکھڑی پہ لال

''ہر فضا مستلزم ہوائیست و ہر پردہ مقتضای نوائی'' (۲)
ہر فضا کی ایک مخصوص ہوا ہوتی ہے اور ہر راگ کی ایک مخصوص صدا۔

مشہور افغانی دانشور صلاح الدین سلجوقی نے بیدل پر ایک اہم تصنیف ''نقد بیدل'' کے نام سے لکھی ہے۔ یہ گرانقدر تصنیف درحقیقت بیدل کے کلام کا تنقیدی مطالعہ (بہ قول شفیعی کدکنی، توصیفی و تعریفی مطالعہ) ہے اس لئے بیدل کے حالات زندگی کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر نکتہ اس میں نظر نہیں آتا۔

بیدل کے مزار، ان کے چچا مرزا قلندر، ماموں مرزا ظریف، بیدل کی جسمانی توانائی، ان کے مخصوص عصا ''نولاسی''، مدح سرائی سے ان کے اجتناب اور اعظم شاہ کی ملازمت سے استعفی وغیرہ سے متعلق انتہائی مختصر معلومات جو تقریباً نیم صفحے پر پھیلی ہوئی ہے، فراہم کرنے کے بعد، ان کے تفصیلی حالات سے پہلو تہی کرنے کا درج ذیل سبب سلجوقی نے بتایا ہے:

''راقم السطور چونکہ مؤرخ نہیں ہے اس لئے کسی عالم، ادیب اور فلسفی کا اس کے کلام کے علاوہ کسی اور جگہ مطالعہ کرنا مجھے گوارا نہیں۔ درج بالا چند کلمے بھی دوسروں کی زبانی نقل کر دئے ہیں تا کہ جن لوگوں نے بیدل کی حیات کے بارے میں دوسروں کی تصانیف کا مطالعہ نہیں کیا ہے ان کو اس کی زندگی کی کم از کم مختصر معلومات تو حاصل ہو ہی جائیں، ورنہ جہاں تک میرا تعلق ہے بیدل کے حسب و نسب، حالات زندگی اور ماحول کے مطالعہ کے سلسلے میں اُن کا صرف یہ شعر میرے لئے کافی ہے۔

چہ شد اطلس فلکی قبا کہ درید آن ملکی ردا
کہ درین زیانکدہ فنا پی یک دو گز کفن آمدی
[ہوا کیا ترا فلکی قبا، کیا چاک جس کو مَلَک نے ہے
کہ فنا کے اس مقام پہ نہیں کچھ سوائے کفن کے ہے]

بیدل اور مولانا جلال الدین رومی اپنے قلمی، روحانی اور افادی پہلو کے لحاظ سے عظیم ہستیاں تھیں۔ ان کی بزرگی اور عظمت ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ ان کے کلے جبڑے، تن و توش، فقر و غنا خورد و نوش، خواب و بیداری، لین دین اور قوم و برادری میں نہیں ہے۔ اس نوع کے واقعات ایک نابغہ عصر آدمی کے پایے کو ایک عام آدمی کے رتبے تک گرا دیتے ہیں۔ جو چیز ان کے امتیاز کا سبب ہے وہ ہے ان کا کلام جو عوام کو بتانا اور سمجھانا چاہئے۔'' (۳)

فاضل مصنف نے بیدل کے سوانح حیات کو قلم بند نہ کرنے کے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ خالی از تردید نہیں ہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے انسان ماحول کا پیداوار اور اس کا پروردہ ہوتا ہے۔ ماحول کی اثر پذیری سے وہ خود کو کسی طرح بچا نہیں سکتا۔ چنانچہ بیدل کہتا ہے:

ہر مقامی معنی تغییر ما می پرورد
آب اگر در برگ باشد سبز، و بر گل احمر است

(ہر مقام مخصوص قسم کی تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے۔ پانی اگر پتے پر ہو تو سبز اور پھول کی پنکھڑی پر ہو تو سرخ نظر آتا ہے) خصوصاً ایک شاعر کی روحانی اور فکری ارتقاء اور اس کے افکار و خیالات کے سوتے کی دریافت منظور ہو تو اس کے تفصیلی حالات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ رہی یہ بات کہ ایک فلسفی، ادیب اور عالم کا مطالعہ صرف اس کے کلام کے ذریعہ کرنا چاہئے تو بہت ممکن ہے اس کے افکار و خیالات پر بحث کے دوران یہ امر کسی غلط فہمی پر منتہی ہو، کیونکہ بہت سے اشعار مخصوص واقعات کے زیر اثر شعری لباس اختیار کرتے ہیں۔ ایسی شکل میں ضروری ہے کہ ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر اس کے کلام کا مطالعہ کریں۔ بیدل عنصر دوم کے آغاز میں لکھتا ہے:

''از آنجملہ وارداتیکہ در ضمن بعضی احوال از پردۂ تامل ظہور نمودہ بود، و در ذیل فواید صحبتہا از تتق بیرنگی چہرہ وقوع کشود، بہ جلوہ گاہ تحریر می آرد، تا مبرہن گردد کہ خیالات بیدلی نیز عالمی دارد'' (۴)

یعنی منجملہ ان کے وہ واقعات و واردات ہیں جو بعض حالات کے تحت پردۂ تامل سے منصۂ شہود پر رونما ہوئے اور فواید صحبت کے ذیل میں پردہ بیرنگی سے وقوع پذیر ہوئے، ان کو اس لئے رشتہ تحریر میں لایا تا کہ یہ واضح ہو کہ بیدل کے افکار و خیالات کی اپنی ایک الگ دنیا ہے۔

اسی طرح عنصر چہارم کے آغاز میں لکھتا ہے۔

''درین عنصر، مطرب انجمن تقریر را، بہ انشای رموز بعضی مقامات آہنگ منتخب نوائیست۔ و نقاش صورت خامہ تحریر را، در پرداز نقوش بعضی احوال، رنگی بگردش ذوق رنگین ادائی۔

"تا گوش اثر اسرار نیوش بزمزمۂ قانون بیدلی بساط تغافل نہ چیند۔ ونگاہ معنی از ین رنگ شکستہ بال غبار انحراف نہ بیند"۔ (۵)

یعنی اس (چوتھے) عنصر میں انجمن تقریر کے مطرب (بیدل) کو بعض مقامات کے اسرار ورموز لکھ کر ان سے پردہ اٹھانے کا ارادہ ہے اور صورت خامہ تحریر کے نقاش (بیدل) کو بعض حالات کی نقاشی میں رنگین ادائی کے ذوق میں رنگ آمیزی کرنا ہے۔ تا کہ گوش اسرار نیوش بیدل کے نغموں پر غفلت کا فرش نہ بچھائے (ان پر توجہ کرے) اور نگاہ معنی آگاہ کو اس شکستہ بال کے رنگ سے انحراف کی گرد نہ دیکھنی پڑے۔

درج بالا دونوں اقتباس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے واقعات وحالات کے زیر اثر، نیز روحانی اساتذہ کی خدمت اور صحبت میں حصول فیض کے دوران، بیدل نے اپنے افکار وخیالات کو نظم کا روپ بخشا۔ اس لئے اس کے افکار وخیالات کو اس کی زندگی ساتھ وہی نسبت ہے جو جان کو جسم کے ساتھ ہے۔

اس بنا پر بیدل کے حسب ونسب، حالات زندگی اور ماحول کی وضاحت بھی اسی درجے اہم ہے۔ کیونکہ ماحول اور نسلی خصوصیات انسانی زندگی کے دھارے کی تعیین میں دو اہم عامل تسلیم کئے گیے ہیں جو فنکار کی شخصیت کی تعمیر اور اس کی معنوی وروحانی ارتقا میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ بیدلؔ ماحول کی اہمیت کے بارے میں ایک جگہ لکھتا ہے:

"تا نسخہ اندیشہ، از ہستی رقم تو ہمی دارد، باہر ز ہ سوادان مکتب امتیاز ہم سبق بودن ناچاریست۔ وتا خامہ ما ومن، از نفس سطر خیالی می نگارد، بہم مشقی اطفال این دبستان فرسودن بی اختیاری۔ در آب افتادہ راہوای دست از خشکی شستن تری فطرتست۔ ودر آتش نشستہ را، دعوی دامن از دور کشیدن داغ خجلت۔" (۶)

نسخہ فکر کو جب تک "ہستی" کی وہمی تحریر منظور ہے، مکتب امتیاز کے "بیہودہ سوادوں" کا ہم سبق رہنا ناگزیر ہے۔ اور جب تک 'ما و من' کا قلم صفحۂ سانس پر سطر خیالی لکھتا رہے گا اس مکتب کے بچوں کے ساتھ مشق وتمرین کا سلسلہ لازم ہے۔ دریا میں غرق آدمی کو خشکی سے دست کشی کی خواہش تری فطرت (خلاف فطرت) ہے اور آگ میں پڑے آدمی کو دور سے دامن کشی کا دعوی ندامت وپشیمانی کا داغ ہے۔

"تا نفس باقیست باید با علائق زیستن"

مشہور ایرانی نقاد مجید یکتائی اپنے ایک مقالہ "ہنر چیست" میں فن سے متعلق بعض ادیبوں کی

رائے سے استناد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فنکار کی شخصیت کی تعمیر اپنے سماج اور ماحول سے ہوتی ہے۔ نہ صرف سماجی عوامل بلکہ فطری عوامل جیسے آب وہوا اور سرزمین کا بھی اس پر اثر ہوتا ہے۔ اور یہ اثر فنکار کے تخلیقی عمل میں مفید ثابت ہوتا ہے۔" (۷)

مشہور معاصر ایرانی نقاد وادیب ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری زندگی کی ذاتی خصوصیات کو فنکار کی تخلیقات کی پرکھ میں اگرچہ موثر نہیں سمجھتے لیکن عظیم شاعروں کو اس اصول سے مستثنٰی سمجھتے ہیں، لکھتے ہیں:

"یہ صحیح ہے کہ دنیا کے محققین اور ناقدین اکثر بڑے ادیبوں اور شاعروں کی زندگی کی جزئیات کے متعلق بہت زیادہ غور وفکر کرتے ہیں لیکن اس قسم کی تحقیقات کا موقعہ جب ہے جب ان کے مقام بلند کو عام طور سے تسلیم کیا جاتا ہو۔ شیکسپیر گوئٹے، وکٹور ہوگو جیسے ہر ایک ادیب وشاعر کی خصوصی زندگی سے متعلق ہزار سے اوپر کتابیں، رسالے اور مقالے لکھے گئے ہیں"۔ (۸)

اور اس میں شک نہیں کہ بیدل کا شمار بھی عظیم شاعروں کی فہرست میں ہوتا ہے۔

اس باب میں ہم ان سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی حالات کا مختصر جائزہ لیں گے جن میں بیدل نے آنکھ کھولی اور اپنی زندگی کے قیمتی لمحات گزارے۔

سیاسی حالات:

ابو المعانی مرزا عبدالقادر بیدل ۱۰۵۴ ہجری ۴۵-۱۶۴۴ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۱۱۳۳ ہجری ۱۷۲۰ عیسوی میں وفات پائی۔ اس طرح بیدل نے شاہجہاں، اورنگ زیب، شاہ عالم بہادر شاہ، جہاندار شاہ، فرخ سیر اور احمد شاہ رنگیلے چھ مغل سلاطین کے عہد کا نہ صرف یہ کہ آنکھوں سے مشاہدہ کیا بلکہ ان کے عروج وزوال اور بلندی وپستی کے دوران اپنی زندگی کے مختلف ادوار گزارے اور ان کے ساتھ ساتھ ابھرتے ڈوبتے رہے۔

عہد شاہجہاں:

مشہور مغل بادشاہ محمد شہاب الدین شاہجہاں ۱۰۳۷ ہجری ۱۶۲۸ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے ۱۶، ۱۷ سال بعد ۱۰۵۴ ہجری ۴۵-۱۶۴۴ عیسوی میں بیدل پیدا ہوا۔ اس عرصے میں شاہجہاں نے لگاتار کامیابیوں کی بدولت اپنی حکومت کی اساس مستحکم کر لی تھی۔ اس کے عہد میں پورے ملک میں

امن وامان کا دور دورہ تھا۔

مشہور چکوسلوا کی مصنف یان ریکا(JAN RYPKA) کا خیال ہے کہ مغلیہ سلطنت کا زوال جہانگیر اور شاہجہاں ہی کے دور سے شروع ہوگیا تھا۔ دونوں نے اکبر کی پالیسی کے خلاف منفی ردعمل کا اظہار کیا۔ خصوصاً شاہجہاں نے اپنے عہد میں تاج محل اور تخت طاؤس کی تعمیر پر بے حساب دولت خرچ کرکے ملک کی معیشت پر کاری ضرب لگائی تھی۔(۹)

لیکن بیدل نے ۱۰۷۶ ہجری میں شاہجہاں کی وفات پر جو مرثیہ اس کی تعزیت میں کہا ہے وہ بالکل اس کے برعکس تصویر پیش کرتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یاد آن موسم کہ بی وہم بہار و فصل دی   داشت مینای فلک جام طرب لبریز می

اس دور کو یاد کرتا ہوں جب مینائے فلک کا جام طرب موسم بہار کا تصور کئے بغیر شراب سے لبریز رہا کرتا تھا۔

انجمن نازاں، چمن خنداں، طراوت گل فشاں   شاخ گل رقّاص، و بلبل بستہ در منقار نی

انجمن کشور اپنے حالات پر ناز کرتی تھی، چمن دہر میں ہر طرف مسُکان پھیلی رہتی تھی اور تروتازگی ہر جگہ گل افشانی کرتی تھی، پھول کی شاخ عالم مستی میں رقص کرتی اور بلبل مارے خوشی کے چہکا کرتی تھی۔

دور سعدی بود و عہد امن و ایام شریف   خلق در حمد خدا از عدل شاہ نیک پی

وہ ایک خوشگوار اور مبارک عہد تھا، ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا اور نیک دل بادشاہ کے عدل وانصاف سے خوش ہوکر عوام خدا کی حمد وستایش میں لگی رہتی تھی۔

کامران شاہی چو او نگزشتہ در اقلیم دہر   کم ترین چاکرانش بادشاہ مصر و ری(۱۰)

زمانے میں اس جیسا کوئی کامیاب بادشاہ نہیں گزرا، مصر و رے کے سلاطین بھی اس کے کمترین چاکروں کی صف میں جگہ پاتے ہیں۔

یاد رہے کہ بیدل نے یہ اشعار ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء میں اس وقت کہے تھے جبکہ وہ بہار، بنگال، اڑیسہ اور اتر پردیش کے بعض علاقوں کی سیاحت کرنے اور وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد دہلی پہونچا تھا اور دربار تو دور رہا درباری امراء سے بھی اس کا کوئی تعلق قائم نہیں ہوا تھا کہ اس میں خوشامد اور تملق کا پہلو نکلے۔ اس لئے ڈاکٹر عبدالغنی کا یہ خیال بجا ہے کہ تاج محل، تخت طاؤس، لال قلعہ اور مسجد شاہجہانی کی تعمیر یہ بتاتی ہے کہ عوام عموماً خوشحال تھے اور فراغت سے زندگی بسر کرتے تھے۔(۱۱)

جنگ جانشینی اور اورنگ زیب کی تخت نشینی:

شاہجہاں نے اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ کو زندگی ہی میں اپنا ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ یہ امر داراشکوہ کے غرور وتکبر اور اس کے دوسرے بھائیوں کے درمیان باہمی نزاع اور حسد کا سبب ثابت ہوا۔ داراشکوہ خود کو ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کا واحد حقیقی فرمانروا تصور کرتا تھا اور اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے بھائیوں کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔

شاہجہاں کو اپنے لڑکوں کی اس باہمی کشمکش کا اندازہ ہوگیا تھا اس لئے امن وامان اور صلح وآشتی ئم رکھنے کی غرض سے اس نے مختلف صوبہ جات کو شہزادوں میں تقسیم کر دیا؛ بنگال شاہ شجاع کے، دکن اورنگ زیب کے اور گجرات مراد بخش کے حوالے ہوئے۔ ۱۰۶۲ ہجری ۵۲-۱۶۵۱ عیسوی میں شاہجہاں کابل میں تھا۔ اس نے وہاں سے مذکورہ شہزادوں کو اپنے متعلقہ صوبہ جانے کی ہدایت کی۔ اورنگ زیب اور شاہ شجاع دونوں بھائیوں نے اکبرآباد پہنچ کر آپس میں یہ عہد کیا کہ داراشکوہ کی برادر کُش پالیسی کا سختی سے مقابلہ کیا جائے اور اسے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقعہ نہ دیا جائے۔

۱۰۶۸ ہجری ۵۷-۱۶۵۸ء میں شاہجہاں حبس بول (پیشاب رک جانے) کی بیماری میں فتار ہوا تو حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ داراشکوہ نے موقعہ غنیمت سمجھا، دارالسلطنت تک پہنچنے کے سارے راستے اس نے بند کردیئے لیکن تا بکے۔ شاہجہاں کی بیماری کی افواہ رفتہ رفتہ پورے ملک میں پھیل گئی اور ہر جگہ بدامنی اور فساد کا لاوا پھٹ پڑا۔ دکن میں اورنگ زیب، ات میں مراد بخش اور بنگال میں شاہ شجاع نے داراشکوہ کی پالیسی کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان کر دیا۔ بہار پر قبضہ کرنے کی خاطر شاہ شجاع پٹنے تک پہونچا۔ اس علاقہ کے راجہ مہاراجہ اور زمیندار شاہجہاں کی بیماری کی خبر سنتے ہی اس کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر بیٹھے۔ شاہ شجاع نے غیوں کی سرکوبی اور خزانے کی وصولیابی کے لئے اپنی فوج کے بہت سے دستے مختلف مقامات پر طائنات کردئے تھے۔

بیدل نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''چہار عنصر'' میں بھی اس سیاسی اتھل پتھل کا تھوڑا سا نقشہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''سالیکہ شاہ شجاع بن شاہجہاں بیماری پدر راسکتہ مضون سلطنت اندیشیدہ جنبیہ جنونی بی تامل بعزم دارالخلافہ دہلی کشید تا پایۂ منبر ہوس بخطبہ باد بلند گرداند........ متصدیان امور جلال از خطہ بنگال تا سرحد ممالک بہار بگرد آوری خزائن فتوح فوجہامی گماشتند وگنجہای بی شمار بہ تحصیل زر و گوہر می انباشتند'' (۱۲)

جس سال شاہ شجاع بن شاہجہاں نے باپ کی بیماری کو مضمون سلطنت کے لئے سکتہ تصور کیا (انتظامیہ کو مفلوج جانا) اور دارالخلافہ دہلی (پر قبضہ) کے ارادے سے اپنے جنون کا زرہ بکتر بے سوچے سمجھے وہاں روانہ کرنا شروع کر دیا تا کہ ''منبر ہوس'' کا پایہ اپنے ہوائی خطبے کے ذریعہ کچھ بلند کرے، شاہی امور کے کارندوں نے بنگال سے لے کر بہار کے مختلف علاقوں تک خزانے کی جمع آوری کے لئے فوجی دستے بٹھا دیئے اور سونے چاندی اور جواہرات وغیرہ کے بے شمار گنجہائی گرانمایہ اکٹھے کئے۔

یہاں بیدل کا لہجہ بڑا تلخ بلکہ انتہائی طنز آمیز ہے۔ ''جنون کا زرہ بکتر'' ''بے سوچے سمجھے'' اور ''منبر ہوس'' وغیرہ الفاظ اور ترکیبات کی تہ میں جو تلخی اور تیر ونشتر پوشیدہ ہے وہ بتاتا ہے کہ بیدل تقسیم مملکت کے سلسلے میں شاہجہاں کے فیصلے کو ملک وملت کے حق میں بہتر اور بجا سمجھتا تھا۔ اورنگزیب چونکہ دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ حوصلہ مند تھا اور داراشکوہ کے لئے دردسر ثابت ہو رہا تھا اس لئے شاہجہاں کو اس کی طرف سے بدگمان اور متنفر کرنے کی غرض سے داراشکوہ نے مختلف بہانوں سے باپ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ اپنے رکاب کی ساری فوج اس کے حوالے کر دے۔ شاہجہاں کی زندگی میں پہلے شجاع اور مراد بخش کو راستے سے ہٹا کر دکن کے مہم میں مصروف ہونے کے ارادے سے، داراشکوہ نے شاہجہاں کو اس کی انتہائی سخت بیماری کے عالم میں، دہلی سے اکبر آباد منتقل کر دیا، سلیمان شکوہ کی قیادت میں راجہ جے سنگھ کو شاہی فوج اور اپنی فوج کے ساتھ شاہ شجاع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔

ادھر شاہ شجاع بنارس پہونچا تھا کہ اس کی مڈھ بھیڑ سلیمان شکوہ سے ہوگئی۔ جنگ میں شکست کا منہ دیکھنے کے بعد شجاع پٹنہ واپس ہوگیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے تخت پر قبضہ کرنے کی سرگرمیاں تیز کر دیں۔

دوسری جانب اورنگ زیب کی پیش قدمی کو روکنے کی خاطر داراشکوہ نے راجہ جسونت سنگھ کی قیادت میں ایک عظیم فوج مالوہ کی طرف، جو دکن کے راستے میں واقع تھا، روانہ کیا اور قاسم خان کی قیادت میں ایک الگ فوجی دستہ راجہ موصوف کے ساتھ اس ہدایت کے ساتھ اجین بھیجا کہ مراد بخش سے حسب مصلحت پیش آئے۔

ادھر اورنگ زیب باپ کی ملاقات کی خاطر اورنگ آباد سے برہانپور روانہ ہوا اور احتیاطاً کچھ ضروری ہتھیار بھی ساتھ لے لئے۔ یکم جمادی الاول ۱۰۶۸ ہجری ۲۵؍ جنوری ۱۶۵۸ء کو برہانپور پہنچ کر اس نے شاہجہاں کو ایک خط لکھا، لیکن ایک مہینے تک اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کی بیماری کی وحشتناک خبریں لگاتار آ رہی تھیں۔ ادھر داراشکوہ کی حوصلہ افزائی اور تحریک وترغیب پر جسونت سنگھ مقابلہ کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ ۲۵؍ جمادی الاول کو اورنگ زیب نے مستقر الخلافہ اکبر آباد کا رخ کیا۔ دیپالپور

پار کرتے ہی احمد آباد سے مراد بخش بھی آ کر اس سے مل گیا۔ دھرمات پور کے مقام پر اورنگ زیب اور جسونت سنگھ کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی جو بالآخر اورنگ زیب کی کامیابی اور جسونت سنگھ کی ناکامی پر منتہی ہوئی۔ اورنگ زیب نے دریائے چنبل کو پار کیا تو اسے خبر ملی کہ داراشکوہ دھولپور سے آگے بڑھ رہا ہے۔

اسی سال کے خاتمے پر ۶ رمضان کو الہ آباد سے دس کروہ ''تقریباً بیس میل'' کے فاصلے پر واقع مقام راجپور میں اورنگ زیب اور داراشکوہ کی فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ داراشکوہ کے مشہور سپہ سالار رستم خان، راؤ چھہتر سال اور راجہ جے سنگھ راٹھور سب جنگ میں کام آ گئے، پھر بھی داراشکوہ کی فوج بڑی تعداد میں موجود تھی لیکن وہ اتنا خوفزدہ ہو چکا تھا کہ ہاتھی سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر فرار کر گیا۔ اس طرح اورنگ یب کو بہت بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ داراشکوہ ناکام ہو کر لڑکوں اور چند نوکروں سمیت شام کے وقت اکبر آباد پہونچا پھر وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہوگیا۔

اس کے بعد داراشکوہ کے خیمے میں داخل ہو کر اورنگ زیب نے کچھ دیر قیام کیا پھر اکبر آباد روانہ ہوا اور وقوع جنگ پر معذرت سے متعلق ایک خط شاہجہاں کو لکھا۔ شاہجہاں نے اس کا جواب دیا۔ دوسرے دن ''عالمگیر'' نام کی ایک تلوار اسے تحفے میں بھیجی۔ اورنگ زیب داراشکوہ کے تعاقب میں دہلی روانہ ہوا۔ وہاں اسے پتہ چلا کہ وہ بھاگ کر لاہور چلا گیا ہے۔ اسی وقت اس نے پنجاب تک اس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔

نجومیوں سے مشورہ کے بعد یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ ہجری ۲۱؍ جولائی ۱۶۵۸ء بروز جمعہ دہلی کے پاس ایک مقام ''اغرآباد باغ'' میں اورنگ زیب تخت شاہی پر براجمان ہوا اور فوجی سپہ سالاروں اور ارکان دولت کو اس نے انواع واقسام کے انعامات سے نوازا۔ یہ پہلا جلوس تھا، دیگر مراسم دوسرے جلوس کے لئے ملتوی کر دیے گئے۔

اس اثنا میں اسے خبر ملی کہ بنارس کے پاس شاہ شجاع کو شکست دینے کے بعد سلیمان شکوہ وہاں سے ہردوار کی طرف روانہ ہوگیا ہے اور اب اس کا ارادہ ہے کہ سہارنپور کے راستے اپنے باپ سے جا ملے۔ اورنگ زیب نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے شایستہ خاں کو روانگی کا حکم دیا۔

اسی سال ذی قعدہ کی دوسری تاریخ کو اورنگ زیب داراشکوہ کے تعاقب میں پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ ۱۵؍ ذی قعدہ کو اسے پتہ چلا کہ جو فوجی دستہ داراشکوہ کے تعاقب کے لئے دریائے ستلج کے کنارے روانہ کیا تھا وہ اسے پار کر چکا ہے۔ لاہور پہنچنے کے بعد داراشکوہ نے بیس ہزار سوار جمع کر لئے تھے۔ اورنگ زیب کی فوج کے دریا پار کرنے کی خبر سنتے ہی اس نے اپنے بیٹے سپہر شکوہ کی قیادت

میں ایک فوجی دستہ اس کی پیشقدمی کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ ادھر اورنگ زیب نے بھی فوجی کمک روانہ کردی۔ اس کے مقابلے کی تاب نہ لاکر دارا شکوہ لاہور سے ملتان اور وہاں سے بھکر روانہ ہوگیا۔ پریشانی اور بے سروسامانی کے عالم میں اس کے بہت سے نوکر اس سے بچھڑ گئے۔ دارا شکوہ کا تعاقب چھوڑ کر اورنگ زیب آہستہ آہستہ مسافت طے کرتا ہوا ملتان پہونچا۔

دوسری جنگ جانشینی:

اس بیچ اسے خبر ملی کہ شاہ شجاع، جس سے اورنگ زیب کے قبل از جلوس خوشگوار اور مخلصانہ تعلقات تھے، بنگال سے روانہ ہوکر جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسی وقت ۴ربیع الاول ۱۰۶۹ ہجری ۲۰رنومبر ۱۶۵۸ء کو ملتان سے وہ دہلی واپس ہوا۔ شاہ شجاع تب تک بنارس کے آس پاس پہنچ چکا تھا۔ شہزادہ محمد سلطان کو شاہ شجاع کے مہم کو سر کرنے کی ہدایت ملی اور خود سورون کی شکارگاہ پہنچ کر مزید خبروں کا انتظار کرنے لگا۔ اورنگزیب خط و کتابت کے ذریعہ شاہ شجاع کے ارادے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب قطعی طور پر اسے معلوم ہوگیا کہ خاطر مدارات بے سود ہے، تو بہ ارادہ دفاع سورون سے آگے بڑھا اور شہزادہ محمد سلطان کو ہدایت کی کہ عجلت سے کام نہ لے۔

آخر کار الہ آباد سے پچاس کیلو میٹر پچھم ''کھجوہ'' کے مقام پر ۱۹ربیع الاول ۱۰۶۹ ہجری ۵ردسمبر ۱۶۵۸ء کو فریقین میں محاذ آرائی شروع ہوئی، کچھ توپ خانے آگے بھیج کر شاہ شجاع خود کچھ فاصلے پر ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد دونوں کے بیچ میدان کارزار گرم ہوا۔ رات کے وقت شاہ شجاع نے توپخانے پیچھے ہٹا لئے۔ لڑائی موقوف ہوگئی۔ آخر شب مہاراجہ جسونت سنگھ نے، جو بظاہر اورنگ زیب کا طرفدار تھا اور درپردہ شاہ شجاع سے ملا ہوا تھا، فرار کا ارادہ کیا اور شاہ شجاع کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ اس طرح اس کی زیر قیادت پوری فوج نے علم بغاوت بلند کردیا اور شہزادہ کی فوج پر حملہ کر کے اس کے مال واسباب لوٹ لئے۔ اورنگزیب اتنا بلند حوصلہ اور باعزم انسان تھا کہ اس کے پائے استقامت میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آئی۔ اورنگ زیب کی فوج اس وقت اگرچہ دو ہزار سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری اور انتہائی دلیری اور پامردی سے شاہ شجاع کی فوج سے ٹکر لی۔ معرکہ کارزار دوبارہ گرم ہوا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اورنگ زیب خود بھی دلیری اور پامردی سے لڑتا رہا اور فوج کے حوصلے بھی بڑھاتا رہا۔ آخر شاہ شجاع کے پائے استقلال میں لغزش آگئی اور اس نے فرار کو غنیمت سمجھا۔ شاہ شجاع کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور اس کے بہت سے سوار کام آگئے۔ اورنگزیب نے شہزادہ محمد سلطان کو شاہ شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا اور خود ۲۶ربیع الآخر تک وہاں ٹھہر کر واپس لوٹ

آیا (۱۳الف)۔ بیدل نے بھی 'عنصر چہارم' میں اس جنگ کے بعض حالات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''در عین گیرودار استقلال، کہ صدای غلغل این لشکر، پای صدمہ بر کوہ می افشرد، وقطرہ این سیل، گرد امواج دریا پیش می برد، جاسوسان کمینگاہ عبرت خبر آوردند کہ در سواد عرصہ الہ آباد، دو دریای بیکراں بہم درافتادند وبا امواج بی زینہار برق تیغ وتفنگ، داد تلاطم دادند'' (۱۳ب)

ترجمہ: میں اس جنگ کے دوران، جس فوجی دستے میں بیدل بھی شریک تھا اور جو شاہ شجاع کی طرف سے مرزا عبداللطیف کی قیادت میں وہاں کے باغی راجاؤں سے برسرپیکار تھا اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیدل کہتا ہے کہ عین مستقل مزاجی سے معرکہ آرائی کے دوران، جبکہ اس فوجی دستے (جو مرزا عبداللطیف کی قیادت میں لڑ رہا تھا) کے شوروہنگامے نے پہاڑوں (دشمن کی بھاری فوج) کو نقصان پہونچانا شروع کردیا تھا اور اس سیلاب کا قطرہ دریا سے لہروں کو اڑائے لئے جا رہا تھا، کمینگاہ عبرت کے جاسوسوں نے آکر یہ خبر دی کہ الہ آباد کے پاس دو دریائے ناپیدا کنار یعنی اورنگ زیب اور شاہ شجاع کی عظیم فوجیں آپس میں بھڑ گئیں اور تیغ وتفنگ کی بے پناہ لہروں سے تلاطم کی داد دینے لگی ہیں۔

۴ررمضان المبارک ۱۰۶۹ھ ۲۶رمئی ۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب نے تمام لوازمات کے ساتھ تخت شاہی پر دوبارہ جلوس کیا اور پچاس سال تک پورے آن بان اور شان وشوکت کے ساتھ ہندوستان کے وسیع وعریض علاقے پر حکومت کی۔ یہاں بھی بیدؔل کے الفاظ میں تیرونشتر چھپے ہوئے ہیں۔ لکھتا ہے:

''اورنگ زیب عالمگیر بہ عزم فرماں روائی دہلی سبقت کرد وحقوق خدمت پدر را پیش از دیگران بجا آورد''۔ (۱۴)

دہلی پر فرمانروائی کے ارادے میں اورنگ زیب نے پہل کی اور اس طرح اس نے باپ کی خدمت کا حق دوسرے بھائیوں سے پہلے ادا کیا۔

تیسری جنگ جانشینی اور بہادر شاہ کی تخت نشینی:

پچاس سال، دو ماہ اور بیس دن کی حکومت کے بعد ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی احمد نگر میں وفات ہوگئی۔ دولت آباد (دکن) میں ''شاہ بریان غریب'' کے مقبرہ کے پاس اسے دفن کیا گیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے وقت اس کا دوسرا لڑکا محمد معظم عرف شاہ عالم بہادر شاہ کابل میں تھا اس لئے تیسرا لڑکا اعظم شاہ ارکان دولت کے اتفاق رائے سے ۱۰رذی الحجہ ۱۱۱۸ھ ۴رمارچ ۱۷۰۷ء کو احمد نگر

میں تخت نشیں ہوا۔ یہ خبر جب بہادر شاہ کو ملی تو ایک بڑے لشکر کے ساتھ اس نے دہلی کا رُخ کیا۔ ملک کو بھائیوں میں تقسیم کرنے اور جنگ سے باز رہنے کے متعلق ایک خط اس نے اعظم شاہ کو بھیجا۔ لیکن یہ تجویز اس نے رد کردی اور بہ ارادہ جنگ احمد نگر سے اپنی فوج کے ہمراہ اکبرآباد (آگرہ) کا رخ کیا۔ جب اکبرآباد سے ۱۲ کیلومیٹر پر واقع مقام ''دھولپور'' پہونچا تو دونوں کی فوجیں آپس میں بھڑ گئیں۔ اس جنگ میں محمد اعظم شاہ اپنے دو بیٹوں بیدار بخت اور سلطان والا جاہ نیز بہت سے امرا کے ساتھ مارا گیا۔ یہ واقعہ ۱۸ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ ۸ رجون ۱۷۰۷ء کو پیش آیا (۱۵)۔ اس واقعے کی پرچھائیں بیدلؔ کے کلام میں اس انداز سے ملتی ہے۔

بو ہم دولت بیدار خوابہا دیدند
در آخر اعظم و بیدار بخت خوابیدند (۱۶)

اعظم شاہ اور بیدار بخت ''دولت بیدار' کا وہمی طور پر خواب دیکھ رہے تھے انجام کار دونوں ابدی نیند کی آغوش میں پہونچ گئے۔ یہاں بیدلؔ کا انداز بیان بتاتا ہے کہ وہ شاہ عالم کی جانشینی کے حق میں تھا یا کم از کم اس کی تقسیم مملکت کی تجویز کو مناسب سمجھتا تھا۔

جنگ میں کامیابی کے بعد بہادر شاہ ۱۹ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو اکبرآباد (آگرہ) میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور شاہ عالم کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے خود اپنی تاریخ جلوس اس طرح نکالی ''ما آفتاب عالمتابیم'' (۱۱۱۹ھ) اور منعم خان کو ''خانخانان'' کے خطاب کے ساتھ منصب وزارت پر فائز کیا۔ (۱۷)

کام بخش کا قتل:

شاہ عالم کے چھوٹے بھائی محمد کام بخش نے، جو اورنگ زیب ہی کے عہد سے بیجاپور کا صوبہ دار چلا آرہا تھا، مکمل طور پر خود کو آزاد اور خود مختار کہانے کے لئے ۱۱۲۰ھ ۱۷۰۸ء میں سکے اور خطبے میں اپنا نام شامل کردیا۔ بہادر شاہ، ایک بڑی فوج کے ساتھ کام بخش سے جنگ کے لئے روانہ ہوا۔ جب حیدرآباد کے قریب پہونچا تو کام بخش بھی اپنی فوج کے ساتھ میدان کارزار کی طرف بڑھا، لڑا اور مارا گیا۔ (۱۸)

چوتھی جنگ جانشینی اور جہاندار شاہ کی تخت نشینی:

۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ کی وفات کے بعد اس کے لڑکوں جہاندار شاہ، عظیم الشان، جہانشاہ اور رفیع الشان میں جانشینی کے لئے ایک بار پھر زبردست جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں ایک طرف

جہاندار شاہ، رفیع الشان اور جہانشاہ تینوں بھائی اور امیر الامراء ذوالفقار خان تھے اور دوسری جانب صرف عظیم الشان تھا جو خود کو مغل تخت و تاج کا واحد وارث سمجھتا تھا۔ یہ دونوں دو مقابل فریق کی حیثیت سے برسرپیکار ہوئے۔ اس جنگ میں عظیم الشان کام آگیا اور تخت و خزانہ جہاندار شاہ کے ہاتھ لگا۔ امیر الامرا ذوالفقار خان کی خواہش تھی کہ جہاندار شاہ سب سے بڑے بھائی ہونے کے ناطے تخت نشیں ہو، اس لئے تین دن بعد دوبارہ جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ رفیع الشان اور جہانشاہ اپنے بیٹے فرخندہ کے ساتھ اس جنگ میں کام آگیا۔ معزالدین جہاندار شاہ بغیر کسی مزاحمت کے صفر ۱۱۲۴ھ فروری ۱۷۱۲ء میں لاہور میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ چند دنوں بعد عظیم الشان کے لڑکے سلطان محمد کریم کو بھی گرفتار کرکے ذوالفقار خان کے حسب وصیت ختم کردیا گیا۔ (۱۹)

پانچویں جنگ جانشینی اور عہد فرخ سیر:

لیکن کچھ ہی دنوں بعد بساط سلطنت پر ایک زبردست انقلاب رونما ہوا۔ بہادر شاہ کا لڑکا عظیم الشان، جو عہد عالمگیر سے بنگال کا صوبے دار چلا آرہا تھا اور کچھ دنوں پٹنہ میں بھی رہ کر اس نے اس شہر کے نظم و نسق اور اس کی استواری و استحکام پر توجہ دی تھی، عالمگیر کی وفات کی خبر ملتے ہی اپنے بیٹے محمد فرخ سیر کو اپنی جگہ بٹھا کر خود اپنے باپ بہادر شاہ کے پاس آگیا اور یہاں اعظم شاہ اور بہادر شاہ کے بیچ پڑنے والی جنگ میں باپ کی طرف سے لڑنے لگا، پانچ سال بعد بھائیوں کے درمیان ہونے والی جنگ جانشینی میں کام آگیا۔ اس واقعہ کے نو مہینے بعد فرخ سیر کو باپ کے مارے جانے کی خبر ملی، چنانچہ باپ اور بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اس نے دہلی کا رخ کیا۔ جہاندار شاہ نے اپنے بڑے لڑکے اعزالدین شاہ کو دفاع کی غرض سے فوج دے کر بھیجا۔ محمد فرخ سیر جب الٰہ آباد پہونچا تو الٰہ آباد کے صوبے دار سید عبداللہ خاں اور بہار کے صوبے دار سید حسین علی خاں کو کافی منت سماجت سے اپنا حامی اور طرفدار کرلیا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ الہ آباد سے پچاس کیلومیٹر پر واقع مقام کھجوہ پہونچا۔ وہاں دونوں فریق کے بیچ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اعزالدین کو شکست و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، وہ وہاں سے آگرہ کی طرف بھاگا۔ فرخ سیر نے بھی آگرہ کا رخ کیا۔ وہاں اسے دوبارہ جہاندار شاہ کی فوج سے پالا پڑا۔ جہاندار شاہ شکست کھا کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا اور داڑھی مونچھ منڈا کر دہلی پہونچا۔ محمد فرخ سیر ۱۸ رشوال ۱۱۲۴ھ ۹ رنومبر ۱۷۱۲ء کو اکبرآباد میں تخت پر بیٹھا، کچھ دنوں بعد دہلی روانہ ہوا۔ دہلی میں مقام خضرآباد پہنچ کر اس نے امیر الامرا ذوالفقار خان کو جو جنگ میں شکست کا منہ دیکھنے کے بعد باپ کے پاس چلا گیا تھا، اپنے حضور طلب کیا۔ ذوالفقار خان اس خیال سے کہ وہ جہاندار شاہ کا طرفدار

تھا اور محمد فرخ سیر کے بھائی کو مارا یا مارنے کا مشورہ دیا تھا، اس کے سامنے جانا نہیں چاہتا تھا مگر باپ کی تسلی اور دلاسے پر چلا گیا۔ فرخ سیر نے جو انتقام کے درپے تھا، ذوالفقار خاں اور جہاندار شاہ کو قتل کرنے کے بعد ان کے سر تن سے جدا کر دیئے اور انہیں بھالے کی انی پر لٹکا دیا اور ان کی بے جان نعش کو ہاتھ پیر باندھ کر ہاتھی کی پیٹھ پر لٹکا دیا اور اس طرح پورے شہر میں اس کی گشت کروائی۔ اقتدار کی دستیابی میں سادات بارہہ کی خدمات کی قدر دانی کے طور پر فرخ سیر نے عبداللہ خاں کو قطب الملک بہادر وفادار ظفر جنگ کے خطاب سے اور اس کے بھائی امیر الامراء حسین علی خان کو امیر الامراء کے خطاب سے نوازا۔

فرخ سیر پانچ سال تک برسر اقتدار رہا۔ اس اثنا میں بیشتر امور مملکت کی باگ ڈور بہ تدریج سادات بارہہ کے ہاتھ پہنچ گئی۔ سادات کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو خطرے کی گھنٹی سمجھ کر اسے کم کرنے یا ختم کرنے کے لئے فرخ سیر نے سادات کے خلاف ایک سازش رچی، جو بالآخر ان کے درمیان باہمی عداوت اور نزاع کا سبب ثابت ہوئی۔ بدگمانی جب حد سے بڑھ گئی تو قطب الملک نے اپنے بھائی امیر الامراء حسین علی خان کو جو اس وقت دکن کے صوبہ دار تھے، بلا بھیجا۔ ان کے دہلی آنے کے بعد دونوں بھائی ۸ ربیع الاول ۱۱۳۱ھ/ ۱۸ جنوری ۱۷۱۹ء کو بہ وقت صبح قلعہ میں داخل ہوئے۔ اپنے معتمد نوکروں کو مناسب مقامات میں بٹھایا۔ سادات کے خوف سے فرخ سیر حرم سرا میں روپوش تھا۔ دس دن کے بعد سادات نے نوکروں کو حکم دیا کہ فرخ سیر کو زبردستی باہر نکال لائیں، چنانچہ انہوں نے انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ اس کو حرم سرا سے باہر نکالا، اس کے بعد ترپولیہ کے قلعہ میں نظر بند کر کے آنکھوں میں سلائی پھیر دیا۔ دو مہینے بعد ۱۲ جمادی الثانی کو قطب الملک کے حسب حکم فرخ سیر کو قید خانے میں قتل کر دیا گیا اور وہ مقبرہ ہمایوں میں دفن ہوا (۲۰)۔ اس افسوسناک واقعہ پر بیدل نے نہایت تیکھے ردعمل کا اظہار کیا۔ کہتا ہے:

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند   صد جور و جفا از رہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود   ''سادات بہ وی نمک حرامی کردند'' (۲۱)

گرامی قدر بادشاہ کے ساتھ جو سیکڑوں ظلم و جبر اور جور و جفا کا برتاؤ (ان سادات نے) محض بدگمانی میں کیا، تم نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا۔ میں نے عقل سے جب اس کی تاریخ دریافت کی تو اس نے کہا: سادات بہ وی نمک حرامی کردند (۱۱۳۱ھ) یعنی سادات نے اس کے ساتھ نمک حرامی کی۔

اس رباعی کی شہرت حالات وقت سے مکمل ہم آہنگی کی وجہ سے اتنی ہوئی کہ بیدل کو سادات کے ڈر سے دہلی چھوڑ کر لاہور میں نواب عبدالصمد خاں کے پاس پناہ لینی پڑی۔

رفیع الدرجات بن رفیع الشان:

فرخ سیر کو نابینا کرنے کے بعد سادات بارہہ نے رفیع الدرجات کو جو اس وقت قلعہ سلیم گڑھ میں نظر بند تھا، قید خانے سے نکالا اور ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ/ ۱۸ فروری ۱۷۱۹ء کو اسے تخت پر بٹھایا لیکن تمام امور سلطنت کی باگ ڈور بدستور سادات ہی کے ہاتھ میں رہی۔ رفیع الدرجات چونکہ بیمار اور کمزور تھا اس لئے تین مہینے گیارہ دن حکومت کرنے کے بعد وہ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ (۲۲)

رفیع الدولہ بن رفیع الشان:

رفیع الدرجات کا بڑا بھائی رفیع الدولہ بھی اس زمانے میں قید خانے میں تھا۔ سادات بارہہ چاہتے تھے کہ تمام امور سلطنت بہ ظاہر ایک تیموری شہزادہ کے ہاتھوں انجام پائے، اس غرض کے لئے انہوں نے رفیع الدولہ کو قید خانے سے آزاد کر کے ۲۰ رجب ۱۱۳۱ھ/ ۲۸ مئی ۱۷۱۹ء کو اسے تخت شاہی پر بٹھایا اور ''شاہ جہان ثانی'' کا لقب دیا۔ رفیع الدولہ بھی اپنے بھائی کی طرح بیمار اور نحیف تھا اس لئے تین مہینے چند دن کی حکومت کے بعد وہ بھی چل بسا۔ (۲۳)

محمد شاہ غازی:

محمد شاہ کا اصلی نام ناصر الدین شاہ بن جہانشاہ تھا، رفیع الدولہ کی وفات کے بعد سادات بارہہ نے ناصر الدین شاہ کو ۱۷ سال کی عمر میں ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۳۱ھ/ ۱۸ نومبر ۱۷۱۹ء کو آگرہ میں تخت پر بٹھایا اور اسے ''محمد شاہ'' کا لقب دیا۔

محمد شاہ اپنے پیشرو سلاطین کی بہ نسبت کسی حد تک سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ امور سلطنت پر سادات کا تسلط اور ان کا غیر معمولی اثر و رسوخ اس کے لئے ایک تشویشناک بات تھی۔ اس لئے در پردہ ان کی طرف سے اس کے دل میں کدورت پیدا ہوئی آخر ایک دن ان کو راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔

امیر الامرا حسین علی خاں کی شہادت:

محمد شاہ، جو سادات بارہہ کے اقتدار اور اثر و رسوخ کو ختم کرنے کی در پردہ کوشش میں لگا ہوا تھا، آخر ۷ ذی قعدہ ۱۱۳۲ ہجری/ ۳۰ اگست ۱۷۲۰ء کو اپنی سازش میں کامیاب ہو گیا۔ امیر الامرا جب دکن کے راستے میں تھا تو شاہ موصوف کے حسب حکم محمد امین خاں کے اغواء سے میر حیدر کاشغری کے ہاتھوں مارا گیا۔

عبداللہ خاں کا قتل:

اس کے بعد اس کے بڑے بھائی عبداللہ خاں نے اپنے چھوٹے بھائی نجم الدین خاں کو جو اس وقت ''حارس دہلی'' کے عہدے پر فائز تھا خط لکھا کہ قید خانے سے ایک شہزادے کو نکال کر تخت پر بٹھائے ۱۲؍ذی الحجہ ۱۱۳۲ ہجری کو شہزادہ سلطان بن رفیع الشان کو تخت پر بٹھایا گیا۔ دو دن بعد قطب الملک بھی دہلی آگیا۔ محمد شاہ اور قطب الملک کی فوجوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ قطب الملک کو جب اپنی شکست کا احساس ہونے لگا تو ہاتھی سے اتر کر خود کو محمد شاہ کے سامنے پیش کردیا۔ حیدر قلی خان نے اسے پھر ہاتھی پر سوار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کردیا۔ بادشاہ نے اس کی جان بخش تو دی مگر اس کو قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ذی الحجہ ۱۱۳۵ ہجری کی آخری تاریخوں میں اسے زہر دیدیا گیا۔ (۲۴)

یہ تھے عہد بیدل کے سیاسی حالات۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تیموری حکومت عہد اورنگ زیب میں اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ ۱۱۱۸ ہجری ۱۷۰۶ عیسوی میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس میں زوال آنا شروع ہوا۔ لیکن یہ انحطاط کچھ زیادہ محسوس شکل میں نظر نہیں آتی ہے۔ ۱۱۲۴ ہجری ۱۷۱۲ عیسوی میں شاہ عالم بہادر شاہ کی وفات کے بعد زوال کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ۱۱۲۴ ہجری سے لے کر ۱۱۳۴ ہجری تک سیاسی اسٹیج پر زبردست انقلابات رونما ہوئے جس کے نتیجے میں کیا شہزادے کیا امرا اور کیا فوجی سپہ سالار سب کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا تا آنکہ فرخ سیر کی شہادت اور سادات بارہہ کے ہاتھ سے امور مملکت کی باگ ڈور نکلنے اور ان کی شہادت کے بعد تیموری حکومت کی بنیادیں بری طرح ہل گئیں۔

اس طرح بیدل نے مغلیہ سلطنت کے عروج وزوال کا نہ صرف یہ کہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا بلکہ اس کی آپ بیتی بھی جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہم پڑھیں گے، ان سیاسی واقعات کے زیر اثر نشیب و فراز کے مختلف ادوار سے گذری۔ درج ذیل چند اشعار میں ان واقعات کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں:

گیر و دار اوج دولتہا غباری بیش نیست   بر ہوا چوں گرد باد اورنگ شاہی می رود

عروج حکومت کی گرد و دار ایک گرد و غبار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، تخت شاہی گرد باد کی طرح ہوا پر معلق ہے۔

روزی کہ ہوسہا در اقبال کشودند   آخر ہمہ رفتند بجای کہ نبودند
زیں باغ گذشتند حریفاں بندامت   ہر رنگ کہ گردید کفی بود کہ سودند
افسوس کہ ایں قافلہا بعد فنا ہم   یک نقش قدم چشم بعبرت نکشودند

جس دن ہوس نے اقبال کے دروازے وا کئے، انجام کار سب ایسی جگہ رخصت ہوگئے کہ گویا

تھے ہی نہیں، حریف حضرات اس باغ سے ندامت کے ساتھ رخصت ہوگئے، جو رنگ بھی ان کا رہا ہو وہ ایک ہتھیلی تھی جس کو وہ گھس گئے۔ افسوس کہ اس قافلے نے فنا کا منظر دیکھنے کے بعد بھی ایک نقش قدم کے برابر چشم عبرت وا نہیں کی۔

بیدل تاجی کہ دیدی امروز   فردا انجا نشان ہا بود

بیدل! آج جو تاج تجھے نظر آرہا ہے کل یہاں صرف اس کا نشان ہوگا۔

زبے مغزی شکوہ سلطنت شد ننگ کناسّی   بہ جای استخواں گہ خوردہ می گردد ھما اینجا

سلطنت کی شان وشوکت اپنی تہی مغزی اور دناءت کی وجہ سے خاکروبی کے لئے بھی باعث ننگ ہوگئی۔ ہما جیسا مبارک پرندہ ہڈی کے بجائے اب غلاظت کھانے پر اتر آیا ہے۔

نور انصاف گر این است کہ شاہان دارند   سایہ در بال ہما سوختہ ہا می سوزد
بر نمی آید ز تشویش کسوف   آفتاب کشور ایام ما

ہمارے عہد میں ملک کا سورج اب گرہن کی گرفت سے نکلتا نہیں دکھائی دیتا ہے۔

مہ شد ہزار بار ہلال و ہلال بدر   دیدیم وضع عالم نقص و کمال را

چاند ہزاروں دفعہ ہلال بنا اور ہلال نے بدر (پورے چاند) کی شکل اختیار کی۔ بس ہم نے اب دنیا کے عروج وزوال کا مشاہدہ کرلیا۔

کردیم تماشای ترقی و تنزل   آئینۂ ما ہر نفس از ما بتری داشت

ہم نے ترقی وتنزلی کے تماشے دیکھ لئے ہمارے آئینہ کو ہر لحہ بد سے بدتر حالات سے سابقہ ہے۔

انقلاب دہر دیدی گوشہ می باید گرفت   عبرت احوال گوہر شورش دریا بس است

زمانے کا انقلاب تم نے دیکھا اب گوشہ گیر ہوجاؤ، دریا کی شورش موتی کے حالات کی عبرت کے لئے کافی ہے۔

گرفتہ است حوادث جہات امکاں را   ز عافیت چہ زمیں و چہ آسماں خالیست

حوادث نے ساری جہتوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اب کیا زمین اور کیا آسمان کہیں بھی امن وامان نہیں ہے۔

از ورق گردانی وضع جہاں غافل مباش   صبح و شام این گلستان انقلاب رنگہاست

سماجی حالات:

سماجی قدریں ہمیشہ سیاسی اقتدار کے تابع رہی ہیں۔ مرکزی حکومت جب کسی ملک کی مستحکم اور

پائدار ہوتی ہے تو پورے ملک میں امن وامان رہتا ہے اور داخلی امن کے نتیجے میں سارے سماجی اقدا
اپنے طبعی اور فطری دھارے میں رواں دواں رہتے ہیں۔

عام خیال کے مطابق، شاہجہاں کا شمار انصاف پسند، بہادر اور دیندار سلاطین کی صف میں ہوتا
ہے۔ وہ منکرات سے بچتا تھا اور اکثر صوفیہ، علما اور صلحا کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا۔ امور مملکت پر اس
پورا کنٹرول تھا۔ اسی وجہ سے اس کے زمانے میں ملک کی معاشی اور سماجی حالت اطمینان بخش تھی۔
سارے راجہ مہاراجہ، نواب اور فوجی سپہ سالار اس کے فرمانبردار اور مطیع تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے
پورے جاہ وجلال اور شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔ مغلیہ حکومت اس کے عہد میں اپنے نقطۂ عروج
کو پہنچ چکی تھی۔ ۱۰۷۶ ہجری ۱۶۶۵ عیسوی میں شاہ جہاں کی وفات کے موقعہ پر بیدل نے جو مرثیہ
کہا ہے اور جس کے کچھ اشعار اس سے پہلے نقل کئے جا چکے ہیں، اس میں بیدل نے اس کے ا
اوصاف کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا ایک شعر یہاں لکھنا نامناسب نہ ہوگا۔

دور سعدی بود و عہد امن و ایام شریف　　خلق در حمد خدا از عدل شاہ نیک پی

وہ ایک خوشگوار اور عمدہ عہد تھا، ہر طرف امن وامان کا دور ودورہ تھا اور ایک نیک دل بادشاہ کے
عدل وانصاف سے خوش ہو کر عوام خدا کی حمد وثنا کرتی تھی۔ بہرحال عوام کی آسودہ حالی اور معاشی خوشحا
کی طرف سے اطمینان کے بعد ہی شاہجہاں نے اپنے ذوق جمال کی تسکین کی طرف توجہ دی۔ تاج محل،
لال قلعہ تخت طاؤس اور مسجد شاہجہانی اس کے اسی ذوق جمال کی چار پرشکوہ یادگاریں ہیں۔ مشہور
کہاوت ہے الناس علی دین ملوکھم لوگ اپنے بادشاہ کے دین ومذہب پر چلتے ہیں اس لئے
عجب نہیں کہ اس عہد کے لوگ خصوصاً شعرا جو بڑی حد تک حساس اور جمال پسند ہوتے ہیں ا
خصوصیت کے حامل رہے ہوں۔ (۲۵)

اورنگ زیب کا طبعی رجحان چونکہ دین اسلام کی ترقی اور فروغ کی طرف تھا حتی کہ بعض مغر
مصنفین نے اسے مذہبی جنون کا حامل کے لقب سے یاد کیا ہے اس لئے اپنے عہد میں اس نے اسی د
ذوق کی نمایش کی طرف توجہ دی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور اوراد و وظائف کی پابندی کے ساتھ رمضان کا
اہتمام کرتا، حرمین شریفین کے خادموں کو ایک بڑی رقم بھیجا کرتا، مذہبی امور کے احتساب کے لئے ا
نے کچھ محتسب اور شرعی مسائل کے حل وفصل کے لئے کچھ قاضی مختلف علاقوں میں مقرر کئے۔ مختلف فیہ
مسائل کے بارے میں تمام فقہا اور محدثین کے اقوال ایک جگہ جمع کرنے کے لئے شیخ نظام کی صدارت
میں اس نے اس عہد کے بڑے بڑے علماء کی ایک مجلس بنائی اور ایک خطیر رقم (لگ بھگ دو لاکھ
روپے) کے صرفہ سے ''فتاوی عالمگیری'' نام کی ایک اہم مایہ ناز فقہی کتاب چھ جلدوں میں لکھوائی جس

کی نظیر کسی بھی اسلامی ملک میں موجود نہیں ہے۔ اورنگ زیب کی اسلام دوستی کے نام سے یہ اس کا ایک
بڑا کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔ ان ہی مذہبی رجحانات کی وجہ سے وہ اکثر کتب حدیث، تفسیر، فقہ اور تصوف کا
مطالعہ بھی کیا کرتا تھا، قرآن پاک حفظ کیا اور غیر مسلموں پر جزیہ عاید کیا۔ (۲۶)

یہ سارے امور اورنگ زیب کی اسلام دوستی کے مظاہر تھے۔ کچھ مغربی اور ہندستانی مؤرخوں
نے اس کی مذہبی سیاست کی پرزور الفاظ میں نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن اورنگ زیب خود کو دین اسلام کا حامی
اور طرفدار کہتا تھا اور اکبر کی پالیسی کی کھلے بندوں تنقید کرتا تھا، اس لئے اس کے ہاتھوں جو کچھ بھی انجام
پایا وہ ایک طبعی عمل تھا۔ یان رپکا نے اورنگ زیب کی مذہبی سیاست کو مغلیہ سلطنت کے زوال کا اصلی
سبب قرار دیا ہے۔ (۲۷) لیکن یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ اس نے اپنے عہد اقتدار میں کابل، کشمیر،
تبت، دکن، گجرات بنگال، مالوہ، آسام، اور پنجاب وغیرہ ہندستان کے وسیع وعریض علاقے پر انتہائی
آن بان اور شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی (۲۸) اور ایک طرف اگر وہ حامی دین اسلام تھا تو دوسری
جانب اس نے مذہبی رواداری کا نمونہ بھی پیش کیا اور بہت سے مندروں میں جائدادیں وقف کیں۔
جہاں تک زوال کا تعلق ہے ہمارے استاد محترم پروفیسر ولی الحق انصاری کے خیال میں بہت ہی دلچسپ
اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے پچاس سالہ دور حکومت کے بعد تیموری حکومت کی
بنیاد اتنی مستحکم کردی تھی کہ اس کے انتقال کے بعد عرصے تک کسی کو شاہی خاندان کے ختم کرنے کی ہمت
نہ ہوئی۔ چنانچہ سادات بارہہ نے تمام امور سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی مگر ان کو بھی
یہ جرأت نہ ہوسکی کہ شاہی خاندان کو راستے سے ہٹا کر خود تخت پر جا بیٹھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ
سلطنت کی بنیاد کتنی مستحکم تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب کے جانشین اپنے کو لایق
اور اہل خلف ثابت نہ کرسکے۔

بہرحال اورنگ زیب کے دینی ذوق اور رجحان کے نتیجے میں معاشرہ بھی اسی رنگ میں رنگ
گیا۔ اسی وجہ سے سپہ سالار، امراء اور اراکین سلطنت زیادہ تر معاصر صوفیہ اور مشائخ کے حلقہ ارادت
میں داخل یا کم از کم تصوف کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مجدد الف ثانی شیخ احمد
سرہندی نے اکبر کی ملحدانہ سیاست کے مقابلے پر دینی اصلاح کی جو تخم ریزی کی تھی، شاہجہاں کے عہد
میں وہ شاخ وبرگ سے بھرپور ایک پیڑ کی شکل میں پروان چڑھ چکا تھا اور اورنگ زیب کے عہد میں وہ
عملی طور پر بارآور ہوگیا۔

اورنگ زیب گو خود اسلامی اصول وضوابط کا پابند اور طرفدار تھا مگر اس ملک کی تمام اقوام کے
ساتھ اپنے منصفانہ برتاؤ کا دامن اس نے کبھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ دادخواہوں کی فریادرسی کے لئے

روزانہ دو تین گھنٹے کھڑے ہو کر ان کی روداد سنتا اور ہر خاص و عام بے خوف و خطر اس کے دربار میں پہنچ کر اپنی عرضداشت پیش کرتا تھا۔(۲۹)

شاہ عالم، جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات رفیع الدولہ اور محمد شاہ کا عہد مجموعی طور پر زبردست سیاسی بحران اور سماجی انقلاب کا دور ہے۔ بارہ سال کی مختصر مدت میں پانچ خونریز جنگیں ہوئیں جن کے نتیجے میں بہت سے شہزادے امراء اور بااثر شخصیتیں لقمۂ اجل ہو گئیں اور تیموری سلطنت کی بنیادیں اس طرح ہل گئیں کہ اس کے بعد استحکام کی ہر کوشش نہ صرف یہ کہ ناکامی پر منتہی ہوئی بلکہ اس کی سستی میں آئے دن اتنا اضافہ ہوتا گیا کہ آخر کار انگریزوں کے تسلط کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔

سیاسی حالات جب زبردست بحران سے دوچار ہوں تو سماجی حالات ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جو آدمی کل تک بادشاہ کا منظور نظر تھا آج وہ راندہ درگاہ ہے، کل تک جن کا شمار بااثر اور مقتدر ہستیوں میں ہوتا تھا آج ان کا وجود دوسروں کے رحم و کرم پر ہے۔ کشمکش سے بھرے ایسے حالات میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا صورت حال رہے گی۔ اس غیر یقینی صورت حال میں سماجی اقدار کا تعین بہت مشکل ہے۔

بیدل نے اپنی غزلیات، مثنویات، رباعیات اور قصائد میں مختلف مقام پر اپنے عہد کے سماجی حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور معاشرہ کے مختلف طبقے سے براہ راست یا بالواسطہ اس کا سابقہ پڑا ہے۔ اس نے عوام و خواص، شاہ و گدا، امرا و نواب، علماء و فضلا، ائمہ مساجد و قضاۃ، زاہد و شیخ، فوجی و غیر فوجی، اور اہل کمال و اہل حرفہ سب کے حالات پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ اس کے اشعار کی روشنی میں اس دور کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ تاریخ نگاروں کی تصویر سے بہت مختلف نظر آتی ہے۔

اس عہد میں بیدل بھی دوسرے لوگوں کی طرح کشمکش حیات کے ایک عجیب دوراہے پر کھڑا نظر آتا اور انتہائی حزم و احتیاط سے قدم پھونک پھونک کر اٹھاتا ہے۔

امروز نیست قابل تفریق و امتیاز　　انجام کار دشمن و آغاز آشنا

آج دشمن کے انجام اور دوست کے آغاز میں خط امتیاز کھینچنا ممکن نہیں ہے۔

از ہر چہ دم زنی بہ خموشی حوالہ کن　　این انجمن پر است ز غماز آشنا

جو کچھ کہنا ہو خموشی کے حوالے کر دو یہ انجمن جانے پہچانے غمازوں اور چغلخوروں سے پُر ہے۔

بشنو نوای نیک و بد از دور و دم مزن　　نی نالہ داشتہ است ز دمساز آشنا

دور ہی سے اچھی بری باتیں سنو لیکن دم نہ مارو (خاموش رہو) نالے کو دمساز یعنی دوست سے آشنائی حاصل نہیں ہے۔

بر سنگ زد ز مانہ ز بس ساز آشنا　　در سرمہ گرد می کند آواز آشنا

زمانہ نے بہت سے جانے پہچانے ساز کو پتھر پہ دے مارا (بہت سے اخلاقی اور سماجی احوال کو پامال کر دیا) حتی کہ سرمے میں بھی دوست کی آواز پیوست کر گئی۔

گر صیقلی بکار برد سعی اتفاق　　دل می خراشد آئینہ پرداز آشنا

اگر اتفاق سے دل کی قلعی کی کوشش بھی کی گئی تو قلعی گر دوست آئینہ دل پر خراش لگاتا ہے۔

تا کی دریں بساط ز افسون التفات　　بر روی شمع خندہ زند گاز آشنا

اس بساط پر آخر کب تک التفات اور توجہ کے بہانے دوست کی گل کترنے والی قینچی شمع پر ہنستی رہے گی (اسے کاٹتی چھانٹتی رہے گی)

داد کشاد کار تظلم کجا برد　　زد حلقہ بستگی بدر باز آشنا

رفع مظلومی کے انصاف کے لئے اب کہاں جایا جائے دوست کے کھلے دروازے پر بستگی کا حلقہ لگا ہوا ہے۔ (یعنی بند ہے)

گر مدعای مرغ نفس آرمیدن است　　دام و قفس خوش است ز پرواز آشنا

مرغ نفس کا مقصد اگر آرام کرنا ہے تو جانی پہچانی پرواز سے دام و قفس کہیں بہتر ہے۔

چنگ قضاست دہر امان گاہ خلق نیست　　گنجشک را چہ سود ز شہباز آشنا

زمانہ ایک پنجہ قضا ہے، یہ مخلوق کی امان گاہ نہیں ہے۔ جانے پہچانے شہباز سے بھلا کنجشک کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

منت کش تکلف اخلاق کس مباد　　بیگانہ ام ز خویش ہم از ناز آشنا

خدا نہ کرے کوئی کسی کے بہ تکلف اخلاق کا احسانمند ہو۔ خود آپ سے بیگانہ بھی ہوں اور ناز کے تقاضوں سے آشنا بھی۔

مکتوب عشق قابل انشا کسی نیافت　　بردیم سر بمہر عدم راز آشنا

کسی نے عشق نامہ کو قابل تحریر خط نہیں پایا۔ راز آشنا (محبوب کے راز عشق) کو ہم عدم کی مہر سے سیل کر کے لے گئے۔

بیدل! بہ حرف و صوت ہم آوارہ گشت خلق　　آہ از فسون غول بآواز آشنا (۳۰)

بیدل! مخلوق، باتوں اور صداؤں پر آوارہ ہو گئی ہے۔ دوست کی اس آواز پر افسوس ہے جس میں دیو بھوت کا جادو پوشیدہ ہے۔

نقد این بازار نتواں برد بی جنس فریب　　ای کہ سود اندیشہ ای، سرمایہ کن تزویر را

اس بازار سے دھوکہ دھڑی کے بغیر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے یہاں فائدے کے فکر میں سرگرداں
ہو تو مکر و فریب کو اپنا سرمایہ بناؤ۔

ایں زماں ارباب جوہر دام تزویرند و بس   می تواں دانست آب زیر کاہ آئینہ
اس زمانہ میں ارباب جوہر (اہل اور لائق شخصیتیں) مکر و فریب کے دام میں گرفتار ہیں آئینے
آب زیر کاہ (تنکے کے نیچے کا پانی یعنی فریب) کہا جا سکتا ہے۔

دریں زمانہ سر نخوتی کشیدہ بہر سو   ز نقش خانہ پا در ہوای چنبر زن
اس زمانے میں کبر و نخوت نے ہر طرف سر اٹھا رکھا ہے۔

یاراں دریں زمانہ نماندہ است بوی مہر   پیدا کنید بر فلک دیگر آفتاب
دوستو! اس زمانے میں میل و محبت کی بو تک نہیں رہ گئی ہے۔ اب کسی اور آسمان پر آفتاب
سراغ لگاؤ۔

جز کنج مزار امروز کس داد رس کس نیست   انساں چہ کند با ایں خرس و سگ و میمون
آج گوشہ مزار کے سوا کسی کا کوئی داد رس (انصاف دینے والا) نہیں رہ گیا ہے۔ ان ریچھ، کتے
اور بندر (صفت) لوگوں کے ساتھ انسان کس طرح نبھائے۔

از ترحم تا مروت و ز مدارا تا وفا   ہر چہ را کردم طلب دیدم ز عالم رفتہ است
ہمدردی سے لے کر انسانیت تک اور خاطر مدارات سے لے کر وفاداری تک، جس چیز کو
تلاش کیا پتہ چلا کہ یہ سب چیزیں دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں۔

آدم گری از ریش بیاموز کہ امروز   ہر پشم ز صد خرس و بز و میش گذشتست
آج آدم گری سیکھنا ہو تو داڑھی سے سیکھو، کہ ہر داڑھی والا سیکڑوں بکری، بھیڑ اور ریچھ سے
آگے نکل چکا ہے۔

روز و شب ناموراں در قفس سیم و زر اند   ہیچ زنداں بنگیں سخت تر از خاکم نیست
نامور لوگ رات دن سونے چاندی جمع کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، نگینہ میں کوئی قید خانہ
میری خاک سے زیادہ سخت نہیں ہے۔

بہر چہ می نگرم مست وہم پیمائیست   فتادہ است دریں روزگار بنگ در آب
جدھر دیکھتا ہوں لوگ وہم پیمائی میں مبتلا ہیں اس زمانے میں شاید پانی میں بھنگ مل گیا ہے۔

نے دل حضور دارد و نے دیدہ نور دارد   سامان ایں شبستاں کوری و بے چراغیست
نہ دل میں حضور قلب ہے نہ آنکھوں میں نور۔ اس شبستاں کا سامان کوری (اندھا پن)

بے چراغی ہے۔

بیدل امروز در مسلماناں   ہمہ چیز است لیک ایماں نیست
بیدل آج مسلمانوں میں سب کچھ ہے مگر ایمان نہیں ہے۔

ایک رباعی میں بھی وہ ارباب اقتدار پر بہترین تبصرہ کرتا ہے۔ جو ہر زمانہ کے خصوصاً عہد
حاضر کے امریکہ، برطانیہ اور دوسرے یورپین ممالک کے سربراہوں پر بھی صادق آتا ہے۔

یک سو شور کر و فر و عزت و شاں   یک سو حسد و دعوی و حرص و بہتاں
بر ہیچ چہ ہنگامہ بیا راستہ اند   ایں مسخرہ ہای چار سوی امکاں

ایک طرف شان و شوکت، آن بان اور کر و فر کا دور دورہ ہے۔ دوسری جانب حسد و کینہ،
عداوت و دشمنی، جنگ و جدل، حرص و آز اور افترا و بہتان کا سلسلہ جاری ہے۔ ذرا دیکھئے دنیا کے یہ
مسخرے کیسی بے وقعت چیزوں پر یہ ہنگامہ کھڑا کئے ہوئے ہیں۔

درج بالا اشعار میں بیدل نے مکر و فریب، کبر و نخوت، کینہ و عداوت، درندگی و بہیمیت، ہمدردی
و انسانیت اور ایفائے عہد کا فقدان، زر و سیم کے حرص، ظاہر پرستی، دل کی بے حضوری، آنکھ کی بے نوری،
مسلمانوں کی بے ایمانی وغیرہ سے بھری سوسائٹی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اس عہد کے سماجی حالات پر روشنی
ڈالنے کے لئے کافی ہے۔

ایک سب سے بڑی سماجی برائی اس دور کی امرد پرستی اور اغلام بازی ہے جس میں سماج کا ہر
طبقہ چاہے دیندار ہو یا دنیادار مبتلا تھا۔ بیدل نے ایک پوری غزل میں ان کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور ان
کے حالات پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔

ایں دور دور حیز است وضع متیں کہ دارد   باد برودت مردی غیر از سریں کہ دارد
یہ زنخوں کا دور ہے۔ وقار و متانت کی خصوصیت کس کے اندر ہے، مردانگی کی ساری شیخی سرین
کے سوا کس کے اندر ہے۔

آثار حق پرستی ختم است بر مخنث   غیر از دبر سرشتاں سر بر زمیں کہ دارد
حق پرستی کے سارے آثار زنخوں پر ختم ہو گئے، دبر سرشت لوگوں کے سوا کس میں ہمت ہے کہ
زمین پر ٹکے۔

زاہد ز پہلوی ریش پشمینہ می فروشی   بازار نورہ گرم است ایں پوستیں کہ دارد
زاہد تو داڑھی کی آڑ میں پشمینہ فروشی کرتا ہے۔ نورہ (چونا اور ہرتال سے ملی ہوئی ایک دوا جس
کے لگانے سے بال گر جاتے ہیں) کا بازار گرم ہے۔ یہ پوستین کس کے پاس ہے۔

ہنگ بنای طاعت بر خدمت سرین نہ　　امروز طرح محراب جز گنبدیں کہ دارد

اپنی طاعت وعبادت کی اساس سرین کی خدمت پر استوار کر، آج محراب کا نقشہ گنبدیں (چوتڑ والے) کے سوا کس کے پاس ہے۔

بر کیسہ کریماں چشم طمع نہ دوزی　　جز دست خر دریں عصر در آستیں کہ دارد

شریفوں کی تھیلی پر حریصانہ نظر مت ڈال۔ اس زمانہ میں آستیں کے اندر گدھے کے سوا کس کا ہاتھ ہوتا ہے۔

از منعماں گدا را دیگر چہ می تواں خواست　　تن دادہ اند بر فحش، داد ایں چنیں کہ دارد

دولتمندوں سے فقیروں کو کیا چاہیے۔ انہوں نے فحش اور بے حیائی کو قبول کر لیا ہے۔ اس کی فریاد کس سے کریں۔

خلق وسیع خفتہ است در تنگی سرینہا　　جز کام ایں حواصل دامن بہ چیں کہ دارد

عوام کی اکثریت سرینوں کی تنگی میں محوخواب ہے۔ ان پوٹوں کے مقصد کے سوا کس کے دامن میں شکن ہے۔

از بسکہ دور گردوں گرداند طور مردم　　تا پشت بر نتابد بر زن یقیں کہ دارد

دورفلک نے لوگوں کے طور طریقے بے انتہا بدل کر رکھ دیئے ہیں۔ عورت جب تک اپنی پیٹھ نہ پھیرے اس کے عورت ہونے کا یقین نہیں ہو سکتا ہے۔

ادبار مرد و زن را نگذاشت نام اقبال　　یک کاف وواؤ ونون است تا کاف وسین کہ دارد

مرد وعورت کی اخلاقی پستی نے اقبال کا نام ہی غائب کر دیا۔ لے دے کے ایک ''کون'' (چوتڑ) کا ذکر ہے اور ''کس'' (عورت کی شرمگاہ) سے کسی کو کیا مطلب ہے۔

در چار سوی آفاق بالفعل ایں منادیست　　لعل خوشاب با کیست در ثمیں کہ دارد

ساری دنیا میں اس وقت یہ عام منادی ہے کہ چمکدار لعل (ہونٹ) کس کے پاس ہے اور در ثمیں (قیمتی موتی) کس کے قبضے میں ہے۔

ایک دوسری غزل میں کہتا ہے:

طفلی چہ ممکن است رود از مزاج شیخ　　ہر چند مو سفید کند پیر زادہ است

شیخ کے مزاج سے بھلا بچپنا رخصت ہو جائے ممکن ہی نہیں۔ وہ اگر داڑھی سفید بھی کر لے پھر بھی پیرزادہ ہے۔

از علت مشائخ و اطوار شاں مپرس　　بالفعل طینت نر ایں قوم مادہ است

مشائخ کے طور طریقے ان کی علتوں کی بابت مت پوچھو۔ اس قوم کی مردانہ طبیعت اس وقت زنانہ ہوگئی ہے۔

ہر جا مزینی است بحکم صلاح شرع　　در ریش محتسب بچہ اش را نہادہ است

جہاں شریعت کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے تو داڑھی کی جگہ محتسب بچہ ریش رکھ لیتا ہے۔

ایں جا خیال گنبد عمامہ ہیچ نیست　　بار سریں بہ گردن واعظ فتادہ است

واعظ کی گردن پر سرین کا بوجھ اتنا زیادہ ہے کہ گنبد عمامہ کا تصور بھی اس کے صفحۂ ذہن پر نہیں ابھرتا۔

زاہد کجا و طاعت یزدانش از کجا　　از وضع سجدہ شیوۂ خاصش ارادہ است

زاہد کو بھلا خدا پرستی اور طاعت الٰہی سے کیا واسطہ؟ جس انداز سے وہ سجدہ کرتا ہے اس سے بھی مخصوص ادا کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

رعنائی امام ندارد سر نماز　　می نازد از عصا کہ بدستش چہ دادہ است

امام کی رعنائی اور خود آرائی کا مطلب بھی یہی ہے کہ نماز کی ادائیگی اس کے پیش نظر نہیں ہے اسے تو اس عصا پر فخر ہے جو اس کی شان بڑھاتی ہے۔

ملا ہزار بار بانگشت ہای دخل　　تہ کردہ درس و گرم تلاش اعادہ است

ملا نے ہزاروں دفعہ اپنی آمدنی کو گن گن کر کے درس وتدریس کا سلسلہ موقوف کیا اور اس کے اضافہ کی کوشش میں سرگرم ہوگیا۔

اقبال خلق بسکہ بادبار بستہ عہد　　پیش اوفتادہ است و قفا ایستادہ است

عوام کا اقبال بڑی حد تک اُدبار (سرین) سے وابستہ ہوگیا اگاڑی پڑی ہے اور پچھاڑی کھڑی ہے۔

پستی کشید دامن ایں حیز طینتاں　　چنداں کہ نام شاں بزبانہا فتادہ است

ان زنخہ صفت لوگوں کے دامن کو پستی نے اس حد تک نیچے گرا دیا ہے کہ ان کے ناموں کا چرچہ لوگوں کی زبانوں پر ہونے لگا ہے۔

اسی طرح علما وفضلا کا حال ہے۔

ایں علماء کہ جملہ تابع جہلا اند　　پختگی اقبال طبع خام ندارد

یہ علما عموماً جاہلوں کے پیروکار ہیں جبکہ پختگی یا پختہ مزاجی عوام کے طبع خام کو قبول نہیں کرتی ہے۔

ہر چند بہ عدل دین حق رہبر بود　　جہد علما پیرو حکم زر بود

سلطان ہرگاہ ریخت خون پدرش　　گفتند: جہاد کردہ، او کافر بود

دین حق اگر چہ عدل وانصاف کی طرف رہنمائی کرتا ہے لیکن علما کی ساری کوشش حکم زر کے تابع

۲۔ بادشاہ نے اگر اپنے باپ کا خون بہایا تو انہوں نے کہا: اس نے جہاد کیا ہے وہ کافر تھا۔

یہ اشارہ در پردہ اورنگ زیب کی طرف ہے جس نے والد کو تو نہیں بھائیوں کو اپنے راستے سے ہٹایا تھا۔ ممکن ہے بعض درباری علماء نے وہ بات بھی کہی ہو خصوصاً دارا شکوہ کے بابت مشہور ہے کہ وہ ویدانت کی طرف مائل تھا۔ اس لئے ایک شعر میں اشارہ کرتا ہے کہ معاصر علما در حقیقت دین فروشی پر اتر آئے ہیں۔

آتش ز چہرہ زریں اثر زر ندھد   دین بدنیا مفروشید کہ دنیا دنیاست

چہرہ زریں سے آگ زر کا اثر نہیں دیتی ہے۔ دین کو دنیا کے بدلے مت بیچو کہ دنیا بہر حال دنیا یعنی معمولی چیز ہے۔

یہ تو علما کا حال تھا آگے عقلا کا حال سنئے۔

وضع عقلای معاصر دیدم   دیوانہ ما مودب آمد

معاصر عقلا کا حال دیکھا تو ہمارا دیوانہ مودب و مہذب نظر آیا۔

بیدل کے زمانہ میں دانشوروں اور عقلمندوں میں واجب اور ممکن، قدیم و حادث جوہر و عرض، صورت و ہیولی وغیرہ کی گرما گرم فلسفیانہ بحث ہوتی تھی جو اس کے بعد بھی بہت دنوں تک قائم رہی ہے۔ ان بحثوں میں اکثر لوگوں کی گردن کی رگیں پھول جاتی تھیں اور از راہ کبر وعناد ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے لگتے تھے اور کبھی کبھی دست و گریبان کی نوبت آجاتی تھی اس لئے بیدل نے اس پر طنز کرتے ہوئے کہا ہے:

تو ہیچ باش و علم و عمل بطاق نہ   گو خلق ہرزہ فکر حدوث و قدم کند

تو خاکسار اور متواضع رہ اور علم وعمل طاق پر رکھ، چاہے بیہودہ خیال لوگ حادث و قدیم کی غیر ضروری بحث میں الجھے رہیں۔

علما و عقلا کی اس غیر ضروری بحث و مباحثہ اور اس پر انکی باہمی چپقلش پر ایک پوری غزل 'بحث' کی ردیف میں لکھ ڈالی جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے اس لئے ذیل میں اس کے بعض اشعار دیئے جاتے ہیں۔

خواریست بہر کج منش از راست رواں بحث   بر خاک فتد تیر چو گیرد بکماں بحث

راست رو لوگوں کی ہر کج منش (ٹیڑھی سمجھ والوں) سے بحث کرنا ذلت و خواری کی بات ہے بحث جب کمان سنبھال لیتی ہے تو تیر خاک پر گرتا ہے۔

گویائی آئینہ بس است از لب حیرت   حیف است شود جوہر روشن گہراں بحث

لب حیرت سے آئینے کا گویا ہونا کافی ہے۔ روشن گہر اور روشن خیال لوگوں کا جوہر اگر بحث ہو جائے تو ان کے لئے یہ افسوس کی بات ہوگی۔

ماتمکدہ علم شمر مدرسہ کاینجا ست   انصاف بخوں غوطہ زن و نوحہ کناں بحث

ہے علم کا ماتم کدہ وہ مدرسہ جس میں   انصاف کا خوں ہو اور بحث مرثیہ خواں ہو

غالباً اقبال نے یہیں سے اخذ کیا ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا   کہاں سے آئے صدائے لا الہ الا اللہ

گر بیخردی ساز کند ہرزہ زبانی   بگذار کہ چوں شعلہ بمیرد بہماں بحث

اگر غیر دانشمند آدمی بیہودہ گوئی سے کام لے تو شعلہ کی طرح اسے اس بحث میں مرنے دے۔

آن کیست کہ گردد طرف مولوی امروز   یک تیغ زبان دارد و صد نوک سناں بحث

آج کس میں جرأت ہے جو مولوی کے مقابل ٹھہرے۔ وہ مولوی جس کی بحث میں ایک تیغ زباں اور سو نوک سناں ہے (یعنی اس کی زباں تلوار کی طرح کاٹنے والی اور برچھے کی طرح سیکڑوں نوک سے چبھانے والی ہے۔)

اور اہل کمال کے سلسلہ میں کہتا ہے:

دریں زمانہ ز بس طبع دوں رواج گرفت   عناں کسب کمالات سوی ناں گردید

اس زمانے میں انتہائی پست ذہنی اور دون طبعی کی وجہ سے کمال اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ روزی روٹی کمائی جائے۔

ادبی حالات:

ہندوستان میں فارسی زبان وادب کے رواج اور اس کی ترقی پر ڈاکٹر علی اصغر حکمت نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے ذیل میں اس کے کچھ مخصوص حصے کا خلاصہ پیش ہے:

''غزنوی اور تیموری سلاطین اور ترک تیموری امراء سب اپنے اپنے اصل مراکز میں فارسی زبان میں ہی بات کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس زبان وادب، رسم ورواج اور تہذیب وتمدن کو بھی اپنے ہمراہ ہندوستان لانے کی کوشش کی۔

مسلمانوں کی فتوحات کے ذریعہ فارسی زبان وادب اور ایرانی فلسفہ وتمدن کی اشاعت پنجاب اور دہلی کے راستے گجرات، مالوہ، اور گنگا کی گھاٹی تک پورے ہندوستان میں ہونی ناگزیر تھی۔ حملہ آور مسلمانوں کے دوش بدوش مقامی ہندو باشندے بھی ایرانی زبان سیکھنے

اور نظم و نثر میں انکی پیروی کرنے لگے، بالکل اسی طرح جیسے ادھر آخری صدیوں میں انگریزی دورِ حکومت میں اس ملک میں انگریزی زبان و ادب کو اس کے شایانِ شان مقام و مرتبہ حاصل ہوا اسی طرح مسلمانوں کے دورِ حکومت میں فارسی زبان کو بھی سرکاری، ادبی اور دینی زبان کا رتبہ حاصل تھا۔ جہاں جہاں اسلامی سپاہی یا مسلمان تاجر نے قدم رکھا ان کے ہمراہ مشائخ طریقت اور ائمہ دین نے بھی تعلیم و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ کشمیر، پنجاب، شمالی ہندستان بلکہ مشرقی بنگال کی سرحد تک بہت سے برہمنوں اور دانشوروں نے فارسی زبان و ادب کا مطالعہ کیا، اس میں تحریر و تقریر کی صلاحیت پیدا کی اور اس میں کمال حاصل کیا۔ بالفاظ دیگر ہندستانی مسلمانوں نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کی شناخت فارسی زبان کے ذریعہ حاصل کی اور دینی علوم و ادب ان عالموں اور فقیہوں کی خدمت میں سیکھے جو ایران اور ماوراء النہر سے یہاں آئے تھے"۔ (۳۱)

غرض کہ سلاطین خصوصاً تیموری سلاطین کی حمایت اور سرپرستی کے نتیجے میں ایرانی زبان و ادب کو ہندوستان میں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ خاص طور سے مشہور مغل بادشاہ شاہجہاں جس کے عہد میں ادبی سرگرمیاں نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھیں، ایک طرف خود ہی اچھے کردار کا حامل اور مطالعہ کا شوقین تھا اور قلمی نسخوں پر حاشیے اور تعلیقات لکھا کرتا تھا تو دوسری طرف داخلی امن و امان اور درباری سرپرستی و حوصلہ افزائی کے نتیجے میں آسمان علم و دانش پر بہت سے ستارے اپنی تابانی دکھانے لگے۔ عبدالقادر کا بیان ہے:

"اپنے عہد حکومت میں شاہجہاں نے عالموں اور شاعروں کو سونے سے تولا اور بے حساب جواہرات، انعامات اور صلے ان کو دیئے۔ چنانچہ حاجی محمد جان قدسی کا مُنہ سات دفعہ بیش بہا جواہرات سے بھر دیئے۔ کلیم، قدسی، باقیا اور سعیدای گیلانی وغیرہ کو شاعری میں کمال کی وجہ سے سونے سے وزن کر کے ان کے ہم وزن سونا ان کو دیا۔ مشہور عالم وقت مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کو دو دفعہ میزان عنایت پر تول کر ساڑھے چھ ہزار روپے ان کو عطا کئے۔ اسی طرح قاضی محمد اسلم کو ساڑھے چھ ہزار روپے دئے۔ مولف 'شاہ جہجہاں نامہ' شیخ عبدالحمید لاہوری کو سونے سے تول کر ان کو ان کے ہم وزن رقم مبلغ تین ہزار روپے دئے۔ مشہور گلوکار جگناتھ مخاطب بہ "مہاراج" کو بادشاہ کی تعریف میں انوکھے معانی اور مختلف راگ پر مشتمل دھرپد تصنیف کرنے پر اس کے ہم وزن رقم ساڑھے چار ہزار روپے اس کو دیئے۔ رنگ خان موسیقار کو بھی اس کے ہم وزن رقم ا مبلغ سات ہزار روپے دیئے

.... غرض اس عالی مرتبہ بادشاہ کی اس طرح کی داد و دہش شمار سے باہر ہے اس کی تفصیلات "شاہجہاں نامہ" میں موجود ہے۔ بادشاہ خود بھی باذوق تھا اور تصوف و موسیقی کے علاوہ دوسرے علوم و فنون اور شجاعت و بسالت میں بھی یکتائے روزگار تھا۔" (۳۲)

اورنگ زیب کے عہد میں عام خیال یہ ہے کہ مذہبی تعصب اور اسلامی احکام سے اس کے والہانہ تعلق اور دلچسپی کی وجہ سے شاعری کے بازار کی رونق رخصت ہوگئی حتی کہ ملک الشعراء، کا عہدہ جس کا اکبر کے وقت سے رواج چلا آرہا تھا، اورنگ زیب نے بیک قلم موقوف کر دیا۔ اور شاعروں کے وظیفے منسوخ کر دیئے۔ اسی وجہ سے ایرانی شاعروں کی آمد کا سلسلہ جو عہد شاہجہاں تک جاری تھا بلکہ اس عہد میں کچھ بڑھ گیا تھا، موقوف ہو گیا۔ صرف ہندی نژاد شعرا یہاں تھے اور وہ بھی بہ قول شبلی نعمانی کچھ زیادہ اہمیت کے حامل نہ تھے۔

لیکن تلاش و جستجو سے پتہ چلتا ہے کہ شاعروں کے بارے میں اورنگ زیب کی بے اعتنائی اور سردمہری کے باوجود یہاں کی فضا شاعروں سے خالی نہ تھی۔ البتہ شاعری نے اپنی جگہ بدل دی تھی اور شاہی دربار سے نکل کر عوام کے گھروں میں داخل ہوگئی تھی۔ اس لئے لازمی طور پر اس کے محرکات، عوامل، مضامین اور مواد اور ہیئت سب کچھ بدل گئے۔ عہد اورنگ زیب کے شاعروں کی تعداد سابق سلاطین کے عہد کے شاعروں کی تعداد سے کسی طرح کم نہیں تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی تھی حتی کہ شاہی محل میں بھی شاعری کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے محمد ساقی کا بیان ہے:

"نثر و انشاء کے مختلف اسالیب پر بادشاہ (اورنگ زیب) کو پورا عبور تھا اور نظم و نثر فارسی میں اسے مکمل مہارت حاصل تھی لیکن آیت کریمہ ("الشعـراء یتبعـهم الغـاون" شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں) سے تمسک کرتے ہوئے غیر مفید شعر سننے کی طرف ان کی طبعیت مائل نہیں تھی مدحیہ اشعار سننا تو دور کی بات ٹھہری۔ ہاں جس شعر میں کوئی نصیحت کی بات ہوتی اس سے ضرور محظوظ ہوتے تھے۔

نکردہ بہر رضا خدائے عز و جل نہ چشم سوی غزالاں و نہ گوش سوی غزل (۳۳)

محمد ساقی کے بیان سے ظاہر ہے کہ شاعری کے بارے میں اورنگ زیب کی بے اعتنائی درحقیقت اس آیت کریمہ پر مبنی تھی جس میں شاعروں کی پیروی کو گمراہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود پند و نصیحت پر مشتمل موزوں اشعار سے وہ بھی متاثر ہوتا تھا۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے اشعار اس نے اپنے رقعات میں استعمال کئے ہیں جن کی تعداد تقریباً ۸۰ ہے ان میں حافظ، سعدی، رومی حتی کہ بیدل کے بھی اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ خود بھی شعر کہا کرتا تھا چنانچہ عبدالقادر خاں نے اس کا درج ذیل

نقل کیا ہے۔

غم عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم   چساں در شیشہ ساعت کنم ریگ تماشا را (۳۴)

ایسے شواہد موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف مناسبات سے اورنگ زیب بعض شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ مرزا روشن ضمیر کے بارے میں نقش علی رستم ''باغ معانی'' میں لکھتا ہے۔

''عالمگیر بادشاہ کو جب حفظ قرآن کی توفیق ہوئی تو مرزا نے یہ رباعی کہہ کر پیش کیا۔

محی الدینی و مصطفیٰ حافظ تو   صاحب سیفی و مرتضی حامی تو

(تو دین اسلام) زندہ کرنے والا ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ تیرے محافظ ہیں۔ تو صاحب سیف ہے اور مرتضیٰؓ تیرے مددگار و حامی ہیں۔)

تو حامی شرع و حامی تو شارع   تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

تو شریعت کا حامی ہے اور شریعت تیرا محافظ ہے تو قرآن کا حافظ ہے خدا تیرا حافظ ہے۔

شعر و شاعری سے دلچسپی نہ ہونے کے باوجود بادشاہ نے سات ہزار روپے اسے انعام میں دیئے۔'' (۳۵)

علاوہ ازیں اورنگ زیب کی لڑکی زیب النسا، جسکا تخلص مخفی تھا، ایک خاتون شاعرہ کی حیثیت سے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اس کا استاد سعید اشرف ایرانی تھا۔ مرزا محمد شیرازی، جس کا تخلص عالی تھا اور جو نعمت خاں عالی کے نام سے مشہور ہے اورنگ زیب کے باورچی خانے کا داروغہ تھا۔ عالی ایک مشہور ادیب اور شاعر تھا۔ سید حسین خالص، رفیع خاں باذل، شکر اللہ خاں خاکسار، عاقل خاں رازی، ایزد بخش رسا، مولانا عبدالعزیز عزت اور میر محمد زمان راسخ یہ سب وہ شعراء و امراء ہیں جو اورنگ زیب کی دستگاہ حکومت میں مختلف عہدوں پر فائز تھے اور امارت کے ساتھ ساتھ اچھے شاعر و ادیب تھے۔

عہد اورنگ زیب کے جن شاعروں کا تذکروں میں نام ہے اور جن کے کلام کے نمونے یا دواوین دستیاب ہیں ان کی تعداد سو سے اوپر ہے ان میں تقریباً ساٹھ تو ایسے شاعر ہیں جن کے دواوین اور نمونہ کلام موجود ہیں۔ اس میں سے ہر ایک کے متعلق ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم نے اپنی کتاب ''فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب'' میں تفصیلی بحث کی ہے۔ ان ہی شاعروں میں مرزا عبدالقادر بیدل، ناصر علی سرہندی، راسخ، عاقل خاں رازی، نعمت خاں عالی، عبدالجلیل واسطی بلگرامی، غنی کشمیری، غنیمت کنجاہی، اشرف مازندرانی، مرزا مبارک اللہ واضح، رفیع خاں باذل، خالص اصفہانی، فطرت موسوی، بینش کشمیری، عطا ٹھٹھوی وغیرہ وہ شعراء ہیں جن کا شمار اس عہد کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ (۳۶)

اعظم شاہ جو اپنی شاہزادگی کے زمانے میں مختلف صوبوں میں صوبے دار کے عہدے پر فائز رہا، اس کے ہمراہ بھی شاعروں کی ایک جماعت تھی۔ خوشگو کے مطابق حاجی اسلم سالم، شیخ حسین شہرت، میر محمد زمان راسخ اور مرزا بیدل اس کے درباری شاعروں میں تھے۔ اعظم شاہ انہیں بیش بہا خلعت اور نقد انعام دیا کرتا تھا۔ وہ خود بھی اس فن کا قدردان اور ناقد اور ایک باذوق بادشاہ تھا۔ ہندی زبان میں نہایت اچھے اشعار کہا کرتا تھا خاص طور سے فنون لطیفہ موسیقی، رقص اور جواہرات کی شناخت میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ (۳۷)

شاہ عالم بہادر شاہ بھی علم و فضل سے بے بہرہ نہ تھا (۳۸)۔ جہاں تک شاعروں کی سرپرستی کا تعلق ہے، اس کے متعلق اگرچہ کچھ زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ تاہم بیدل سے مغلیہ سلاطین کا ''شاہنامہ'' لکھنے کی فرمائش جس کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے، یہ بتاتی ہے کہ وہ بھی بڑے اور ممتاز شاعروں کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس کی مختصر مدت سلطنت کو ادبی سرگرمیوں سے بالکل خالی نہیں کہا جاسکتا۔ عہد بہادر شاہ کے نامور شاعروں مین سید حسین خالص اور مرزا ابوالحسن شیرازی کا نام لیا جاسکتا ہے۔

۱۱۲۴ ہجری ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم بہادر شاہ کی وفات کے بعد سات سال کے مختصر عرصے میں سیاسی اسٹیج پر زبردست انقلابات رونما ہوئے تاہم ملک کی فضا زبان و ادب کی ترقی کے لئے ناسازگار نہ تھی۔ بیدل کے دوستوں اور شاگردوں کی تفصیلی فہرست جسکا ہم مناسب جگہ پر آئندہ صفحات میں مطالعہ کریں گے، اس دعوی کی شاہد ہے۔ محمد احسن ایجاد، میر مقیمائی، میر عظمت اللہ بیخبر، فضل علی خاں، میر محمد حسن ناجی اور میر محمد ہاشم جرأت کا شمار عہد فرخ سیر کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ (۳۹)

صوبہ بہار کی علمی و ادبی حالت:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کے جنم بھوم ''بہار'' کی اس وقت کی علمی و ادبی حالت پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ کیونکہ بقول خود، اپنی زندگی کے ابتدائی اکیس سال اس نے بہار، بنگال اور اڑیسہ کے مختلف مقامات کا دورہ کرنے اور وہاں قیام کرنے میں گزارے، وہاں کے مکاتیب میں تعلیم حاصل کی اور روحانی اساتذہ کی صحبت سے فیض اٹھایا۔

صوبہ بہار اس دور میں علم و دانش کے لحاظ سے کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ کافی قدیم زمانے میں اس علاقے میں نالندہ (موجودہ ''بہار شریف'') میں ایک مشہور ترین درسگاہ علم و ادب کی اشاعت میں مشغول رہی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کی علمی و ادبی سرگرمیاں علم دوست اور ادب نواز سلاطین کی بدولت بڑی حد تک قابل تعریف رہی ہیں۔ علی اصغر حکمت لکھتے ہیں:

''اسی صدی کے دورِ آخر میں جونپور میں خواجہ جہاں ملقب بہ ملک اشرف نے تغلق سلاطین کی طرف سے علم اقتدار بلند کیا۔ تیموری حملے کی وجہ سے دہلی کے تغلقی سلاطین چونکہ کمزور ہو گئے اس لئے مذکورہ شخص نے مشرقی سلاطین، کے نام سے جونپور میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی ان میں ابراہیم شاہ شرقی کی حکومت طویل اور پرشوکت رہی ہے۔ مشرقی سلاطین کے عہد میں جونپور میں زبان وادب کو خاصا فروغ حاصل ہوا۔ اسی طرح موسیقی اور شعر و شاعری کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ تا آنکہ جونپور ''شیراز ہند'' کے نام سے مشہور ہوا۔ وہاں کی بلند اور پرشکوہ مساجد اور مدارس ہنوز اس کے گواہ ہیں''۔ (۴۰)

علم و دانش کا یہ سلسلہ صوبہ بہار تک پھیلا۔ فارسی زبان وادب کی بہار میں اشاعت اور ایرانی شاعروں کی آمد کے متعلق سید نجیب اشرف ندوی نے اپنے مقالہ ''عظیم آباد میں ایرانی شاعروں کی آمد'' میں مختصر جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں اس کا اہم حصہ پیش ہے:

''اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جس جگہ کسی چیز کی طلب اور مانگ ہوتی ہے وہ چیز متنوع صورتوں میں وہاں پہنچ جاتی ہے اور جس صوبہ یا شہر میں علم وفضل اور ہنر و کمال کا اعزاز واحترام اور اس کی قدر و ہمت افزائی کی جاتی ہے، وہی اصحاب علم وفضل اور ارباب کمال کا مرجع ہو جاتا ہے۔ تاریخ دوست اصحاب خوب جانتے ہیں کہ اس حیثیت سے پٹنہ ہمیشہ سے بیرونی علما و فضلا اور شعرا و ادبا کا ماویٰ و ملجا رہا ہے، چنانچہ اس مضمون میں صرف ان چند ایرانی شعرا کا جو چار سال کے عرصہ قلیل میں یہاں آئے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض نے یہیں توطن اختیار کر لیا، اور دراصل اس مشتے نمونہ از خروارے سے آپ اس جماعت کثیر اور گروہ عظیم کا اندازہ کر سکتے ہیں جو ۸ سو برسوں سے یہاں آتا اور یہاں کے ارباب ہمم کے بذل و نوازش سے مستفید و مستفیض ہوتا رہا ہے۔''

مرزا محمد صادق بن مرزا محمد صالح الاصفہانی الازاوانی عہد شاہجہاں کا ایک ممتاز مؤرخ، ادیب اور شاعر گذرا ہے، اس کا باپ عہد جہانگیر میں شہزادہ پرویز اور شہزادہ خرم کی ملازمت میں تھا، اور اسی سلسلہ میں اسے تین مرتبہ پٹنہ آنا پڑا ہے، ہر دفعہ اس کا لڑکا صادق اس کے ساتھ تھا۔ صادق نے ان تینوں سفروں کا مفصل حال اپنی مشہور تصنیف ''صبح صادق'' میں درج کیا ہے۔

صادق، تیسری شعبان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کو اتوار کے دن گجرات کے مشہور شہر سورت میں پیدا ہوا اور ابھی گیارہ سال کا تھا کہ اس کے باپ کو ملازمت کے سلسلہ میں پٹنہ آنا پڑا، چونکہ لڑکے کی تعلیم و تربیت ضروری تھی اس لئے وہ بھی ساتھ آیا ۱۰۲۹ھ سے ۱۰۳۳ھ تک یہاں رہا۔ اس نے متعدد کتابیں

لکھی ہیں، جن میں صبح صادق، طبقات شاہجہانی شاہجہاں نامہ، شاہد صادق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر تصنیف میں اس نے ان تمام علماء اور شعراء کا جن سے وہ ملا ہے اور جن سے اس نے استفادہ کیا ہے، حال لکھا ہے۔ چنانچہ اس چہار سالہ قیام کے سلسلہ میں جن لوگوں سے وہ ملا ہے، ان کے نام یہ ہیں۔

مولانا محمد معز الدین یزدی: یہ بزرگ یزد کے رہنے والے تھے، لیکن عرصہ سے پٹنہ میں مقیم تھے، معقولات میں خاص شہرت رکھتے تھے۔

مولانا عبدالشکور: یہ بھی ایک مشہور ایرانی عالم تھے اور کتب متداولہ کی تعلیم و تدریس کے لیے خاص طور سے مشہور تھے، ۱۰۳۵ھ میں ایک بدمعاش کے ہاتھ سے قتل ہوئے، یہ شاعر بھی تھے ان کا ایک شعر یہ ہے۔

دمے کہ جان دمد ببدن نغمہ نے است　　　آبے کہ خاک بر سر آتش کند می است

مولانا محمد حسین کشمیری علم منقولات میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ عرصہ تک پٹنہ میں افتاء و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اور ۱۰۳۵ ہجری میں یہیں پیوند خاک ہوئے۔

مولانا محمد حسین قزوینی مشہور خطاط تھے اور مرزا صادق نے ان سے فن کتابت میں تعلیم پائی تھی۔ سیرتیؔ تخلص کرتے تھے عرصہ تک پٹنہ میں قیام رہا پھر وہاں سے حج کے ارادہ سے لاہور گئے تذکرہ صبح گلشن میں ہے:

''متصف بنکتہ آفرینی و طبعش مجبول بہ رنگینی در خوش نویسی دستے داشت و از وطن بہ ہندوستان قدم برداشت و از حضور شہزادہ پرویز بن جہانگیر بادشاہ بمنصبی سرفرازی یافت و بعد وفات شاہزادہ مدتی در عظیم آباد و بنگالہ اقامت گزیدہ از انجا بزیارت حرمین شریفین شتافت۔''

نمونہ کلام یہ ہے:

دل بس ز اہل جہاں خاطرم گریزان است　　　بخانۂ کہ سرے می کشم گریبان است

☆

گرد پاک از تہمت آلودہ دامانے مرا　　　سخت چسپاں ست برتن دلق عریانی مرا

☆

از بس بر آستان تو شبہا فتادہ ام　　　چوں نقش پائے خویشتن از پا فتادہ ام

حکیم عارف لاہجی۔ مرزا صادق کا بیان ہے کہ وہ اکثر میرے والد ماجد کے پاس آیا کرتے

تھے، وہ مشاہیر شعرائے زمانہ سے تھا اکبری عہد میں وطن مالوف سے ہند آیا تھا، کچھ دنوں تک جہانگیر کے پاس رہا، آخر پٹنہ میں سکونت پذیر ہوگیا تھا۔ میں نے ۱۰۳۱ ہجری میں دیکھا تھا، ۱۰۳۵ھ میں مرا، نواب علی خاں کا بیان ہے کہ:

"از پرگویاں شاعر مشاعرت است و بر طریقہ قدما ممارست، در عہد اکبری بہند آمدہ تمسک ذیل جہانگیر دست کشود و در عظیم آباد مسکن گرفتہ۔"

نمونہ کلام:

دوش در انداز زلف یار گرفتن   بر من آساں نمود مار گرفتن
جام بکف گیر و ز آفتاب بیا نور   راہ سر تیغ کوہسار گرفتن

رباعی

ایں عمر کہ از پنجہ ہشتاد گذشت   یادش چہ کنی کہ شاد و ناشاد گذشت
در آب دو سالہ کشتی انداز مگر   در آب بیابی آنچہ بر باد گذشت

حکیم مولانا نادم گیلانی اولاً وطن سے دکن آیا پھر وہاں سے پٹنہ پہنچا، مدت تک پٹنہ میں رہا۔

غلام علی آزاد سرو آزاد میں لکھتے ہیں:

"سرخروئی معرکہ شعراء است، اما از شکست نفس نادم تخلص می گزیند، و صدر آرائے مجلس فصحا است، لیکن از فروتنی در صف آخری نشیند، الکن طلق اللسان بود و السبق از رائھان مضمار زبان آوری می ربودہ از دیار خود بمالک دکن افتاد .... و ازاں جا بہ عظیم آباد پٹنہ حرکت کرد۔

انتخاب کلام یہ ہے:

در کعبہ اگر دل بسوی یار نباشد   احرام کم از بستن زنار نباشد
ہر گز ایں طفل مزاجی نرود از خاطر   گر بتابوت روم شوخی گہوارہ کنم
باعث جلوۂ گل دیدہ بیدار من است   بلبلاں شور بر آرید کہ خواہم نبرد
ہنوزش رنگ طفلی ہست گل چیدن نمی دارد   بدامن آشیان بلبل از گلزار می آید

مرزا قاسم امامی اصفہانی سراجی لطیف الطبع تھا۔ فن موسیقی میں مہارت تامہ رکھتا تھا، مرزا صادق کے والد کے دوستوں میں تھا، اس کے دوشعر یہ ہیں:

بس در خم و پیچ سر کشیدیم چو آب   نالاں نالاں بسے دویدیم چو آب
چوں از منزل نشاں ندیدیم چو آب   در آبلۂ دل آرمیدیم چو آب

میر یحییٰ بن ہاشم قمی اکابر سادات عراق سے تھا، اولا وطن سے ہند میں وارد ہو کے کئی سال تک کن میں رہا عہد جہانگیر میں اوڑیسہ کی دیوانی و بخشی گری پر مامور ہوا، وہاں سے معزول ہو کر پٹنہ آیا۔ اس کا رف ایک شعر ہم تک پہونچا ہے:

آں خیال سیہ نبود بر گوشہ چشم تو   افتادہ سیہ مستی در گوشہ میخانہ خلف او

میر ہاشم مرزا صالح کے دوستوں میں تھا اور عرصہ تک پٹنہ میں مقیم رہا۔

ملا ابراہیم حسین کابلی لطیف المزاج و مجسم اخلاق تھا۔ ویری تخلص کرتا تھا، شاہزادہ پرویز کی زمت میں زندگی بسر کرتا رہا، خوشنجر خاں خطاب پایا تھا، شاہزادے کی وفات کے بعد صاحب قراں کی مت میں آیا، مرحمت خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا، ۱۰۴۰ھ میں فوت ہوا۔

پوشید ہمیشہ مصحف او را ز چشم من   زانساں کہ روز ابر ز باراں کتاب را

باقیا۔ مرزا صادق اس کے متعلق لکھتا ہے:

"انہیں ایام میں باقیا شاعر جو مشاہیر شعرا سے ہے آیا، پھر پٹنہ سے جونپور گیا، شعر گوئی میں اچھا سلیقہ و ملکہ رکھتا تھا، اور فن موسیقی میں بھی لیاقت و مہارت سے موصوف تھا۔ ...... جب صاحب قراں پٹنہ میں پہونچا تو اس وقت دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں آیا۔"

یار ہسیار آمدو از محبت ماست رفت   حیف چوں عمر یکہ در غم بگذرد از دست رفت

محمد لطیف لطفی، ملا سلطان محمد المتخلص بہ زاہدی کا لڑکا تھا، زاہدی بقول صاحب صادق، دیوان وری و خاقانی کا حافظ تھا، صبح گلشن نے اس کے دوشعر نقل کئے ہیں:

ز سوز سینہ فریاد از دل ناشاد برخیزد   بلے در خانہ آتش چوں فتد فریاد برخیزد
ہاں زلف و رخ و بالا بہر جا بگذری آنجا   ہمہ سنبل دمد، گل بشگفد، شمشاد بر خیزد

مرزا محمد طاہر منیری سخنداں صائب طبعان میں سے ہیں، ابتدائی جوانی میں اپنے وطن طالقان سے ہند آیا، اور سیر و سیاحت کے سلسلہ میں دو مرتبہ پٹنہ بھی آیا ہے، صاحب صبح گلشن کا بیان ہے:-

"شعلہ آواز گرمش منیر دل گرم طبعان در عہد جوانی بوطن خیر باد گفتہ روسوئے ہندوستان نہاد و در سیاحت ہند بر پٹنہ و لاہور و اکبر آباد و ملک دکن گذارش افتاد۔ من اشعارہ

سیاہ گشت دلم تا بلب ز آہ تمام   درون من شدہ چون دود کش سیاہ تمام
ز یک نگاہ بمن لاف التفات مزن   نکرد دعوی خود کش بیک گواہ تمام

بنائے صورتش ایزد باحتیاط نہاد چنانکہ ابروی او کرد در دوماہ تمام

ان کے علاوہ مرزا صادق نے میر محمد سعید نفیسی، ضیا وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن طوالت کے خیال سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ دراصل عظیم آباد کی ہی مرکزیت تھی جس نے تمام ارباب علم وادب کو اپنی طرف کھینچے رکھا تھا اور یہی سبب تھا کہ عظیم آباد، رشک دہلی و اکبر آباد تھا اور اپنی شعراء کی صحبتوں کی برکت سے خود عظیم آباد میں فارسی کے بڑے بڑے شعراء پیدا ہوئے۔(۴۱)

✪✪✪

باب دوم

بیدل کے حالات زندگی

سرگزشت من زمطلب بے نیاز افتادہ است
بر حریفاں گر نخوانم آنقدر ہا فرض نیست

[ہے سرگذشت میری مطلب سے بے نیاز
لازم نہیں کہ ذکر کروں دوستوں سے میں]

بدامن می خرامد وحشی صحرای دل — آنچہ ما پیمودہ ایم از ملک طول وعرض نیست
ائے دل کا وحشی الجھا ہے دامنوں سے — بیتی کا ہے نہیں ربط دنیائے آب وگل سے]
ای داریم و محو پردۂ گوش خودیم — شوق ما را بر کسی دیگر دماغ عرض نیست (۱)
نالہ ہے سو وہ بھی پردے میں گوش کے ہے — اک شوق ہے سو وہ بھی قابو میں ہوش کے ہے]
م چوں نگہ بیدل بحیرانی گزشت — گوشۂ چشمی نہ شد پیدا کہ جا پیدا کنم (۲)
عمر حیرت میں سراسر میں نے اے بیدل — کوئی گوشہ نہیں ایسا کہ جس کو آشیاں سمجھوں]

مرزا عبدالقادر بیدل کے حالات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں کے بیان میں اتنا اختلاف ہے کہ تنہا ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مشہور معاصر ایرانی نقاد حسن حسینی کا خیال صحیح ہے کہ:

''کار معرفی بیدل را یکسره به تذکره های گذشتگاں وانگذارند تذکره های که نثر مسجع و مکلّف آنها جز تجیم کردن کتاب وابطال اوقات خواننده وسلب اعتماد او ثمره ای نداشته و نخواہد داشت'' (۳)

بیدل کے تعارف کا کام صرف گزشتہ تذکرہ نگاروں کے بیان کی اساس پر نہ کیا جائے یہ تذکرے ایسے ہیں کہ کتاب کو ضخیم بنانے، قارئین کے وقت کو ضایع کرنے اور ان کے اعتماد کو سلب کرنے کے سوا کوئی اور حاصل اس کا رہا ہے اور نہ رہے گا۔

خوش قسمتی سے اس عظیم شاعر کی کچھ نثری تصانیف بھی ہیں جن میں اپنی زندگی کے مختلف (اگرچہ غیر مرتب) حالات کا ذکر کیا ہے یا کم از کم اُن کی جانب کچھ اشارے کئے ہیں۔ یہ تصانیف ہمارے کام کو بڑی حد تک مستند اور قابل اعتماد بنا دیتی ہیں۔ یہ ہیں چہار عنصر، رقعات، تاریخی قطعے اس کے علاوہ اپنی مثنویوں، غزلوں اور قصیدوں میں بھی جا بجا اس کی طرف اشارہ کئے ہیں چنانچہ ایک شعر میں کہتا ہے۔

گره کشای سخنور سخن بود بیدل بناخنی نفتد کار لب کشودنہا (۴)

کلام شاعر میں ہو گرہ گر، کھلے گی اس کے کلام ہی سے کہ لب کشائی نہیں ہے ممکن کرے کوئی ناخنوں سے

خاندان بیدل:

بیدل اگرچہ حسب ونسب کی اہمیت کے قائل نہیں تھے۔ ان کا خیال ہے۔

عدم گفتن کفایت می کند تا آدم و حوا دگر ای ہرزه! درس وہم طومار نسب مکشا (۵)

[عدم کی گفتگو تا آدم و حوا پہنچتی ہے پھر اے بیہودہ طومار نسب کا ذکر ہے کیا

تاہم علمائے نفسیات کا خیال ہے کہ زندگی کی راہ وروش کی تعیین میں نسلی خصوصیات کا بھی اہم رول ہوتا ہے، چنانچہ پیشہ ''سپہ گری'' کو اپناتے وقت خود بیدل نے اعتراف کیا ہے کہ میں نے ا[پنی] آبائی روایت کی پیروی کی ہے۔

بیدل کے والد کا نام مرزا عبدالخالق تھا۔ ان کا کس خاندان سے تعلق تھا اس سلسلے میں تذکرہ [نگا]روں کے چار اقوال ہیں: ا۔ ارلاس (شیر خاں لودھی، خوشگو، آزاد بلگرامی، قدرت اللہ گوپاموی) (۶) ۲۔ برلاس (حسین قلی خاں، احمد علی سندیلوی) (۷) ۳۔ ارلات (ابراہیم خاں خلیل، عشرت) (۸) ۴۔ ادلامی (خاں آرزو) (۹)۔ جان ریکا نے صدرالدین عینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''ازبک'' [خا]ندان سے اس کا تعلق تھا۔ (۱۰)

ان میں سے کونسا قول زیادہ درست ہے؟ پٹنہ یونیورسٹی شعبہ تاریخ کے مشہور پروفیسر اور مؤرخ [جنا]ب سید حسن عسکری صاحب مرحوم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

''برلاس زیادہ صحیح ہے۔ جاپان میں اس قبیلے پر ایک مقالہ بھی لکھا گیا ہے''۔

تاریخ پر ان کی گہری اور وسیع نظر کی وجہ سے ان کے قول پر اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن ایک [طالب] تحقیق کو اتنے مختصر جواب سے تسلی نہیں ہوتی، خصوصاً اس لیے کہ بہت سے دانشوروں کا اس میں [اختلا]ف ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی نے اس موضوع پر اس طرح بحث کی ہے جس سے تحقیق کے ایک طالب علم کو [ایک حد] تک تشفی ہوتی ہے۔ ان کے خیال کا خلاصہ یہ ہے:

''جس بات پر زیادہ اعتماد کیا جاسکتا ہے وہ صاحب مرأۃ الخیال شیر خاں لودھی کا قول ہے۔ انہوں نے اپنے تذکرے میں بیدل کا حال لکھنے کے بعد اسے بیدل کے پاس بھیجا اور بیدل نے اپنے بارے میں لکھی گئی باتوں پر اطمینان حاصل کر کے واپس کیا۔ اس میں ان کی نسبت قبیلہ ''ارلاس'' کی طرف کی گئی ہے۔ ارلاس مغلوں کا ایک قبیلہ تھا۔ لہٰذا قبیلہ ارلاس اگرچہ اس کی شہرت کم ہو مگر اسی سے بیدل کا تعلق تھا پھر یہ کہ خوشگو کے بیان سے بھی جس نے بیدل سے ایک ہزار سے زیادہ دفعہ ملاقات کی ہے، اس کی توثیق ہوتی ہے۔'' (۱۱)

[ل]یکن فارسی فرہنگوں اور انسائیکلوپیڈیا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ارلاس'' فلک عطارد کی [مثل] کہتے ہیں (۱۲) ڈاکٹر عبدالغنی نے ایک ترکی لغت ''نورالابصار'' مصنفہ رائے دھن کے حوالے سے [لکھا ہ]ے کہ وہ ایک مغل قبیلے کا نام تھا (۱۳) لیکن اس کے علاوہ کہیں بھی کسی قبیلے کے نام کی حیثیت سے [کو]ئی تذکرہ نہیں ملتا ہے اور نہ کسی قبیلے کے نام سے اس کی لغوی اور تاریخی مناسبت ہے خصوصاً [مشہور لغ]ت نویس سراج الدین علی خاں آرزو نے سارے تذکروں سے الگ بیدل کے قبیلے کا نام ''[ادلام]ی'' لکھا ہے، (مخطوطہ خدابخش لائبریری پٹنہ، ڈاکٹر عبدالغنی نے پتہ نہیں کہاں کے قلمی نسخے سے ''[ارلا]ت'' نقل کیا ہے) ہوسکتا ہے کہ ارلات ہی ہو سہو کاتب سے ''ادلامی'' لکھ گیا ہو کیونکہ ''ادلامی'' کا

کسی فرہنگ میں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ البتہ ''ارلات'' کے بارے میں ڈاکٹر عبدالغنی نے "Institute of Timur By Davy" کے حوالے سے لکھا ہے:

''کہتے ہیں کہ چنگیز خاں کے باپ کی وفات کے بعد اس کی ماں منگلک ایز کہ نامی ایک شخص سے شادی کر لی منگلک ایز کہ کے دوسرے لڑکے کا نام ''ارلات'' تھا اور اس کی اولاد بھی اسی نام سے یاد کی جانے لگی۔'' (۱۴)

''ادلامی'' کا جہاں تک تعلق ہے کسی بھی فرہنگ یا لغت کی کتاب میں نہیں ملا۔ پانچواں قول یہ ہے کہ بیدل کا تعلق ''ازبک'' قبیلے سے ہے اس کا تذکرہ جان ریپکا Jan Rypka نے تاریخ ادبیات ایران میں خواجہ صدرالدین عینی کے حوالے سے کیا ہے۔ صدرالدین عینی ایک مشہور تاجیکی ادیب ہیں اور پہلے آدمی ہیں جنہوں نے روس میں بیدل کا مطالعہ کیا اور اس پر اپنی مستقل کتاب بہ نام ''بیدل'' لکھی ہے۔ ان کا ماخذ کیا رہا ہے معلوم نہیں جہاں تک راقم السطور نے اس کی تحقیق کی کسی بھی تذکرے میں اس کا تذکرہ نہیں ملا۔ ممکن ہے ان کو غلط فہمی ہوئی ہو جیسا کہ بیدل کی مادری زبان کے بارے میں انہوں نے 'بنگالی' لکھا ہے۔

تذکرہ نگاروں میں سات لوگ ایسے ہیں جن کا بیدل سے براہ راست تعلق رہا ہے اور اس سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔ شیر خان لودی کو اس لحاظ سے کہ اس نے اپنی تحریر بیدل کی نظر سے گذار کر اس پر مہر تصدیق ثبت کرا دی ہے، فوقیت حاصل ہے۔ دوسرا بندرابن داس خوشگو ہے جو بیدل کا شاگرد اور سفینہ خوشگو کا مؤلف ہے۔ اور بہ قول خود ایک ہزار سے زیادہ دفعہ بیدل کی صحبت میں حاضری دی اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ ان دونوں نے بیدل کے قبیلے کا نام ''ارلاس'' لکھا ہے۔ تیسرے خان آرزو ہیں جو اپنی تصریح کے مطابق دو دفعہ بیدل کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ انہوں نے بیدل کے قبیلے کا نام ''ادلامی'' لکھا ہے۔ چوتھے شاہ محمد شفیع وارد طہرانی ہیں جو اپنے بیان کے مطابق جو کچھ بیدل سے سنا من وعن اسی طرح اپنے تذکرے ''مرأت واردات'' میں لکھ دیا۔ وہ لکھتا ہے: ''بیدل کے اجداد کا سلسلہ منصور بن مظفر، بادشاہ فارس اور ممدوح خواجہ حافظ شیرازی تک پہنچتا ہے'' ان کے علاوہ افضل سرخوش صاحب کلمات الشعراء، عظمت اللہ بیخبر صاحب ''سفینہ بیخبر'' اور سید محمد بن عبدالجلیل صاحب ''تبصرۃ الناظرین'' میں جو بیدل کے معاصر اور اس کی صحبت یافتہ ہیں اور مؤخر الذکر تو شاگرد ہیں، ان لوگوں نے اس سلسلے میں سکوت اختیار کیا ہے۔

جہاں تک لفظ ''برلاس'' کا تعلق ہے ناظم الاطبا صاحب ''فرہنگ نفیسی'' لکھتے ہیں:

''مرد دلاور و بہادر و پاک نژاد'' (۱۷) بہادر دلیر اور پاک نسل کا آدمی۔''

فضل اللہ ''لغت ترکی بفارسی'' میں لکھتے ہیں:

''برلاس بفتح با و سکون رای مہملہ و فتحہ لام با الف و سکون یعنی قومی از الوس چغتائی جوان و شجاع'' (۳)

''برلاس'' با پر فتحہ را پر سکون اور لام پر فتحہ کے ساتھ الوس چغتائی کی ایک جوان اور بہادر قوم کا نام ہے۔ اس قبیلے کی تاریخ اور اصل و ابتداء کے سلسلے مرزا عبدالقادر خان قراچار مصنف ''اویماق مغل'' لکھتے ہیں:

''ایروجی برلاس کی وفات کے بعد اس کا لڑکا تخت پر بیٹھا اور اسے برلاس یعنی جو نسلی طور پر بہادر ہو، کا لقب ملا اس کے ۲۹ لڑکے تھے۔ اس کی ساری اولاد کو برلاس کہتے تھے اور یہی نام اس قوم کا طے پایا۔ یہ برلاسی قوم ایروجی سے چلی۔ اسے ایروجی اور اروجی دونوں کہتے ہیں۔ ایروجی کی وفات کے بعد اس کا لڑکا اس کا جانشین ہوا۔'' (۱۹)

تیموریوں کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بہت سے فوجی منصب دار ''برلاس'' قبیلے سے تعلق رکھتے تھے مثلاً سلطان جنید برلاس اور سلطان سنجر برلاس جو سلطان حسین بایقرا کے امراء میں تھے۔ امیر شیخ عبداللہ برلاس اور امیر محمود برلاس شاہزادہ سلطان محمد کے امراء میں تھے۔ ابراہیم اور شاہ محمد برلاس سلطان محمد بدیع الزماں کے امرا میں تھے۔ سلطان جنید برلاس امیر ظہیرالدین محمد بابر شاہ فاتح ہندوستان کے امراء میں تھا۔ بابر بادشاہ نے ان کو جونپور کا علاقہ بخشا تھا۔ امیر دولت خواجہ برلاس اور شاہ حسین برلاس بابر بادشاہ کے امراء میں تھے۔ محمد قلی برلاس اکبر کے عظیم امرء میں تھا، اس کا لڑکا فریدون خان برلاس جہانگیر کے امراء میں تھا۔ پھر اس کا لڑکا مہر علی برلاس باپ کے منصب پر فائز ہوا (۲۰) مرزا بیگ برلاس حاکم غور۔ (۲۱)

لفظ ''برلاس'' کے ان لغوی اور تاریخی حقائق کو پیش نظر رکھ کر اگر ملازمت کے سلسلے میں بیدل کے بیان ''ناچار متتبع سنت آباء گردید و طریقہ سپاہ گزید'' (۲۲) کہ مجبوراً آبائی روایت کی پیروی کرنی پڑی اور سپہ گری اختیار کی، پر غور کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بیدل کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ کیونکہ ان کے والد مرزا عبدالخالق نے بھی کچھ دنوں تک سپہ گری کی لیکن تصوف کی طرف اپنے فطری میلان کی وجہ سے اسے ترک کر دیا (۲۳) چچا مرزا قلندر بھی شاہ شجاع کی فوج میں ملازم تھے (۲۴) مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا عبداللطیف شاہ شجاع کے ایک فوجی دستے کے سردار تھے اور خود بیدل نے بھی ان کے ساتھ تین مہینے ان کے فوجی دستے میں شریک ہو کر داد شجاعت دی تھی۔ (۲۵)

لہٰذا شیر خاں لودی اور خوشگو کے بیان پر بیدل سے ان کے نسبتہً قریب ہونے کی وجہ سے اعتماد کرکے ''ارلاس'' زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جبکہ لغوی اور تاریخی حقائق سے بیدل کے بیان کی کامل

ہم آہنگی کے لحاظ سے لفظ ''برلاس'' کو ترجیح دیا جاسکتا ہے اور اس لئے پروفیسر حسن عسکری کا بیان دل سے لگتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ بیدل کے آبا و اجداد، جنہوں نے کبھی توران اور ماوراء النہر میں زندگی گذاری تھی، کب ہندوستان آئے اور یہاں آکر کہاں بود و باش اختیار کی، اس سلسلے میں شاہ محمد شفیع صاحب تذکرہ ''مرآت واردات'' کے حوالے سے بچھمی نرائن شفیق لکھتا ہے:

''سلسلہ اجداد میرزا منتہی بہ شاہ منصور بن مظفر بادشاہ فارسی ممدوح خواجہ حافظ شیرازی می گردد۔ ہنگامیکہ شاہ منصور با امیر تیمور صف آرائی نمودہ کشتہ شد، اولادش و احفادش رو بصوب بخارا آوردند۔ چندین پشت میرزا در ماوراء النہر اقامت داشتند۔ بزرگوار میرزا از ان مکان مفارقت ورزیدہ در مملکت بنگالہ رحل اقامت افگند بعد انقضای یک پشت آفتاب وجود میرزا از مطلع صبح سعادت طالع گشت۔ (۲۶)

مرزا کے اجداد کا سلسلہ فارس کے حکمران اور خواجہ حافظ شیرازی کے ممدوح شاہ منصور بن مظفر تک پہنچتا ہے۔ امیر تیمور سے معرکہ آرائی میں جب شاہ منصور مارا گیا تو اس کی اولاد نے بخارا کا رخ کیا۔ مرزا کی کئی پشتیں ماوراء النہر میں گزریں پھر مرزا کے بزرگوں نے وہاں سے رخصت ہو کر بنگال میں بود و باش اختیار کی۔ ایک پشت گزرنے کے بعد مرزا کا آفتاب وجود مطلع صبح سعادت سے نمودار ہوا۔

شاہ محمد شفیع وارد کا بیان ہے کہ ۱۰۹۶ ہجری میں نواب شکر اللہ خاں سے وابستگی اور ان کی مکمل سرپرستی سے پہلے بیدل ڈیڑھ سال تک میرے گھر میں پوری فراغت کے ساتھ رہے تا آنکہ شکر اللہ خاں کا قاصد نارنول (میوات) سے آیا اور خط اور زری ان کے حوالے کیا تب وہ میرے والد سے رخصت ہو کر دوسرے مکان میں منتقل ہوئے۔ اور نسب کے سلسلے میں مرزا نے بارہا جس امر کا تذکرہ مجھ سے کیا وہ یہ ہے۔ (جو اوپر ذکر ہوا) (۲۷)

اگر واقعا یہی صورت حال ہے تو اس سے معتبر اور مستند کوئی بات نہیں ہو سکتی لیکن خود بیدل کے بیان سے ''وارد کے گھر بیدل کے ڈیڑھ سالہ قیام'' کی تردید ہوتی ہے۔ ۱۰۹۶ء میں بیدل متھرا سے دہلی آئے اور فوراً شکر اللہ خاں کو لکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے کوئی گھر یا تکیہ فراہم کریں (۲۸) اور بہ قول خوشگو نواب موصوف نے دو روپیہ یومیہ وظیفے کے علاوہ پانچ ہزار روپے میں ایک مکان خرید کر ان کے حوالے کیا (۲۹)۔ نواب موصوف کا ۱۱۰۸ء میں انتقال ہوا تو ان کے بڑے بیٹے شکر اللہ خاں ثانی کے نام ایک تعزیتی خط میں نواب کی بارہ سالہ غیر معمولی حمایت و سرپرستی کا تذکرہ کر کے ان کی وفات پر بیدل نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا (۳۰) اب اگر ۱۱۰۸ء میں بارہ سال گھٹائیں تو ۱۰۹۶ء نکلے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ متھرا سے آکر وہ براہ راست شکر اللہ خاں کے خرید کردہ مکان میں ٹھہرے اور ان کے

وظیفے پر زندگی گزارنے لگے۔ اصولی طور پر جب مصنف اور تذکرہ نگار کے بیان میں اختلاف ہو تو مصنف کے بیان ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ پھر یہ کہ وارد اور ان کے والد سے اگر بیدل کے اتنے ہی گہرے تعلقات تھے تو چہار عنصر یا قطعات و رقعات میں کہیں تو اس کا تذکرہ کیا ہوتا کیونکہ بیدل کی روش ہے کہ اپنے محسنوں کا تذکرہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی عنوان سے ضرور کرتا ہے یہ دعوی چہار عنصر اور رقعات وقطعات کے مطالعہ کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ ابھی حال میں ٹونک کے ایک کتب خانے میں بیدل کی ایک مثنوی بہ نام مثنوی ''سادہ و پرکار'' کا انکشاف ہوا ہے اس میں آخر میں ایسے اشعار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے شاہ محمد شفیع سے بیدل کا دوستانہ تعلق تھا۔ یہ مثنوی در حقیقت ۱۳۱ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ کی شکل میں ہے جس کا عنوان ہے ''در تعریف سید عالی نسب والا حسب میر محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ''۔ اس میں محمد شفیع کے علم وفن، عرفان و حکمت اور فہم و فراست کی تعریف کرتے ہوئے محمد شفیع کو شاعر و ادیب بمنزلہ انوری و خجندی و ابو الفرج بتایا ہے جیسے

پایہ عرفاں ز وجودش رفیع   میر صفا کیش محمد شفیع

تصوف کا پایہ میر صفا کیش محمد شفیع کے وجود سے بلند ہے۔

چوں رہ دشوار پسندی زند   طعنہ بر اشعار خجندی زند

جب وہ شاعری میں دشوار پسند راہ اختیار کرتا ہے تو خجندی کے کلام کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

می رسدش دست سخن گستری   مہر بہ لب بوالفرج و انوری (۳۱)

شاعری میں اسے ید طولی حاصل ہے کہ ابو الفرج اور انوری بھی اس کے سامنے مہر بلب ہیں۔

البتہ ہندستان کی تاریخ کو پیش نظر رکھ کر، جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا، یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغل بادشاہ بابر (۱۴۸۱-۱۵۳۰ء) یا دوسرے مغل سلاطین کے ہمراہ جو برلاسی امراء ہندوستان آئے جن میں سے ایک سلطان جنید برلاس بھی تھا اور جس کو بابر نے جونپور کا علاقہ بخشا تھا انہیں لوگوں میں بیدل کے آبا و اجداد بھی آئے ہوں گے اور ان کو بہار یا بنگال میں جاگیریں دی گئی ہوں گی۔

نام، تخلص اور تاریخ ولادت:

عبدالقادر نام، بیدل تخلص اور ابو المعانی کنیت ہے۔ بیدل ۱۰۵۴ ہجری ۴۵-۱۶۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت کے بارے میں خود اس کا ایک قطعہ ہے:

بہ بیدل لیکہ بملک ظہور   زفیض ازل تافت چوں آفتاب

برگی خبر داد از مولدش   کہ ہم فیض قدسؔ است و ہم ''انتخاب'' (۳۲)

پیدا ہوا جس سال جہاں میں بیدل دی اس کی خبر اک ولی نے کامل
ہے ''فیض قدس'' ناموں میں اک نام اس کا اور دوسرا نام ہے لفظ ''انتخاب'' سے پیدا

چہار عنصر اور خوشگو کے حوالے سے اس قطعے کی وضاحت یوں ہے کہ شاہ قاسم ترمذی نام کے ایک بزرگ اس علاقے میں سکونت پذیر تھے جہاں بیدل پیدا ہوا۔ انہوں نے بیدل کی ولادت کے بعد اُن کے لئے دو تاریخی نام ''فیض قدس'' اور ''انتخاب'' نکالے ان دونوں سے ۱۰۵۴ ہجری (۴۵-۱۶۴۴ء) نکلتا ہے۔ (۳۳)

بیدل کی جائے پیدائش:

بیدل کی جائے پیدائش کے متعلق تذکرہ نگاروں میں زبردست اختلاف ہے۔ افسوس کہ بیدل نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''چہار عنصر'' میں بھی چند مبہم اور غیر واضح اشاروں پر اکتفا کیا ہے، لہٰذا تذکرہ نگاروں اور بیدل کے بیانات کا تقابلی مطالعہ نیز ان کی تحلیل و تجزیہ سے ایک صحیح نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تذکرہ نگاروں کے اقوال کا نقشہ:

نام تذکرہ	مصنف	سن تصنیف	حیثیت	بیانات	حوالہ
مرآۃ الخیال	شیر خان لودھی	۱۱۰۲ ہجری	معاصر اور دوست	ہندوستان میں ان کی نشو و نما ہوئی	(۳۴)
سفینۂ بیخبر نسخۂ مخطوطہ علی گڈھ	عظمت اللہ بیخبر	۱۱۴۱ھ	معاصر	ان کی جائے پیدائش پٹنہ ہے	(۳۵)
مرآۃ واردات	شاہ محمد شفیع	۱۱۴۲ھ	معاصر	اکبر نگر عرف راج محل بنگال میں پیدا ہوا	شام غریباں (۳۶)
سفینۂ خوشگو	بندار بن داس خوشگو	۱۱۴۷ھ	معاصر اور شاگرد	بیدل کا وطن اکبر آباد ہے	دفتر ثالث (۳۷)
ید بیضا	غلام علی آزاد	۱۱۴۸ھ	وفات بیدل کے وقت ۱۷ سال کے تھے	عظیم آباد میں پیدا ہوئے	(۳۸)
مجمع النفائس	سراج الدین علی خاں آزاد	۱۱۶۴ھ	معاصر اور دوست	ان کی اصل توران ہے اور بنگال میں زندگی بسر کی	(۳۹)
خزانہ عامرہ	غلام علی آزاد	۱۱۶۶ھ	معاصر آخری دور کے	عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔	(۴۰)
سرو آزاد	''	''	''	''	(۴۱)
تذکرہ بے نظیر	عبدالوہاب افتخار	۱۱۷۲ھ	غیر معاصر	مرزا عبدالقادر عظیم آبادی	(۴۲)
سفینہ ہندی	بھگوان داس	۱۲۹۱ھ	''	پٹنہ میں پیدا ئے۔	(۴۳)
نشتر عشق	آقا حسین خان	۱۲۲۳ھ	''	عظیم آباد پٹنہ میں عرصہ وجود میں قدم رکھا۔	(۴۴)
نتائج الافکار	قدرت اللہ گوپاموی	۱۲۵۷ھ	''	ان کی ولادت عظیم آباد میں ہوئی	(۴۵)

ان بارہ اقوال میں کون زیادہ صحیح ہے؟ پٹنہ کے بعض اہم محققوں کے سامنے یہ سوال رکھا۔ مشہور محقق قاضی عبدالودود مرحوم نے فرمایا:

''اس سلسلے میں ہم کو روایت سے زیادہ اپنی درایت پر اعتبار کرنا چاہئے۔ یہ ایک عام حقیقت ہے کہ کوئی ایک ہی تذکرہ نگار براہ راست بیدل سے نقل کرتا ہے باقی سب بالواسطہ نقل کرتے ہیں۔ یہاں بھی دیکھنا ہوگا کہ براہ راست نقل کرنے والا کون تذکرہ نگار ہے۔ اس لحاظ سے خوشگو واحد تذکرہ نگار نظر آتا ہے جس نے بقول خود ایک ہزار سے زیادہ دفعہ بیدل سے ملاقات کی اور اس کی صحبت سے فایدہ اُٹھایا۔ اس نے بیدل کو ''اکبر آبادی'' لکھا ہے جبکہ غلام علی آزاد اور دوسرے وہ تذکرہ نگار جنہوں نے بیدل کو ''عظیم آبادی'' لکھا ہے ایک بار بھی اس سے ملاقات نہیں کی۔ لہٰذا کس کی بات زیادہ قابل اعتماد ہو سکتی ہے آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں جہاں تک شاد عظیم آبادی کا تعلق ہے جس نے محلے تک کی تعیین کر دی ہے جھوٹا ہے۔ اس نے بہت سی جگہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ یہاں وطن پرستی

یا صوبہ پرستی کا جذبہ کافی نہیں ہے بلکہ ہر ایک تذکرہ نگار کے بیان کو عقل و درایت کے ترازو میں تولنا چاہئے۔''

پانچ سال بعد جب دوبارہ ان سے ملاقات کی تو شاہ محمد شفیع وارد طہرانی صاحب ''مرأۃ واردات'' کے بیان کی بنیاد پر انہوں نے اپنا بیان بدل دیا۔انہوں نے کہا کہ بیدل ''اکبر نگر'' عرف راج محل میں پیدا ہوا۔یہی اکبر نگر کاتب کے سہو یا خوشگو کی غلط فہمی سے سفینۂ خوشگو میں اکبر آباد ہو گیا۔لیکن جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا وارد کے بیان کی ساری بنیاد اس کے اس دعوے پر قائم ہے کہ بیدل بقول خود ان کے ۱۰۹۶ ہجری میں متھرا سے آکر اس کے یہاں ڈیڑھ سال ٹھہرا۔اور یہ دعوی بیدل کے خود اپنے بیان سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لئے وارد کا بیان مشتبہ ٹھہرتا ہے۔

قاضی عبدالودود کے بعد پروفیسر عطاء الرحمٰن عطا کاکوی مرحوم سے ملاقات کی جو پٹنہ یونیورسیٹی شعبہ فارسی کے ریٹائرڈ پروفیسر تھے اور جنہوں نے سفینۂ خوشگو کو ایڈٹ کر کے چھپوایا۔بیدل ان کا خاص موضوع رہا ہے۔انہوں نے فرمایا:

''جس شاعر کو اکثر تذکرہ نگاروں نے ''عظیم آبادی'' لکھا ہے، اگر کبھی وہ اکبر آباد چلا گیا تو اسے اکبر آبادی یا دہلوی نہیں کہہ سکتے ٹھیک جس طرح اگر کوئی اکبر آبادی ہو اگر کبھی عظیم آباد آجائے تو اسے عظیم آبادی نہیں کہہ سکتے۔آزاد نے اپنے تینوں تذکروں میں اس کو عظیم آبادی لکھا ہے۔اس کے علاوہ خوشگو نے آزاد کے حسب ہدایت اپنا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا پس باوجود یکہ آزاد خوشگو کے قول سے واقف تھے کیوں اسے عظیم آبادی لکھ گئے۔''

بیدل کی جائے پیدائش سے متعلق تذکرہ نگاروں کے بیانات کے نقشے سے واضح ہے کہ خوشگو سے پہلے عظمت اللہ بیخبر نے اپنا تذکرہ ۱۱۴۱ ہجری ۲۸۔۱۷ اعیسوی میں لکھا۔انہوں نے بھی بہ بقول خود بارہا بیدل سے ملاقات کی اس لئے قاضی صاحب مرحوم کی دلیل کی اساس درست نہیں معلوم ہوتی ہے۔علاوہ ازیں چہار عنصر میں کافی تلاش و جستجو کے بعد چار مقامات ایسے ملے جہاں بیدل نے اکبر آباد کا نام لیا ہے۔

۱۔ در بلدہ اکبر آباد منظور ابرار میر کامگار، بدلیل سعادت ازلی، اوقات گرامی مصروف خدمت فقرا داشت''۔(۴۷)

۲۔ تابستان در گوشہ ای از زوایای اکبر آباد، گرمیہای صحبت تنہائیم، بساط عافیتی پر داختہ بود''۔(۴۸)

۳۔ سعادت حصول ازمنہ، کہ در بلدہ اکبر آباد، بساط فرصت توقف می گسترانید۔وفردوس آئین

اوقاتیکہ، بسیر آن گلزمیں سپری شد''۔(۴۹)

۴۔ فرصت شماری مدت انفاس، چندی در سواد بلدہ اکبر آباد رونق صبح خیزی داشت''۔(۵۰)

ان میں سے کسی بھی فقرے سے یہ نہیں نکلتا ہے کہ اکبر آباد بیدل کی جائے پیدائش رہا ہے۔

محمد شفیع وارد کا بیان کہ بیدل اکبر نگر عرف راج محل میں پیدا ہوا اور جس کی اساس پر قاضی صاحب مرحوم، ڈاکٹر عبدالغنی مرحوم اور پروفیسر سید حسن مرحوم نے آخری فیصلہ سنا دیا، تو جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ تھا کا مصداق ہے۔

آیئے اب خود بیدل کے مبہم اشارات پر غور کریں کیونکہ اس کا خیال ہے ع

گرہ کشای سخنور سخن بود بیدل (۵۱)

شاعر کے کلام میں اگر کوئی گرہ پڑی ہوئی ہے تو اس کے دوسرے کلام سے وہ گرہ کھلے گی۔

چہار عنصر، رقعات اور مثنویوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل آخر دم تک ہندوستان ہی میں رہا۔وہ بالترتیب بہار، بنگال، اڑیسہ، شمالی ہند، دہلی، متھرا، اکبر آباد، دکن، حسن ابدال، لاہور وغیرہ کا دورہ کرنے کے بعد آخر ۲۷ رجمادی الاول ۱۰۹۶ ہجری ۲۶ راپریل ۱۶۸۵ء میں دہلی میں مستقل طور پر فروکش ہو گیا۔

بیدل جب عمر کی پانچویں منزل میں تھا تو اس کے والد مرزا عبدالخالق اللہ کو پیارے ہوئے۔والد کے بعد اس نے چچا مرزا قلندر کی سرپرستی میں زندگی گزارنی شروع کی جس کا سلسلہ ۱۰۷۱ ہجری ۱۶۶۰ء تک قائم رہا۔لکھتا ہے:

''تربیت فقیر بیدل بعد از رحلت والد مرحوم تا ادراک نشۂ بلوغ بعہدہ التفات خود داشت''(۵۲)

والد مرحوم کے انتقال کے بعد بلوغ تک فقیر کی تعلیم و تربیت اپنے ذمے لی۔پھر ایک جگہ لکھتا ہے:

''بہ استفادہ انوارش چہ خورشید نگاہاں کہ لمعہ توجہ شاں بریں شبنم ضعیف نتافت''(۵۳)

ان کی تربیت میں رہ کر چند خورشید نگاہ بزرگوں کی توجہ کی کرنیں اس کمزور شبنم پر پڑیں۔پھر ان بزرگوں سے ملاقات اور ان کی صحبت سے استفادے کی تفصیلات پیش کرتا ہے۔سب سے پہلے مولانا کمال قادری، جو اس کے خاندانی پیرو مرشد کی حیثیت رکھتے تھے، کے بارے میں لکھتا ہے:

''میرزا قلندر را چندی در قصبہ ''رانی ساگر'' کہ بہ یمن توطن مولانا شیخ کمال ''افتخار'' مدینۃ الاولیاء'' داشت، اتفاق اقامت بود۔''(۵۴)

مرزا قلندر کو کچھ دنوں قصبہ ''رانی ساگر'' میں جو مولانا شیخ کمال کے وطن ہونے کی بدولت، ''مدینۃ الاولیا'' کا مرتبہ رکھتا تھا۔ قیام کا اتفاق ہوا۔

بیدل کو اپنے ساتھ رکھ کر ان کی صحبت سے استفادے کی غرض سے مرزا قلندر نے رانی ساگر میں قیام کیا جو ضلع بھوجپور صوبہ بہار کا ایک قصبہ ہے اور پٹنہ سے...... فاصلے پر واقع ہے۔ پھر اسی علاقے کے ایک مجذوب شاہ ملوک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مدتی چون سایہ، بپایہ درخت واکشیدہ۔(۵۵)

''کچھ دنوں سایے کی طرح ایک درخت کے تلے پڑے رہتے تھے''۔

اور شاہ ملوک کی صحبت سے استفادہ کے لئے مرزا قلندر سرائے بنارس تک، جو رانی ساگر سے ایک فرسخ (چار میل) کے فاصلے پر واقع ہے، آمد و رفت رکھتا تھا۔ پھر ایک اور بزرگ شاہ یکہ آزاد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''درایامیکہ قصبہ'' آرہ'' اقامتکدہ سیر اتفاقی بود، ادیم افسر زمین بسہیل نقش قدمش، رایحہ سعادت می اندوخت۔(۵۶)

جن دنوں قصبہ'' آرہ'' ان کی سیر وسیاحت کی اتفاقی قیامگاہ تھی ان کے نقش قدم کے سہیل سے افسر زمین سعادت کی خوشبو سے معطر تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ یکہ آزاد ہمیشہ سیر وسیاحت میں وقت گزارتے تھے۔ اس سلسلے میں کچھ دنوں ان کا قیام آرہ میں رہا۔ آرہ بہار کا ایک ضلع اور پٹنہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بیدل نے، جو اپنے چچا کے ہمراہ سیر وسیاحت میں رہا کرتے تھے، وہاں شاہ صاحب موصوف سے ملاقات کر کے ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔

شاہجہاں کی بیماری کے دوران اس کے لڑکے شاہ شجاع نے، جو بنگال اور بہار کا صوبہ دار تھا، ۱۰۶۸ ہجری ۱۶۵۸ء میں بنگال سے بہار تک خزانے کی وصولیابی کے لئے فوجی دستے مقرر کئے تھے۔ اپنے دعوی حکومت کا علم بلند کر کے اس نے دارالخلافہ دہلی کا رخ کیا۔ بیدل اس وقت ترہت (موجودہ مظفر پور) میں تھا۔ ملک میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی، راجہ مہاراجہ اور زمیندار آپس میں ایک دوسرے سے دست وگریباں تھے، انہوں نے شاہ شجاع کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ یہاں بیدل نے بہار اور پٹنہ کے حالات اس انداز سے بیان کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صوبہ کے بہت سے شہروں اور دیہاتوں کا اس نے دورہ کیا ہو اور تھوڑے تھوڑے عرصے تک وہاں رہائش اختیار کی ہو۔ لکھتا ہے:

''سالیکہ شاہ شجاع بن شاہجہان، بیماری پدر را سکتہ مضمون سلطنت اندیشید ...... از خطہ بنگال تا سرحد ممالک بہار بگرد آوری خزائن فتوح فوجہای گماشتند ...... از آنجملہ تسخیر نواح ترہت، کہ شمالی حدود ہند پٹنہ ملکیست عظیم وکوہستانی مشتمل بر چندین عقبات ہراس وبیم و میرزا عبداللطیف را کہ با میرزا قلندر مراتب خویشی داشت بہ سرلشکری بر آوردہ، اقتضای زمان وفاق فقیر را کہ تماشای عرصہ گاہ حوادث دلیل عبرت پیمائیست، بہمعنانی میرزا تعلیم فرمود باختیار رفاقت ایشان راہ تسلیم نمود...... مدت سہ ماہ راجہ ہای غرور آثار فرمان شاہی گردنی داشتند شکستہ اوضاع سجدہ کاری۔''(۵۷)

شاہ شجاع نے جس سال باپ کی بیماری کو مضمون سلطنت کے لئے سکتہ تصور کیا (اسے مفلوج سمجھا) بنگال سے لے کر بہار کی سرحد تک مفتوحہ علاقے کے خزانے کی وصولیابی کے لئے اس نے فوجی دستے جگہ جگہ مقرر کر دئے تھے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی خطہ ''ترہت'' کی تسخیر کا مسئلہ تھا جو پٹنہ کے شمال میں واقع ایک بڑا علاقہ ہے اور جہاں چند خوفناک گھاٹیوں پر مشتمل ایک پہاڑی کا سلسلہ ہے۔ مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا عبداللطیف کو شاہ شجاع نے اک فوجی دستے کا کمانڈر بنا کر بھیجا تھا۔ عرصہ گاہ حوادث کا تماشا چونکہ حصول عبرت کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اس لئے مرزا قلندر نے خاکسار کو بھی مرزا عبداللطیف کی رفاقت کی ہدایت کی۔ تین مہینے تک باغی راجہ مہاراجاؤں کو اس طرح زک پہونچائی کہ ان کو گردن تسلیم جھکاتے ہی بنی۔

اس سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: یہ کہ ۱۔ ۱۰۶۸ ہجری ۵۸-۱۶۵۷ء میں بیدل ترہت میں اپنے چچا کے ہمراہ مرزا عبداللطیف کے گھر قیام پذیر تھا۔ ۲۔ چچا کے حسب ہدایت اس کے ایک عزیز مرزا عبداللطیف کے فوجی دستے میں شریک ہوا۔ ۳۔ باغیوں کی سرکوبی میں تین مہینے تک داد شجاعت دی۔ ۴۔ الہ آباد کے پاس اورنگ زیب کی فوج سے آویزش میں شاہ شجاع کی فوج کی شکست کی خبر نے ترہت میں عبداللطیف کے فوجی دستے میں خوف وہراس کی لہر دوڑا دی ۵۔ سپاہیوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی مرزا کی ساری کوششیں رائگاں گئیں اور دس روزہ وحشت ناک دوڑ بھاگ میں بیدل پہلے ''چاندچوریا (یا چاندپور)'' اور اس کے بعد پٹنہ پہونچا۔(۵۸)

پھر ۱۰۷۰ ہجری ۱۶۶۹ عیسوی میں اورنگ زیب نے جب اقتدار کی باگ ڈور پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے لی اور شجاع کا ستارہ غروب ہوگیا۔ مرزا اقلندر نے، جو اس وقت ''مہسی''، ضلع چمپارن میں تھا، بنگال کا رخ کیا۔ مہسی ضلع مظفر پور اور موتیہاری کے بیچ میں ایک قصبہ ہے۔ مرزا قلندر نے اپنے گھریلو سامان مہسی میں چھوڑ دیئے تھے۔ مرزا بیدل نے چچا کے حسب حکم ایک نوکر کے ساتھ وہاں

جانے کا پروگرام بنایا اس سفر میں اسے بہت سی صعوبتوں سے دو چار ہونا پڑا، آخر ''جمنا پور'' پہونچا وہاں اس کی ملاقات گھوڑی پر سوار ایک ضعیف آدمی سے ہوئی جس نے اس طرح اپنا تعارف کرایا:

''من جان محمدم از تابعان خواجہ شاہ محمد کہ در مہسی با میرزا قلندرش نسبت ہمسائیگی دیوار بدیوار است۔'' (۵۹)

میرا نام جان محمد ہے، میں خواجہ محمد شاہ کا مرید ہوں، جن کا مکان ''مہسی'' میں مرزا قلندر کے مکان کے اتنا پڑوس میں واقع ہے کہ دونوں کی دیواریں ایک جگہ ملتی ہیں۔

بیدل اس بوڑھے آدمی کے اصرار پر گھوڑی پر سوار ہو کر عصر کے وقت مہسی پہونچا۔ وہاں لوگوں کو جب بیدل کی آمد کی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے خصوصاً شاہ محمد کے صاحبزادوں نے نہایت گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

''فردای آن روز کہ پسران خواجہ برسم قدیم صحبت فقیر دریافتند۔'' (۶۰)

دوسرے دن خواجہ کے صاحبزادوں نے اپنی دیرینہ روایت کے مطابق مزاج پرسی کی۔

مثنوی عرفان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیدل نے بنگال میں ''کالوطاق'' کے مقام پر کچھ وقت گزارا ہے جہاں کے ایک دولتمند کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

مردی از اغنیا ''بنگالہ'' — مفلسی گشتش از قضا حالہ
آخر آوارگی جنون انگیخت — چون غبارش ز خانہ بیرون ریخت
در سواد مقام ''کالو طاق'' — بست ناچار با جلا میثاق (۶۱)

بنگال کا ایک رئیس بدقسمتی سے مفلس ہو گیا۔ آوارگی نے اسے وہاں غبار کی طرح گھر سے بے گھر کر دیا۔ ''کالوطاق'' سے اس نے مجبوراً جلاوطنی کا عہد کیا۔ اس لئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مہسی سے واپسی پر بیدل بھی اپنے چچا مرزا قلندر کے پاس سامان پہونچانے کالوطاق گیا ہو، پھر پٹنہ آیا اور ۱۰۷۱ ہجری ۱۶۶۰ عیسوی میں وہ اپنے ماموں مرزا ظریف کے ہمراہ پٹنہ سے اُڑیسہ کے لئے روانہ ہوا اور چچا مرزا قلندر سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ لکھتا ہے:

''در بلد پٹنہ، وثاق معارف اتفاق میرزا ظریف۔ در سنہ یکہزار و ہفتاد و یک (۱۰۷۱ھ) میرزا ظریف را کہ...... وچہرہ اعتبار بیدل خاکسار بہ نسبت آرای خال مزین داشت، خامہ تقدیر بسفر ملک اوریسہ جادۂ ہدایت گردید و ''تسلیم سرشت حقیقی'' را باختیار رفاقت خود و جدائی میرزا قلندر مجبور گردانید۔ (۶۲)

شہر پٹنہ میں معارف اتفاق وثاق مرزا ظریف رہتے تھے ۱۰۷۱ ہجری ۱۶۶۰ء مرزا ظریف کو جو

خاکسار بیدل کے ماموں ہیں تقدیر نے اڑیسہ کے سفر کی رہنمائی کی۔ اس تسلیم سرشت حقیقی بیدل کو انھوں نے اپنی رفاقت اور مرزا قلندر کی مفارقت پر مجبور کیا۔

درج بالا اقتباسات سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ صوبہ بہار میں بیدل نے اپنے خاندان کے ساتھ کوئی ۱۶ سال تک زندگی گذاری۔
۲۔ ۱۰۵۹ ہجری ۱۶۴۹ء کے آس پاس والد کے انتقال اور ۱۰۶۱ ہجری کے ارد گرد والدہ کے انتقال کے بعد چچا مرزا قلندر کے زیر کفالت زندگی گذارنی شروع کی۔
۳۔ مرزا قلندر کا آبائی مکان ''مہسی'' ضلع چمپارن میں تھا اور شاہ کمال قادری سے استفادے کے لئے اس نے کچھ دنوں رانی ساگر میں قیام کیا۔
۴۔ چچا کی سرپرستی میں بیدل نے دس سال کی عمر تک باقاعدہ مکتب میں تعلیم حاصل کی۔
۵۔ اسی کے ساتھ چچا کے ہمراہ رانی ساگر میں شاہ کمال، سرائے بنارس میں شاہ ملوک، آرہ میں شاہ یکہ آزاد اور شاہ فاضل کی صحبت سے استفادہ کیا۔
۶۔ ۱۰۶۹ ہجری میں ۱۶۵۸ء میں ترہت (مظفر پور) مرزا عبداللطیف کے حوالہ ہوا جن کے فوجی دستے میں شامل ہو کر تین مہینے تک داد شجاعت دیتا رہا۔
۷۔ الہ آباد سے شاہ شجاع کی شکست کی خبر پاتے ہی ترہت میں مرزا عبداللطیف کا دستہ انتشار کا شکار ہوا۔ دس دن تک صحرا نوردی کے بعد بیدل چاند چور اس کے بعد پٹنہ پہونچا۔
۸۔ پٹنہ میں اپنے ماموں مرزا ظریف کے پاس رہا۔ مرزا ظریف کا وطن پٹنہ تھا۔
۹۔ ۱۰۷۱ ہجری میں مرزا ظریف کے ہمراہ بیدل اڑیسہ روانہ ہوا اور مرزا قلندر سے مکمل طور پر الگ ہو گیا۔

نتیجہ:

اس طرح اس امر میں کہ مرزا قلندر کا وطن 'مہسی' اور مرزا ظریف کا وطن 'پٹنہ' تھا کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ مرزا عبدالخالق کا وطن بھی ''مہسی'' رہا ہو اور بیدل یا تو 'مہسی' میں جو اس کے چچا اور باپ کا وطن تھا پیدا ہوا ہے یا پٹنہ میں جو اس کے ماموں اور ماں کا وطن تھا جیسا کہ آج بھی بہار کے مختلف علاقوں میں یہ رسم ہے کہ پہلا بچہ عموماً اپنے ننیہال میں پیدا ہوتا ہے۔ شاید انہی حقائق کے پیش نظر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے:

''بیدل کو صوبہ بہار سے موروثی تعلق تھا اور اگر اس کو عظیم آبادی کہنے میں تامل ہو تو بہاری

کہنے میں مطلق تامل نہیں اور اکثر قصباتی لوگ بہاری کے بجائے عظیم آبادی کہلاتے ہیں''(۶۳)

ایک بزرگ کی پیشین گوئی:

بیدلؔ نے جب آنکھ کھولی تو اس کے والد ماجد مرزا عبدالخالق جو خود بھی ایک صوفی مشرب اور پرہیزگار قسم کے آدمی تھے، اسے ایک بزرگ کے پاس لے گئے جن کا نام ابوالقاسم ترمذی تھا اور جو بہ قول خوشگو ریاضی اور نجوم میں ید طولی رکھتے تھے۔(۶۴) انہوں نے بیدل کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہوئے دو تاریخی نام ''فیض قدس'' اور ''انتخاب'' نکالے جو ایک یادگار ہے۔ بیدل کے ان شاعرانہ کمالات کو دیکھتے ہوئے جو بعد کے سالوں میں ظاہر ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شاہ ابوالقاسم ترمذی کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صادق آئی اور اپنے ہمعصر شاعروں میں بیدل واقعی ایک منتخب شاعر کی حیثیت سے ابھرے خوشگو نے بجا لکھا ہے:

''اس سراپا انتخاب کی تاریخ ولادت کے لئے لفظ ''انتخاب'' زمانے کا ایک جز قرار پایا''(۶۵)

وجہ تسمیہ:

بیدل کے والد مرزا عبدالخالق نے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا، کچھ دنوں سپہ گری کا پیشہ اختیار کیا، لیکن جلد ہی اس سے دست بردار ہو کر گوشہ نشیں ہو گئے۔ قادری سلسلے کے ایک بزرگ مولانا کمال قادری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کی خدمت میں تصوف کا درس لینے لگے۔ مولانا کے شجرہ بیعت کا سلسلہ قطب دوران حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا تھا اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر مرزا عبدالخالق کی شیخ سے ارادت وعقیدت نے ان کو اپنے بیٹے کا نام بھی عبدالقادر رکھنے پر آمادہ کیا ہوتا کہ سر سلسلہ سے ایک طرح کی نسبت برقرار رہے۔ یہ باتیں بیدل کے درج ذیل بیان سے مترشح ہوتی ہیں۔

''تلقین والد شریف فقیر از روح حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت آن ذات تقدس آیات بود۔''(۶۶)

فقیر کے والد کی حضرت غوث الاعظم کی روح سے تلقین اسی ذات تقدس آیات مولانا کمال کی بدولت تھی۔

مرزا عبدالخالق کی وفات:

شیر خوارگی کا زمانہ ختم ہونے کے بعد بیدل نے جب زندگی کی چھٹی منزل میں قدم رکھا تو مرزا عبدالخالق اسے داغ مفارقت دے گئے اور اس دریتیم اور گوہر یکتا کو سوگوار چھوڑ گئے لکھتا ہے:

''باندک تحریکی از نسیم فرصت، والد مجازی بسیر گلشن حقیقت شتافت۔(۶۷)

والد مجازی نسیم فرصت کی ادنی سی حرکت پر گلشن حقیقت کی سیاحت کو روانہ ہو گئے۔

کیونکہ باپ کی وفات کے بعد بیدل نے بہ قول خود ''زمانی چند'' کچھ وقت کیف ما اتفق گزارے۔ پھر ساڑھے پانچ سال کی عمر میں والدہ نے اسے حروف تہجی کی شناخت کرائی۔ اس ''زمانی چند'' کو ہم چھ مہینے سے کم کا عرصہ مان سکتے ہیں لیکن خوشگو نے اسے واضح طور پر متعین کر دیا ''اسی سال کے وسط میں (یعنی بیدل جب ساڑھے چار سال کا تھا) مرزا عبدالخالق نے رخت سفر باندھا''۔(۶۸)

بیدل کے بیان سے اس کی تعیین نہیں ہوتی ہے اس لئے خوشگو کی تعیین کو تقریبی کہہ سکتے ہیں۔ بیدل اس جانکاہ حادثے کی تلخی کو ۴۲ سال کی عمر میں بھی اسی طرح محسوس کرتا ہے کیونکہ اس واقعہ کو اسی عمر میں قلم بند کرنا شروع کیا۔

''آشوب گردیتیمی جوہر آئینہ اشتہار یافت و پریشانی غبار و بیکسی دامن جمعیت اعتبار پیچید۔(۶۹)

گردیتیمی کا آشوب آئینہ اشتہار کا جوہر قرار پایا اور غبار بیکسی کی پریشانی نے سکون کا دامن سمیٹا۔

نیز ایک قطعہ کے ذریعہ بھی اس نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔

خورشید خرامید وفروغی بہ نظر ماند — دریا بکنار دگر افتاد و گہر ماند
آتشکدہ رفت و گرہ ریخت شراری — دل آب شدو قطرہ خونی زجگر ماند
آن سایہ گزشت از اثر دست نوازش — این نقش قدم داغ شدو خاک بسر ماند (۶۹)

[سورج غروب ہوا اس کی صرف ایک چمک نظروں میں رہ گئی۔ دریا ساحل کے دوسرے کنارے سے جا لگا اور موتی یکہ وتنہا رہ گیا۔ آتشکدہ بجھ گیا صرف ایک چنگاری اس کی باقی رہ گئی۔ دل پانی کا روپ اختیار کر گیا اور جگر صرف ایک قطرہ خون کی شکل میں رہ گیا۔ دست نوازی کے اثر سے وہ سایہ آگے بڑھ گیا یہ نقش قدم داغ اور سر خاک آلود ہو کر رہ گیا۔]

بیدل کے بعض ارادتمندوں کا خیال ہے کہ اس نے یہ قطعہ ایام کودکی میں کہا ہے لیکن کلام کی پختگی و انداز بیاں کی برجستگی اس خیال کی تردید کرتی ہے۔ علاوہ ازیں بیدل چہار عنصر کے شروع میں لکھتا ہے:

''از آن ہنگام تا حال نفس شماری مقارن سال چہل و یکم است۔'' (۷۰)

''اس وقت عمر کی نفس شماری اکتالیسویں سال سے ہم آہنگ ہے''

اس سے ظاہر ہے کہ اکتالیس سال کی عمر میں بیدل نے اپنی روئداد زندگی کو قلم بند کرنا شروع کیا اس لئے یہ قطعہ یقینی طور پر اسی زمانے کا ہے۔

نیاز فتحپوری لکھتے ہیں:

''ہم یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں کہ یہ شعر ان کی کمسنی کا ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ جب سن شعور کو پہنچ کر انہوں نے اپنے مختلف جذبات کو منظوم کئے تو اس سلسلے میں اس حادثے کا بھی ذکر ان الفاظ میں کیا'' (۷۱)

آغوش مادر میں بیدل کی تربیت:

والد کی وفات کے بعد بیدل نے کچھ دنوں جیوں تیوں لا ابالی پن میں زندگی گزاری پھر تقریبا ساڑھے پانچ سال کی عمر میں ان کی ماں نے ان کو اپنے پاس بٹھا کر حروف تہجی کی شناخت کرائی اور اسی سال کے ختم پر چند مہینوں میں قرآن پاک ناظرہ مکمل کرلیا۔ ماں کی تربیت کل سات مہینے جاری رہی اس مختصر سی مدت میں انہوں نے اسے اس لائق بنا دیا کہ اساتذہ کی خدمت سے استفادہ کر سکیں لکھتے ہیں:

بانک تحریکی از نسیم فرصت والد مجازی بر سیر گلشن حقیقت شتافت۔ زمانی چند بہ وضع بی سروپائی گذشت۔ در مبادی شہر سادسہ از سال سادس والدۂ مشفقہ ...... باستفادہ خدمت اساتذہ سروش معنوی گردید، و باستفہام ابجد تہجی عنان توجہ معطوف گردانید .... بامداد تربیتش ہفت ماہ تردد انفاس توام ورق گردانی بود.......... در نہایت حول مسطور معیت فضل واہب العطیات زبان عجز بیان را باختتام قرآن مجید فائز گردانید۔ (۷۲)

کچھ وقت تو لا ابالی پن میں گزرا۔ چھٹے سال کے چھٹے مہینے کے اوائل میں اساتذہ کی خدمت سے استفادہ کے لئے مادر مہربان سروش معنی ثابت ہوئیں اور حروف تہجی کی شناخت پر انہوں نے اپنی توجہ مرکوز کی۔ ان کی تربیت کے سہارے نفس کی آمد و شد سات مہینے ورق گردانی سے ہم آہنگ رہی خدا کے فضل سے سال مذکور کے آخر میں زبان عجز بیان کو قرآن پاک کو مکمل کرانے کا شرف بخشا اور دیدۂ حیرت عنوان میں آشنائی نقوش کا سرمہ لگایا۔

یہاں پروفیسر غلام حسن مجددی کو سہو ہوا۔ انہوں نے لکھ دیا کہ ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم بیدل نے ساڑھے چھ سال کی عمر میں شروع کی اور سات مہینے کی مدت میں مکمل کیا۔ (۷۳) اس سہو یا غلط

کی وجہ بیدل کی عربی آمیز عبارت ''در مبادی شہر سادسہ از سال سادس'' پر مناسب توجہ کا فقدان ہے۔ ان مقولے کا ترجمہ یوں ہے ''چھٹے سال کے چھٹے مہینے کے اوائل میں'' جس کا مطلب ظاہر ہے پانچ سال پانچ مہینے اور چند روز کی عمر میں بیدل نے اپنی ماں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ سید سلیمان ندویؒ نے اس زمانے کو ماہ رجب کے مطابق قرار دیا (۷۴) لیکن زمانے کی اتنی واضح تعیین اس بات پر موقوف ہے کہ بیدل ماہ محرم ۱۰۵۴ ہجری میں پیدا ہوئے ہوں اور یہ واضح نہیں ہے۔ بیدل کے بیانات پر کافی غور و خوض نہ کرنے کی وجہ سے خوشگو کو بھی بہت سے مقامات پر غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر وہ لکھتا ہے:

''چون از رضاع برآمد، وقدم بہ پنج سالگی داشت، زبان را کہ از اعضاء رئیسہ انساں است، بختم کلام مجید شادابی بخشید۔ و در اواسط ہمانسال میرزا عبدالخالق رخت ہستی بربست و گرد یتیمی بر چہرہ حالش نشست ....در سال ششم از حد عمر از خدمت والدہ ماجدہ حروف تہجی آموخت۔'' (۷۵)

شیر خوارگی کے دور سے بیدل جب باہر آئے اور عمر کی پانچویں منزل میں قدم رکھا تو اپنی زبان کو جسکا شمار انسان کے اعضاء رئیسہ میں ہوتا ہے ختم کلام مجید سے شادابی بخشی۔ اسی سال کے آخر میں مرزا عبدالخالق نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کے چہرہ حال پر گرد یتیمی جم گئی۔ چھٹے سال اپنی والدہ سے حروف تہجی سیکھی۔

خوشگو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ پانچ سال کی عمر میں بیدل نے ناظرہ قران مکمل کیا۔

۲۔ باپ کی وفات کے وقت بیدل کی عمر ساڑھے چار سال تھی۔

۳۔ چھ سال کی عمر میں اس نے والدہ کی خدمت میں حروف تہجی کی شناخت حاصل کی۔

بیدل کے بیان سے موازنہ کرنے پر خوشگو کے بیشتر بیانات غلط نظر آئے ہیں۔ اس لئے خوشگو کے بیان کو بیدل سے قربت کی وجہ سے آنکھ بند کرکے قبول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح خواجہ عباد اللہ اختر مصنف ''بیدل'' اسی قسم کی ایک غلط فہمی کے شکار ہوئے ہیں لکھتے ہیں۔

''چھ سال چھ ماہ کی عمر تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یہ در یتیم والدہ کی آغوش تربیت میں تعلیم پاتا رہا۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا اس کے بعد صرف نحو عربی پڑھی'' (۷۶)

رہی یہ بات کہ خرد سالگی کے باوجود بیدل نے کس طرح قرآن مجید ناظرہ چھ مہینے کی مختصری

مدت میں مکمل کرلیا تو اس کی اس فطری ذہانت کی بنا پر جس کا ظہور بعد کی زندگی میں بار ہا ہوا ہے کوئی تعجب خیز بات نہیں معلوم ہوتی ہے۔

بیدل کے بیاں سے یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ اس کی ماں اس دنیا سے کب رخصت ہوئی کیونکہ ان کی سات ماہہ تربیت کے ذکر کے بعد بیدل نے سکوت اختیار کیا ہے۔ لیکن خوشگو کا بیان ہے۔

''درہماں نزدیکی آں مریم مکان نیز رہ نورد عالم بالاگشت'' (۷۷)

یعنی اسی (ختم قرآن مجید کے زمانے) کے آس پاس وہ مریم مرتبہ خاتون بھی عالم بالا کو سدھاریں۔ چونکہ بیدل نے چھ سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ ختم کیا اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے فوراً ہی بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے خوشگو کے اس بیان کی بنا پر بیدل کی والدہ کا نام ''مریم'' لکھ دیا (۷۸) ''جبکہ مریم مکان'' کی ترکیب واضح کرتی ہے کہ وہ ایک پارسا اور عبادت گزار عورت تھیں اور اسی لحاظ سے وہ حضرت مریم کا درجہ اور پایہ رکھتی تھی جو محض تیمناً ہے ورنہ ظاہر ہے حضرت مریم سے کسی کا کیا مقابلہ؟

مرزا قلندر کی زیر کفالت بیدل کی مدرسہ میں تعلیم و تربیت:

از مدرسہ یک عمر سبقہا خواندیم　　از ہر بد و نیک و زشت و زیبا خواندیم

ایک مدت تک مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتا رہا اور ہر نیک و بد اور بھلے برے کی تمیز حاصل کی۔

والد کی وفات کے بعد بیدل کی تعلیم و تربیت کا بوجھ چچا مرزا قلندر نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا جس کا سلسلہ سن بلوغ تک جاری رہا۔ لکھتے ہیں۔

''تربیت فقیر بعد از رحلت والد مرحوم تا ادراک نشۂ بلوغ بعہدہ التفات خود داشت و باشفاق ربوبیت در تعلیم مراتب آداب و تدریس معانی اخلاق توجہ کمال می گماشت۔'' (۷۹)

والد مرحوم کی رحلت کے بعد فقیر بیدل کی تعلیم و تربیت انہوں نے سن بلوغ تک اپنے ذمے لی اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ زندگی کے آداب و سلیقے کی تربیت اور اخلاق کی تعلیم پر پوری توجہ صرف کی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی ماں کی تربیت کا سلسلہ کچھ زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہا۔ سال یعنی تقریباً ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۳ء تک مرزا قلندر نے بیدل کو عربی صرف و نحو اور فارسی نظم و نثر کی باقاعدہ تعلیم کے لئے پابندی سے مکتب بھیجا۔ لکھتے ہیں:

''بعد از اں تا سال عاشر نقد توجہ مصروف صرف و نحو قواعد عربیت داشت و آئینہ ہوش بامتیاز

نظم و نثر مراتب فارسی می گماشت'' (۸۰)

اس کے بعد عمر کی دسویں منزل تک عربی صرف و نحو کی تعلیم پر انہوں نے متوجہ کیا اور فارسی نظم و نثر کے مختلف اسالیب کے مابین فرق سے روشناس کرایا۔

بیدل کی ذہانت کا ایک واقعہ:

بیدل کے ایام طالب علمی کا ایک مشہور واقعہ جو مکتب میں پیش آیا اور جس کو اس کی ذہانت و فطانت اور افتاد طبع کی ایک علامت کی حیثیت سے اس کی زندگی کا اہم واقعہ کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ جب وہ مکتب میں علم بدیع و بیان کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور گلستان سعدی اس کے زیر مطالعہ تھی، اس کا ایک مدرس لونگ چبانے کا عادی تھا جب کبھی وہ ہنسنے یا بولنے کے لئے منہ کھولتا تو ساری فضا خوشبو سے معطر ہو جاتی۔ اس خوشبو نے بیدل کی قوت تخیل اور مخفی شاعرانہ صلاحیت کو ایسا مہمیز کیا کہ درج ذیل رباعی بے ساختہ اس کی زبان سے نکل پڑی:

یارم ہر گاہ در سخن می آید　　بوی عجبش از دہن می آید
این بوی قرنفل است یا نکہت گل　　یا رائحہ مشک ختن می آید
[جب کبھی یار مرا گرم سخن ہوتا ہے　　اور عطر اس کا زیب دہن ہوتا ہے
ہے یہ بوئے گل، یا قرنفل کی بو　　یا کہیں یہ کہ وہ مشک ختن ہوتا ہے]

بیدل کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد عرصے تک میں قدیم اساتذہ کے طرز میں شاعری کرتا رہا لیکن نقادوں کے خوف سے ان کو زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ تاہم اس رباعی کو میں نے اپنی موزونی طبع کی ایک علامت تصور کیا اور اس سے مجھے اپنے رجحان طبع کا اندازہ ہوگیا:

''این رباعی را از کار بنای موزونی خودمی داند و از ہمیں چہار مصرع عنصر مزاج شعلہ افسوں می خواند'' (۸۱)

اس رباعی کو اپنی طبیعت کی موزونی کی اساس کار سمجھا اور ان چار مصرعوں سے عنصر مزاج نے شعلہ افسوں کا مطالعہ کیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیدل ایک جو ہر قابل تھا اور اس میں استعداد کامل تھی جو معقول رہنمائی سے مشتعل ہو اٹھی۔ اس کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ اگر جاری رہتا تو اس کی پیشرفت کی منزل کیا ہوتی نہیں کہا جا سکتا۔ اپنی چار سالہ مکتبی تعلیم کے دوران اس نے کون کون سی عربی فارسی کتابیں پڑھیں صحیح طور سے نہیں کہا جا سکتا خوشگو کے مطابق کافیہ مکمل کر کے شرح ملا جامی شروع کی تھی کہ مکتب

کے ترک کا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ یہ عربی گرامر میں آخری درجے کی کتاب ہے چونکہ بیدل نے ''صرف ونحو قواعد عربیت'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس لئے اسے خارج از امکان نہیں کہہ سکتے اسی طرح ''نظم ونثر مراتب فارسی'' کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاصی فارسی کتابیں اس کی نظر سے گزر چکی تھیں۔ پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس کی باقاعدہ مکتبی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا۔

ترکِ مکتب کا واقعہ:

عمر کی دسویں منزل میں بیدل جب اپنی تعلیم میں مشغول تھا، ایک دن دو مولوی (۸۲) عربی گرامر میں افعال کی تعریف پر بحث کر رہے تھے۔ یہ بحث آخر کار علمی اور سنجیدہ تبادلہ خیال کے دائرے سے نکل کر مجادلے اور ہاتھا پائی کے دائرے میں داخل ہوگئی۔ ان کے گلے کی رگیں پھول گئیں، آنکھیں سرخ ہوگئیں اور ان کے چہرے بشرے سے کبر و نخوت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اتفاق سے مرزا قلندر اس وقت وہاں موجود تھے۔ اس افسوسناک صورت حال کو دیکھ کر بے حد کبیدہ خاطر ہوئے۔ ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ زندگی کے جو بیش بہا لمحات عربی زبان و ادب کی تعلیم میں صرف ہو رہے ہیں ان کا نتیجہ اگر یہی غرور و نخوت اور انسانی خصائل و شمائل سے بے تعلقی ہے تو پھر علم و جہالت میں فرق کیا رہ گیا۔ اسی دن اپنے بھتیجے کو مزید تعلیم جاری رکھنے سے منع کرتے ہوئے کہا:

''اگر آثار علم ایں است خلل در بنای جہل میفگن تا عاقبت حال پشیمان نشوی'' (۸۳)

علم و دانش کے آثار اگر یہی ہیں تو جہالت و بی سوادی کی بنیاد میں خلل مت ڈال تا کہ انجام کار شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ بیدل نے غزل کے درج ذیل چند اشعار میں بھی جن کا قافیہ ''بحث'' ہے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

از مدرسہ دم نازدہ بگریز و گر نہ — بر خاست رگ گردن و آمد بمیان بحث

مدرسہ سے دم لئے بغیر بھاگ لے نہیں تو رگ گردن پھول جائے گی اور بحث کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

ماتم کدہ علم شمر مدرسہ کانجاست — انصاف بخوں غوطہ زن و نوحہ کناں بحث

اس مدرسے کو علم و دانش کا ماتم کدہ سمجھو جہاں انصاف کا خون ہوتا ہوا اور جہاں بحث مرثیہ خواں ہے۔

آں کیست کہ گردد طرف مولوی امروز — یک تیغ زبان دارد و صد نوک سناں بحث

آج کس میں جرأت ہے جو مولوی کے مقابل ٹھہرے جس کی بحث میں ایک تیغ زباں اور سو نوک سناں ہے۔

مگر بیدل کو اس کا بے حد قلق ہوا جو اس کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

''ہنوز بادراک معنی بلوغ نرسیدہ، ناتوانائی بازوی استعداد کمان کوشش از زہ انداخت، و نارسائی دستگاہ قدرت رشتہ املہا محکوم گرہ ساخت۔ بی اختیاری نگزاشت تا دیگر جہد توان بست ناچار بمقتضای ''رب المساکن فضل اللہ'' تسلیم جزو حیثیت گردید۔'' (۸۴)

ابھی تو سن بلوغ کا مفہوم بھی واضح نہیں ہوا تھا کہ بازوے استعداد کی ناتوانی نے کوشش کی کمان تیر سے گرا کر رکھدی اور دستگاہ قدرت کی نارسائی نے رشتہ امید کو محکوم گرہ بنا دیا۔ بے اختیاری نے پھر کمر ہمت باندھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ مجبوراً رب المساکن فضل اللہ شیوہ تسلیم و رضا جزو شخصیت قرار پائی۔ بظاہر یہ دس سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ عام طور سے بچے اس عمر میں مختلف قسم کے کھیلوں میں لگے رہتے ہیں اور اگر کبھی علم و دانش کی طرف ان کا میلان ہوا بھی تو ذہن رسا اور طبع بلند کے حامل نہیں ہوتے جو حقایق اشیاء کا درک کر سکیں اور اسرار و رموز سے پردہ اٹھا سکیں لیکن بیدل کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی نگاہ رفتہ رفتہ حقایق کا درک کرتی ہے اور ان کو اپنے مشاعر میں محسوس کرتی ہے لکھتا ہے۔

''پس بہر مجمعیکہ نظر باز کرد، دبستان تکمیل خود دید۔ و بر ہر حرفیکہ گوش انداخت، معنی ہدایت خود فہمید۔ انتقال طبیعت خداداد از ہر نکتہ اسرار کتابی دریافت۔ و وقت ادراک موہبی از ہر نقطہ رموز دفتری واشگافت''۔ (۸۵)

پس جس مجمع پر میری نظر پڑی اسے اپنی تکمیل (علوم) کا ایک مدرسہ پایا اور جس بات پر دھیان دیا اس سے اپنی رہنمائی کا مفہوم ملا۔ میری خداداد طبیعت نے ہر نکتے پر غور کر کے اسے اسرار کی ایک کتاب پایا اور عطائی قوت ادراک نے ہر نقطے سے رموز کا ایک دفتر واشگاف کیا۔

ہوش اگر باشد کتاب و نسخہ ای در کار نیست — چشم وا کردن زمین تا آسماں فہمیدنیست

انسان میں اگر عقل و ہوش ہو تو اسے کتاب کاپی کی ضرورت نہیں چشم وا نہیں کی کہ زمین سے آسمان تک ساری چیزیں سمجھنے کی موجود ہیں:

[illegible]یای وہم آنسوی خویشت می برد — ورنہ ہر چیزیکہ می بینی ہماں فہمیدنیست

قوت ''واہمہ'' کی آوارہ گردی اور کرشمہ سازی تجھے خود اپنی ذات سے پرے لیجاتی ہے ورنہ جس چیز پر نظر ڈالے گا وہی قابل فہم نظر آئے گی۔

اس میں شک نہیں کہ بیدل خود بھی اسی اصول کی پابندی کر کے ایک خود ساختہ نابغۂ عصر بنا تھا جس پر آسمانی برکات اور خدائی عنایات نازل ہوئیں۔

بہر حال تعلیم کی اہمیت سے چونکہ انکار نہیں کیا جا سکتا تھا اور مرزا قلندر کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ

حصول تعلیم سے بیدل کو باز رکھے اس لئے دوسرے انداز سے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

''بہمواری فہم معنیٰ کوش واز پست وبلند رفع وجر چشم بپوش۔ جہدی کن کہ غبار بحث وانکار را بکلی از راہ طبیعت برخیزد وحضور کیفیت افزائی در باطنت رنگ جمعیت ریزد۔ اگر گوش کر نباشد افسانہ بسیار است واگر چشم رمدی ندارد تماشا بیشمار۔ ہمت اعتماد بر فضل حقیقی گمارتا بی تکلف نقوش وخطوط پردہ از حقایق بررویت کشایند۔ ونسخ اعتبار قیل وقال بر طاق نسیاں گذارتا از درسگاہ بی حرف وصوت رمزی ارشادت نمایند۔ علم دبستان تحقیق مقید سبق کتاب مدان۔ ومعمای نسخہ یقین از دفاتر دلیل وحجت مخواں'' (۸۶)

بتدریج مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کر اور زیروزبر کی پستی وبلندی سے چشم پوشی کر۔ ایسی محنت کر بحث وانکار کا غبار تیری طبیعت سے پوری طرح چھٹ جائے۔ اور کیف پرور حضور تیرے دل میں سکو و جمعیت کا رنگ بھر دے۔ کان اگر بہرے نہ ہوں تو افسانے بہت ہیں اور آنکھ میں اگر رمد کی بیمار (آشوب چشم) نہ ہو تو تماشے بہت ہیں۔ پروردگار عالم کے فضل وکرم پر اعتماد کر تاکہ نقوش وخطوط کی تی کے بغیر تیرے سامنے وہ حقایق سے پردہ ہٹائے اور قیل وقال کے نسخوں (کتابوں) کو طاق نسیاں کے حوالے کر تاکہ ''درسگاہ بی حرف وصوت'' سے رمز واسرار کی طرف وہ تیری رہنمائی کرے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے کہ دبستان تحقیق کا علم کچھ درسی کتابوں کے مطالعہ پر موقوف نہیں ہے اور نسخہ یقین کا معمہ کچھ دلیل وبرہاں کی کتابوں سے وابستہ نہیں ہے۔

غالباً اسی لئے بیدل ایک شعر میں کہتا ہے۔

مکتب آفاق از بس درسگاہ عبرت است گوشمالی بود ہر حرفی کز استادم رسید

اس کے بعد ابوالقاسم ترمذی نے بیدل کے جو دو تاریخی نام ''انتخاب' 'اور ''فیض قدس'' نکالے تھے اس کی طرف بیدل کو متوجہ کرکے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''بیمنت بی ساختگیہای تاریخ تولدت کہ زبان الہام بیان سرچشمہ زلال سعادت محیط آبروی سیادت میر ابوالقاسم ترمذی قدس سرہ برشحات بشارت ''فیض قدس'' مخبر حال تقدس مآل اوست، وبروانی عبارت ''انتخاب''، مشعر زبان فضل اشتمال او، پیکر استعداد را ہیولای صورکمال دریافتہ ام۔ ومعمای موزونی طبیعت واشگافتہ۔ (۸۷)

تیری بے ساختہ تاریخ پیدایش کی برکت سے، جس کو سرچشمۂ زلال سعادت اور محیط آبروئے سیادت میر ابوالقاسم ترمذی قدس سرہ کی زبان الہام بیان نے ''فیض قدس'' کی بشارت سے ترے حال تقدس مآل کی خبر دی ہے اور لفظ ''انتخاب'' کی روانی سے جوان کی زبان فضل اشتمال نے اطلاع دی

نے تیرے پیکر استعداد کو صورکمال کا ہیولی اور موزونی طبع کا معمہ تصور کیا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خود مرزا قلندر کو بیدل کے ناصیہ سے اس کے تابناک مستقبل کا اندازہ اور اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ یہ ذرہ بی مقدار ایک دن آفتاب عالمتاب بن کر چمکے گا۔ اس کے مطالعہ اور یومیہ پیشرفت کی آزمایش کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے نصیحت کی ہے:

''بہ انداز امتحان درجہ استعداد، از مطالعہ کلام فوایدانتظام سلف، کہ حقایق را در آن لباس عرض رنگینیہای تازندگیست ومعانی در آں کسوت دستگاہ کمال برازندگی، غافل مباش۔ واز یں بہارستان ہر گل تظمیکہ استشمام کیفیتش نشۂ دماغ شوقت رساند، یا رائحہ نثری گلاب اثر، بر مشام ذوقت افشاند، دستہ بندی اقسام آنرا سبق جہد خود شمار۔ وفراہم آوردۂ دامن استعداد بر من عرضہ می دار۔ تامبرہن گردد کہ عندلیب فطرتت از ساز چہ گل رغبت آہنگ سرودنست وغنچہ تاملت از روی کدام رنگ مایل نقاب کشودن۔ امید کہ اختیار این درس مایۂ امیازت بلند گرداند والزام این کوشش سررشتۂ کارت بجائی رساند۔'' (۸۸)

حسب استعداد سلف کے کلام فوایدانتظام کے مطالعہ سے غافل مت رہ، جن کے لباس میں نی پوری رنگینی کے ساتھ جلوہ گر ہے اور جن کے جامے میں معانی اپنی پوری توانائی کے ساتھ ہے۔ اس بہارستان کے ہر گل نظم کی، جس کی کیف آگیں بو تیرے دماغ شوق نے سونگھی یا ژ نثر کی، جس کا رایحہ تیرے مشام ذوق تک پہونچا، ''اس کے تمام انواع واصناف کی دستہ بندی 'درس'' تصور کر اور دامن استعداد کے فراہم آوردہ حصے کو میرے سامنے رکھ تاکہ یہ امر واضح کہ تیری عندلیب فطرت کس گل کے ساز سے نغمہ سرائی پسند کرتی ہے اور تیرا غنچہ تامل کس رنگ کشائی کی طرف مائل ہے۔ امید کہ اس انداز مطالعہ سے کلام میں تیرے خط امتیاز کا پایہ بلند کوشش کی پابندی سے تیرے کام کا سررشتہ کسی مناسب مقام تک پہنچے گا۔

اس طویل اقتباس کے نقل سے مقصد قارئین کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کرانا ہے کہ ح اپنی پوشیدہ صلاحیت اور جوہر کو بروئے کار لا اس کا اور خدا کی دی ہوئی استعداد ولیاقت کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا قلندر نے تعلیمی نقصانات کے تدارک کی جو تجویز بیدل کے سامنے وہ نہ صرف اس کے لئے بلکہ ان تمام لوگوں کے لئے اسی طرح سودمند ہے جو اپنی صلاحیت کی کے کسی بلند وبالا مقام تک رسائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

غرض مرزا قلندر کے حسب ہدایت بیدل نے اب گھر ہی میں مشہور شاعروں کے کلام اور نثر شاہکاروں کا مطالعہ اس انداز سے شروع کیا کہ اس میں سے عمدہ اور نفیس حصہ انتخاب کر کے

چچا کے سامنے پیش کیا کرتا۔ظاہر ہے متقدمین کے کلام کا ایک نفیس انتخاب کرنے کے لئے ذوق سلیم وطبع مستقیم،عرق ریزی ودماغ سوزی اور محنت ومشقت کی ضرورت ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔اس ہدایت کے ذریعے مرزا قلندر نے دراصل ایک بہت ہی اہم ذمے داری بیدل کے سپرد کی جو اسے پوری توجہ،انہاک اور تحقیق کے ساتھ فارسی زبان وادب کے گرانقدر سرمایہ کے مطالعہ پر مجبور کرتی تھی۔اس کدوکاوش نے بالآخر اسے ایک نابغہ روزگار بنا کر چھوڑا۔

اس اہم اور غیر معمولی ذمے داری سے بیدل بہ خوبی عہد برآ ہوا۔گلستان شعروادب کا جو بھی بھی وہ انتخاب کرتا روزانہ اسے اپنے چچا کو سناتا۔مرزا قلندر اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور کبھی کبھی بیدل کے بعض انتخاب کردہ اشعار اسے اتنا متاثر کرتے کہ اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی اور اس کی زبان سے بے ساختہ موزوں مصرع نکلنے لگتے۔شعروادب کے میدان میں بیدل کو جو کچھ کامیابی حاصل ہوئی اسے بڑی حد تک وہ اپنے چچا مرزا قلندر کی تربیت کا نتیجہ قرار دیتا ہے:

''لمعہ تطمیکہ امروز رونق افزای کانون تخیل است از پرتو آفتابہای خداداداوست''(۸۹)

شاعری کی جو چمک آج آتش دان تخیل کی رونق بڑھائے ہوئے ہے وہ انہیں کے آفتاب خداداد (طبیعت) کے پرتو کی بدولت ہے۔

ڈاکٹر ریو (RIEW) کا بیان ہے کہ بیدل کے انتخاب کردہ اشعار کا مجموعہ جو'بیاض بیدل' کے نام سے مشہور ہے ہنوز برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے۔اس میں رودکی سے لے کر جامی تک تمام شاعروں کے کلام کا انتخاب موجود ہے۔اس کے ایک صفحے کا عکس جس کو راقم السطور کی درخواست میوزیم نے بھیجا ہے اور اس مقالے کے صفحہ نمبر ۵۲۶ پر منسلک ہے،اس کے حسن انتخاب،خوبی ذوق وسیع ودقیق مطالعے کا شاہد عدل ہے۔مزید معلومات اپنی جگہ پر فراہم کی گئی ہیں۔

بہرحال اس واقعہ کے بعد بیدل نے مخصوص انداز سے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا،رہنمائی کے لئے صرف خدائے تعالیٰ سے لو لگایا اور ظاہری اسباب کے طور پر شوق کو اپنا راہبر بنایا۔کہتا ہے۔

شوق در بیدست و پائی نیست مایوس طلب   چوں قلم سعی قدم می بالداز مژگان

(عالم بیکسی میں شوق کو طلب علم سے کبھی مایوسی نہیں ہوتی ہے جس طرح قلم پلک کے بل چلتا ہے،ہمارے قدم بھی پلکوں کے بل آگے بڑھنے لگتے ہیں)۔

بیدل کے روحانی اساتذہ:

اب بیدل مقامی اور ظاہری مکتب سے نکل کر چلتے پھرتے اور باطنی مکتب میں داخل ہوتا ہے۔

یہ چلتا پھرتا مدرسہ درحقیقت بیدل کے وہ روحانی اساتذہ ہیں جن کی خدمت اور صحبت سے وہ مرزا قلندر کے ہمراہ مختلف مقامات کی سیر وسیاحت کرتا ہوا استفادہ کرتا رہا۔

اس سلسلے میں اس نے سب سے پہلے اپنے چچا مرزا قلندر کا ذکر کیا ہے۔مرزا قلندر اگرچہ اس کے کوئی روحانی استاد نہ تھے تاہم روحانی اساتذہ سے بیدل کے تعارف اور ان کی صحبتوں سے استفادے کا ذریعہ ثابت ہوئے اس لئے اس کا مختصر تذکرہ یہاں بے محل نہ ہوگا۔

مرزا قلندر:

مرزا قلندر کا تذکرہ بیدل نے چند اوراق میں کیا ہے لیکن شروع میں چند سطور میں ان کا خلاصہ پیش کیا ہے:

''نقل دلاوری ثمر،مصحف آیہ ظفر،گلشن الٰہی بہار،قلزم معرفت گہر،نوید اقبال جنون مردانگی، مژدہ رنگینی بہار فرزانگی،نشہ مروت،جوہر فتوت،شجاعت صفدر،مرزا قلندر۔''(۹۰)

ان تراکیب کا اردو میں ترجمہ کرنا ایک تو آسان نہیں دوسرے اگر کیا جائے تو اس کا حسن اور اس کی دلکشی قائم نہیں رہ سکتی۔

بیدل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پڑھ اور جاہل ہونے کے باوجود مرزا قلندر مختلف جسمانی، ذہنی اور باطنی خصوصیات کے حامل تھے۔خصوصاً اس کی شجاعت کی تعریف کرتے ہوئے بیدل نے اسے''رستم ثانی'' کا لقب دیا ہے۔

''پایۂ زبردستیہایش،از عروج تخیل بر راست بیان عاجز خرام تا کجا برآید و کارنامۂ داستانش ہزار استقامت داستان دارد،خامہ لغزیدن احرام تا چہ حد ستاید......بی تکلف اگر رستم درین ہنگام عرض تہمتنی می داد دیدہ امتیاز از کوچک او الان این قلندرش وانمود''(۹۱)

ان کی جسمانی توانائی کا پایہ پرواز خیال سے پرے ہونے کی وجہ سے بیان عاجز خرام کے بس کی بات نہیں ہے اور ان کی بہادری کے کارنامے استقامت اور پامردی کی ہزاروں داستانیں ہیں خامہ لغزش احرام کہاں تک انکی توصیف کرے......حقیقت یہ ہے کہ رستم اگر اس وقت اپنی پہلوانی کی نمائش کرتا تو نگاہ امتیاز کھینچنے والی نگاہیں اس قلندر کو دیکھ کر اس کی پستی کا اندازہ کر لیتیں۔

مرزا قلندر کی ناخواندگی کی توجیہ کرتے ہوئے بیدل لکھتا ہے کہ وہ طبعی رشادت اور فطری شجاعت سے اس قدر بہرہ مند تھا کہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا دون ہمتی اور پست حوصلگی تصور کرتا تھا۔

''در صغرش بزرگیہای ہمت دوچار معلمش نہ پسندید تا سنگ طفلی رنگ حمیتش برنگرداند'' (۹۲)

لیکن ان پڑھ ہونے کے باوجود وہ طبع موزوں کا حامل تھا۔ اس کی موزونی طبع اور شعر

ذوق کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیدل لکھتا ہے کہ درد چشم کی وجہ سے ایک دن انہوں نے

آنکھوں پر پیلے ریشمی کپڑے کی پٹی باندھ رکھی تھی۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو مرزا قلندر نے

برجستہ شعر میں اس کا جواب دیا۔

محرومی دیدار تو خون در جگر انداخت   چشم جہ کند چشم تو اش از نظر انداخت

اس کے علاوہ، اکثر بزرگوں کی صحبت سے فیض و برکات حاصل کر کے مرزا قلندر نے سلوک کی

بعض منزلیں بھی طے کی تھیں۔

''از صحبت اکثر ارباب طریقت انتفاع فواید معنوی برداشتہ'' (۹۳)

اپنی فطری ہوش وگوش اور بزرگوں کی صحبت میں نشست و برخاست کی وجہ سے مرزا قلندر نے

اس حد تک ترقی کی کہ بیدل کے الفاظ میں:

کمالات بی سعی کسبش حصول   حقایق ہماں بی بیانش وصول

کسی کوششوں کے بغیر ہی اسے کمالات حاصل تھے اور تقریر و بیان کے بغیر اسے حقایق معلوم تھے۔

نگر دیدہ بر حرفی انگشت سا   بمعنی چو معنی بہ حرف آشنا

کسی حرف پر انگلی رکھے بغیر ہی وہ اس کے معنی سے معنی کی طرح واقف تھا۔

سخن محو نیرنگ موزونیش   معانی اسیر فلاطونیش

سخن اس کی موزونی طبع کی رنگینیوں میں محو اور معانی اس کے افلاطون ذہن کے اسیر تھے۔

بہ فیض ازل محرم ہر کلام   ولی امی از کسب فضل عوام

ازل کے فیض سے وہ ہر کلام کا محرم اور اس سے واقف تھا لیکن عوام کے کسب علم و فضل کے لحاظ

سے ان پڑھ تھا۔

فضائل زادراک او خوشہ چین   زہی امت خاتم المرسلیں (۹۴)

فضائل اس کی عقل وادراک کی خوشہ چین ہے آخر خاتم المرسلیں کی امت میں ہے اس کا کیا پوچھنا۔

بیدل نے مرزا قلندر کے دو حیرت انگیز اوصاف بیان کئے ہیں اول یہ کہ مرزا قلندر کے سامنے

بچھو نہیں ٹک سکتا تھا اور اسے فرار کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا تھا اور اگر کبھی ٹک گیا تو لقمۂ اجل ہو جاتا۔

دوسرے اس کے انگوٹھے کے اشارہ سے آہنین تالے کھل جاتے تھے۔

مرزا قلندر کی مقدار خوراک اگرچہ خاصی تھی لیکن کبھی ہفتوں آب و دانہ منہ لگانے کی نوبت نہ

آتی تھی۔ وہ روزہ اتنی کثرت سے کرتے تھے کہ اکثر مہینے سے گذر کر چلّے تک کی نوبت آجاتی تھی۔ اس

ریاضت کا سبب دریافت کرنے پر جواب دیتے۔

''حصول نعمت کمال بی وساطت گرسنگی محال، و سیراب زلال جمعیت بی وسیلہ تشنہ لبی سراب

خیال۔ ہلال تا از خود تہی نگردیدہ بہ آئینہ داری آفتاب نرسید و صدف تا بخشکی سفال بر نیامد

از موج گوہر نہ چید...... گرانیہای جسم اگر بہ پایۂ سبکروحی رسد از استعانت ریاضت

است۔ و کدورتہای دل اگر آئینہ دار صفا گردد بصیقل کاری خراش محنت...... خلای معدہ در

ہمہ حال مستعد جراءت کمالست و امتلاء در جمیع اوقات مادہ غصیان و انفعال۔'' (۹۵)

نعمت ''کمال'' کی دستیابی گرسنگی کے بغیر خواب وخیال ہے۔ چاند جب تک اپنی ذات سے

خالی نہ ہوا آفتاب کی آئینہ داری کا مرتبہ اسے نہیں ملا۔ اور سیپ نے جب تک کوزے کی خشکی اپنے اندر

نہیں پیدا کی موج گوہر کی آشفتگی سے اسے نجات نہیں ملی۔ جسمانی گرانی اگر سبکروحی کے مقام تک پہنچ

سکتی ہے تو ریاضت ہی کی بدولت اور دل کی کدورتیں اگر آئینہ دار صفا ہو سکتی ہیں تو وہ صرف محنت کی

صیقل گری سے۔ خلوِ معدہ بہر حال حصول کمال کے لئے آمادگی کا سبب ہے۔ اور شکم سیری ہمیشہ گرانی

اور ندامت کا سبب بنتی ہے۔

مرزا قلندر کے ان حکیمانہ ملفوظات کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ ان کے جذبات واحساسات

اور افکار و خیالات کس قسم کے تھے واضح ہو جائے، شاید انہی وجوہ سے بیدل نے اس کو ''امّی دارای

کمال'' کا لقب دیا ہے۔

علاوہ ازیں، بیدل کے ابتدائی حالات زندگی کے ضمن میں ترک مکتب کا واقعہ، کلام سلف کا

مطالعہ اور اس کا ایک انتخاب تیار کر کے روزانہ سنانے کا ماجرا مرزا قلندر ہی کے حسب ہدایت عمل میں

آیا۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کی نگاہ کتنی عمیق، فکر کتنی رسا اور ذوق کتنا بلند تھا۔ ظاہر ہے جو آدمی

باذوق نہ ہو اور جس کی طبیعت موزوں نہ ہو وہ کسی کے انتخاب کردہ کلام کی داد کیا دے سکتا ہے یا اس

کی تنقید کیا کر سکتا ہے۔ اس لئے مرزا قلندر اگرچہ ان پڑھ تھے مگر سخن شناس اور سخن سنج بھی تھے۔ بیدل نے

ان کی اسی ہدایت پر عمل کر کے لکھا ہے:

''از شنیدن بسماع اشعار حال وجد سری کرد۔ و بذوق مضامین عالی از جا درمی آمد۔ در آں

حالت زبان برق آہنگش، بانداز بدیہہ پیمائی، آتش در تصور خرمن می ریخت۔ و بیان سراپا

نیرنگ، بایمای مناسب ادای حیرت از پردہ اندیشہ می بیخت۔ باقبال قدرت رسائی فکر،

دور گرد بلند فطرتان از مضامین پیش پا افتادہ اش بود۔ و با کمال نسبت آشنائی معنی بیگانہ خیال

شہرستان مسخر طبع آزادہ اش۔ از صفای جوہر فطرتش منکشف اہل تحقیق کہ فہم معنی وجدانی است نہ منحصر تکرار بیانی۔ ونشا ادراک ذاتیست نہ موقوف ساغر ورق گردانی۔(۹۶)

اکثر اشعار سن کر ان پر وجد طاری ہوجاتا اور مضامین عالی کا مزہ پاتے ہی وہ بیخود ہوجاتے۔ ایسی حالت میں ان کی زبان برق آہنگ خرمن تصور میں آتش زنی کرتی۔ بیان سراپا فرہنگ مناسب اشارہ سے حیرت ادا ہوتا۔ ان کے جوہر فطرت کی صفائی و پاکیزگی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فہم معنی ایک وجدانی چیز ہے کچھ تکرار بیان پر منحصر نہیں ہے۔ اور نشۂ ادراک ایک ذاتی امر ہے، ساغر ورق گردانی پر موقوف نہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے دوسرے اہم نکات مثلاً تحقیق وتقلید وغیرہ جس کی بحث اپنی جگہ پر آئے گی، بیدل نے مرزا قلندر ہی کی صحبت میں سیکھے۔ آخر میں چچا کے احسانات کی شکر گزاری ان میں کی ہے۔

''ہر چند عمریست شمع انجمن حضورش خلوت افروز عالم نیرنگ است، قانون عجز آہنگ بیدل ہمان مرہون زمزمۂ تہنیت اوست۔ و رشتہ ساز انفاس ہمچنان شکر نوای حقوق تربیت او۔ باستفاضہ انوار خدمتش چہ خورشید نگاہاں کہ لمعہ توجہ شان برین شبنم ضعیف نتافت۔ وباستفادہ آثار صحبتش چہ عالی ہمتاں کہ نظر التفات ایشان این مشت خاک رادر نیافت۔ تارشتۂ تخیل در جنگ کشاکش زندگیست، نفسی نیست کہ چاک گریبان اندیشہ لب بفاتحہ یا دشاں نکشاید۔ و زمانی نمی گزرد کہ داغہای حسرت بہ سراغ نقش پای ایشان جبہہ سجود بر نیارد''(۹۷)

ان کے حضور کی شمع انجمن کو عالم نیرنگ میں خلوت افروز ہوئے (انتقال ہوئے) اگرچہ ایک عرصہ ہوگیا تاہم قانون عجز آہنگ انہیں کے زمزمہ تہنیت کی رہین منت ہے اور ساز انفاس کا رشتہ ان کے حق تربیت کا شکر گزار ہے۔ ان کی خدمت فیض درجت میں بہت سے خورشید نگاہ اولیا کی لمعہ توجہ اس کمزور شبنم پر چمکی اور بہت سے عالی ہمت حضرات کی نظر التفات اس مشت خاک پر پڑی۔ رشتۂ تخیل جب تک کشاکش زندگی سے برسر پیکار ہے کوئی سانس ایسا نہیں نکلتا جب اندیشہ چاک گریباں ان کے فاتحہ کے لئے لب کشائی نہ کرتا ہو۔

چچا مرزا قلندر کی صحبت اور رفاقت میں بیدل کو کئی ''خورشید نگاہ'' اور ''عالی ہمت''(۹۸) بزرگوں کا تعارف اور ان کی توجہات کریمانہ حاصل ہوئیں لہذا اب ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے لمعہ توجہ نے بیدل کے شبنم ضعیف کو تابانی عطا کی اور جن کی نگاہ کرم آشنا نے بیدل کی مشت خاک کو کیمیا بنایا۔

یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تاجیکی ادیب صدر الدین عینی نے ان خورشید حضرات کے کرامات کے واقعات کو عام معمولی واقعات قرار دیا ہے اور جہاں اس کی واقعیت سے قرار ممکن نہیں ہے وہاں اسے گول کر جاتے ہیں اس کے بعد تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ بیدل نے اپنے فکری بلوغ کے زمانے میں ان افکار وخیالات سے بے تعلقی کر لی تھی۔ (مجلّہ ادب کابل دورہ ۲۱ ش ۱۰۵) جبکہ ۴۱ سال کی پختہ عمر میں اسے لکھنا شروع کیا اور ۱۱۱۶ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں مکمل کیا۔ بیدل خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔

با دامن می خراشد وحشت صحرای دل   آنچہ ما پیمودہ ایم از ملک طول وعرض نیست

مولانا شیخ کمال قادری:

بیدل کے والد مرزا عبدالخالق کے تذکرے میں مولانا کمال قادری کا نام ضمنی طور پر آچکا ہے یہاں ہم ان کی شخصیت سازی اور آدم گری کی خصوصیت پر روشنی ڈالیں گے۔

مولانا کمال کو بیدل کا خاندانی پیر ومرشد سمجھنا چاہئے کیونکہ والد کی طرح اس کے چچا بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے اور خود بیدل نے بھی ان کی صحبت سے فیوض وبرکات حاصل کئے تھے۔ وہ ان سے عقیدت رکھتا تھا لکھتا ہے:

''تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس غوث الاعظمؓ بہ وساطت آن ذات تقدس آیات بود۔ مرزا قلندر عم رہی از نسبت ہم حرفکیش، کلاہ مباہات برعرش عزت می سود''(۹۹)

خاکسار کے والد ماجد کی حضرت غوث الاعظم (شیخ عبدالقادر جیلانی) کی روح سے تلقین و تفہیم اسی ذات تقدس آیات کے توسط سے جاری تھی اور خاکسار کے چچا مرزا قلندر تو ان سے ہم کلامی کے شرف سے فخر ومباہات کی ٹوپی عرش عزت پر گھسا کرتے تھے۔

مولانا کمال قصبہ ''رانی ساگر'' کے رہنے والے تھے جو صوبہ بہار کے موجودہ ضلع بھوجپور میں ہے اور اس کے صدر مقام پٹنہ سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر مغربی جانب واقع ہے اور سرائے بنارس سے ایک فرسخ کی دوری پر ہے۔

بیدل کے مطابق مولانا کمال کا شمار اُس دور کی سربرآوردہ شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ وہ اگر علوم ظاہر میں ''منتق زمانہ'' تھے تو علوم باطن میں ''استاد یگانہ''۔ بہ الفاظ دیگر، تمام ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے۔ اطراف وجوانب میں مرشد قادری المشرب کے نام سے مشہور تھے اور عوام ان سے بڑی عقیدت وارادت رکھتے تھے۔ لکھتا ہے:

''آواز سلسلہ قادریہ، از رسائی قدرتش مشتہر گردون کمندی، و پایۂ مدارج سلوک باستقامت همتش مفتخر سر بلندی۔ ہم در آداب قواعد شریعت ''نسق زمانہ'' وہم در علوم ارشاد طریقت ''استاد یگانہ''۔ باوجود تقیدات جسمانی، چوں نفس وارستگی بنیاد و باکمال تعلقات امکانی چون نگاہ از خانماں آزاد۔'' (۱۰۰)

اس اقتباس میں ان کی ایک اور خصوصیت کی طرف بیدل نے اشارہ کیا ہے کہ جسمانی تقاضوں سے وابستگی کے باوجود وہ سانس کی طرح وارُستہ اور کمال تعلقات امکانی کے باوصف نگاہ کی طرح گھربار سے آزاد رہتے تھے۔ ڈاکٹر خلیل اللہ خلیلی نے اس آخری جملے سے یہ اخذ کیا کہ مولانا کمال قادری مادر زاد برہنہ مجذوب'' تھے (۱۰۱) لیکن راقم السطور اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ آگے چل بیدل نے خود تصریح کی ہے کہ شاہ ملوک برہنہ مجذوب قسم کے آدمی تھے جبکہ مولانا کمال لباس پہنے رہا کرتے تھے۔ البتہ دنیوی علایق سے وابستگی کے باوجود وہ اس معنی میں آزاد تھے کہ دنیاداروں کی طرح دنیاوی دکھ سکھ سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔

اس بزرگ سے بیدل کی غیر معمولی ارادت کا سبب ان کی اثر انگیز شخصیت تھی۔ جو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ کم از کم منکرات سے ضرور توبہ کر لیتا الا یہ کہ جس کی قسمت میں ازل سے محرومی اور فسق و فجور کے دریا میں غرقابی لکھی ہوتی وہ ان کے قریب پھٹکنے سے بھی گریز کرتا۔ مولانا کمال لوگوں خصوصاً ارادتمندوں کو مختلف قسم کے اوراد و وظایف کی تلقین کرتے تھے۔ اسی ضمن میں وہ مرزا قلندر جو کچھ بتاتے بیدل انہیں پوری توجہ سے سنا کرتا اور خلوت میں انہیں قلم بند کر لیتا۔ بیدل کا ابتداء شروع رہی سے بیماروں کی جھاڑ پھونک کی طرف فطری میلان تھا۔ عزیزوں اور پڑوسیوں کی عیادت کے وقت وہ انہیں دم بھی کیا کرتا تھا اور خوش قسمتی سے وہ صحت یاب بھی ہو جاتے تھے۔ جب وہ کچھ پڑھ لکھ گیا تو اسے ادعیہ اور خواص اسمائے الٰہی کی معلومات فراہم کرنے کا شوق ہوا۔ کچھ کا تعلق جنوں کو جلانے اور انہیں نیست و نابود کرنے سے تھا۔

''از آنجملہ در حرق واستیصال عزیمتیکہ تر جمانش زبان قدرت بیان حضرت مولانا بود، دلفریب سماعش آنکہ با میرزا قلندر حکایت بیان می فرمودند، از مغتنمات حصول آرزو دانستہ مدتی چوں پری در شیشہ خانہ ادراک محفوظ داشت و بر نگین اعتقاد نقش خاتم سلیمانی پنداشت۔'' (۱۰۲)

منجملہ ان کے اجنہ کو جلانے اور ان کا صفایا کرنے سے وابستہ ایک تعویذ تھا جسے مولانا کی زبان قدرت بیان نے بتایا تھا۔ لطف کی بات یہ کہ مولانا اُسے مرزا قلندر سے بیان فرما رہے تھے اور

بیدل نے اسے سنتے ہی آرزو کی تکمیل کے موقع کو غنیمت سمجھ کر عرصے تک اپنے خانہ ادراک کے شیشے میں پری کی طرح محفوظ رکھتا رہا اور اپنے اعتقاد کے نگینے پر اسے خاتم سلیمانی کا نقش تصور کرتا رہا۔

یہاں اسی قسم کا ایک واقعہ لکھنا بے محل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس واقعہ سے بیدل کا رجحان طبع تو معلوم ہوتا ہی ہے اس کی تابناک قسمت اور پوشیدہ جوہر کا بھی پتہ لگتا ہے جو قدرت نے اس کے اندر چھپا رکھا تھا۔ ایک دن وہ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ ایک گھر میں کھیل رہا تھا، اچانک اسے خبر ملی کہ صاحب خانہ کی بیوی پر آسیب کا اثر ہے۔ دو دن سے بیہوش پڑی ہے اور موت کے کگار پر پہنچ چکی ہے۔ بہت سے باکمال حضرات آئے، جھاڑ پھونک کر کے گئے مگر لا حاصل۔ اس کے دل میں آیا کہ میں بھی تجربہ کر کے دیکھوں۔ اس کے ایک محرم کو بلا کر اس کی انگلی پر اسم اعظم دم کیا اور کہا کہ عورت کے کان میں ڈال دے۔ اس نے حسب ہدایت یہ کام انجام دیا۔ انگلی کان میں پڑتے ہی وہ مردود جن اسے چھوڑ کر اس طرح بھاگا جیسے کالا تل آگ پر رکھتے ہی ایک آواز کے ساتھ کود جاتا ہے۔ وہاں پر موجود حضرات کو بڑی حیرت ہوئی اور زبان حال سے کہنے لگے۔

''شوخی رعد، از طنین پشہ دام حیرتست۔ ذرہ و اظہار خورشیدی مقام حیرتست''۔ (۱۰۳)

مچھر کی نحیف آواز سے بجلی اور کڑک کی سی شوخی ظاہر ہو حیرت ہے، ذرہ سے سورج جیسی روشنی کا اظہار ہو مقام تعجب ہے۔ جب کسی نے مولانا کو اس واقعہ کی خبر دی تو انہوں نے اپنے پاس بلا کر نہایت لطف اور عنایت کے انداز میں پوچھا یہ کیسے انجام دیا؟

''بسیطی، مشت خاکت، بکدام کسب لطافت صورت یافت و محیطی، نم آبت، از چہ طوفان راہ شہرت شگافت'' (۱۰۴)

تیری مشت خاک کی بساطت کس لطافت سے آمیختہ ہو کر صورت پزپد ہوئی ہے اور تیری نم آب کے سمندر نے کس طوفان سے شہرت کی راہ ڈھونڈ نکالی ہے۔

بیدل نے جواب دیا:

''دانہ از خوشہ چینی اسرار شریف ریشہ این قدرت دوانیدہ است۔ و نقطہ از رموز فہمی زبان حقایق تصنیف نسخہ ایں تصرف بہ ترتیب رسانیدہ۔ وگرنہ بنفس راہ لب نفہمیدہ چہ تاثیر تواں اندوخت۔'' (۱۰۵)

دانہ (بیدل) نے (حضرت ہی کے) اسرار شریف سے خوشہ چینی کر کے اس درجہ ریشہ دوانی کی ہے اور نقطہ (بیدل) نے (حضرت ہی کی) زبان حقایق بیان کی رمز فہمی سے اس تصرف کا نسخہ ترتیب دیا ہے ورنہ ظاہر ہے راہ لب سے نا آشنا کی بھلا جھاڑ پھونک میں کیا اثر ہو سکتا ہے۔

اس واقعہ کے بعد مولانا، بیدل کے حال پر پہلے سے کہیں زیادہ توجہ دینے لگے اور ان کی عنایتیں اتنی بڑھ گئیں کہ باقاعدہ عملیات کی ایک کتاب اسے عطا فرمائی جس میں دوسرے عجیب و غریب اعمال بھی شامل تھے اور فرمایا کہ اب تک جتنی عملیات اور تعویذات میں نے لکھے یا میرے تجربے میں آئے ہیں سب اس میں اکٹھے کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد پیشین گوئی کے طور پر فرمایا۔

''باخبر باش کہ طالعت سلیمان نظیر است ونفست عیسوی اثر۔ ازین اعمال ہر چہ مشغول آن شوی مبارکت بادوازین اعمال ہر چہ دست زنی، فضل حقیقی یارت کناد (۱۰۶)

واضح رہے کہ تیری قسمت حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی اور تیری پھونک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی پھونک کا اثر ہے۔ ان عملیات میں سے جو بھی تو انجام دے گا یا جس پر بھی تجربہ کرے تجھے مبارک ہو اور خدا کا فضل تیرا معاون و مددگار ہو۔

بیدل خود کو مولانا کی توجہات کریمانہ کا ممنون قرار دیتا ہوا لکھتا ہے کہ اس کے بعد جو عمل بھی میں نے کیا اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی جبکہ بہت سے عامل حضرات عرصے تک ریاضت شاقہ و چلہ کشی کے بعد بھی اس میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔

''آن نگاہ توجہ بنای فطرتم بر شہود معانی گزاشت۔ وہماں رشحہ استغنا، تخم ہمتم در زمین بی نیازی کاشت'' (۱۰۷)

اس واقعہ سے مولانا کمال کا روحانی مقام کتنا بلند تھا واضح ہوتا ہے جن کی چند روزہ صحبت کی برکت سے بیدل کو عملیات کے میدان میں وہ کامیابی حاصل ہوئی جو لوگوں کو عام طور سے چند سال ریاضت کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ بیدل کی پوشیدہ صلاحیتوں اور وہبی لیاقتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ بیدل نے اس اثر انگیزی کا درج ذیل سبب قرار دیا ہے۔

فانوس شمعہا اثر قابلیت است ... بی رنگ ہیچ جلوہ مصور نمی شود
از شعلہ کسب نور چراغ فسردہ را ... بی روغن وفتیلہ میسر نمی شود (۱۰۸)

فانوش شمع میں اثر پذیری کی صلاحیت ہوتی ہے۔ پر بغیر رنگ کے کسی جلوے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ چراغ اگر گل ہوگیا ہے تو شعلے سے اسی وقت اسے روشن کیا جاسکتا ہے جب اس میں تیل اور بتی موجود ہو۔ گویا بیدل یہ بتانا چاہتا ہے کہ قدرت نے اس کے چراغ عقل میں روغن جوہر اور فتیلہ استعداد ودیعت رکھی تھی جو خداشناس عارفوں کے شعلہ صحبت سے جلا پاکر روشن ہوگیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بیدل کی فکری بالیدگی اور روحانی ارتقا نیز شخصیت کی تعمیر میں مولانا کمال کا بڑا حصہ ہے۔

علاوہ ازین، خوشگو کے مطابق، شعر گوئی میں بھی بیدل نے ان سے استفادہ کیا۔ اس وقت

وہ رمزی رکھتا تھا، ایک دن گلستاں کے دیباچہ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک درج ذیل شعر اس کی نظر سے گذرا:

گر کسی وصف او پرسد ... بیدل از بی نشاں چہ گوید باز

یہ مصرع بیدل کو اتنا بھلا لگا کہ فوراً اپنا تخلص بدل کر 'بیدل' اختیار کرلیا۔ اور قبلہ شیراز کی روح پر سے فال لیا۔ (۱۰۹)

ک۔ ن۔ پنڈتا نے لکھا ہے کہ بیدل نے چہار عنصر میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ شاعری میں وہ مولانا کمال سے اصلاح لیتا تھا۔ (۱۱۰)

لیکن راقم السطور نے مولانا کمال سے متعلق بیدل کے بیانات کا بار بار مطالعہ کیا۔ ایسی کوئی عبارت نظر نہیں آئی۔ خوشگو کے اس سلسلے میں آخری جملہ ''از روح پُر فتوح قبلہ شیراز استمداد جستہ'' سے جناب غلام حسن مجددی نے یہ استنباط کیا ہے کہ بیدل نے حافظ کی روح سے استمداد کر کے اپنا تخلص 'رمزی' سے بدل کر بیدل اختیار کیا تھا۔ (۱۱۱) جناب سید علی محمد سجادی نے حافظ کی اس غزل کی اس طرح تضمین کی ہے۔

با ز منزل جاناں گذر دریغ مدار ... وز و بعاشق ''بیدل'' خبر دریغ مدار (۱۱۲)

بیدل نے اپنے تخلص کے بابت درج ذیل چند اشعار کہے ہیں جن سے اس تخلص کے پیچھے کیا مقصد اس کے پیش نظر تھا معلوم ہوتا ہے۔

زین قلزم حیرت حبابی گل نہ کرد ... عالمی صاحب دل است اما کسی بیدل نہ شد
صدفہا یکقلم بی گوہر اند ... عالمی دل دارد اما دل کجا ست
دلم بیدل مرا جز ہیچ بودن ساز کو ... از عدم می جوشم انجام چہ و آغاز کو

جہاں تک بیدل کا تعلق ہے اس نے مولانا موصوف سے استفادے کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعری میں ان کی شاگردی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ حاصل استفادہ کچھ تو ''وحدت و کثرت'' سے متعلق اہم نکات ہیں اور کچھ عزایم و تعویذات سے متعلق۔

شاہ ملوک:

واقعات کی درمیانی کڑی اور ربط کی بنیاد پر مولانا کمال کے بعد بیدل کے جس دوسرے روحانی استاد کا تذکرہ ہونا چاہئے وہ شاہ ملوک ہیں۔ ان کا اصلی نام کیا تھا بیدل کے بیان سے واضح نہیں ہوتا۔ شاہ ملوک اور جن دیگر بزرگوں کے نام آئندہ صفحات میں آئیں گے ان کے متعلق شیخ اکرام کا خیال ہے

کہ ان کے اصلی نام نہ تھے بلکہ ان ناموں سے وہ معاشرے میں مشہور تھے۔ ان کو پکارو نام کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہندستان کے اکثر مجذوب اسی عرفی نام سے پکارے یا جانے جاتے ہیں۔ (۱۱۳)

شاہ ملوک کا قیام ایک گاؤں ''سرائے بنارس'' میں ایک درخت کے سایہ تلے تھا جو رانی ساگر سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا:

''سرائے بنارس موضعی است از نواح ممالک بہار۔ مدتی چون سایہ بہ پای درختی واکشیدہ بودؔ'' (۱۱۴)

دوسری جگہ صرف لفظ ''بنارس'' استعمال کیا ہے مگر سیاق و سباق بتاتا ہے کہ مراد سرائے بنارس ہی ہے۔

''از بنارس تا رانی ساگر فرسخی بیش بنود''۔ (۱۱۵)

رانی ساگر ہنوز موجود ہے جو بہار کے ضلع بھوجپور (پٹنہ سے پچھم) میں واقع ہے مگر سرائے بنارس کا پتہ نہیں چلتا جیسا کہ سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق ہے۔ (۱۱۶)

بیدل نے شاہ ملوک کے سراپا کا نقشہ جس طرح کھینچا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس علاقہ کے ایک مجذوب تھے جو زندگی کی تمام قیود و رسوم سے آزاد کبھی برہنہ اور کبھی پوشاک میں نظر آتے تھے۔ خوراک کی خود انہیں کوئی خواہش نہیں ہوتی تھی دوسرے لوگ بھلے ہی اس پر دھیان دیتے تھے اور وہ بھی کبھی چند دانوں اور ایک گھونٹ پانی پر اکتفا کرتے تھے۔ اپنی تمام ترو ارفتگی کے باوجود وہ ایک لمحہ کے لئے بھی حاضرین کے حال سے غافل نہیں رہتے تھے۔ بات کرتے وقت ان کے منہ سے جھاگ نکلتا جیسے سمندر جوش میں آنے کے بعد اپنا قیمتی جوہر ساحل پر پھینک دیتا ہو۔ اس اثنا میں سامعین نے اگر ان کی مجذوبانہ گفتگو پر دھیان دیا تو دنیائے آفاق و انفس کا کوئی نہ کوئی راز ان کے پلے پڑ جاتا۔ بیدل نے دو جملوں میں ان کی تعریف کا خلاصہ پیش کیا ہے:

''بی تکلف آئینہ ای داشت صورت نمای احوال عالم۔ وبی شائبہ چراغی بود ظلمت زدای اشکال سرائر مبہم'' (۱۱۷)

ان کی شخصیت بلا تکلف ایک آئینہ کی حیثیت رکھتی تھی جس میں احوال عالم کی جھلک نمایاں تھی اور بلاشبہ وہ ایک چراغ تھے جو پوشیدہ اسرار و رموز کی شکلوں کی تاریکی کو چھانٹ کر رکھ دیتا ہے۔

ان دونوں بزرگوں (مولانا کمال اور شاہ ملوک) کی صحبت سے بیدل کے استفادہ اور ان کے متضاد نظریوں کے درمیان مطابقت و ہم آہنگی کی کوشش نے بیدل کو کس منزل پر پہونچایا اور اس کی شخصی اور فکری ارتقا میں انہوں نے کیا رول ادا کیا اس کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کے دوران پیش آنے والے بعض واقعات کا یہاں تذکرہ کیا جائے۔

یہ دونوں بزرگ بظاہر دو متضاد نقطہ ہای نظر کے حامل تھے۔ ایک ظاہر شریعت کو دیگر تمام امور پر ترجیح دیتے تھے تو دوسرے زندگی کی تمام قید و بند سے آزاد پاگلوں اور مجنونوں کی طرح زندگی بسر کرتے اور صفائے باطن کو دیگر تمام امور پر فوقیت دیتے تھے۔

ایک دن مولانا کمال اپنے بعض ارادتمندوں کو منازل سلوک کی تلقین فرما رہے تھے کہ اثناء گفتگو مجذوبوں کی صحبت میں نشست و برخاست رکھنے کا ذکر آیا۔ مولانا نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کی صحبت سے حتی الامکان بچنا چاہئے کیونکہ ان مجنونوں کی قربت شعلہ آتش میں قدم رکھنے کے مرادف ہے۔ یہ مجنوں صفت انسان (شاہ ملوک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) جنہوں نے عریانی اور برہنگی کو اپنا اصول زندگی بنا رکھا ہے، اگر انسانیت کاملہ کا تقاضا یہی برہنگی ہے تو ریچھ، بندر اور تمام ان حیوانات کو جو مادر زاد ننگے زندگی گذارتے ہیں، ارباب فضل و کمال کے زمرے میں شامل کرنا چاہئے نہیں ہے۔ اسی طرح بات کرتے وقت منہ سے جھاگ نکالنا اگر فصاحت و بلاغت کی علامت ہے تو اونٹ کو جو اس کام کے لئے مشہور ہے، فصیح و بلیغ انسانوں کی صف میں جگہ دینی چاہئے۔ لہٰذا جس کو خدا نے احسن تقویم کی شرافت سے نوازا ہے اس کو برہنگی کی ذلت آمیز صورت نہیں اختیار کرنی چاہئے۔

انبیا صاحب دعوت بودند صورت و معنیٰ الفت بودند

انبیا صاحب دعوت تھے، وہ الفت کی بیرونی اور باطنی شکل تھے۔

عمرہا از اثر سعی وفاق عرضہ دادند طریق اخلاق

ایک مدت تک لگاتار کاوشوں کے بعد انہوں نے لوگوں کو اخلاق کے اصول و ضوابط بتائے۔

تا تو زان شیوہ مکرم گشتی غولیت محو شد و آدم گشتی

یہاں تک کہ تم اس اصول کو اپنا کر معاشرہ میں معزز ہوئے، شیطنیت تم سے رخصت ہوئی اور انسان بنے۔

گر جنوں رسم ہدایت می داشت جذبہ در خلق سرایت می داشت

جنون اور پاگل پن اگر ہدایت اور رہبری کی رسم ہوتی تو یہ جذبہ لوگوں میں ضرور سرایت کرتا۔

ہر کجا بی ادبی عریانیست بہر این بیخردان دکانیست

جہاں بھی کوئی بے ادب عریاں اور ننگا نظر آئے تو سمجھ لو کہ بے عقلوں کے واسطے وہ ایک دکان ہے۔

بیدل کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کمال اور شاہ ملوک کا جب کبھی آمنا سامنا ہوتا تو شاہ ملوک کپڑے پہن کر خاموش ہو جاتے اور جونہی ایک دوسرے سے جدا ہوتے تو حسب سابق برہنہ ہو جاتے۔ اس وقت جبکہ مولانا کمال اپنے ارادتمندوں کی تعلیم و ارشاد میں مشغول تھے شاہ ملوک سے

ان کا مقابلہ ہوا۔ شاہ صاحب نے حسب معمول فوراً کپڑے زیب تن کر لئے اور جب الگ ہوئے [illegible]
لباس عریانی پہن کر بہ آواز بلند کہنا شروع کیا کہ:

''ساز حقیقت از دست مجاز تراشان بی اصول کمین گاہ صد محشر فریاد است۔ وحسن معنی از نگاہ آشنایان بی ادراک، غبار آلود یکعالم بیداد............ اگر آسمان را برہنہ پنداشتہ، در ساز حجاب می کوشند۔ غشاوۂ غفلت است نہ دانائی۔ واگر آفتاب را عریان انگاشتہ چشم انصاف می پوشند، اثر خفاشی ست نہ بینائی۔ الخ (۱۱۹)

شاہ ملوک کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حقیقت و مجاز دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ جن کی نگاہیں [illegible] میں الجھ کر رہ گئی ہیں انہیں حق نہیں پہنچتا ہے کہ حقیقت آشناؤں کے حق میں لب کشائی کی جرأت کریں ورنہ ظالموں کی صف میں ان کا شمار ہوگا۔ اور جس کو حقیقت کا سراغ مل گیا وہ مختلف اشیاء کے درمیان تمیز کا قائل نہیں ہوتا۔ ساری چیزوں میں اسے شاہد حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ زمین و آسمان، چاند سورج، حیوانات و نباتات، دریا و صحرا غرض تمام فطری مظاہر و مناظر کو وہ جلوہ گاہ احدیت تصور کرتا ہے لہٰذا آسمان کو برہنہ تصور کر کے اگر کوئی لباس زیب تن کرنے کی کوشش کرے تو اسے حق بجانب [illegible] سمجھدار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہر چیز اپنی موجودہ اور مخلوقہ شکل میں جلوہ گاہ احدیت ہے لہٰذا برہنگی [illegible] ستر پوشی بے معنیٰ الفاظ ہیں۔ البتہ جو لوگ زہد و تقویٰ کے دعویدار ہیں انہیں اس نکتے پر دھیان [illegible] چاہیئے کہ ''تقویٰ'' اصل میں ماسوی اللہ کے وسوسے سے باز رہنے کا نام ہے۔ دوسروں کے عیب [illegible] اور خوبی و خامی کی تفتیش کا نام نہیں ہے اور ''زہد'' زور و قوت کے نخوتکدہ سے نکل کر عجز و بے چارگی [illegible] کا ہش آباد کا رخ کرنے کا نام ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں کے درپے آزار ہونے کا نہیں۔ اس لئے ''زہد و تقویٰ'' کا مطالبہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنی ذات کو مختلف قسم کے اوصاف حمیدہ سے آراستہ [illegible] جائے اور دوسروں کے عیوب و نقائص کی ٹوہ میں نہ رہا جائے۔ جو لوگ زہد و تقویٰ کے دعویدار تھے [illegible] ان کا ظاہر اس کے تقاضوں سے خالی تھا شاہ ملوک ان کو ''کور'' (اندھا) کہتے تھے اور ان ''کوروں'' [illegible] صحبت سے گریز کی نصیحت کرتے۔

مخور از پاکی دامان زاہد   فریب نور بی ایمان زاہد

دامن زاہد کی (ظاہری) پاکی و صفائی سے اس کے نور سے خالی ایمان کے فریب میں نہ آ [illegible]

ز مکر سادگیہائیش بہ پرہیز   کتان واری ازیں مہتاب بگریز

اس کی سادگی میں جو مکر و فریب پوشیدہ ہے اس سے پرہیز کر و اور کتان کی طرح اس چاندنی سے بھاگو۔

صفا در جبہ و عمامہ است صرف   طلسم قیر ز و اندو دہ برف (۱۲۰)

ساری صفائی و پاکی جبہ و عمامہ میں سمٹ کر رہ گئی ہے تارکول کا ایک طلسم ہے جس پر برف جمی ہے۔

بیدل کا بیان ہے جس زمانے میں ان دونوں کے درمیان یہ بحث ایک دوسرے کے بالمقابل جاری تھی میرے بعض اعزہ، جو مولانا کمال کی صحبت سے استفادے کی غرض سے ان کے پاس جاتے تھے ان کو مخاطب کر کے مولانا نے فرمایا:

''ہر کرا کیفیت شہود و حقیقت از دست بردہ باشد، گفتگویش بہ زبان اصطلاح مجاز راست نیاید۔ و تار یشہ عبارت، سامان نشو و نما دارد، قابل راہمنشینی معنیٰ تحقیق نہ شاید، مجنوں را تمیز سنگ و گل ننگ نسبت دیوانگیست الخ۔'' (۱۲۱)

مولانا کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ پاگلوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو حقیقی پاگل ہوتے ہیں اور دوسرے جعلی اور خود ساختہ پاگل۔ مجنوں کی ان دو قسموں کے درمیان جو باہمی فرق ہے یہاں اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ واقعی پاگل ہوتے ہیں وہ شیشہ و سنگ اور دُرد و صاف میں تمیز نہیں کر سکتے۔ لیکن بڑی تعداد خود ساختہ مجانین کی ہوتی ہے یعنی ان کا مقصد چونکہ تن آسانی اور سہولت پسندی ہوتی ہے ہوش و گوش کے باوجود وہ زندگی کی تمام قید و بند سے آزاد بنے پھرتے ہیں اور اس حقیقت سے غافل رہتے ہیں کہ شریعت مطہرہ انسان کو جب تک اس کے ہوش و حواس درست ہیں اپنے احکام و [illegible] سے مستثنیٰ نہیں سمجھتی ہے اس لئے ان بیکاروں کی صحبت سے بچنا ضروری ہے کیونکہ کارخانہ عالم کا کمال اگر [illegible] وقت گذاری ہوتا تو ان کے منصۂ شہود پر قدم نہ رکھنے سے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ اس قسم کے مجانین عقل و دانش کے تقاضوں سے آزاد ایک مسلک کے حامل ہوتے ہیں اور اس کے مجتہدین جیسا [illegible] کرتے ہیں، خون حیض میں غوطہ خوری کو اگر وضو تصور کر لیں تو کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں۔

اگر ان دونوں کے نقطہ ہای نظر پر غور کریں تو اس بات کا امکان ہے کہ پیچیدگی میں گرفتار ہو کر [illegible] کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں کیونکہ ہر ایک اپنے دعویٰ کو دلائل کے ساتھ اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کا [illegible] مشکل معلوم ہوتا ہے۔

ان کے متضاد بیانات سے پیدا ہونے والی پیچیدگی سے دامن بچاتے ہوئے ان کے درمیان [illegible] کی راہ بیدل نے جس طرح نکالی ہے اس سے اس کے ذہن رسا اور ذوق سلیم کی داد دیئے بغیر [illegible] رہا جا سکتا۔ لکھتا ہے:

''اینجا مطلب شاہ نفی اوہام تعین بود در مشاہدۂ جلال وحدت و مقصود مولانا اثبات ذات [illegible] کمال در عین انتظام کثرت۔'' (۱۲۲)

یعنی جلال وحدت کے مشاہدہ میں شاہ ملوک نے خود کو اس طرح فنا کر دیا تھا کہ ''غیر'' کے تصور کی بھی ان کے صفحہ ذہن پر گنجائش نہیں رہ گئی تھی یعنی جس چیز پر نظر پڑتی تھی ان کو واجب الوجود کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا بہ الفاظ دیگر وہ ''وحدۃ الوجودؔ'' کے قائل تھے جبکہ مولانا کمال عین کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کر رہے تھے یعنی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ یہ عالم عالم کثرت ہے اس عالم کثرت کی ہر چیز ذات بحت کے پرتو کی جلوہ گاہ ہے اس لئے ''کثرت'' میں ''وحدت'' نمایاں ہے بہ الفاظ دیگر وہ ''وحدت الشہوؔد'' کے قائل تھے۔ اس فرق کو بیدل ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''خواہ گرمی راطبیعت آتش دانند، خواہ آتش رالباس گرمی پوشانند، چوں حاصل برہمزدن دو دست یک صدا است ونتیجہ تحریک دولب یک مدعا۔''

حرارت کو چاہے آگ کی طبیعت کہہ لیجئے یا آگ کو حرارت کا لباس پہنا دیجئے دونوں ہاتھوں سے تالی بجانے کا حاصل ایک ہی آواز ہے اور دونوں ہونٹوں کی جنبش کا نتیجہ ایک ہی مدعا۔

گویا ان دونوں بزرگوں کے خیالات میں کوئی تصادم نہیں۔ البتہ نقطہ ہای نظر کے شیوۂ اظہار میں فرق ہے ایک حرارت کو آگ کی طبیعت قرار دیتا ہے تو دوسرا آگ کو حرارت کا لباس پہناتا ہے۔ آگ کا تعارف ہر حال میں حاصل ہے۔

ان دو بزرگوں کی صحبت سے بیدل نے جو کچھ استفادہ کیا اسے انتہائی فخر کے ساتھ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

''دماغ معنی سراغ بیدل از گردش این دو ساغر یک نشۂ دو بالا گردید وطبیعت تحقیق مایل بمطالعہ ایں دو نسخہ یک سبق تکرار رسانید۔'' (۱۲۳)

یعنی بیدل کے متجسس دماغ کا نشہ ان دونوں جاموں کی گردش سے دوبالا ہو گیا اور تحقیق طلب طبیعت کو ان دو نسخوں کے مطالعہ سے ایک ہی سبق کا تکرار حاصل ہوا۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب بیدل کو ''وحدۃ الوجودؔ'' اور ''وحدۃ الشہوؔد'' کی صوفیانہ اصطلاحوں سے سابقہ پڑا اور جس نے اس کے افکار و خیالات کے دھارے کو ایک خاص جہت بخشی۔ اس موضوع پر الگ سے بحث ''بیدل کے افکار و خیالات'' کے تحت آئندہ صفحات میں ہوگی۔ شاہ ملوک کے بارے میں بیدل کا یہ آخری جملہ نہایت غور طلب ہے:

''الحاصل ذات بی نیازش باہمہ عریاں تنی گنجہا در آستیں داشت'' (۱۲۴)

غرضکہ ان کی بے نیاز ذات نے تمام تر عریانی و برہنگی کے باوجود اپنی آستین میں خزانے چھپا رکھے تھے۔

بیدل نے ایک واقعہ ایسا بیان کیا ہے جس سے شاہ ملوک کے بلند روحانی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دن خداشناسی سے بیگانہ کچھ قلندروں کی ایک جماعت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے بڑی گستاخی اور بے ادبی سے شاہ صاحب سے بات کرنی شروع کی اور زبانی گفتگو سے آگے بڑھ کر ہاتھا پائی پر آتر آئے۔ بیدل کے الفاظ میں ''اپنے سگ صفت ناخن اور دانت سے ان کے دامن عریاں کو تار تار کر کے رکھ دیا اور افسردگی کے گمان میں شعلے پر ہاتھ رکھ دیا'' اچانک شاہ ملوک کی زبان سے برق غیرت عنوان کوندی اور یوں فرمایا:

''ای سگاں! دریں خرقہ ہیچ نیست، بہ پوست خود ہا درافتید۔'' (۱۲۵)

اے کتو! اس گدڑی میں کچھ نہیں رکھا ہے خود اپنی کھالوں میں الجھو۔ یہ سننا تھا کہ وہ سب کے سب آپس ہی میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ آخر کار اپنے خرقہ ہستی کو چاک کر ڈالا۔ اس چشم دید واقعہ سے متاثر ہو کر بیدل کہتا ہے:

غافل از چشم بخود پیچیدگاں ای بسا کشتی کہ در طوفاں ایں گرداب رفت

اے غافل اور بے خبر انسان! ''چشم بخود پیچیدگانؔ'' سے ہشیار رہو۔ کتنی کشتیاں اس بھنور کے طوفان کی نذر ہو چکی ہیں۔

دانشی گر کردہ ای کسب ادب نیست جز اکسیر چوں بیتابی از سیماب رفت

اگر تم نے ادب اور سلیقہ سیکھا ہے تو علم و دانش کے لئے کیمیا ہو۔ پارہ میں اگر بیکلی اور بے تابی نہ ہو تو وہ اکسیر کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جان از از ادب الفت پرست پیکر است آبروی زندگی ہم رفت چوں آداب رفت (۱۲۶)

ادب اور سلیقہ ہی سے جان الفت پرست پیکر کی حیثیت اختیار کرتی ہے ادب جب رخصت ہوئے تو زندگی کی آبرو بھی سمجھئے خاک میں مل گئی۔

بیدل کا بیان ہے کہ ابتدائی ملاقات میں سدا اس فکر میں رہا کرتا تھا کہ وہ ''خمکدہ عالم اسرارؔ'' کس طرح غلغلہ جوش میں گنگناتا رہتا ہے۔ آخر ایک دن خود شاہ صاحب نے انتہائی محبت اور شفقت سے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''ای ہوس انتظار رموز حقائق! از دبستان اعتبار وجود، بحرف وصوت پراگندہ قانع مباش بمشق موزونی خانہ، جہدی بر تراش کہ ہیئت انسان در کمال موزونی مصور است وہیکل بشری صفت سنجیدگی تمام جلوہ گر۔ (۱۲۷)

اے اسرار و رموز کے چشم براہ! اعتبار ''وجودؔ'' کے مکتب سے چند پراگندہ حروف و آواز پر قناعت

ہمت کر۔ موزونی خامہ (موزوں بیانی یا نویسی) کی ریاضت کر کیونکہ انسانی ہیئت کا کمال موزونی ہی میں تصور کیا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحب نے ایک دن بیدل سے کہا: جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے قلم بند کرلو۔ بیدل مستقل تین دن رات تک لکھتا رہا۔ تقریباً چالیس اشعار اس طرح ضبط کئے کہ شاہ صاحب ہر شعر پڑھ کر پہلے اس کی شرح کرتے، اس کے بعد بہت سے ایسے حقائق و معارف بیان کرتے کہ بیدل کے بہ قول ''مدرکہ در نہ آں سراسیمہ گردید'' قوت ادراک اس کے سمجھنے میں حیران تھی۔ ان کی تقریر کیا تھی؟ ایک ''کتاب معنی'' تھی لیکن چونکہ ہندوستانی (شاید ویدانت) کی اصطلاحوں کے علاوہ مقامی بولیوں کے الفاظ بھی اس میں شامل تھے اس لئے اس کتاب ''چہار عنصر'' میں انہیں شامل نہیں کیا گیا۔ (۱۲۸)

ای بسا معنی کہ ازنا محرمیہای زبان　　باہمہ شوخی مقیم نسخہ ہای راز ماند

زبان سے نا آشنائی کی بدولت بہت سے نکتے اپنی تمام تر شوخیوں کے باوجود نسخہ ہای راز کی زینت بن کر رہ جاتے ہیں۔

نغمہ ہا بسیار بود اما ز جہل مستمع　　ہر قدر بی پردہ شد در پردہ ہای راز ماند

نغمے بے شمار تھے پر سامعین کی جہالت ولاعلمی کے سبب جس قدر ان سے پردہ ہٹتا تھا وہ پردۂ راز میں چھپتے چلے گئے۔

حسن در اظہار شوخی رنگ تقصیری نداشت　　چشمہا غفلت نگہ شد، جلوہ محو ناز ماند (۱۲۹)

حسن نے اپنی شوخیوں کے اظہار میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، آنکھیں ہی غفلت شعار تھیں اس لئے جلوے محو ناز ہو کر رہ گئے۔

اس نوع کے واقعات کی تردید کی جاسکتی ہے اور نہ ان کے لئے دیگر عوامل کو موثر قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ بہت سے پھٹے حال لوگ اس طرح زندگی گذارتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے اور لباس تار تار ہوتے ہیں پھر بھی اگر وہ خدا پر بھروسہ کر کے کسی بات کی قسم کھالیں تو خدا ان کی قسم پوری کرتا ہے۔ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ شیخ اکرام نے اسی قسم کے واقعات کی بنا پر لکھا ہے کہ بیدل کی پرورش تعویذ گنڈے کے ماحول میں ہوئی ہے۔ (۱۳۰)

شاہ ملوک سے اپنی نیازمندی اور ممنونیت کا تذکرہ بیدل اس انداز سے کرتا ہے:

بیدل چقدر بر تو نفس سوختہ اند　　کان شعلہ بیاں کلامت آموختہ اند

ای شمع! ز پر تو تو اندیشہ گداخت　　گویا بگداز دلت افروختہ اند

بیدل! اس شعلہ بیاں (شاہ ملوک) نے تیری کلام آموزی کے لئے کیا کچھ تکلیف نہیں اٹھائی۔

اے شمع! تیرے پرتو سے قوت فکر یہ پگھل گئی جیسے تیری دل گدازی ہی کے لئے اسے روشن کیا گیا ہو۔

شاہ یکہ آزاد:

مرزا قلندر کی وساطت اور رفاقت میں بیدل کو جن بزرگوں کا تعارف حاصل ہوا ان میں ایک شاہ یکہ آزاد بھی تھے۔ شاہ صاحب اس وقت جہاں قیام پذیر تھے اس علاقے کے لوگ ان کی صحبت سے فیض یابی کے لئے خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، خصوصاً مرزا قلندر کو ان سے بڑی عقیدت تھی اور اپنے بھتیجے کے روبرو ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ بیدل لکھتا ہے:

> ''خلقی مشتاق صحبت ہوش تسخیرش بود۔ در ہر جاذکر چمنستان استفادہ اش، نسخۂ بلاغت می کشود عندلیباں انصاف نوارا از ترنم زمزمۂ توصیف چارہ نبود، خصوص مرزا قلندر کہ در ہر بن موی زبانی داشت مرہون ستایش کمالش، و در ہر جنبش، بیانی مصروف تذکرہ احوالش۔'' (۱۳۱)

شاہ صاحب کا اصلی وطن کہاں تھا یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ چہار عنصر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صوبہ بہار میں کوئی مخصوص قیامگاہ ان کی نہ تھی ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہتے اسی سیاحت کے دوران ان شہر ''آرہ'' میں ان کا قیام تھا۔ جو صوبہ بہار کا ایک ضلع اور پٹنہ سے پچھم کی طرف چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بیدل لکھتا ہے:

> ''درایامی کہ قصبہ ''آرہ'' اقامتکدہ سیر اتفاقی بود، ادیم افسر زمین بسہیل نقش قدمش رایحۂ سعادت می اندوخت۔'' (۱۳۲)

جن دنوں قصبہ آرہ شاہ صاحب کا ''سیاحتی اور اتفاقی قیام گاہ'' تھا وہاں کی ادیم افسر زمین ان کے نقش قدم کے سہیل (ستارہ) کی بدولت خوش نصیبی کی خوشبو سے بسی ہوئی تھی۔

ان سے ملاقات کے بعد ان کی پرکشش اور باا‌ثر شخصیت کا بیدل پر کتنا اثر ہوا اس کا اندازہ اس کے حسن ذیل بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

> ''عندلیب گلشن اقوالش، مدرکہ را چون بوی گل در گوش فشاندی، و رنگ آمیزی خامہ احوالش، باصرہ را چون حیرت در دیدۂ تصور خواباندی۔ ہم دیدہ ہا حیرتگاہ احوال عجیبش بود، وہم گوشہا جنونکدہ آہنگ غریبش۔'' (۱۳۳)

ان کے باغ ارشادات کا بلبل بوی گل کی طرح قوت اندیشہ کے کان میں نغمہ سرائی کرتا اور ان کے خامۂ احوال کی رنگ آمیزی قوت باصرہ کو حیرت کی طرح دیدہ تصور میں محو خواب کر دیتی۔ آنکھیں ان کے عجیب و غریب حالات دیکھ کر حیرت کا پتلا بنی ہوئی تھیں اور کان ان کے عجیب و غریب آہنگ سن کر جنونکدہ بنے ہوئے تھے۔

بیدل نے شاہ صاحب کا ایک ایسا واقعہ بیان کیا ہے جس سے ان کے روحانی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دن شاہ صاحب بیدل کے ہاں ایسی حالت میں تشریف لائے کہ گرمی نقطہ عروج پر پہونچی ہوئی تھی اور ان کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ بیدل کو ان سے خلوص اور ارادت تو تھی ہی جھٹ پنکھا اٹھا کر جھلنے لگا۔ شاہ صاحب کو جب کچھ سکون ہوا اور اپنی طبعی حالت میں آئے تو ان کا دل اتنا خوش ہوا کہ مسکرا کر مہر سکوت توڑی:

''ای نشہ مینای اخلاص! عنقریب اندیشہ فطرتت، نہالی قامت آراید۔ و از ہیولای استعدادت، پیکری بظہور آید کہ ہمت عالی نگاہان، از فہم کیفیتش استمداد رسائی نماید۔ و آئینہ معنی نگاہان، برمحیط آبرو آغوش کشاید۔(۱۳۴)

اے نشۂ مینای اخلاص! تیرے ریشۂ فطرت سے جلد ہی ایک ایسا پودا اُگے گا اور تیرے ہیولائے استعداد سے ایک ایسا پیکر ظہور پذیر ہوگا کہ بلند نگاہ حضرات کی ہمت بھی اس کی کیفیت کو سمجھنے کے لئے قوت اندیشہ سے مدد مانگے گی۔

اس کے بعد مخصوص وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''از تعلیمات وصایای من مفید احوالت اینست کہ جہدی برین ابیات تحقیق آیات، تامل گماری۔ وبفہم لطایفش، جہدی بلیغ لازم تفکر شاری۔ امید کہ معلم فیض حقیقی، بردرس معنیٰ عرفانت افزاید۔ وابواب علوم یقین، برروی دانستنت، مفتوح نماید۔ باری باین وسیلہ یاد فراموشان درسگاہ اعتبار، از غنائم تحصیلات شعور است۔ و باین بہانہ، ذکر خاموشان پردۂ عدم سنت مشاہدۂ حضور۔''

''میرے تعلیمی وصایا میں سے تیرے حسب حال ایک وصیت یہ ہے کہ ان ابیات تحقیق آیاتِ پر غور کر اور انکی باریکیوں کے سمجھنے کی انتہائی کوشش کر۔ مجھے امید ہے کہ معلم فیض حقیقی تیری خداشناسی اور معرفت میں اضافہ فرمائے گا اور علوم یقین کے دروازے تیری فہم پر کھول دے گا۔''

یہ اشعار مثنوی معنوی کے ہیں:

ایں توئی ظاہر کہ پنداری توئی　　　نیست اندر توی تو از بی توئی

یہ بظاہر تو ہے یا لگتا ہے کہ تو ہے۔ بے ''توئی'' سے تیرے ''تو'' میں ''تو'' نہیں ہے۔

او ''تو'' است امانہ ایں تو کہ من است　　　آں توئی کاں بر تر از ما و من است

''وہ'' تو ہے پر یہ تو نہیں جسے ''من'' کہتے ہیں تو وہ ''تو'' ہے جو ما و من سے بالاتر ہے۔

توی تو در دیگری آید دفیں　　　من غلام مرد خود بیں چنیں (۱۳۵)

تیرا ''تو'' دوسرے میں دفن ہو جاتا ہے میں ایسے خود بیں آدمی کا غلام ہوں۔

شاہ صاحب کے ذریعے بیدل کے لئے ایک تابناک مستقبل کی پیشین گوئی اور ان کی حوصلہ زائی اور مولانا رومی کے درج بالا اشعار پر غور کی ہدایت سے بیدل کو اس بات کا جیسے یقین ہو چلا تھا کہ کسی نہ کسی دن اسے منزل ضرور ملے گی۔ درحقیقت ان بزرگوں کی صحبت نے بیدل کی شخصیت سازی، اور ذہنی بالیدگی میں اہم رول ادا کیا ہے چنانچہ بیدل کا اعتراف ہے۔

''ترحم آں خضر وادی توفیق بنوید ایں غنائم طریق ہدایت پیمود، وتوجہ آن سروش عالم فضل، بمودہ ایں کرامتم درس نوازش فرمود۔''(۱۳۶)

وادی توفیق کے اس خضر کی عنایتوں نے ان غنائم کی نوید دے کر ہدایت کا راستہ دکھایا اور عالم فضل کے اس فرشتے کی توجہ نے اس کرامت کی خوشخبری دے کر مجھے نوازشوں کا درس دیا۔

درج بالا اشعار پر غور و فکر کے بعد جو حقائق و معارف بیدل کے پلے پڑے ان کا اقرار کرتے ہوئے بیدل لکھتا ہے:

''بمواظبت حضور معنیش، مشق حیرتی بکمال رسانیدم وبمحافظت اسرار حقیقتش ورق نفس بہ خاموشی گردانندم۔''(۱۳۷)

ان کے معانی پر پابندی سے غور کر کے ''حیرت'' کی ریاضت کو بہ درجہ کمال پہونچایا اور ان کے اسرار حقایق کی نگہداشت کر کے سانس کے اوراق کو خاموشی سے پلٹا۔

غلام حسن مجددی کا خیال ہے کہ یہ اشعار درحقیقت بیدل کی منزل ''خودی'' تک رسائی کے لئے رہنما ثابت ہوئے۔(۱۳۸)

بیدل کے تابناک مستقبل کی پیشین گوئی پر مشتمل اس واقعے کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ کافی زحمتوں کے بعد بیدل کو آخر اپنے مقصد میں اس حد تک کامیابی ہوئی کہ بڑے بڑے شاعروں اور نقادوں نے اس کی شاعرانہ عظمت اور فنکارانہ لیاقت کا نہ صرف لوہا مان لیا بلکہ اس پر کتابیں اور مضامین لکھے (۱۳۸)۔ راقم السطور نے اپنے ایک مقالے میں جو ایران شناسی ۲۰۰۴-۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے بیدل شناسوں کی پوری تفصیل فراہم کی ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور واقعہ سے شاہ صاحب کے بلند روحانی مقام کا ثبوت ملتا ہے۔ بیدل کا بیان ہے کہ ایک دن شاہ صاحب دریائے گنگا پار کرنے کے لئے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی میں کچھ اور مرد عورتیں بھی سوار تھیں جب کشتی بیچ دریا میں پہونچی تو ملاحوں نے دست سوال دراز کیا، جس کو

جو میسر ہوا دیا۔ شاہ صاحب کے پاس جب پہونچے تو وہاں کیا تھا جو ملتا۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: بھئی! میں ایک فقیر آدمی ہوں دوسروں کی خیرات کا محتاج ہوں۔ لیکن ملاح سوال کرنے سے باز نہ آئے اور جب یوں ملتا نظر نہ آیا تو ایذا رسائی پر اتر آئے۔ بیدل نے صحیح لکھا ہے: ''عذر افلا[س] در عالم غرض مسموع نبودٗ''۔ جہاں غرض کی کارفرمائی ہو وہاں افلاس کا عذر قابل قبول نہیں۔

شاہ صاحب ان کی ایذا رسائی سے تنگ آ کر اٹھے اور بے دھڑک دریا میں کود پڑے لوگوں نے جب شور واویلا مچایا تو شاہ صاحب نے ان سے متوجہ ہو کر فرمایا:

''ای بے خبر! بیمن ناتوانی آنقدر نہ شکستہ ایم کہ دوش موج، رخت ما نتواند کشید۔ وبفیض سبکساری چندان از خود نگذشتہ ایم کہ پشت چشم حباب پل نتواند گردید۔ (۱۳۹)

اے غافل انسانو! نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے اتنا شکستہ حال نہیں ہوں کہ لہریں میرا [بوجھ] اپنے دوش پر نہ اٹھا سکیں۔

یہ کہہ کر وہ چشم زدن میں لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ مقام کی مناسبت سے یہاں بیدل نے نہایت عمدہ اشعار کہے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ بہت سے روشن ضمیر بزرگ اس طرح زند[گی] گذارتے ہیں کہ ان کے روحانی مقام کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ عوام اپنی غفلت سے ان کے سا[تھ] نازیبا برتاؤ کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

ای بسا روشن دلی کز بی نیازیہای شوق چون فروغ مہر بر خاک سیہ افتادہ است
معنی اقبال فقر از غافلان پوشیدہ اند ورنہ در ہر خاک، چندیں دستگاہ افتادہ است

شاہ صاحب کی صحبت سے بیدل نے جو کچھ استفادہ کیا ان سب کا احاطہ کرنا یہاں مقصود [نہیں]۔ ان میں سے کچھ فقر وغنا اور قیام قیامت سے وابستہ ہے۔ آخر میں اپنی ممنونیت کا اظہار کرتے ہو[ئے] بیدل لکھتا ہے:

''بریں خوشہ چیں خرمن ارادت، شفقت معنویش بیش از آن بود کہ کم آنرا بہ بیشیہا می توان ستود۔ اما زبان شکر نوای خامہ را باہمہ عجز انداز صریر بست۔ وعندلیب سپاس آہنگ بیان را بہر نارسائی پرواز صفیری۔'' (۱۴۰)

خرمن ارادت کے اس خوشہ چیں پر ان کی معنوی شفقت اور عنایت اس سے کہیں زیادہ تھی کہ ان کی تعریف کی جا سکے۔

افسوس کہ اس پاکباز عارف کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی۔ جن دنوں بیدل کے گھر ان کا قیا[م تھا] اسی ہفتے وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

شاہ فاضل:

جن بزرگوں سے بیدل اپنے چچا کے توسط سے متعارف ہوئے ان مین ایک شاہ فاضل بھی تھے۔ شاہ فاضل کہاں کے رہنے والے تھے اور مرزا قلندر کی کس طرح ان سے آشنائی ہوئی، بیدل کے بیان سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ چہار عنصر سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہم خیالی و ہم مشربی کی وجہ سے دونوں اکثر ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔ مرزا قلندر نے چونکہ بیدل کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی تھی اس لئے وہ اسے اپنے ہمراہ ان کے پاس لے جایا کرتے تھے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں بیدل شاہ صاحب کی سحر بیانی سے متاثر ہوتا ہے:

''فقیر از شگفتگیہای بیانش رنگینی مشاہدہ می کرد کہ بصد جوش بہار آئینہ تصورش نتوان چید۔ واز کیفیت تکلمش نشہ ای اندوخت کہ بہ ہزار دور ساغر گردتا ملش نتوان گردید۔ در ایام باریابی حضور سراپا ہوش می بودم تا لب اسرار طرازش چہ طراز دو ہمہ تن گوش گردیدم تا زبان حقایق آغازش چہ آغازد۔'' (۱۴۱)

یہ خاکسار ان کے شگفتہ بیانات میں ایسی رنگینی کا مشاہدہ کرتا تھا کہ سیکڑوں جوش بہار کے آئینہ تصور میں اس کا خیال نہیں کیا جا سکتا اور ان کے انداز گفتگو سے وہ نشہ حاصل ہوتا کہ ساغر کی ہزاروں گردش سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کی صحبت میں باریابی کے وقت سراپا ہوش بن جاتا کہ ان کے اسرار نوا ہونٹ کیا کیا بیان کرتے ہیں اور ہمہ تن گوش ہو جاتا کہ ان کی زباں حقائق بیان کیا بیان شروع کرتی ہے۔

اپنے زور بیان کے کیمرے سے بیدل نے شاہ فاضل کی شخصیت کی تصویر کشی کرنے کی غیر معمولی کوشش کی ہے لیکن استعارات و کنایات اور تشبیہات و اشارات کے مفرطانہ استعمال کے نتیجے میں بعض وقت ابہام کی اتنی موٹی تہ اس پر جم جاتی ہے کہ مقصد کا پتہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ شاہ فاضل روحانیات، اسرار و حکم، حقایق و معارف، انداز بیان اور طلاقت لسان، پسندیدہ نظم کے لئے مشہور تھے لیکن ان کی اہم ترین خصوصیت غیروں پر ان کی غیر معمولی اثر اندازی تھی یعنی ریاضت و مجاہدہ اور تحقیق و مطالعہ کے بعد ان میں وہ وصف پیدا ہو گیا تھا کہ اپنی شیریں بیانی سے سامع کو مسحور کر دیتے تھے لکھتے ہیں:

''پرتو آفتاب حضورش شعاع معنیٰ بر دلہا می تافت کہ در غیبت لمعہ ای از ان متصور عالم خیال نبود و از صفای آئینہ صحبتش تمثال حقیقی بر طبایع مکشوف می گردید کہ در اوقات دیگر بخواب تو ہم نیز نقاب نمی کشود۔'' (۱۴۲)

بیدل کے ذوق تحقیق طلب نے اس نمایاں اور بااثر شخصیت کی صحبت سے استفادے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ وہ ہمہ تن گوش ہوکر ان کی دلآویز گفتگو کو سنتا اور بیش بہا جواہرات اکٹھے کرتا۔ درج ذیل اشعار سے شاہ فاضل سے بیدل کے والہانہ تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

یاد ایامیکہ جان مشتاق و دل مدہوش بود — ہر مژہ واکردنی تمہید صد آغوش بود
تاچہ پردازد تغافل، مو بمویم داشت چشم — تاچہ فرماید تبسم، عضو عضوم گوش بود (۱۴۳)

وہ بھی کیا زمانہ تھا جب جاں ان کی گفتگو کی مشتاق اور دل ان کے کلام سے مدہوش رہتا تھا۔ پلک واہونے میں سیکڑوں آغوش کی تمہید تھی۔ میرا بال بال اس فکر میں سراپا چشم بن جاتا کہ شاہ صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں اور میرا ایک ایک عضو اس خیال میں سراپا کان بن جاتا کہ شاہ صاحب کی مسکراہٹ سے کیسے موتی جھڑتے ہیں۔

ایک بڑے اور اچھے مقرر کی قدر اس کے سوا کچھ نہیں کہ سامعین اس کی باتوں کو ہمہ تن گوش ہوکر سنیں۔ اسی وجہ سے بیدل کو ایک عمدہ سامع اور طالب صادق پاکر شاہ صاحب بے حد خوش ہوئے اور فرمایا:

''کاش مثل تو سامع بہ حرف ما توجہ نماید تا از قید خاموشی برآئیم و چوں تو طالبی ناخن کاوش آراید تا عقدۂ دل واکشائیم۔'' (۱۴۴)

کاش تیرا جیسا سامع میری باتوں پر دھیان دیتا کہ قید خاموشی سے نکلتا اور تیرا جیسا طالب ناخن کاوش سجاتا تا کہ دل کی گرہ کھول دیتا۔ طبعی سختیوں کی وجہ سے دنیا ایک کوہسار (پہاڑ) کے مانند جو کچھ لب پر آتا ہے پھر دل کی طرف لوٹ جاتا ہے اور جو کچھ شوق کہنا چاہتا ہے وہ ندامت و شرمندگی کی طرف عود کر آتا ہے۔

شاہ صاحب کے ارشاد سے جہاں ایک طرف بیدل کے حسن استماع کا اعتراف معلوم ہوتا ہے جو ایک لائق شاگرد کے لئے ضروری ہے وہیں ایک اہم اخلاقی ضابطہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ خاموشی گویائی پر اور عزلت کو صحبت پر اس لئے ترجیح ہے کہ انسانوں کی بڑی تعداد کج فہمی اور کوتاہ فہمی کی وجہ سے کلام کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ شاہ فاضل کی صحبت میں بیدل کے جو کچھ ہاتھ لگا اسے اس نے دوسرے عنصر میں بیان کیا ہے۔ شاہ موصوف سے اس کے گہرے تاثر کا اندازہ اس کے درج ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے:

''در ضمن اشعاریکہ موقوف بذیل عنصر دوم است خواہد نگاشت تا منکشف گردد کہ حضور ایں طایفہ چہ مقدار کلید بستگیہای دلست و نگاہ این قوم در چہ درجہ صیقل آلودگیہای آب وگل۔'' (۱۴۵)

ان اشعار کے ضمن میں جو عنصر چہارم کے مضامین سے متعلق ہونے کی وجہ سے وہاں ضبط تحریر میں آئیں گے، یہ واضح ہوگا کہ اس گروہ کی صحبت قلبی بستگی کے لئے کتنی بڑی کلید ہے اور اس قوم کی نگاہ آب وگل کی کس درجے صیقل کرتی ہے۔

شاہ صاحب کے علمی اور روحانی مقام کی تشخیص و تعیین کے لئے ان کے بعض افادات کا تذکرہ بیان کیا جاتا ہے۔ بیدل کہتا ہے کہ ایک دن فقراء کی ایک جماعت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سوال کیا:

''آدمی را کہ ظہور جامع اسرار وجود است و نور لامع انجمن شہود، ہر چند شایستہ جمیع کمالات کونی والٰہی است و قابل کل تعینات جہاں نا متناہی، منتخب گوہر یکہ زیب افسر کمال باشد کدام است۔'' (۱۴۶)

یعنی آدمی، جو کہ اسرار وجود کا ایک ظہور جامع اور انجمن شہود کا ایک نور لامع ہے، گو تمام دنیاوی کمالات اور جہاں نا متناہی کے جملہ تعینات کا اہل ہے پر وہ جوہر جو تاج کمال کے لئے زیب و زینت ہو کیا ہے؟

شاہ صاحب کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے ''ماعرفناک حق معرفتک'' خدایا! جس طرح چاہئے ہم نے آپ کو نہیں پہچانا اور دوسری جگہ ارشاد ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنی ذات کی معرفت حاصل کرلی اس نے خدا کی معرفت حاصل کرلی۔ لہٰذا انسان انسان ہونے کے لحاظ سے خدا کی کنہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا اس کے باوجود وہ خداشناسی کا مکلف ہے اور اس مقصد کے لئے حکم ہوا کہ پہلے خود شناسی پیدا کرے۔ اسے ''جہاں انفس'' کہتے ہیں ''جہاں انفس'' پر غور و فکر اسے خداشناسی کی منزل تک پہونچا دے گا۔ اس لئے خود شناسی کا نام معرفت ہے اور جس نے یہ معرفت حاصل کرلی وہ کمال کی چوٹی پر پہنچ گیا اور اس کے ذریعے وہ اپنے ہم جنسوں میں ممتاز ہے۔ (۱۴۷)

اسی طرح ایک اور سوال شاہ صاحب سے کیا گیا کہ اس دنیا میں جو قول یا عمل کسی کا معرض وجود میں آتا ہے اس کا حقیقی محرک خدائے تعالیٰ ہے کیونکہ اس کے ارادے کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ منصور حلاج کے نعرۂ انا الحق اور فرعون کے دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا برتر و بالا رب ہوں) کے درمیان کیوں فرق کیا جاتا ہے؟ لوگ ایک کی تعریف اور دوسرے کی تنقیص کرتے ہیں حالانکہ دونوں نے ایک ہی صدا لگائی ہے؟

شاہ صاحب نے جواب دیا کہ جہاں تک انسان کی ذات کا تعلق ہے وہ ہر قسم کی خوبی اور خامی

سے عاری ہے۔ ہمارے کرتوت ہم کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔ انہی کرتوت کی بدولت
ہم اوج عزت پر پہنچ جاتے ہیں یا حضیض ذلت میں گر جاتے ہیں، یہاں دو نکتے الگ الگ
انقلاب اور پائیداری جس کے ذریعہ ہم یا مردود ہوتے ہیں یا مقبول۔ انقلاب کا سرچشمۂ کثرت
اور پایداری کا سرچشمہ وحدت۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی نظر ساز وسامان اور حشم وخدم کی کثرت پر
اور اپنی بزرگی کو ان سے مربوط سمجھتا ہو وہ ہر حالت میں مستقل مزاج اور ثابت قدم نہیں رہ سکتا بلکہ خو
حالات کے مطابق ڈھالتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس جو آدمی اپنی ہستی کو فنافی اللہ کر دیتا ہے اور
پر اس کی نظر پڑتی ہے جمال مطلق کا مشاہدہ کرتا ہے وہ ہر حالت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ ان باتو
پیش نظر رکھ کر منصور حلاجؒ اور فرعون کے حالات پر غور کیجئے۔ منصور نے فنافی اللہ ہو کر انا الحق
بلند کیا۔ (۱۴۸) ساری چیزوں حتیٰ کہ خود اپنی ہستی کو فراموش کر کے انہوں نے جام وحدت نوش کیا
اس جام میں ''غیر'' نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ نعرہ انا الحق کا سرچشمہ یہی جام تھا اور یہ نعرہ شروع
تک ایک ہی رنگ میں برقرار رہا۔ لوگوں کے ہاتھوں جب انہیں کوئی اذیت نہیں پہنچی تھی تب بھی
صدا تھی اور جب ان کے ہاتھوں اذیت پہنچی حتیٰ کہ ان کی بوٹی بوٹی الگ کر دی گئی تب بھی وہی صدا
انا الحق ان کے ہر قطرۂ خون سے آتی رہی۔ لہٰذا ان کی یکرنگی کا سرچشمہ وحدت ہے جو پورے
میں ازابتدا تا انتہا برقرار نظر آتی ہے۔ اب ذرا فرعون کے حال پر غور کیجئے۔ فرعون نے بھی انا ربکم
الاعلیٰ (میں تمہارا برتر و بالا رب ہوں) کا نعرہ بلند کیا۔ اس دعویٰ کے پیچھے کثرت کارفرما تھی۔
اپنے جاہ وجلال، شان وشکوہ، حشم وخدم، سلطنت وحکومت، دولت وثروت غرض اپنی خوشحال زندگی
تمام ساز وسامان اور لاؤ لشکر پر اعتماد کرتے ہوئے یہ نعرہ بلند کیا تھا اسے یقین تھا کہ ہمیشہ اسی
گذرے گی اور اس کے حالات کبھی پلٹا نہیں کھائیں گے اس لئے جب ناسازگار حالات سے دوچار
اور تمام اسباب فخر ومباہات ایک ایک کر کے ہاتھ سے چھوٹنے لگے تو ''انا ربکم'' کے دعویٰ سے
اور صدائے آمنت برب موسیٰ و ھٰرون (موسیٰ وہارون کے رب پر ایمان لایا) بلند کیا۔ اس
کا سرچشمہ ''کثرت'' ہے اور ''کثرت'' ''عالم انقلاب'' کا نام ہے۔ کثرت جب ہاتھ سے جاتی
اس دعویٰ کے تانے بانے بھی بکھر گئے۔ شاہ صاحب کے مضمون کو انتہائی جامع الفاظ میں بیدل نے
طرح بیان کیا ہے۔

''چوں ''وحدت'' جہان ثبوت است و ''کثرت'' جہاں انقلاب۔ ''وحدت آگاہاں'' ناچار
مقیم صراط مستقیم اند و ''کثرت نگاہان'' بے اختیار ہرزہ تاز امید وبیم۔'' (۱۴۹)

یعنی وحدت، جب ''عالم ثبوت'' ہے اور ''کثرت'' عالم انقلاب تو ''وحدت آگاہ حضرات''

یقینا صراط مستقیم پر جمے ہوئے ہیں اور ''کثرت نگاہ حضرات'' بے تکلف خوف ورجا اور امید وبیم کی کشمکش
میں پڑے دوڑ رہے ہیں۔ اور اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ

''در محفل وحدت شمع شہود، جز یکی متحقق نیست، پرتو اختلاف از کجا بظہور پیوندد، در بہار
کثرت کہ غیریت آئینہ پرداز نشو نماست ناچار ہر برگی ہزار رنگ می خندد۔ پس کذب لازم
کثرت نمائی است، وصدق دلیل وحدت آشنائی۔ (۱۵۰)

شمع شہود کی وحدت کی محفل میں جب ایک کے سوا کسی کا تحقق نہیں تو اختلافات کا عکس کہاں
سے رونما ہو سکتا ہے اور ''بہار کثرت'' میں جہاں ''غیریت'' آئینہ پرداز نشو ونما ہے ہر برگ ہزاروں
انداز سے خندہ زن ہے لہٰذا ''دروغ گوئی'' کثرت نمائی کے لئے لازم ہے اور ''درست گوئی'' وحدت
آشنائی کی دلیل ہے۔

بیدل نے شاہ صاحب کا ایک اور واقعہ لکھا ہے جس سے بڑی حد تک اس کمسنی میں اس کی
ذہانت وذہانت اور بدیہہ گوئی ونغز گوئی کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک دن شاہ صاحب کے ایک مرید نے
ذیل شعر کے ذریعے شاہ صاحب کو اپنے گھر قدم رنجہ ہونے کی دعوت دی۔

می تواں در کلبۂ ما ہم شبی را روز کرد بوریا گر نیست نقش بوریا افتادہ است

یعنی ہماری جھونپڑی میں بھی ایک رات بتائی جا سکتی ہے گو بوریا نہیں ہے پر نقش بوریا تو موجود ہے۔
شعر پڑھ کر شاہ صاحب نے بیدل سے فرمایا:

''ماراازتصدیع عبارت آرائی برآر۔ وبی تکلفانہ جوابی درخور مدعای سائل بر نگار بمضمون
آنکہ تو ہم نقش ''بوریا''، خواب مخمل راحت کیشان۔ وتخیل ''کلبہ'' کاشانۂ نذر عشرت
عمارت اندیشان۔ اینجا سادگیہای نقوش امتیاز نگار خانہ ہادر بردارد۔ وغبار ویرانی وہم وظن
ازعمارتی دیگری سر بر می آرد۔ حضور ''بیخودی'' مارا بسیری بساطی دعوت نمودہ کہ بتکلف ہوش
رنج وداعی باید کشید۔ وشہود ''حیرت'' بتماشای گلشنی ازخود نبردہ کہ تشویش جنبش مژگان از آنجا
تواند گردید۔'' (۱۵۱)

عبارت آرائی کی زحمت سے مجھے نجات دو اور سائل کے حسب حال اس مضمون کا سیدھا سا
جواب اس طرح دیدو کہ ''نقش بوریا'' کا وہم بھی آرام طلب لوگوں کا خواب مخمل ہے اور جھونپڑی کا
تصور بھی عمارت اندیشوں کا کاشانہ عشرت ہے''۔ شاہ صاحب نے مزید فرمایا کہ میں خودی اور حیرت
میں یہ محو ہوں کہ بوریا اور نقش بوریا اسی طرح جھونپڑی اور دوسری جگہ میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا۔ میں ہر
طرح کے نقوش سے بے نیاز ہوں۔ نقوش کی سادگی ہی میرا طرۂ امتیاز ہے۔ بیدل نے ان مضامین کو

برجستہ شعری قالب میں اس طرح ڈھالا:

خود بیا و حال ما بنگر کہ در ملک فنا   روزگار ما ز روز و شب جدا افتادہ است

خود آکر میرے حال کا جائزہ لو کہ مملکت عدم میں ہماری شب و روز عام شب و روز سے الگ واقع ہوئی ہے۔

کلبہ وسواس است و نقش بوریا زنگار طبع   کار ما با شیوۂ صدق و صفا افتادہ است

''جھونپڑی'' ایک وہم ہے ''نقش بوریا'' زنگ طبیعت ہے۔ ہمیں تو صرف خلوص وارادت صدق وصفا سے سروکار ہے۔

بوریا و کلبہ را در عالم ما بار نیست   ہر کجا مائیم نقش مدعا افتادہ است

''بوریا'' اور ''جھونپڑی'' کو ہمارے ملک ''بیخودی'' میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہم جہاں رہ رہے ہیں وہاں نقش مدعا موجود ہے۔

کلبہ آتش زن و نقش بوریا را محو کن   در بساط فقر ما بینی چہا افتادہ است

جھونپڑی کو نذر آتش کردو اور نقش بوریا کو محو کردو تب تم ہماری بساط فقر میں دیکھو گے کہ کیا موجود ہے۔

تا نخواہد سوخت از ما بر نخواہد داشت دست   نیستی ما را چو آتش در قفا افتادہ است

''عدم'' آگ کی طرح ہمارے پیچھے پڑا ہے جب تک وہ ہمیں جلا نہیں دیتا ہم سے دست کش نہیں ہوگا۔(۱۵۰)

مجلس میں اس وقت جو لوگ موجود تھے اس منظوم جواب سے اتنا محظوظ ہوئے کہ ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ شاہ صاحب کو بھی یہ جواب اتنا پسند آیا کہ فوراً بیدل کی مزید کامیابی کیلئے دست بدعا ہوگئے۔ شاہ صاحب سے اپنی ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے بیدل کہتا ہے:

''الحاصل امواج محیط کرامتش را تلاطم بیکران بود۔ حباب فطرتی بیدل، بقطرہ واری قناعت نمود۔ وصبح بہار ہدایتش شگفتگیہای بی پایان داشت۔ بمقتضای کم فرصتی نفس پیش از ورق، گلی می کاشت۔''(۱۵۳)

غرض ان کی عنایات کے ساگر کی لہروں کے تلاطم کا کوئی تھاہ نہ تھا۔ حباب فطرت بیدل نے صرف ایک قطرے پر قناعت کیا۔ اور ان کی ہدایت کی صبح بہار بے انتہا شگفتگیوں کی حامل تھی کم فرصتی کے سبب نفس نے پتہ کے نکلنے سے پہلے ایک پھول کے پودے کو بویا۔

مشہور تاجیکی ادیب صدر الدین عینی اپنی کتاب میرزا عبدالقادر بیدل میں شیخ کمال،

شاہ ملوک وشاہ یکہ آزاد اور شاہ فاضل کی صحبتوں سے استفادہ کے بابت لکھتے ہیں کہ حقیقت میں بیدل کی زندگی کے یہ دو دور الگ الگ ہیں۔ انہوں نے بیدل کی زندگی کو درج ذیل مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

دورہ اول: طفولیت اور جوانی کا دور جو شیخ کمال کے زیر اثر گذرا۔ شیخ کمال کو اسلامی احکام اور شرائع پر پختہ عقیدہ تھا اور وہ سختی سے اس کے پابند تھے۔

دورہ دوم: دورہ مجذوبیت اور مجذوبوں کی پیروی اور ترک دنیا کا تصور۔

دورہ سوم: وحدت الوجود کی طرف اس کے تمایل ورجحان کا دور اسلامی تصوف سے اس کی دلچسپی کا دور۔

بیدل کے تفصیلی حالات وکیفیات کو مدنظر رکھ کر اور ان بزرگوں کی صحبت سے ایک ہی وقت میں استفادے سے جس کا تذکرہ اوپر ہوا مکمل طور پر واضح ہے کہ جناب عینی کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ان کے خیال کا سرچشمہ یہ ہے کہ انہوں نے چہار عنصر کا بہ غور مطالعہ نہیں کیا ہے۔

یہی حال عبدالغنی مرزائیف، میرزادہ واسلام شاہ محمد اوصاف اور الیاس نظام الدین اوف کی کتابوں کا نظر آتا ہے جنہوں نے بیدل کے حالات لکھنے میں عینی اور اس کی کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے۔

بیدل کی فوج میں شرکت:

بیدل نے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا، عمر کی دسویں منزل تک تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اس کے بعد چچا مرزا قلندر کے حسب ہدایت گھر ہی میں فارسی نثر نگاروں اور شاعروں کی تصانیف کا بہ غور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ ضمناً ان کی رفاقت میں چند بزرگوں سے ملاقاتیں کیں اور ان کی صحبتوں سے علمی، ادبی اور روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کئے۔ ایسا لگتا ہے رانی ساگر، سرائے بنارس اور آرہ کے گردونواح کی سیاحت کا سلسلہ ۱۰۶۷ ہجری مطابق ۱۶۵۵ عیسوی تک جاری رہا۔ اسی سال شاہجہاں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے بڑے لڑکے داراشکوہ کو سونپ دی تھی جو انجام کار اس کے بھائیوں کے درمیان اختلاف کا سبب ثابت ہوا، اور ہر بھائی تخت سلطنت ہتھیانے کی فکر میں سرگرداں رہنے لگا۔ بیدل اس وقت پٹنہ کے شمالی علاقہ ''ترہت'' میں جسے آج مظفر پور کہتے ہیں، نظر آتا ہے۔ اس وقت کے سیاسی حالات کا نقشہ بیدل نے اس طرح کھینچا ہے:

''سلطان شاہ شجاع بن شاہجہان، بیماری پدر را سکتہ مضمون سلطنت اندیشید ...... از خطہ بنگال تا سرحد ممالک بہار بگرد آوری خزائن فتوح فوجہای گماشتند و گنجہای بے شمار بہ تحصیل زر می انباشتند۔(۱۵۵)

جس سال شاہ شجاع بن شاہجہاں نے باپ کی بیماری کی خبر کو مضمون سلطنت کے لئے سکتہ تصور کیا (حکومت کی باگ ڈور کو معطل سمجھا) بے سوچے سمجھے اسپ جنوں کا رخ دارالخلافہ دہلی کی طرف موڑ دیا تا کہ منبر ہوس کا پایہ بلند کرے۔ شاہی افسروں نے بنگال سے لے کر بہار تک خزانے کی وصولیابی کے لئے فوجی دستے بٹھا دئے تھے اور بے شمار خزانے وصول کئے۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل جنگ جانشینی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ملک میں امن وامان کے لئے ضروری ہے کہ جو آدمی بھی تخت سلطنت پر براجمان ہو دوسرے لوگ اس کا احترام کریں حتی کہ بھائیوں کو بھی اگر چہ حکومت کی اہلیت زیادہ رکھتے ہوں نامزد ولیعہد کے خلاف انہیں علم بغاوت بلند نہیں کرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے شجاع کی حرکت کو اس نے اپنے تیر دشنہ کا نشانہ بنایا۔ اس وقت بیدل ترہت میں اپنے چچا مرزا قلندر کے ہمراہ ان کے ایک عزیز مرزا عبداللطیف کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ ترہت کے بارے میں لکھتا ہے:

''از آنجملہ تسخیر نواح ترہت، کہ شمالی حدود پٹنہ، ملکی است عظیم و کوہستانی مشتمل بر عقبات ہراس و بیم، فوجی تعین کردہ بودند۔ و میرزا عبداللطیف را کہ با میرزا قلندر مراتب خویشی داشت بسر لشکری بر آوردہ۔ اقتضای زمان وفاق فقیر را، کہ تماشاگہ عرصہ حوادث دلیل عبرت پیمائیست و سیر ہنگامہ انقلاب، سر مشق حیرت فرسائی، بہمعنانی میرزا تعلیم ہدایت فرمود و باختیار ایشان راہ تسلیم نمود۔ مدت سہ ماہ راجہ ہای غرور آثار بانقیاد فرمانشاہی گردنی داشتند شکستہ اوضاع سجدہ کاری۔'' (۱۵۶)

انہیں مسائل میں ترہت کی فتح کا مسئلہ بھی تھا جو پٹنہ سے شمال کی جانب ایک عظیم پہاڑی علاقہ ہے جس میں خوفناک گھاٹیاں تھیں۔ وہاں انہوں (شاہی افسروں) نے ایک فوجی دستہ بٹھا دیا تھا۔ مرزا عبداللطیف کو جن کی مرزا قلندر سے رشتے داری تھی اس دستے کی قیادت سپرد کی تھی۔ حسب اقتضائے زمانہ چچا نے فقیر کو بھی یہ کہہ کر کہ عرصہ حوادث کے تماشا سے عبرت حاصل ہوتی ہے، مرزا عبداللطیف کی رفاقت کی ہدایت فرمائی۔ مغرور باغی راجہ مہاراجاؤں سے تین مہینے برسر پیکار رہنے کے بعد ان کو انقیاد واطاعت پر مجبور کر دیا۔

شاہ شجاع اس وقت بنگال کا صوبیدار تھا۔ شاہجہاں کی بیماری اور داراشکوہ کی تخت نشینی کی خبر پاتے ہی وہ وہاں سے دہلی روانہ ہوا اور بنگال سے بہار تک اپنے آدمی لگا کر باغی راجاؤں اور زمینداروں سے لڑکر علاقے کو فتح کرنا اور خزانے وصول کرنا شروع کیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے مختلف مقامات پر فوجی دستے لگا دئے تھے۔ ان میں سے ایک جگہ ترہت بھی تھا۔ جو پٹنہ سے شمال

پر اتر کی جانب واقع ایک پہاڑی علاقہ ہے جس میں اونچی نیچی خطرناک قسم کی گھاٹیاں تھیں۔ شاہ شجاع کی طرف سے جو فوجی دستہ وہاں مامور تھا۔ مرزا عبداللطیف کو اس کی قیادت سونپی گئی تھی۔ مرزا عبداللطیف مرزا قلندر کے عزیز تھے۔ بیدل کے بیانات کو پیش نظر رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قلندر کے ہمراہ اس کے گھر پر قیام پذیر تھا۔ مرزا قلندر نے آبائی پیشے کی روایت کو مدنظر رکھ کر بیدل کو ہدایت کی کہ مرزا عبداللطیف کے ہمراہ فوجی خدمت انجام دے۔ فوج میں شرکت کی اہمیت سے متعلق مرزا قلندر کا درج ذیل قول اس نے نقل کیا ہے۔

''تماشای عرصہ گاہ حوادث دلیل عبرت پیمائیست، و سیر ہنگامہ انقلاب سر مشق حیرت فرسائی۔ (۱۵۷)

گویا فوجی خدمت سے وابستہ ہو کر انسان ان واقعات و حالات سے جن سے دوران جنگ اس کا سابقہ پڑتا ہے سبق حاصل کرتا ہے اور بہت سے پیچ وخم، پستی و بلندی اور اونچ نیچ سے گذرنے کے بعد اس کی زندگی میں پختگی آتی ہے۔

بیدل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس فوجی دستے کی قیادت مرزا عبداللطیف کے حوالے تھی اور بیدل اس میں ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل ہوا تھا لگاتار تین مہینے تک اس علاقے کے باغی راجاؤں سے برسر پیکار رہا۔ اور آخر کار اس کو ان پر غلبہ حاصل ہوا۔ یہاں بیدل اپنے دستے کی دلیری و بہادری کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے کہ اس سے مبالغہ کی بو آتی ہے۔

''ہر پیادہ را کہ می دیدیم، داد مقابلہ صد سواری داد۔ و ہر سوار یکہ می سنجیدیم، با فوجہای جرار گران سنگ می افتاد۔ (۱۵۸)

جس پیادہ فوجی پر نظر پڑتی وہ سو سواروں کے مقابلے کی داد دے رہا تھا اور جس سوار کا وزن معلوم کرتا وہ گویا ایک لشکر جرار کے ساتھ نبرد آزما تھا۔

ادھر اورنگ زیب دھولپور میں داراشکوہ کو شکست دے کر اس کے تعاقب میں دہلی اور وہاں سے پنجاب روانہ ہوا۔ پنجاب سے واپس لوٹ کر وہ شاہ شجاع سے جوالہ اباد کے پاس ایک مقام کھجوہ میں آمادۂ جنگ رکا ہوا تھا پٹنے کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۹ ربیع الآخر ۱۰۶۹ ہجری ۴ جنوری ۱۶۵۹ء کو اورنگ زیب نے اسے شکست دی۔ اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے بیدل لکھتا ہے کہ ہم لوگ یہاں ترہت میں داد شجاعت دے رہے تھے کہ کچھ جاسوسوں نے یہ خبر اُڑائی کہ الہ آباد کے پاس دونوں بھائیوں کی فوجیں آپس میں لڑ پڑیں اور یہ اورنگ زیب کی جیت اور شجاع کی ہار پر منتہی ہوئی۔ اس جنگ میں لشکر کے بہت سے آدمی کام آگئے اور کچھ لوگ تیرنا نہ جانتے تو شاید کوئی بھی بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔ خود

شجاع کی حالت ایسی تھی کہ اگر بہت سے سپاہیوں نے اس کی جان کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان نہ کی ہوتیں تو وہ اس واقعہ سے جانبر نہیں ہوسکتا تھا۔ بیدل کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"جاسوسان کمینگاہ عبرت خبر آوردند کہ در سواد عرصہ الہ آباد، دو دریای بیکران باہم در افتادند۔ باامواج بی زنہار، شوق تیغ وتفنگ داد تلاطم داد۔ یعنی اورنگ زیب عالمگیر، برعزم فرمانروائی دہلی سبقت کردہ۔ وحقوق خدمت پدر پیش از دیگران بجا آوردہ۔ باامواکب اقبال طوفان طرز انگیخت وسیل ادبار بربنای شوکت شجاع ریخت۔" (۱۵۹)

کمینگاہ عبرت کے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ الٰہ اباد کے پاس دو دریائے ناپیدا کنار باہم ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ تیغ وتفنگ کے شوق نے لہروں کے ساتھ داد تلاطم دیا۔ یعنی اورنگ زیب نے دہلی کی حکومت پر قبضہ کرنے میں پہل کی اور اپنے باپ کے حقوق دوسروں سے پہلے بجالائے۔ عروج واقبال کی سواریوں کے ساتھ اس نے ایک طوفان برپا کیا اور زوال وادبار کے سیلاب نے شجاع کی شان وشوکت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔

یہاں اورنگ زیب کے بارے میں بیدل کے لہجے کی تلخی بتاتی ہے کہ وہ اس حرکت سے خوش نہ تھا۔

بہر حال اس وحشت انگیز خبر کو سن کر مرزا عبداللطیف کے فوجی دستے میں خوف وہراس کی زبردست لہر دوڑ گئی بیدل کے الفاظ میں:

"دیجر دسماع، بیناء دستگاہ غرور بسنگ ناامیدی خورد وموج صہبای قدرت چوں خط جام برجا فشرد، زلزلہ ای در بنیاد حاضران افتاد وانقلابی بتاراج ہوشہا دست کشاد کہ ہول محشر، خلائق را آنقدر نعل در آتش بنشاند۔ وجوش طوفان، طبایع را آں بیدست وپای در آب براند۔ گداز زہرہ از صفحات سیما نقوش رنگ نشستن داد۔ ولرزۂ اعضا بر مغز استخوان، درہای بیرون ریختن کشاد۔ نفسہا، بفراہم آوردن لب کمین گر پناہ دیوار پرداختن گردید۔ ونظرہا، بہ بستن مژگان مایل سراز دوش انداختن۔ صور آہنگی بفریاد کرنا، بہزار سعی دمیدن، نفس جز در آستین نمی کشید۔ ونفخ شکم کوس ودہل، بصد پای دوال غیر از باد فراز نمی زایید۔ زبان لاف سرانہا، چون انگشت ملزم بیکقلم سرنگون خط برزمین کشیدن۔ وباد بردت پرچمہا، چون اجزاء جاروب، یکدست پراگندہ علم در خاک خوابانیدن۔ زرہ پوشان را در خانہ زنبور، بہزار حلقہ دام گرفتاری وحشت۔ ومغفر داران را، درزیر طشت آتش بصد اضطراب سپند توجہ بہزیمت۔ خدنگہا از بی پروبالی، جرأت پرواز در آشیان ریخت۔ وتفنگہا، از تہی قابی بکوچہ امید سلامت گریخت۔ (۱۶۰)

...... بساط راحت وسکون میں کسی کو کوئی جگہ نہ ملی۔ غبار وحشت نے اس قدر بال زنی کی کہ دل کے نقوش تک برقرار نہ رہے۔ سعی حیات کی جولانگاہ طبایع انسانی پر اتنی تنگ ہوگئی کہ پلکیں بھی اوپر نہ اٹھ سکیں۔ مایوسی کی تلوار نے ایک عالم کو اس طرح ایک دوسرے سے بے تعلق کردیا کہ چہرے پر رنگ، ہونٹوں پر بات اور اعضا میں ربط تک برقرار نہیں رہا۔ حیرت کی آگ فرو ہوگئی۔ اور اس کا جوہر آب ہوگیا ان سب حالات کا دل پر رعب قائم ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

اس پوری عبارت آرائی کا ماحصل یہ ہے کہ الٰہ آباد کے پاس شاہ شجاع کی فوج کی شکست کی خبر سے ترہت میں مرزا عبداللطیف کے فوجی دستے کا رنگ اڑ گیا، اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی، سب کے ہوش وحواس گم ہوگئے اور افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ بیدل کے زور بیان کا کرشمہ دیکھئے کہ جب اس فوجی دستے کی دلیری کا نقشہ کھینچنا چاہا تو اسے اوج فلک پر پہونچا دیا اور جب اس کی وحشت وسراسیمگی کی تصویر کھینچی تو اسے تحت الثریٰ میں پہونچا دیا۔

گرد وحشت بال زد چندانکہ نقش پا نماند   دل را در بساط آرمیدن جا نماند
بر طبایع تنگ شد جولانگہ سعی حیات   آنقدر میدان کہ کس مژگان کند بالا نماند
تیغ نومیدی جہانی را ز یکدیگر بتربد   رنگ بررو، حرف درلب، ربط در اعضا نماند
آتش حیرت فسرد وجوہر حیرت گداخت   زان ہمہ حالت بغیر از رعب در دلہا نماند

مرزا عبداللطیف نے ان سراسیمہ لوگوں بلکہ ساتھیوں کی تسکین خاطر کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ان کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں اور بیدل کے الفاظ میں "پریشانی اوراق دلہا بشیرازہ نہ رسید۔" (دل کے اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی نہ ہوسکی) اور آخر کار "عنان ہزار طبع بہ قوت یکدست کشیدن ناممکن ناتجہای زورمندی بود۔" (ایک ہاتھ سے ہزاروں آدمی کی باگ تھامنا کسی پہلوان کے بس کی بات نہ تھی) لہٰذا حواس باختہ ہوکر جس کو جدھر عافیت نظر آئی وہ بے دھڑک ادھر نکل بھاگا۔ بیدل نے اس منظر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

"پیکرہای بیجان بصورت گردباد ہر طرف گرد وحشت انگیختہ بود۔ وپرہای شکستہ برنگ غبار صبح ہر جانب سلسلہ پرواز گسیختہ۔ سبحہ وار از بیچارگی، قدم برسر ودوش ہم می افشردند۔ وہر جا سر رشتہ رفتار کم می گردید بہ پہلو کار غلطیدن پیش می بردند۔ (۱۶۲)

غرض صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کا یہ سلسلہ دس دن تک جاری رہا۔ بیدل بھی عبداللطیف اور دوسرے ساتھیوں خصوصاً سرمست خاں اور مبارز خاں وغیرہ کے ساتھ ایک طرف کو روانہ ہوا۔ لگاتار دس رات دن کی صحرا نوردی کے بعد وہ پہلے چاند چور (یا چاند پور) پھر پٹنہ پہونچا۔ راستے میں ایک واقعہ

حیرت انگیز قسم کا پیش آیا جس کا تذکرہ بعد میں ہوگا۔

اس صحرا نوردی میں بیدل کی مرزا عبداللطیف کے کارواں سے جدائی کا وقفہ اتنا طویل ہو گیا کہ مرزا کو اس کی بیابان مرگی کا شبہ ہونے لگا۔ اس نے اپنے بعض ساتھیوں کو اس کا سراغ لگانے کو بھیجا۔ آخر ایک رات دن کی تلاش کے بعد ان لوگوں کا سراغ ملا۔

اس فوجی دستے میں بیدل کی شرکت خود اس کے بیان کے مطابق تین مہینے رہی۔ اس کے علاوہ دس دن بیاباں گردی میں گذرے۔ شاہ شجاع کی فوجی شکست کی تاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۰۶۹ ہجری ۶ دسمبر ۱۶۵۸ عیسوی ہے اس حساب سے بیدل لگ بھگ ۲۰ ذی الحجہ ۱۰۶۸ھ ۸ دسمبر ۱۶۵۸ کے آس پاس مرزا عبداللطیف کے دستے میں شامل ہوا اور دس دن کی بیابان گردی کے بعد تقریباً یکم جمادی الاول ۱۰۶۹ ہجری ۱۵ جنوری ۱۶۵۹ء کو پہلے چاند پور پھر پٹنہ پہونچا۔

بیدل نے ایک اور واقعے کا ذکر کیا ہے جو ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء سے وابستہ ہے۔ اس واقعہ کے بعض حصے چونکہ ملک خصوصاً صوبہ بہار کے سیاسی اور سماجی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں اس لئے اس کا تذکرہ یہاں بے محل نہ ہوگا۔

عبارت کے سیاق وسباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قلندر کا قیام اس وقت قصبہ ''مہسی'' میں تھا۔ مہسی میں مرزا قلندر کا قیام، واقعات کی ترتیب کے پیش نظر، اس وقت کا ہے جب اس کے حسب ہدایت بیدل مرزا عبداللطیف کے فوجی دستے سے وابستہ ہوا ہے تین مہینے کی معرکہ آرائی اور دس روزہ دربدری کے بعد جب بیدل پٹنہ پہونچا تو ایسا لگتا ہے کہ اپنے ماموں مرزا ظریف کے ساتھ جو وہاں سکونت پذیر تھے زندگی گذارنی شروع کی۔ ادھر مرزا قلندر نے اس علاقے کی بدامنی کی وجہ سے مہسی سے بنگال کا رخ کیا۔ بنگال میں کسی مقام پر پہنچ کر بیدل کو ہدایت کی کہ مہسی جا کر وہاں سے اسباب اٹھا لائیں۔ بیدل ایک خادم کے ساتھ پٹنہ سے مہسی کے لئے روانہ ہوا تاکہ جو اسباب خانہ وہاں چھوٹ گئے تھے انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ لکھتے ہیں:

> ''درسن یکہزار و ہفتاد ہجری، میرزا قلندر بسفر سیاق بنگالہ توجہ گماشتہ بود و اسباب علایق در قصبہ ''مہسی'' کہ بیست کروہ از پتنہ آنطرف دریای گنگ واقع است، گذاشتہ فقیر را حکم ضرورتی، بعزم قصبہ مذکور مصمم ناگزیری ساخت و نعل جمعیت در آتش سعی بی اختیاری انداخت۔ رفاقت یک خادم بعلم کشی لشکر تدبیر کفایت دیدہ۔ و اختیار پیادگی از سواران عرصہ مصلحت اندیشیدہ، عنان جہد بحکم تقدیر وا گذاشتم۔'' (۱۶۳)

۱۰۷۰ ہجری ۱۶۵۹ء میں مرزا قلندر بنگال کے سفر پر روانہ ہوئے اور اسباب خانہ قصبہ مہسی میں

گئے تھے جو پٹنہ سے گنگا کے پار بیس کروہ (کوس) کے فاصلے پر واقع ہے۔ انہوں نے فقیر کو ایک ضروری کام (سامان لانے) کی خاطر قصبہ جانے کا عزم بالجزم کرنے کو کہا اور نعل جمعیت کو بے سابقہ آتش میں ڈلوا دیا۔ تدبیر کی علم کشی کے ساتھ کے ساتھ ایک خادم کی رفاقت کافی تصور کی اور سواری کے بجائے پیادہ جانے کو تقاضائے مصلحت سمجھا۔ جدوجہد کی باگ ڈور تقدیر کے حوالے کیا۔

اس وقت اطراف واکناف کے سیاسی اور سماجی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بیدل آگے لکھتے ہے:

> ''این ہمان ایامیست کہ بنای شوکت شاہ شجاع، بآوار گیہای عالم ادبار رسید۔ و اقتدار بادشاہ عالمگیر بر جہات ممالک ہند صف اقبال کشید۔ شوارع اطراف و اکناف تنگی دلہای حزین خراش آفتی دارد کہ حرکت پیشہای عالم اسباب جز تیشہ بر پای تردد زدن، شعبہ آثار سلامت نمی شمردند۔ و جمعیت احوال خلایق، بفرقہ دماغ مجنون، گرد وحشتی انباشت کہ تدبیر اندیشگان طرق معاش، غیر از قدم در دامن تعطیل شکستن، صرفہ عافیت پیش نمی بردند خاصہ راہ عبور دہات، بآن صعوبت کہ شاہبازان نشیمن قدرت، در آن فضاہا بملاحظہ غارت کمینی زاغ و زغن، متاع بال و پر، از آشیان بیرون نمی آرند۔ و شیروان کنام غیرت، از ہراس غالب آہنگی سگ و خوک، جنس ناخن و دندان، جز در چنگال و دہان محفوظ نمی دارند۔'' (۱۶۴)

یہ وہ زمانہ ہے جب شاہ شجاع کی اساس شوکت وسطوت زوال آمادہ تھی اور عالمگیر کے اقتدار نے ہندوستان کے تمام علاقوں پر اپنی صف اقبال بچھادی تھی۔ اطراف ونواحی کے راستے گھاٹ غمگین افسردہ دلوں کی تنگی کی طرح ایسی آفات اور بلاؤں کے حامل تھے کہ عالم اسباب کی متحرک چیزیں یا شخصیات کو اپنے پاؤں پر کلہاڑھی مارنے کے سوا انہیں اپنی خیر وسلامتی کے آثار نظر نہیں آتے اور عوام کا سکون دماغ مجنوں کی طرح ایسی وحشت کی گرد وغبار سے اٹ گیا تھا کہ مختلف دھندا کرنے والے تاجر پیشہ حضرات کو دامن تعطل میں قدم شکنی کے سوا خیر و عافیت کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی۔ خصوصاً دیہی علاقوں کے راستے گھاٹ کی صورت حال اور زیادہ سنگین تھی۔

ان علاقوں کی بدامنی کی جو تصویر بیدل نے ان عبارتوں میں کھینچی ہے وہ اندرونی بغاوتوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ شاہ شجاع کی شکست اور اورنگ زیب کی تخت نشینی کے بعد اندروں ملک شورشوں کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا اور لوگ کھلے عام کشت وخون اور لوٹ مار کا بازار گرم کئے ہوئے تھے خصوصاً دیہاتوں کے راستے انتہائی خطرناک ہو گئے تھے۔ یہاں کی آمد و رفت کا مطلب تھا جان جوکھم میں ڈالنا۔ لوگوں کو گھر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھنے اور اپنی پونجی کو بربادی سے بچانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

اس سفر میں بیدل کو بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی تفصیلات نہایت طویل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایک خادم کی رفاقت میں بیدل گھر سے نکلنے کو تو نکل گیا پر پیادہ چلنے کی نوبت اب تک نہیں آئی تھی اس لئے تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد اس قدر تھک گیا کہ آگے قدم بڑھانا مشکل ہوگیا۔ خادم نے کہا جتنی جلد ہوسکے یہاں سے روانہ ہوجانا بہتر ہے ورنہ جو ہوا اس وقت یہاں چل رہی ہے اس کے دوش پر بلا بھی گرم رفتار ہے۔ کافی تکان کے باوجود بیدل دوبارہ ہمت کر کے اٹھا مگر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکا اور سواری کی فکر کرنے لگا مگر اس کا حال یہ تھا کہ وہ بھی ممکن نہ تھا لکھتے ہیں:

''بعلت خطر راہ کرایہ کشان اقبال نہ نمودند، بہ عذرہای لنگ زبان مبالغہ کشودند بلکہ ہر یکی بتاکید فسخ عزیمت رسم موعظت بجای آوردہ۔ و بہ تعلیم اختیار رفاقت، دفتر ارشاد وامی کرد۔ (۱۶۵)

خطرہ کے سبب کوئی بھی کرائے پر لیجانے کو تیار نہ ہوا اور بڑی شد و مد سے عذر لنگ کرنے لگے بلکہ سفر ملتوی کرنے کی نصیحت کرنے لگے۔

بیدل کے اس بیان سے عام طور پر پھیلی ہوئی بدامنی کی شدت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ غرض کہ تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد بیدل ایک درخت کے پاس پہنچ کر سائے میں تھوڑی دیر ستایا۔ وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اب کسی طرح آگے چلنا اس کے بس میں نہ تھا اچانک دیکھتا کیا ہے کہ ایک ضعیف آدمی ایک بچے اور گھوڑی کے ساتھ سامنے آیا اور بیدل کو سلام کر کے بولا:

''درچنیں اوقات پیادہ سفر اختیار کردن بر مستعدان دستگاہ شعور حیف می آید و بہ تنہائی درین راہ قدم گذاشتن از فکر صائب دوری نماید۔ حصول ہیچ مرادی بقبول این مقدار تعب نمی ارزد و وصول ہیچ مقصدی بہ التزام اینہمہ زحمت کرایہ نمی کند۔'' (۱۶۶)

ایسے وقت میں پیادہ سفر کرنا اہل فہم و شعور کے لئے افسوسناک بات ہے اور پھر اکیلے راستے پر چلنا فکر صایب سے دور معلوم ہوتا ہے چاہے جو مراد ہو اس کے حصول کے لئے اتنی مشقت برداشت کرنا کسی طرح زیب نہیں دیتا اور چاہے جو مقصد ہو اس کی خاطر اتنی زحمت اٹھانا چنداں نہیں ہے۔ یہ اقتباس بھی انہی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ بیدل اپنی یادداشت پر زور دینے کے باوجود اس کو نہیں پہچان سکا تو انہوں نے خود ہی اپنا تعارف اس طرح کرایا:

''من جان محمدم از تابعان خواجہ شاہ محمد، کہ در ''مہسی'' با میرزا قلندرش نسبت ہمسائیگی دیوار بدیوار است۔ و مقابلہ آئینہ اتحادش، بی شائبہ یمین و یسار۔ بامر خواجہ مامور بودم تا بکنار دریای گنگ مشایعت آشنائی بجا آرم۔ الحال معاودت نمودہ ام و عزم حضور خواجہ دارم۔'' (۱۶۷)

میرا نام جان محمد ہے، میں خواجہ شاہ محمد کا مرید ہوں جن کا مکان ''مہسی'' میں مرزا قلندر کے مکان کے بالکل پڑوس میں واقع ہے صرف دیوار کا فرق ہے۔ خواجہ صاحب کے حسب حکم اپنے ایک دوست کی مشایعت کرنے دریائے گنگا کے کنارے آیا تھا اب واپس لوٹ رہا ہوں اور خواجہ موصوف کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ہے۔

اس بیان سے واضح ہے کہ خواجہ شاہ محمد ایک بزرگ تھے جن کا مکان مہسی میں مرزا قلندر کے مکان کے بالکل پڑوس میں واقع تھا اور ان دونوں کے بیچ مخلصانہ روابط قائم تھے۔ جان محمد خواجہ صاحب موصوف کے ایک مرید تھے۔ بہر حال کچھ سوال و جواب کے بعد ان کے اصرار پر بیدل گھوڑی پر سوار ہو کر مہسی روانہ ہوا۔ نماز عصر کے وقت وہاں پہونچا تو دیکھتا ہے کہ:

''پیر رافت تخمیر بر دروازہ خواجہ شاہ محمد ایستادہ بود و چشم در انتظار ما نہادہ اسپ حوالہ کودک کردم و راہ آوردہ مراتب نیاز پیش آوردم چندانکہ زبان شکری کشودم، بعرض انکساری افزود ......آخر الامر، طبیعت معذور را مرہون منت ابدی واگذاشتم۔ و باسترضای اشارہ وداعش راہ خانہ برداشتم۔ فردای آں، کہ پسران خواجہ، برسم قدیم صحبت فقیر دریافتند، بافشای احسان طومار ہای ستایش واکردم و بتوصیف اخلاق آن آفتاب ضمیر، بقدر خطوط شعاع زبانہا برآوردم۔ بجز دسماع قسم یاد کردند کہ باین نام کسی از رفقای ما نیست، تا معمای یقین باید شگافت۔ و ہمچنان دیروز آمدن ہیچکس از ہیچ جا بخانہ صورت نہ بستہ است، تا سراغ تحقیق توان یافت۔ (۱۶۸)

وہ سراپا مہربان بوڑھا شخص خواجہ شاہ محمد کے دروازے پر کھڑا میری راہ تک رہا تھا۔ میں نے گھوڑی بچے کے حوالے کیا اور نیازمندی کا اظہار کیا۔ میں جس قدر اس کا شکریہ بجالاتا وہ اسی قدر تواضع و انکساری سے کام لیتا............ آخر اپنی معذور طبیعت کو ان کے احسان کا مرہون قرار دیا۔ ان کی طرف سے رخصت ہونے کا اشارہ پاکر میں گھر کی طرف روانہ ہوا۔ دوسرے دن جب خواجہ صاحب کے صاحبزادے حسب دستور فقیر کے پاس آئے تو ان کے احسان کا اظہار کر کے ان کی تعریف کی۔ انہوں نے قسم کھائی کہ اس نام کا ہمارا کوئی رفیق نہیں ہے کہ یقین کا معمہ حل ہونے کی نوبت آئے اسی طرح کل کسی کے آنے کی بھی اطلاع نہیں ہے کہ اس کا سراغ لگانے کی ضرورت پڑے۔

ایسا لگتا ہے کہ اس لق و دق میدان میں بیدل کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تھی کیونکہ مشہور ہے کہ حضرت خضرؑ کا کام بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا، ان کی رہبری کرنا اور مدد کرنا ہے۔ بیدل خود بھی حیرت کا مجسمہ نظر آتا ہے۔

"جنون این نوا، از ہر بن مویم، خروش حیرت انگیخت۔ و رنگ این ساز، بر سراپایم زمزمہ بیخودی ریخت۔ اگر تقدیر شایستگی شکر ابن فضل می داشت تا ابد گرد زبان می گردیم۔ و اگر بیان قابل سپاس این عطیہ بود، تا قیامت غیر از عبارت نمی پرستیدم۔"

اس آواز کا جنون میرے ہر بن مو سے حیرت کی صدا لگا رہا تھا اور اس کا ساز میرے پیکر کے سامنے بیخودی کے نغمے الاپ رہا تھا۔ اگر تقدیر اس عنایت کا شکریہ بجالانے کی اہل ہوتی تو وہ سدا زبان کے گرد طواف کرتی اور اگر قوت بیان اس سپاسگزاری کے لائق ہوتی تو قیامت تک عبارت پردازی کے سوا کوئی مشغلہ نہ اختیار کرتی۔

تصور جوہر آگاہی قدرت کجا دارد　　بہار فضل، آنسوی تعقل رنگہا دارد

تصور میں کہاں یہ صلاحیت کہ خدا کی قدرت کا اندازہ لگا سکے، فضل الٰہی کی بہار کے انداز مختلف ہوتے ہیں جو دائرۂ فہم سے پرے ہیں۔

نہال آید برون تخمیکہ بنشانند در خاکش　　درین وادی ز پا افتادن ایجاد عصا دارد

جو تخم زمین میں دفن کردیتے ہیں اس سے پودا نکلتا ہے اسی طرح اس وادی میں جو شخص پاؤں سے معذور ہوجاتا ہے اسے عصا مل جاتی ہے۔

ندید از آبلہ ریگ روان منع جنون تازی　　بنومیدی ز پا منشین کہ ہر وا ماندہ پا دارد

ریگزاروں کی جنوں تازی میں آبلوں سے کوئی رکاوٹ نہیں آتی، مایوسی میں ہاتھ پیر توڑ کر نہ بیٹھ جا کیونکہ ہر تھکا ہارا آدمی کو چلنے کے لئے آخر توانائی مل جاتی ہے۔

بگردون می برد نظارہ وا ماندگان مژگان　　مشو غافل ز پروازیکہ بال نارسا دارد

پلک مجبور انسان کو آسمان تک کا نظارہ کرادیتی ہے اس لئے اس پرواز سے غافل مت رہ جو بال نارسا کے اندر ہوتی ہے۔

اس واقعے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں: اول یہ کہ ملک میں عام طور پر بدامنی پھیلی ہوئی تھی جس کا سلسلہ شہر سے آگے بڑھ کر دیہاتوں تک پہنچ چکا تھا دوسرے یہ کہ انتہائی مایوسی کے عالم میں بھی انسان کو امید کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔ کیا خوب کہا ہے ؎

بہ نومیدی ز پا منشیں کہ ہر وا ماندہ پا دارد

خوشگو نے ان تمام واقعات کو اس دور سے وابستہ مانا ہے جب بیدل اعظم شاہ کی خدمت سے استعفا دے کر مشرقی علاقے کی سیاحت کرتا ہوا اڑیسہ پہونچا لکھتا ہے:

"پس آنحضرت بطریق سیاحی رو بمشرق نہاد عزیمت فرمودہ، مدتی در ممالک حدود بنگ و

بہار و اوڑیسہ بآزادگی و بی تعیین بسر بردہ و دشت و بیابانہا پیمودہ عجایب قدرت الٰہی تماشا نمودہ اکثر از خصوصیات آنہنگام در چہار عنصر نگاشتہ۔" (۱۶۹)

اس (استعفیٰ) کے بعد بیدل نے سیاحت کے طور پر مشرقی علاقوں کا رخ کیا، کچھ عرصہ بنگال، بہار اور اڑیسہ میں آزادی سے زندگی گذاری اور دشت نوردی اور بادیہ پیمائی کی اور قدرت الٰہی کے عجائبات دیکھے۔ اس وقت کی اکثر و بیشتر خصوصیات کا تذکرہ چہار عنصر میں کیا ہے۔

لیکن بیدل کے حالات اور مسافرتوں کی ترتیب جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں ناظرین کی نگاہوں سے گذرے گی، خوشگو کے خیالات کی تائید نہیں کرتی ہے۔ بہرحال اس کے بعد بیدل کہاں گیا یقینی طور پر کہنا مشکل ہے مثنوی "عرفان" سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے بنگال کے ایک مقام "کالا دق" میں کچھ وقت گذارا ہے اور وہاں کے ایک مالدار آدمی کا جو گردش زمانہ سے مفلس ہو گیا تھا واقعہ لکھا ہے:

مردی از اغنیاء بنگالہ　　مفلسی گشت از قضا ہالہ

آخر آوارگی جنون انگیخت　　چوں غبارش ز خانہ بیرون ریخت

در سواد مقام کالا طاق　　بست ناچار با جلا میثاق

(بنگال کا ایک مالدار آدمی بدقسمتی سے مفلس ہو گیا۔ آوارگی جنون نے اسے آخر گھر سے بے گھر کردیا۔ مقام کالا طاق سے اس نے جلاوطنی کا عہد کیا)۔ اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ مہسی سے واپسی کے بعد مرزا قلندر کے ہمراہ بیدل نے کچھ وقت وہاں گذارا۔ بیدل نے ایک شعر میں ان زحمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو بنگال کے علاقے میں سیلاب کی وجہ سے لوگوں کو پیش آیا کرتی ہیں اور خود اس کو بھی ان سے پالا پڑا ہے۔

ما سیہ بختاں حباب گریہ نومیدی ایم　　خانہ بر آبست یکسر مردم بنگالہ را

ہم بدنصیب لوگ نومیدی سے حباب کی طرح روتے ہیں۔ بنگال کے باشندوں کا گھر پانی پر ہے۔ ان کے علاوہ دو اشعار میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

سیہ بختی خود ناز دو عالم داریم　　سایہ دارد مژہ ات بر سر بنگالہ ما

تیرہ بختی در وطن ایجاد غربت می کند　　گر ز چینی مو دمد چینش ہمان بنگالہ است

سراج الدین علی خاں آرزو اور بندرابن داس خوشگو دونوں نے اپنے تذکروں میں اس امر کی صراحت کی ہے کہ بیدل نے کچھ عرصہ بنگال میں بھی گذارا ہے (۱۷۰)۔ خلیل اللہ خلیلی نے قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کردیا کہ

''افتضاح ہمیں شکست موجب مہاجرت ترکان برلاس چغتائی بہ نقاط مختلف گردید۔ میرزا عبداللطیف و مرزا قلندر (۱۰۷۴ھ) با اقارب خویش بہ کالا طاق رفتند کہ مقام ابعد بنگالہ می باشد۔'' (۱۷۱)

ترہت میں فوجی شکست کی رسوائی نے چغتائی برلاس ترکوں کو مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ مرزا عبداللطیف اور مرزا قلندر اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ کالا طاق روانہ ہو[ئے] جو بنگال کا سب سے دور ترین علاقہ ہے۔

لیکن چہار عنصر جس میں بیدل نے اپنی اکثر و بیشتر مسافرتوں بلکہ ان کی جزئیات تک کا تذ[کرہ] کیا ہے اس سے قطعیت کے ساتھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ وہ کبھی بنگال میں بھی رہا ہے۔ اس سے پہلے بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ اگر بنگال میں اس کا قیام رہا ہے تو اسی زمانے میں رہا ہے۔

اس کے بعد ایسا لگتا ہے کہ پٹنہ میں اپنے ماموں مرزا ظریف کے پاس آیا اور ۱۰۷۱ھ ۱۶۶۰ تک پٹنہ میں مرزا ظریف اور بنگال میں چچا مرزا قلندر کے پاس آمد و رفت کا سلسلہ اس نے جاری ر[کھا]۔

مرزا ظریف:

بیدل کا اپنے ماموں مرزا ظریف سے رابطہ کہاں قائم ہوا اس سلسلے میں بعض معاصر دانشور[وں] کا اختلاف ہے۔ پروفیسر میر حسن شاہ لکھتے ہیں:

''بیدل بسال ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء میں با تفاق میرزا قلندر، از بہار بہ بنگال رفت۔ و سال بعد با تفاق عموی دیگرش میرزا ظریف بہ کٹک (اوریسہ) سفر نمود۔'' (۱۷۲)

۱۰۷۰ ہجری میں بیدل مرزا قلندر کے ساتھ بہار سے بنگال گیا اور ایک سال بعد اپ[نے] دوسرے چچا مرزا ظریف کی رفاقت میں کٹک (اڑیسہ) کے سفر پر روانہ ہوا۔

پروفیسر غلام حسن مجددی لکھتے ہیں:

''چون میرزا قلندر بہ بنگال رفت، بیدل در پتنہ با مامای خویش میرزا ظریف کہ در حدیث و فقہ ید طولانی داشت، بسر می برد۔'' (۱۷۳)

مرزا قلندر جب بنگال کے لئے روانہ ہوا تو بیدل پٹنہ میں اپنے ماموں مرزا ظریف کے پا[س] ٹھہر گیا۔

لیکن واقعات کی کڑی نیز بیدل کا بیان یہ واضح کرتا ہے کہ بنگال پہنچ کر مرزا قلندر نے [...] چھوٹے ہوئے اسباب خانہ کو لانے کے لئے بیدل کو ایک خادم کے ساتھ وہاں بھیجا۔ چچا [...]

[...] ہدایت بیدل بڑی زحمتوں کے بعد مہسی پہونچا اور فطری طور پر سارا اسباب خانہ بنگال پہونچانے [...] وہ غالباً چچا کے اشارے پر مرزا ظریف کی صحبت سے استفادہ کے لئے پٹنہ واپس آیا۔ مرزا ظریف [...] سکونت پذیر تھے وہ ایک عالم و فاضل آدمی تھے اور ان کا گھر ایک اکیڈمی کی حیثیت رکھتا تھا جہاں [...] سے دانشور اکٹھے ہو کر علمی اور ادبی مسائل پر بحث کرتے تھے۔ بیدل لکھتا ہے:

''در بلدہ پٹنہ وثاق معارف اتفاق میرزا ظریف، کہ آب و گل تعمیرش جوہر نزول ارباب فضل و کمال بود، و پست و بلند در و بامش زیر و بم نغمۂ وجد و حال سر رشتہ طناب معمارش بشیرازہ نسخہ منتہی، و حضور سایہ دیوارش، روشن سوادی کتاب آگہی۔ گاہی از عبور بالغ کلامان چون بیت بلند معنی شوق انشا۔ و گاہی بہ ورود عالی نگاہان، چون خانہ چشم، شمع افروز انوار تماشا۔ (۱۷۴)

[...] پٹنہ میں مرزا ظریف کا گھر علوم و معارف کا ایک مرکز ہے جس کے آب و گل میں ارباب [...] کے ورود کا جوہر شامل تھا اور جس کے در و بام کی پستی و بلندی میں وجد و حال کے نغموں کے [...] سنے جاتے تھے۔ اس کے معمار (مرزا ظریف) کے طناب کی رسی نسخہ حقائق کے شیرازہ پر منتہی [...] اور اس کے سایہ دیوار میں حاضری ''کتاب آگہی'' کی چمکدار سیاہی اور روشنائی تھی۔ کبھی بالغ [...] کے سر سے پار کر جانے والا بلند اور معیاری شعر کہتے اور کبھی بلند نگاہوں کی آمد پر خانہ چشم کی [...] تماشا کی شمع روشن کرتے تھے (دوسروں کے کلام سنتے)۔

بیدل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا ظریف ایک نمایاں علمی مقام رکھتے تھے۔ علوم ظاہری [...] فضل و کمال کے مرجع شمار کئے جاتے تھے، علم دوست حضرات ان کے گھر پر علمی محافل کی [...] تے تھے، چہار عنصر میں مختلف مقامات پر بیدل نے مرزا ظریف کی شخصیت کے بارے میں جو [...] اس کے پیش نظر ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک تاجر پیشہ آدمی تھے، اس سلسلے میں مختلف جگہ ان کی آمد [...] ہتی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک بڑے عالم و فاضل آدمی بھی تھے خصوصاً تفسیر، حدیث اور [...] ن کی معلومات بڑی وسیع تھی۔ لکھتا ہے:

''میرزا ظریف کہ بہ عرصہ علوم فقہ و احادیث علَم فطرت نغماتی می فراشت۔ (۱۷۵)

مرزا ظریف علم فقہ و حدیث کے میدان میں فطری صلاحیت کا علم بلند کرتے تھے۔

[...] ان کے قول کو نقل کرتا ہوا لکھتا ہے:

''چہل سال تتبع ثقات مدرسہ فضل کردہ ام و از تفاسیر چندیں سند تحقیق بدست آوردہ۔'' (۱۷۶)

کہ چالیس سال اہل علم وفضل کے مستند اداروں میں تعلیم وتحقیق کا سلسلہ جاری رکھا اور خصوصاً تفسیر میں کئی سندیں حاصل کیں۔

نزہۃ الخواطر میں مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب نے ''علامۃ ظریف الحسینی العظیم آبادی'' کے زیرعنوان لکھا ہے:

''الشیخ الفاضل العلامۃ ظریف الحسینی العظیم آبادی احد العلماء المبرزین فی الفقہ والاصول والکلام و غیرھا اخذ عن الشیخ نظام الدین بن قطب الدین الانصاری السھالوی ثم ولی التدریس بمدرسۃ سیف خان بمدینۃ عظیم آباد.''(۱۷۷)

شیخ فاضل علامہ ظریف الحسینی العظیم آبادی فقہ، اصول اور کلام وغیرہ کے ایک نمایاں عالم تھے۔ انہوں نے شیخ نظام الدین بن قطب الدین السہالوی سے تعلیم حاصل کی پھر شہر عظیم آباد کے مدرسہ سیف خاں میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ ظریف کی کئی تصنیفات بھی ہیں۔ مولانا اسد جھنڈانگری اور بہت سے دوسرے علماء نے ان سے استفادہ کیا۔

ممکن ہے یہ وہی مرزا ظریف ہوں کیونکہ بیدل اور حکیم صاحب کے بیان میں بڑی مطابقت نظر آتی ہے اس لئے ممکن ہے ان ہی وجوہ سے مرزا قلندر نے اس کو مرزا ظریف کی خدمت میں تعلیم وتربیت کے لئے چھوڑ دیا ہو۔ بیدل نے غالباً دیگر علوم وفنون بھی مرزا ظریف سے سیکھے ہوں۔ خصوصیت سے تفسیر میں استفادے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''روزی در خدمت میرزا ظریف مطالعہ تفسیر قرآن داشت وقلم طاقت فہم سطر استفادہ می نگاشت۔''(۱۷۸)

ایک دن مرزا ظریف کی خدمت میں تفسیر قرآن کا مطالعہ کر رہا تھا اور حسب لیاقت افادات نقل کر رہا تھا۔

پٹنہ میں مرزا ظریف کے ساتھ بیدل کا قیام تقریباً سال بھر رہا۔ بیدل کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماموں کے ساتھ اپنے ایک سالہ دوران قیام میں مرزا قلندر سے وہ مکمل طور پر جدا نہیں تھا، بلکہ اس علاقے میں حالات کے معمول پر آنے کے بعد کبھی کبھی بنگال سے پٹنہ رانی ساگر یا کسی مقام پر ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ایسے ہی کسی موقعہ پر بیدل مرزا قلندر کے ہمراہ رانی ساگر میں ایک مجلس رقص وسرود میں شریک نظر آتا ہے کیونکہ اس واقعے کو بیدل نے ان ہی واقعات کے ضمن میں لکھا ہے۔ ۱۰۷۱ ہجری ۱۶۶۰ عیسوی میں بیدل جب مرزا ظریف کی رفاقت

میں (اڑیسہ) روانہ ہوا تب وہ چچا سے مکمل طور پر علیحدہ ہوا لکھتا ہے:

''درسنہ یکہزار و ہفتاد و یک ہجری میرزا ظریف را کہ چہرہ اعتبار بیدل بہ نسبت آرای خال مزین داشت خامہ تقدیر بسفر ملک اودیسہ جادۂ ہدایت گردید و تسلیم سرشت حقیقی را بہ اختیار رفاقت خود و جدائی مرزا قلندر مجبور گردانید۔''(۱۷۹)

۱۰۷۱ ہجری میں تقدیر کے قلم نے مرزا ظریف کو جو بیدل کے چہرۂ اعتبار کو نسبت خال سے آراستہ کئے ہوئے تھے صوبہ اڑیسہ کے سفر پر روانہ کیا اور اس تسلیم سرشت حقیقی کو اپنی رفاقت کے اختیار اور مرزا قلندر کی جدائی پر مجبور کیا۔

بیدل کی مجلس رقص وسرود میں شرکت:

اس واقعہ کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالغنی کا خیال ہے:

''میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ اس واقعے کا کہاں سے تعلق ہے۔ رانی ساگر کا حوالہ یہ واضح کرتا ہے کہ اسے مرزا قلندر کی مولانا کمال سے ملاقات کیلئے وہاں بار بار کی آمد و رفت سے وابستہ مانا جائے لیکن اس سفر کا مقصد ہمیں اس خیال سے باز رکھتا ہے۔ اشعار کے جملے نیز شاعر کا کلام یہ بتاتا ہے کہ یہ واقعہ تب پیش آیا جب بیدل کو فارسی زبان پر پوری قدرت حاصل ہو چکی تھی لیکن چونکہ مرزا قلندر کے بنگال جانے کے بعد بیدل سے اس کی ملاقات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے اس لئے کہنا چاہئے کہ یہ واقعہ جنگ جانشینی کے ختم ہونے کے بعد پیش آیا۔''

لیکن جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا مرزا قلندر کے بنگال جانے کے بعد کم از کم ایک سال تک بیدل سے ان کا تعلق بالکل ختم نہیں ہوا تھا اس لئے یہ اشارہ خود بیدل کی تحریر میں موجود ہے کہ یہ واقعہ اسی دوران پیش آیا۔

بہرحال واقعہ یوں ہے کہ مرزا قلندر نے ایک دفعہ رانی ساگر میں ایک حوض کے کنارے ایک محفل رقص وسرود منعقد کی جس میں گانے بجانے اور رقص کرنے والی عورتوں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ بیدل نے ان کی خوش گلوئی اور شیریں ادائی کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے:

''ہجوم رنگیں ادایاں بساط زمین را در لطافت خواب گل خوابانیدہ، وغلغل نغمہ سرایان فضای بہار شوخی منقار بلبل پوشانیدہ۔''(۱۸۱)

یعنی رنگین اداؤں کے ہجوم نے بساط زمین کو خواب گل کی لطافت میں محو خواب کر دیا تھا اور

نغمہ سراؤں کے شور نے فضا کو بلبل کی چونچ کی شوخی کا لباس پہنا دیا تھا۔

غرض یہ مجلس اتنی ہی دلکش اور رنگین تھی کہ جملہ حاضرین اس سے متاثر نظر آ رہے تھے۔ اتفاق سے ایک رقاصہ کا رقص جبکہ شباب پر پہنچ چکا تھا، ساقی کے ہاتھ سے جام شراب پھسل کر زمین پر گر گیا اس کے نتیجے میں عین عالم نشاط میں خلل پڑ گیا۔ رقاصہ نے غضب آلود نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا:

''آداب محفل کا بھی تمہیں کوئی پاس ولحاظ نہیں ہے۔''

بیدل نے فوراً ساقی کی طرف سے ایک منظوم معذرت پیش کی:

زدست ساقی اگر جرعہ ای چکید بہ خاک　　در ابروی تو چرا موج ناز چین انداخت

ساقی کے ہاتھ سے اگر ایک جرعہ زمین پر گر گیا تو تیری ابرو پر کیوں بل پڑ گیا۔

نہ رعشہ درکف ساقی، نہ لغزشی درجام　　کہ گویم از کفش انداخت آن واین انداخت

ساقی کے ہاتھ میں رعشہ ہے نہ جام میں لغزش کہ ان میں سے کسی کو موردالزام ٹھہرایا جائے۔

دمیکہ چشم تو سوی پیالہ کرد نگاہ　　قدح زدست شد و بادہ برزمین انداخت

جس لمحہ تیری نگاہ پیالے پر پڑی پیالہ ہاتھ سے پھسلا اور شراب زمین پر گر گئی۔

پیالہ چیست کہ در بزم شوخی نازت　　ہزار آئینہ آب رخ ایں چنیں انداخت

پیالہ کی کیا حقیقت ہے تیری شوخی ناز کی بزم میں ہزاروں آئینے کی آب وتاب اور چمک دمک اس طرح رخصت ہوگئی۔

یہ منظوم معذرت حاضرین کو اتنی پسند آئی کہ انہوں نے نعرہ ہای تحسین بلند کئے۔ بیدل کے الفاظ میں:

''زبان موج می از لب ساغر شور تحسینہا وگلوی مینا بحنجرہ قلقل زمزمہ ہای آفرین انداخت۔'' (۱۸۲)

موج مے کی زبان نے لب ساغر سے نعرہ ہای تحسین بلند کئے اور گلوئے مینا نے حنجرہ قلقل سے آفرین کے ترانے گائے۔

یہ واقعہ مرزا قلندر کی شخصیت خصوصاً تقدس کا جو لبادہ بیدل نے ان کو پہنا رکھا ہے اس کے متعلق قارئین کو شک وتردید میں ڈال دیتا ہے کیونکہ بہ قول بیدل وہ صوفیوں اور وہ بھی وحدۃ الوجودی صوفیوں کے حلقہ بگوش تھے۔ مربی کے افکار وخیالات میں یہ تضاد خود بیدل کی طرف بھی منتقل ہوا جیسا کہ ان کے تفصیلی حالات میں پڑھیں گے۔

شاہ ابوالفیض معانی:

پٹنہ میں مرزا ظریف کا گھر، جیسا کہ ذکر کیا گیا، درحقیقت ایک طرح کی اکیڈمی تھی جس میں دانشور حضرات اکٹھے ہو کر مختلف علمی موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ ان دانشوروں میں ایک اہم شخصیت شاہ ابوالفیض معانی کی تھی جن سے بیدل بہت زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔ بیدل نے اپنے پرشکوہ الفاظ میں انکا تعارف کرایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

''حسن لطایف اسرار، بصفای طبعش می نازید ونشہ دماغ افکار در سایہ علو فطرتش می بالید ہم زبان قصر ارشاد را، جذبہ ہمت سلوکش، مانع پستی نزول وہم پایہ منظر اخلاق را، تہذیب عادات اطوارش، معراج حقیقت قبول ...... سخن از ہر دشت، عرض مراتب بلندی داشت، ومعنی از ہر رنگ، علم بہار رنگینی می افراشت۔ روش گفتگوہا، نفسی چند، بسیر مراتب عالم مثال کشید۔ وعنان انفاس، بہ جادہ پیمائی این وادی لطافت، معطوف گردید۔ گاہی آفتاب، دیدہ ذرہ چون نگاہ خانہ می کرد، وغبار تنکیش نمی افتد، گاہی در سوفار سوزن، رقص جمل داشت ودر رشتہ داری پہلوی دقت نمی خورد۔'' (۱۸۳)

ساری عبارت آرائی کا ماحصل یہ ہے کہ شاہ ابوالفیض ایک جید عالم تھے اور اسرار ورموز اور حقائق ومعارف کو نہایت دلنشیں انداز میں بیان کرنے پر ان کو بڑی قدرت تھی۔

ان کی صحبت سے بیدل نے جو کچھ استفادہ کیا ان کو اس نے ''نکات'' کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ یہ نکات عام طور سے خواب و بیداری، غیب مطلق، غیب اضافی، غیب مثل اور غیب مصور کے موضوعات سے وابستہ ہیں۔ ان کے روحانی مقام کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ان کے بعض ارشادات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ایک دن بیدل نے عرض کیا:

''شاہا! از لطایف وبساطت کارگاہ مثال بیان نمودہ اند پردہ حضورش بی شایبہ برروی ما علم کشیدہ عمریست کہ ناظر پردگیان این خلوتخانہ خیالم، ومشرف تماشای این انجمن مآل، صحرای حیرتی'' بمشاہدہ ام رسیدہ است، وقضای قدرتی بہ مکاشفہ انجامیدہ کہ بی نہایتی معنی اوہام را، نقد رسائی بدامن ہدایتش ریختن است۔ ولی پایانی جہد افکار دستگاہ اختتام بہ دستگاہ آغازش آویختن غبار این وادی، یکسر آسمان تازاست۔ ونسیم این سواد، بیکلم لامکان پیمان۔ در آئینہ تحقیقم روشن است کہ ''لذت افکار'' چندیں درجہ بر ''لذت اذکار'' تفوق دارد۔ 'دو سیر گریبان' برفرق ہزار باغ وبہار قدم می گزارد۔ معنی غامض این کتاب ناگفتنی است۔ دگو ہر دقت این معما ناسفتنی۔'' (۱۸۴)

اس سوال کا ماحصل یہ ہے کہ چند سالہ تجربہ اور ایک عرصے کی تحقیق و تفتیش کے بعد ہم ا
پر پہنچے ہیں کہ ''لذت اذکار'' کو ''لذت انکار'' پر کئی درجے فوقیت حاصل ہے۔ ''افکار'' سے
''مراقبہ'' ہے۔ بیدل نے اس کے لئے ''سیر گریباں'' کی اصطلاح اپنائی ہے۔ کسی ایک موضو
فکر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی پہلے اپنی تمام تر توجہات ایک نقطہ پر مرکوز کرے اور یہ
''سیر گریباں'' سے اچھی طرح حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد بیدل کا خیال ہے کہ مراقبہ میں جو لطف مجھے آتا ہے اور اسرار و حقایق کے جو
میری نگاہوں کے سامنے کھلتے ہیں وہ ہزاروں بہار کی سیر و سیاحت پر فوقیت رکھتے ہیں۔ شاہ ابو
نے مسکرا کر اس کا جواب دیا:

''وقتی ما ہم بہ لذت افکار یکہ خاصہ اولیای سلسلہ شماست رسیدہ بودیم و چاشنی از آں مائدہ حلاوت فایدہ چشیدہ یعنی مواظبت چشم بستن، در ستر حقیقت حال می کوشیدیم۔ و در قباب وضع مراقبہ، اسرار غامضِ حیرت پوشیدیم۔ چون منکشف گردید کہ التذ اذ نسبت این افکار، از لذت تجیب بکلی مستغنی ساختہ، بہ یقین انجامید کہ طبیعت از لذت انکار البتہ درگذشتہ است۔ تا بایں نعمت موصول گشتہ، درین صورت، سیر گریبان، سر ما را نیز بنہایت دامان می رساند اما نا مساعدی مرور زمان، از نیم راہ کمر و زانو باز گردانید...... مقصود از ''سیر گریبان'' بفکر تحقیق خود افتادنست نہ از سر گرانیہای بی حسی در دسر زانو زدن۔ و مدعای ''تامل'' بکنہ معنی وارسیدن، نہ غبار معنی بر فرق بینش پاشیدن، معنی ''تفکر'' غور در حقیقت اشیاست۔ و حقیقت اشیا بقدر عرض صور چہرہ کشا۔ درین تماشا کدہ، بفسون ''تخیل'' خواب بر طبیعت نباید گذاشت۔ و بفریب ''تفکر'' دامن از چنگ فرصہ نباید گذاشت۔ جلوہ بی نقاب را بخیال مشاہدہ نمودن، از تازگیہای محرومی نگاہ است۔ و از معانی مکشوف معما تراشیدن، دلیل دقتہای فطرت کوتاہ۔'' (۱۸۵)

شاہ ابوالفیض کے درج بالا طویل جواب سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی قادری سلسلے کے
جس سے بیدل اور ان کے خاندان کا تعلق تھا، مراقبہ اور سیر گریباں کے ذریعہ فکر کی لذت
تھے۔ اس لئے بیدل کے افکار و خیالات سے اپنے افکار و خیالات کی ہماہنگی کا اظہار کرتے
انہوں نے مزید کہا: ''سیر گریباں'' سے انسان کو اگرچہ روحانی عروج حاصل ہوتا ہے تاہم جب
سازگار نہیں ہوتے ہیں وہ منزل سے پرے ہی رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد 'سیر گریباں' 'تامل' او
ہر ایک اصطلاح کی جس کا تصوف میں چرچا رہتا ہے وضاحت کرتے ہیں:

''سیر گریباں'' کہتے ہیں ''خود اپنی ذات پر غور و فکر کرنے کو'' ''تامل'' نام ہے ''حقیقت کی تہ تک پہنچنے کا'' اور ''تفکر'' کہتے ہیں ''اشیاء کی حقیقت تک رسائی کا۔''

جب یہ تینوں خصوصیات کسی کے اندر جمع ہوتی ہیں تو وہ اوج کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ ان میں
کی اپنے اپنے دائرے میں اہمیت ہے خصوصاً ''تفکر'' کی اس لحاظ سے بڑی اہمیت ہے کہ
س کی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں جبکہ آیت شریفہ یتفکرون فی خلق السموات
(آل عمران ۱۹۱) کے مطابق وہ اس کے مامور اور مکلّف ہیں۔ اسی وجہ سے اس عمل کو خاص طور
بحث قرار دے کر وہ بیان کرتے ہیں کہ مظاہر قدرت اس دنیا میں بہ سہولت نظر آتے ہیں۔
زمین، یہ چاند و سورج یہ دریا و صحرا، یہ باغ و راغ، حیوان و انسان، نباتات و جمادات، کوہسار و
وغیرہ سب ''تفکر'' کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے چہروں پر کسی قسم کا نقاب نہیں ہے اس لئے اس
ب پر تفکر کر کے اس کے اسرار و رموز کا سراغ لگانا چاہیئے۔ صرف قوت تخیل سے ان کا مشاہدہ
ہیئے ورنہ نگاہ کی تازگی ہم سے رخصت ہو جائے گی۔ شاہراہ معرفت کے بیشتر رہرو حضرات
مفہوم کو صحیح طریقے سے نہیں سمجھ سکے یا اسے کوئی اہمیت نہ دے کر محو خواب ہو گئے۔
کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ''سیر گریباں'' یا ''بہ فکر خود افتادن'' کی اپنی جگہ اہمیت ہے
''یعنی ''غور در حقیقت اشیا'' کا بھی کچھ کم درجہ نہیں ہے اور سیر گریبان کو سیر باغ و راغ پر ترجیح
کہ تم (بیدل) اس کے قائل ہو ایک غلط رجحان اور ناصواب رائے ہے۔ کمال عرفان تک
دونوں کا جمع کرنا ضروری ہے۔

از ظاہر آفاق نباید بودن   آخر ای بیخبر! ایں بزم طلسم صور است (۱۸۶)

عالم آفاق (کائنات) کے بیرونی مناظر سے صرف نظر نہ کرنا چاہیئے۔ اے بے خبر! آخر یہ بھی
طلسم صورت ہے۔

سی مجلس میں ''خواب و بیداری'' کی حقیقت پر بھی بحث ہوئی۔ اس موضوع پر شاہ صاحب
واقعات بیان کئے جن کی بیدل نے اپنے الفاظ میں ترجمانی کی ہے۔
موضوع پر شاہ صاحب کے خیالات کا ماحصل یہ ہے کہ ''خواب'' اگر ''مرگ'' ہے تو
''زندگی''۔ خواب اگر ''افسردگی'' کا نام ہے تو بیداری ''بلند پروازی'' کا۔ جو لوگ ذوق
بہرہ مند ہیں وہ اپنی آنکھیں بند نہیں رکھ سکتے کیونکہ یہ سارے فطری مناظر اور جلوے
دیتے ہیں اور قدرت کی بوقلمونی کا تماشا ہم سے نگاہیں وار کھنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

عمر، ای دیدہ! ترک سرگرانی کن   نگہ را اند کی روشن سواد جلوہ خوانی کن

عمر تیزی سے رواں دواں ہے اے آنکھ اپنی سرگرانی کا سلسلہ ترک کر۔ نگاہ کو تھوڑی دیر بے
خوابی کی سیاہی سے روشن کر۔

کند تا کی فسون خواب پیش از مرگ در گورت   بہ بیداری علاج چشم زخم زندگانی کن

"خواب" کا جادو آخر کب تک تمہیں موت سے پہلے "زندہ در گور" کی پوزیشن میں رکھے گا۔
زندگی کے چشم زخم کا علاج بیداری سے کرو۔

دروں بیضہ جز افسردگی دیگر چہ می باشد   چمنہا وقف پرواز است سعی پر فشانی کن

انڈے کے اندر افسردگی کے سوا کیا رکھا ہے۔ سارا چمن وقف پرواز ہے تو بھی پرفشانی کر۔

اس کے بعد شاہ صاحب کے ارشادات کی توضیح کرتا ہوا بیدل لکھتا ہے:

"چشم پوشیدہ ہر چند فردوس در قفس دارد، آئینہ دار کوریست۔ و مژگان خوابیدہ اگر ہمہ
آفتابش چراغ زیر دامن باشد، دلیل بی نوری بہمہ حال اگر بخیہ ہای مژگان، از ہم نتوان
گسیخت، نمک گریہ برین زخمہا باید ریخت۔ و اگر باین پنبۂ افسردہ، شمع نگاہی نتوان
افروخت، بہ لمعگی زاغ و زغن باید فروخت۔" (۱۸۷)

یعنی چشم بستہ اگرچہ "فردوس در قفس" کی حیثیت رکھتی ہے پر وہ اندھے پن کی آئینہ دار ہے۔
محو خواب پلکیں اگرچہ سراپا آفتاب ہوں پر چراغ زیر دامن کی طرح بے نوری کی دلیل ہیں۔ بہرحال
پلکوں کے بخیے کو اگر ادھیڑا نہیں جا سکتا تو ان زخموں پر نمک گریہ چھڑکنا چاہیے۔

ہمیں معلوم ہے کہ بیدل پر صوفیاء کے افکار و خیالات کی کتنی گہری چھاپ ہے لیکن آئندہ
صفحات میں ہم پڑھیں گے کہ بیدل کا تصوف راکد اور جامد قسم کا نہیں ہے۔ وہ ایک رواں دواں زندگی کا
قائل ہے۔ چنانچہ فلسفہ حرکت کا ذکر اکثر مواقع پر اس کے کلام میں ملتا ہے۔ اس کا سرچشمہ در حقیقت
ابوالفیض کے خیالات ہی ہیں۔ شاہ صاحب کی صحبت سے اپنے استفادے کا خلاصہ بیدل ان الفاظ
میں پیش کرتا ہے:

"الحاصل از در فیض معانی رنگین شش جہت آغوش کیفیت بہار کشودہ بود۔ و شور عبارات نمکین
بر در و بام چاشنی تبسم سحر اندودہ۔" (۱۸۸)

غرض آستانہ فیض سے معانی رنگین چاروں طرف سے آغوش کیفیت بہار کھولے تھے
عبارات نمکین کا شور در و بام پر تبسم سحر کی چاشنی اکٹھا کیے۔

مجلس کے اختتام پر طے پایا کہ اس کے شرکاء حضرات "وارستگی" پر اپنے اپنے خیال کا اظہار
کریں۔ بیدل کا بیان ہے کہ حاضرین میں سے ہر شخص اس موضوع پر اپنے خیال کا اظہار کر رہا تھا

بھی اس کے بارے میں اظہار خیال کا شوق دامنگیر ہوا۔ شاید یہ پہلا موقعہ تھا جب بیدل نے
دانشوروں کی اس محفل میں اظہار خیال کی جرأت کی تھی اور وہ حجاب جو عام طور سے بزرگوں کی محفل میں
خوردوں کو ہوا کرتا ہے، اس کو اس نے بالائے طاق رکھ کر یہ رباعی کہی:

بیدل! ز غم و نشاط دوراں بگذر   وز بیش و کم و مشکل و آسان بگذر
در گلشن دہر، چوں نسیم دم صبح   آزادہ درآ و دامن افشاں بگذر

بیدل! دنیا کے غم و خوشی، کمی بیشی اور دشواری و آسانی سے (متاثر ہوئے بغیر) آگے نکل جا۔
باغ دہر میں بادنسیم کی طرح آزادی سے آ اور دامن جھاڑتے ہوئے نکل جا۔

بیدل نے اصلاح کی غرض سے شاہ صاحب کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ لیکن شاہ صاحب
اس کی فی البدیہہ رباعی گوئی سے اتنا متاثر ہوئے کہ حاضرین کی طرف رخ کر کے بولے:

"از فحوای این کلام بوی صہبای کمال می آید۔ و صفای این الفاظ آئینہ حسن متانت می
زداید۔ از جادۂ انصاف در نباید گذشت کہ باز این صغرسن، مایہ سخن بمذاق گیرا رساندن آثار
بنای ندرت است۔ و بمرتبہ ریشگی پہلوی نمو بہ نخلہای بلند زدن، دلیل آبیاری قدرت۔
بریں شعلہ خاموش غافل مگرید، و ازین طوفان حیرت خروش بیخبر مگذرید۔" (۱۸۹)

اس کلام کے انداز سے صہبای کمال کی بو آتی ہے اور ان الفاظ کی صفائی اور سلاست
حسن متانت کے آئینے کو دور کرتی ہے۔ راہ انصاف سے قدم آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔ اس صغرسنی کے
باوجود مایہ سخن کو ذوق گیرا تک پہونچانا ایک نادر امر ہے۔ اس شعلہ خاموش سے غفلت مت برتو اور اس
طوفان حیرت خروش" سے لاپروائی مت کرو۔

اس وقت بیدل کی عمر سولہ سال تھی۔ ظاہر ہے ایک علمی محفل میں شریک بزرگوں کے مقابلے پر
وہ کمسن ہی تھا لیکن اس کم سنی کے باوجود نہایت شستہ اور سلیس انداز میں رباعی کہنا اور اس پر طرہ یہ کہ اس
سے پہلے رباعی گوئی کا کبھی کوئی تجربہ بھی اس کو نہیں تھا۔ بیدل کے طبع روان اور ذوق لطیف کی نشاندہی
کرتا ہے۔ شاہ ابوالفیض کا اس کی مخفی اور پوشیدہ صلاحیت کو "شعلہ خاموش" اور "طوفان حیرت خروش"
سے تعبیر کرنا ہرگز بے محل نہ تھا۔ لگتا ہے بیدل فطری طور پر ایک شاعرانہ ذوق اور رجحان طبع لے کر پیدا
ہوا تھا جسے بزرگوں اور دانشوروں کی صحبت نے جلا بخشی۔ ان کی حوصلہ افزائیوں نے اس کی صلاحیت
کے نکھارنے اور اس کی شخصیت سازی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ان ہستیوں سے
اپنی نیازمندی کا اظہار اس طرح کرتا ہے جیسے ان لوگوں نے بیدل پر بڑا احسان کیا ہو۔ بیدل شاہ
صاحب کی دعا کو نقل کرتا ہوا لکھتا ہے:

''بعد ازان محیط فیض باامواج تحسین زبان ترحم کشود و بہ عبارت این دعا صلہ دوام شوقم عطا فرمود: یارب دماغی کامل اثرت برفع نقصان حوادث، مربع دعوت کمال باد۔ وشخص فطرتت بہ سپرداری این چار آئینہ آفت چشم زخم مبیناد۔(۱۹۰)

بیدل اڑیسہ میں:

جیسا کہ عرض کیا گیا پٹنہ میں بیدل کے ساتھ اپنے ایک سالہ قیام کے بعد ۱۰۷۱ ہجری میں مرزا ظریف کٹک (اڑیسہ) کے لئے روانہ ہوئے۔ کٹک صوبہ اڑیسہ کا مرکز تھا اور ابھی کچھ دنوں پہلے تک اس کی یہ حیثیت برقرار تھی۔ ادھر چند سال سے بھوبنیشور اس کا صدر مقام ہو گیا ہے۔ چہار عنصر سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ظریف اگر چہ ایک عالم آدمی تھے مگر تجارت کو ذریعہ معاش بنایا تھا۔ اس سلسلے میں کٹک کو اپنا مرکز قرار دے کر اکثر اس کے اطراف کا دورہ کیا کرتے تھے۔ منجملہ اس کے ایک مقام ''کساری'' تھا جو اس علاقے کے بازار کی حیثیت سے ایک اہم جگہ تھی۔ اور کٹک سے اس کی مسافت چھ دن کی راہ کی تھی۔ بیدل نے وہاں پانچ مہینے مرزا ظریف کے ساتھ گذارے۔ لکھتا ہے:

''موضع کساری از دہکدہ کٹک مسافت شش روزہ راہ است و برای تجارت پیشگاں عالم اسباب معیشتگاہ۔ بسودای ضرورتی پنج ماہ اتفاق اقامت روی داد و فقیر را نیز التزام رفاقت واجب افتاد۔''(۱۹۱)

اسی طرح ایک اور مقام 'بالیسر' ہے جس کا تذکرہ بیدل نے مثنوی عرفان میں کیا ہے

مفلسی در نواح بالیسر — دست بیکار داشت وقف کمر
بیدل از محرمان رازش بود — چندی آنجا زسوز وسازش بود(۱۹۲)

(بالیسر کے علاقے میں ایک مفلس اور نادار آدمی بے روزگار تھا، بیدل اس کے محرم راز دوستوں میں تھا اور کچھ دنوں اس کے غم وخوشی میں شریک رہا۔)

کٹک دریائے مہاندی کے کنارے آباد ایک مشہور تاریخی شہر ہے جس کی بنیاد کیسری سلسلے کے بادشاہ مکار نے رکھی تھی اور اکبر بادشاہ کے دور میں صوبہ اڑیسہ کا مرکزی مقام قرار پایا تھا۔(۱۹۳) یہ پودوں کی کثرت اور وسیع وعریض میدانوں اور پہاڑوں کے سبب اپنے مناسب جائے وقوع کے سبب سے دلکش فطری مناظر کا حامل ہے اور ایک حساس شاعر کے دل کے تاروں کو چھیڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے کچھ عجب نہیں کہ بیدل کے شاعرانہ ذوق کی پرورش میں اس کا بھی ہاتھ رہا ہوا۔ بیدل کے الفاظ میں:

''چوں بہ بلدہ کٹک کہ پائے تخت ممالک اوڑیسہ است اتفاقاً عبور افتاد و برلب دریائے کہ کنار آن شہر واقع است صورت اقامت روی داد۔''(۱۹۴)

دوسری جگہوں میں کٹک کے لئے ''گلزمین'' اور ''مرغزار'' (۱۹۵) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

بیدل نے یہاں دریا کے کنارے واقع ایک مکان میں بود و بوش اختیار کی۔

بیدل جس زمانے میں اپنے ماموں کے ہمراہ اس شہر میں داخل ہوا۔ خان دوران سید محمود وہاں کا صوبیدار تھا۔ جو مولانا یعقوب چرخی کی اولاد میں تھا۔(۱۹۶)

بیدل کا بیان ہے کہ یہاں تین سال قیام کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ۱۰۷۱ ہجری کے آخری مہینوں میں آیا اور ۱۰۷۵ ہجری کے اوائل میں وہ وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہوا۔ اس طرح ۱۰۷۲، ۱۰۷۳ اور ۱۰۷۴ ہجری کا زمانہ اس کا اڑیسہ میں گذرا۔ اس کا یہ تین سالہ قیام اس کی شخصیت کی تعمیر، روحانی ارتقا اور فکری و ذہنی بالیدگی کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک بلند پایہ بزرگ کی خدمت میں حاضری اور ان کی صحبت سے استفادے کی کمیت وکیفیت کے پیش نظر اسے بیدل کی کتاب زندگی کا ایک جداگانہ باب کہنا چاہئے۔ اس وقت بیدل کی عمر سترہ سال تھی۔ اس کی جسمانی اور ذہنی نشو ونما کے ساتھ اس مرحلے پر پہونچی تھی کہ ہر قسم کے علمی دقائق کو سمجھنے اور انہیں ہضم کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا ہوئی تھی اس زمانے میں اس کے قلب و دماغ کی سطح پر کس قسم کے خیالات ابھر رہے تھے اس کا اندازہ درج ذیل بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''فقیر بیدل را آغاز بنای شعور بے امتیاز نشۂ عجز وغرور بر توجہ جناب نیرنگی بود۔ وشوق نسبت آں حضور ہر نفس زدن بر حیرت آئینہ احوال می افزود۔ نمی دانست محرک سلسلہ نفس کیست و باعث اضطراب طبیعت چیست؟ ہر جانسیمی در تصور می وزید، بوی بیخودی دماغ ہوش می افشرد۔ وہر گاہ صدائی بہ تخیل میرسید پیغام وداع شعور بگوش می خورد۔ و مطلع صبح توام طوفاں آہ در نظر می بالید۔ وسواد شام بچشم چراغان اشک بساط انجم می چید۔ پیوستہ چون ابر، تصویر آمادہ گریہ بود، اما بچشم خلق عرض چکیدنی نداشت۔ وچون نبض تپ زدہ، ہمہ وقت بال بسمل می زد۔ اما گرد نالہ نمی افراشت۔ روز وشب چون روز وشب بادو غبار عالم بی اختیاری ساختہ بود۔ وسال وماہ چوں سال وماہ باگردش رنگ تحریر پرداختہ۔

بحکم ارشاد وفا، سعی ہا مصروف مراتب اخفا داشت بمعرض احوال اظہار ہزار رنگ علم بہانہ می افراشت۔ گاہی طبیعت را بہ عوارض صداع وامثال آن متہم می ساخت، وخود را از جرگہ مجلسیاں بیروں می انداخت۔ وگاہی باہمنفساں عذر ضعف دلی پیش می برد و تنہائی را از غنائم

حصول جمعیت می شمرد۔ شیوہ تسلی ہمعناں نالہ بلبل سراسر چمنستان گردیدن۔ وطریق عافیت ہمدوش وحشت گرد باد سر بہ ہوای صحرا پیچیدن۔ واقف حقیقت کار علم حق، ومحرم کیفیت اسرار ہماں دانای مطلق۔'' (۱۹۷)

فقیر بیدل کی توجہ آغاز شعور سے جبکہ عجز وغرور کے نشے میں خط امتیاز نہیں کھینچ سکتا تھا، جناب نیرنگی (خدائے تعالیٰ) پر تھی۔ اور آں حضور (باری تعالیٰ) سے منسوب ہونے کا شوق سانس کی آمد و شد کے ساتھ آئینہ احوال کی حیرت میں اضافہ کر رہا تھا۔ پر پتہ نہیں چلتا تھا کہ سلسلۂ نفس کا محرک کون ہے۔ اضطراب کا سبب کیا ہے؟ عالم تصور میں جہاں کہیں باد نسیم گرم رفتار ہوتی بوئے بیخودی دماغ ہوش دبوچ لیتی اور جب کبھی کوئی صدا قوت تخیل سے آلگتی وداع شعور کا پیغام کان سے ٹکرانے لگتا۔ طوفان آہ کے ہمراہ بڑھتا دکھائی دیتا اور سیاہی شام چراغان اشک سے آنکھیں ملا کر ستاروں کو بجھاتی۔ بادل کی طرح سدا آمادۂ گریہ رہتا لیکن عوام کی نگاہوں کے سامنے وہ ٹپکنا نہیں چاہتے تھے۔ کا بازو لگاتار پھڑ پھڑا رہا تھا پر نالے کی گرد پرواز نہیں کرتی تھی۔ شب و روز کی طرح اپنے شب و روز عالم بے اختیاری کے دود غبار سے ہم آہنگ کئے ہوئے تھے اور سال و مہینے کی طرح اپنے سال و مہینے رشتۂ تحریر میں لائے ہوئے تھے۔

حسب اقتضای ''وفا'' ہماری ساری جتن اخفاء حال میں مصروف تھی اور عرض حال کے ہزاروں رنگ کا اظہار کسی بہانے کا پرچم لہرا رہا تھا۔ کبھی دردسر وغیرہ بیماریوں کا بہانہ کر کے اہل محفل کی جماعت سے خود کو الگ تھلگ کر لیتا اور کبھی دوستوں کے سامنے ضعف قلب کا عذر کر کے تنہائی کو حصول جمعیت کے لئے غنیمت تصور کرتا۔ نالہ بلبل کی ہم عنانی میں پورے چمنستان کی سیاحت کو اپنی ''تسلی خاطر'' کا ایک انداز قرار دیتا اور وحشت گرد باد کی ہمدوشی میں ہوائے صحرا میں سرپیچی کرنے کو ''عافیت'' کی راہ سمجھتا۔ حقیقت حال سے واقف تو صرف خدا کا علم ہے اور کیفیت اسرار کا محرم بھی وہی دانائے مطلق ہے۔

یہ تھے وہ جذبات واحساسات جن میں بیدل کا دماغ الجھا ہوا تھا۔ کافی غور وخوض کے بعد جو باتیں ہمارے پلے پڑتی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل نکات میں پیش کیا جاتا ہے۔

بیدل نے اس وقت زندگی کے مختلف ادوار جس ماحول میں گذارے تھے اس میں بعض اہم اور نمایاں شخصیتیں نظر آتی ہیں جنہوں نے اس کی ذہنی اور روحانی بالیدگی میں غیر فانی نقوش چھوڑے ہیں۔ اس ماحول میں جب وہ اپنے گرد وپیش کے مختلف حالات سے متاثر ہوا اور ان کا احساس کرنے لگا تو ابتدائے ہوش سے لے کر اس وقت ۱۷ سال کی عمر تک جس چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول

اور جوانی ادوار میں اسے سدا یکساں طور پر نظر آتی تھی وہ باری تعالیٰ پر اس کی توجہ اور اس کا دھیان وگمان ہے۔ نظری مناظر پر غور وفکر کر کے جن کا اپنی سیاحتوں کے دوران اس نے مشاہدہ کیا تھا، وہ وحدت مطلق کی کنہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ جس قدر زیادہ اس پر محنت کرتا اس کی حیرت میں آئے دن اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا۔ اس راز سربستہ کا سرا حاصل کرنے کی لگاتار کوشش نے اسے اضطراب سے دوچار کر رکھا تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ اس کا سراغ اسے نہیں مل رہا ہے ٹھیک اس بچے کی طرح جو گہوارے میں لیٹا ہوا ہاتھ پیر مارتا ہو کہ کسی طرح لٹکی ہوئی گڑیا اس کے ہاتھ لگ جائے پر اس کی ساری تگ ودو رائیگاں جا رہی تھی۔ بیدل بھی اپنی جگہ حیرت واستعجاب کا پتلا بنا ہوا تھا۔ ہجوم جذبات میں دوسروں کی طرح رونا چاہتا تھا لیکن عوام کی نظر میں اس راز کا افشا بھی اسے منظور نہیں تھا اور ایک بخار میں مبتلا شخص کی طرح اندر ہی اندر تاب کھاتا تھا پر نالہ وشیون کے ذریعہ وہ انہیں دوسروں کو بتا بھی نہیں سکتا تو جس درد کا وہ احساس کر رہا تھا اس کا کوئی چارہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وفاداری کے حسب اقتضا اس کی نگہداشت میں لگا ہوا تھا۔ اس حالت میں کبھی دردسر کی شکایت کے بہانے دوستوں اور ساتھیوں کے حلقے سے خود کو دور رکھتا اور اگر کبھی اس میں شرکت کرتا تو ضعف قلب کے بہانے خلوت کو جلوت پر ترجیح دیتا اور تنہائی کو سلوک خاطر کا وسیلہ قرار دیتا

اگر ز درد عشق بوئی بردہ ای در صبر کوش شوق را رسوا مکن از اشک گرم و آہ سرد

(درد عشق کی اگر کچھ بھی بو تمہیں ملی ہو تو صبر سے کام لو، شوق کو اشک گرم اور آہ سرد سے رسوا مت کرو۔)

شاہ قاسم ہواللّٰہی:

جان اگر بالد ہمیں شایست اوج عبرتش از کمال فقر باش آگہ، ہو اللّٰہی گزیں

زمیں جب پیاسی ہوتی ہے تو باران رحمت جوش میں آتی ہے۔ درد عشق جب بیدل کے دل میں اپنے بام عروج کو پہونچا تو غیب سے ایک آدمی ظاہر ہوا اور اس نے اس کا علاج کیا۔

یہ غیبی شخصیت شاہ قاسم ہواللّٰہی کی تھی۔ شاہ صاحب کہاں سے تشریف لائے اور کہاں کے باشندے تھے کچھ واضح نہیں ہوتا۔ بیدل کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کے اطراف و نواحی کی سیاحت کرتے ہوئے اسی سال کٹک تشریف لائے جس سال بیدل اپنے ماموں کے ساتھ وہاں پہونچا تھا۔ چہار عنصر میں لفظ ''ہندوستان'' جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد دہلی اور اس کے اطراف و نواحی کا علاقہ ہے جیسے متھرا، اکبرآباد اور

میوات وغیرہ اس لئے ہوسکتا ہے اس علاقے سے وابستہ ہوں۔ بہرحال ان کی صحبت میں بیدل کی رشد
نشر کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا اور مرزا ظریف اور بیدل دونوں یکساں طور پر ان کی خدمت سے
استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ بیدل لکھتا ہے:

''بہ حسب اتفاق ہماں سال مقدم بہار حضرت شاہ از گلگشت نواح ہندوستان چمن پیرایۂ
آن گلزمیں فرمودہ بود۔ وسایہ التفات انوار برات برآن شبستان مآل خورشیدی کشودہ۔
مدت سہ سال، مرزای کمالات ایما، چراغ محفل استعداد بامداد پرتو صحبتش می افروخت، و
این زلہ پرست مائدہ اخلاص، طفیلی نصیبہ، ازان خوان کرامت می اندوخت۔ (۱۹۸)

اتفاق سے اسی سال (۱۰۷۱ھ/۱۶۶۰ء) حضرت شاہ صاحب کی بہار صفت آمد اطراف ونواح
ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے اس گل زمین (اڑیسہ) میں چمن پیرا ہوئی تھی اور آپ کے انوار قسمت
سایہ التفات اس شبستاں مال (کٹک) پر ضیا پاشی کرنے لگا تھا۔ مرزائے کمالات ایما (مرزا ظریف)
تین سال تک محفل استعداد کا چراغ ان کی پرتو صحبت سے روشن کرتا رہا اور مائدہ اخلاص کا یہ زلہ خور
(جھوٹا کھانے والا بیدل) اس خوان کرامت عنوان سے طفیلی کی طرح اپنا حصہ بٹورتا رہا۔

بیدل اور مرزا ظریف کی ان سے آشنائی کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ اور اہم ہے اس لئے بہتر ہے
پہلے اس واقعہ کا تذکرہ کیا جائے۔ بیدل کا بیان ہے کہ کٹک میں قیام کے بعد ایک دن مرزا ظریف کی
خدمت میں تفسیر قرآن کا درس لے رہا تھا کہ شاہ صاحب کے ایک ارادتمند نے آکر بتایا۔

''بزرگی بتازگی این سرزمین را آسمانی عز ورود بخشیدہ۔ وعنان التفاتش بدیدن شما معطوف
گردیدہ۔ اجازت شوق درکاراست، وارادت ذوق فرصت شمار۔'' (۱۹۹)

حال ہی میں ایک بزرگ نے اس سرزمین کو اپنی تشریف آوری کا اعزاز بخشا ہے اور اپنی
توجہ آپ حضرات سے ملاقات کی طرف پھیری ہے۔ اجازت شوق درکار ہے اور ارادت ذوق فرصت
شمار ہے۔

اس طبقے سے جو خلوص وارادت ہم لوگوں کو ہے اس کی بنیاد پر فوراً ہم اپنی جگہ سے اٹھے، ان کا
پرتپاک استقبال کیا اور اپنے گھر میں بٹھایا۔ پہلا جملہ جو ان کی زبان مبارک سے نکلا یہ تھا:

''الحمدللہ ما و شما در شہر با ہم رسیدہ ایم۔ فرصتہا مفت شوق و صحبتہا غنیمت ذوق۔'' (۲۰۰)

''الحمدللہ ہم اور تم دونوں اس شہر میں ایک ساتھ وارد ہوئے۔''

اس کے بعد بعض آیت کریمہ کی جو اس وقت مجلس کا موضوع تھی تفسیر کرنی شروع کی اور ان
کے اسرار و رموز اس طرح بیان کرنے لگے کہ بیدل لکھتا ہے:

''بعد ازاں آیۃ کریمہ کہ سبق محفل حال بود، نقاب تکرار از جمال اسرار برانداخت، معنیٰ چند
از زبان تقدس بیان، سامعہ نواز گردید کہ خیال مفسرین، بسرادق بزمش، بار نسبتی نداشت،
وتصور متکلمین بعروج بیانش، غیر از مژگان تحیر نمی افراشت۔ ہوشہا، پیش از مرتبہ ادراک،
بعالم بیخودی ساختہ بود، وزبانہا، از پردۂ گوش بساز خموشی پرداختہ۔ میرزا با ہمہ تبحر و جوش
محیط قدرت، بمعذوری قطرہ اعتراف نمود۔ ومقابل آن آفتاب معرفت، بموہومی ذرہ بال
عجزمی کشود۔ از فرط تحیر، سر بپای مبارکش نہاد۔ وزباں قصور مراتب نارسائی عرضہ می داد کہ
چہل سال تتبع ثقات مدرسہ فضل کردہ ام۔ واز تفاسیر چندیں سند تحقیق، بدست آوردہ۔ اگر
علم اینست، آہ از اوقاتیکہ بہ کسب بی تمیزی گزشت۔ وحیف عمریکہ بہرزہ مشقیہای غفلت
مصروف گشت۔'' (۲۰۱)

بیدل کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا ظریف نے چالیس سال تک ثقہ اساتذہ کی
مدت میں تفسیر قرآن کا مطالعہ کیا تھا۔ اس مدت میں جو اہم معلومات انہیں حاصل ہوئی تھیں ان پر وہ
فخر کرتے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اسی آیت کریمہ کی، جس پر وہ اظہار خیال کر رہے تھے
شاہ صاحب نے تفسیر کرنی شروع کی اور ایسے حقائق و معارف بیان کئے جن کو کہیں دیکھا تھا نہ سنا تھا تو
شاہ صاحب کے سامنے خود کو دریا کے مقابلے پر ایک قطرہ اور آفتاب کے مقابلے پر ایک ذرہ تصور کیا اور
بڑی نیاز مندی سے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

یہ واقعہ شاہ قاسم ہواللہی کے علمی مقام کو واضح کرتا ہے۔ اپنے تمام تر دعویٰ تبحر علمی کے باوجود
مرزا ظریف نے اپنے چالیس سالہ حاصل مطالعہ و تحقیق کو شاہ صاحب کی توضیحات کے مقابلے پر ہیچ
اور بے وقعت دیکھا تو اپنی تعلیم اور مطالعہ پر صرف ہونے والے اوقات پر افسوس کرنے لگے۔ شاہ
صاحب نے جواب دیا:

''علم این دبستان اگر منحصر یک جنس اصطلاح می بود، زبان اعیان، بمشق اختلاف عبارتہا
نمی فرسود۔ اینجا ہر لفظی، بر جمال معنیٰ تحقیق، غازہ ایست موضوع جلوہ خود فروشی۔ و
ہر سازی، شوخی آہنگ مطلق، انجمنی مخصوص آثار قدرت خروشی۔ خاصہ قرآن، کہ ساز حقیقت
قدرت است و قانون اسرار عزت، منزہ از تصنع عبارتی کہ بآہنگ نقصانش سرایند ومقدس
از تکلف اشارتی کہ بمضراب کمالش وواستانید۔ بی پردگی نغماتش، غرض استعداد سازندہ
است۔ وبی نقابی مقاماتش، شوخیہای فطرت نوازندہ یعنی آہنگ مجردی، بچندین حنجرہ، رنگ
خیال می گرداند ونوای مطلقی، بہزار زمزمہ، بال شوق می افشاند۔ وباوجود زیر و بم جہل و

شعور، ہیچکدام آن خارج نمی نوازد، و باکمال کیف وکم غفلت وآ گاہی ہیچ یکی غلط نمی پردازد
..........تقریر وتحریر مراتب اسرار، اکثری موافق عوام فطرتست، نہ مطابق ہمت خواص۔
معنیٰ مقام کہ خواص را بی تکلف الفاظ معتبہا منظور است۔ وعوام باوجود ایضاح بیان، درفہم
عبارت نیز معذور، رتبہ کلام تا بخفیض نقصان نمی رسد، طبع عوام از جہل مطلق نرہاند و پرتو
آفتاب، تاجبہہ برخاک نہ مالد، رنگ از سایہ طبیعت مرتفع نگرداند۔ اگرحسن تحقیق، بکمال
ذاتی جلوہ نماید، برضعیف نگاہان انجمن قصور ظلم است۔ واگر جمال معنیٰ، از کیفیت اصلی،
رنگ نگرداند۔ برلفظ آشنایان عالم صورت ستم۔ علم دبستان مدرسہ حال، از ابجد دبستان قیل
وقال، منزہ باید فہمید۔ ورموز خلوتکدۂ یقین از حرف وصوت محفل وہم وگمان مبرا باید
اندیشید۔'' (۲۰۲)

شاہ صاحب کے جواب کو بیدل جیسے قادر الکلام ادیب نے استعارات وکنایات سے
اپنے مخصوص اسلوب میں اس انداز سے پیش کیا ہے کہ اس سے بہتر طریقے پر پیش کرنا ممکن نہیں
عہد حاضر کی سادہ نگاری کے رجحان کے تحت آسان انداز سے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ یہ جہاں رنگ وبو ایک قسم کی تجربہ گاہ ہے جہاں کے علم
مخصوص تعبیر نہیں ہوتی۔ جس کے صفحہ ذہن پر جو خیال ابھرتا ہے اس کا اظہار کردیتا ہے اور جس
سے چاہتا ہے ادا کرتا ہے۔ لوگوں میں نظریے کا اختلاف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دنیا کی
یکرنگی پر قائم نہیں۔ خصوصاً قرآن مجید جس میں انواع واقسام کے حقائق ومعارف کے پھول کھلے
اور چونکہ یہ خدا کا کلام ہے اس لئے ہر قسم کے تصنع وتکلف اور عیوب ونقائص سے خالی ہے۔ ہر شخص
اپنے حسب استعداد اس سے استفادہ کرتا ہے اور جس قدر اس کی گہرائی میں اترتا ہے اسی قدر
گرانقدری اور وسعت وپہنائی کا اندازہ اسے ہوتا جاتا ہے اور اپنی اپنی فہم کی سطح کے مطابق
حقائق کے گہرہائے گرانمایہ نکالتا ہے۔ خدا کے مخصوص اور برگزیدہ بندوں نے اگر اس دریا میں غو
کر کے اپنے دامن میں موتی اکٹھے کئے ہیں تو ان کے اظہار کے لئے وہ مناسب اور موزوں موقع
انتظار کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ عوام الناس جو سیدھی سادی عبارت
بھی آسانی سے نہیں سمجھ سکتے ہیں اور انکے بالمقابل خواص کا طبقہ ہے جو کسی زحمت اور پریشانی کے
باریک اور دقیق مضامین کو بھی سمجھ لیتا ہے۔ اس وجہ سے ارشاد ہے کلموا الناس علی قدر عقولہم
لوگوں سے ان کی سوجھ بوجھ کے مطابق بات چیت کرو۔ انسانوں کی بڑی تعداد عوام الناس سے
رکھتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی سطح تک اتر کر بات کریں تاکہ وہ تبلیغ کا فائدہ اٹھا سکیں۔

فان'' اور ''مدرسہ حال'' میں جو علم ودانش ہم حاصل کرتے ہیں وہ اس علم سے کہیں بلند و
کے حصول کے لئے ہم ''مدرسہ قیل وقال'' اور ''بحث ومباحثہ'' میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات
۔ اول منزل ''یقین'' ہے اور دوسرا مرحلہ ''ظن'' ہے جو اسرار ورموز منزل یقین میں
لگتے ہیں انمیں اتنی لطافت ہوتی ہے جو مرحلہ ظن کے قیود حرف وصوت سے مکمل طور پر آزاد
لیس سالہ مطالعہ وتحقیق کے بعد جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان پر کف افسوس ملنے کی
ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرتے رہنا چاہئے گویا شاہ صاحب
وعرفان'' کے حصول کی طرف اشارہ کیا۔

پیدا کن تماشاہا تماشا کن — دو عالم جلوہ است ولی بصر دشوار می بیند

شوق پیدا کر پھر چاروں طرف تجھے تماشا ہی تماشا دکھائی دیں گے۔ دونوں جہاں ایک جلوہ
کو اس کا دیدار مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

ہے کہ اسی مجلس میں ہمارے ان کے بیچ خلوص ومحبت کا رشتہ قائم ہوگیا۔ مجلس کے
حب نے رخصت ہونا چاہا تو مرزا ظریف نے چند قدم چل کر ان کو رخصت کیا لیکن میں
ان کے پیچھے لگا رہا آخر ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر فرمایا:

''بہ بیدردیہای شار سیدہ ایم ونقب نخستیں بہ نہانخانۂ خیال رسانیدہ۔ می باید مارا شریک
واشغال خود پندارند......ساقی ایں بزم درخور حوصلہ مستان نشہ می پیماید وشاہد ایں محفل
طاقت مشتاقان نقاب می کشاید۔'' (۲۰۳)

ہم تو خاص تمہارے درد کا درمان بن کر آئے ہیں ہمیں اپنے حالات وکوائف میں شریک
ساقی مستوں کے حسب حوصلہ نشہ پیمائی کرتا ہے اور اس محفل کا شاہد عاشقوں کے حسب
شائی کرتا ہے۔

کے متعلق شاہ صاحب کے ان خیالات کا اگر بہ غور جائزہ لیجئے تو شاہ صاحب کے ابتدائی
جس امر کا دعویٰ کیا گیا تھا وہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ شاہ صاحب موصوف کی شخصیت
درد کا درماں تھا جس کو بیدل اندرون قلب محسوس کرتا تھا پر اس کے اسباب کا سراغ اسے
۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اپنے اس بیان ''ساقی این بزم الخ'' کے ذریعے وہ ہماری توجہ
دل کراتے ہیں کہ بیدل ایک پاکیزہ اور شستہ ادبی ذوق اور ایک غیر معمولی لیاقت کے
ہے اس لئے دانشوروں اور عالموں کی صحبت سے وہ دوسروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ
ہے حتی کہ اس کے ماموں مرزا ظریف بھی بیدل کی فطری استعداد کے مقابلے پر ایک

عام آدمی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ سے اس کی سعادت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

''ظرف بخش حوصلہ فطرتہا بکمال مشرب استعدادت رساناد، ووسعت آغوش آگاہی محیط بساط کلی گرداناد۔'' (۲۰۴)

یعنی فطری حوصلوں کے ظرف کا عطا کرنے والا خدا تجھے کمال استعداد سے نوازے۔

بیدل کا بیان ہے کہ خاکسار نے بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی اور بلا تردید ایک کی صحبت سے کچھ نہ کچھ استفادہ کیا اور ہر ایک کی شخصیت نمایاں مقام و مرتبے کی حامل تھی۔ اس کے باوصف دل میں ایک اضطراب، ایک بیکلی سی رہتی تھی جو کسی طرح ختم ہونے کو نہیں آتی تھی۔

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہ کہ می خرامد جگر بداغ کہ می نشیند، نفس بآہیکہ می خزد

[بن کے سراپا شوق نہیں جانتے ہیں ہم جاتا ہے دل کدھر کو نہیں جانتے ہیں ہم

ہے داغ کیا جگر میں نہیں جانتے ہم لیتے ہیں سانس، آہ نہیں جانتے ہیں ہم]

ہم سراپا شوق بنے بیٹھے ہیں پر معلوم نہیں کہ دل کس کے راستے پر گامزن ہے جگر کس کی محبت میں داغدار اور سانس کس کی آہ میں گرم رفتار ہے۔

شاہ صاحب سے ملاقات کے بعد دل کی وہ گتھی جو سالوں سے الجھی پڑی تھی، سلجھی اور حقائق و معارف میں سرگردان طبیعت کو آسودگی نصیب ہوئی۔

مجلّہ ''دانش'' اسلام آباد شمارہ ۵۰ و ۵۱ میں ''میکدہ محبت'' کے نام سے ایک قلمی رسالہ شائع ہوا ہے۔ اس کے مصنف محمد قاسم ساکن اوڑیسہ کٹک ہیں اور محمد حسین تسبیحی کی تصحیح و اہتمام سے چھپا ہے۔ رسالے کے آخری کلمات درج ذیل ہیں:

''این چند کلمہ حسب الارشاد نواب معلّی القاب خاندوران غفر اللہ ذنوبہ در اسولہ خلوت در انجمن، سفر در وطن، ہوش در دم، نظر بر قدم نوشتہ شد در ملک ادیسہ شہر کٹک۔ کمترین اہل اللہ محمد قاسم نامہ سیاہ۔ نام ایں اجزاء ''میکدہ محبت'' نہادہ شد۔ تحریر فی التاریخ غرہ ذی الحجہ ۱۰۷۷ھ۔'' (۲۰۵)

یعنی نواب معلّی القاب (محمود) خاندوران کے حسب فرمائش ''خلوت در انجمن، سفر در وطن، ہوش در دم، نظر بر قدم'' کے بارے میں پوچھے گئے سوالات کے جواب کے طور پر ملک اوڑیسہ کے شہر کٹک میں یہ چند الفاظ لکھے گئے۔ کمترین اہل اللہ محمد قاسم اس رسالے کا نام ''میکدہ محبت'' رکھا گیا۔ غرہ ذی الحجہ ۱۰۷۷ ہجری۔

محمود خان دوران سے تعلق اور شہر کٹک میں ۱۰۷۷ ہجری میں قیام یہ دو باتیں ایسی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ محمد قاسم وہی ہیں جن کو بیدل ''شاہ قاسم ہو اللہی'' سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ بیدل نے ۱۰۷۰ ہجری میں کٹک کو خیر باد کہا ہے اور ۱۰۷۱ھ تا ۱۰۷۵ھ اپنے تین سالہ قیام کے دوران ان کی صحبت سے استفادہ کے دوران محمود خان دوراں کی شاہ صاحب سے ارادت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

اس رسالے کا موضوع عشق الٰہی اور عرفان و سلوک ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن و احادیث کے علاوہ عطار، مولوی اور عراقی وغیرہ بہت سے مشہور اور غیر مشہور شاعروں کے کلام سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے جو ان کے وسعت معلومات کے ساتھ سادہ اور شیریں انداز بیان پر غیر معمولی قدرت کی آئینہ دار ہے۔ خصوصاً قرآنی آیات کا اپنے دعاوی کی تائید میں دھڑلے سے استعمال کرنا قرآن پاک پر ان کے عبور کی نشاندہی کرتا ہے اور اس جگہ ہمیں بیدل کے بیان سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔

شاہ صاحب کی نثر کا کچھ نمونہ برکت کے لئے لکھا جاتا ہے:

''اے خلاصہ آفرینش! ہمت بلند را کار فرما، وسکہ طلب را در توبۂ عشق و محبت بہ آتش ''العشق نار یحرق ما سوی اللہ'' بگداز و خالص کن تا شایستہ مہر ''یحبہم ویحبونہ'' گردد، ودر بازار ''ان اللہ اشتری من المومنین'' کہ حق تعالے خرید ار باشد، اور اارزشی وقیمتی بہ ہم رسد وبدان سرمایہ توانی کہ بضاعت دین خالص کہ ''الا للہ الدین الخالص'' را شایستہ شوی، شاید کہ رمزی از عاشقان وعارفان وسوختگان وجان بازکان وشیران ومبارزان راہ محبت کہ ''والمخلصون علی خطر عظیم'' طغرای ایشان است برتو بکشایند واز لوامع ''اللہ نور السموات والارض'' ویتجلی ربُّنا ضاحکا''، و''نحن اقرب الیہ من حبل الورید'' و''ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین'' ''وعینا یشربُ بہا المقرّبُون'' ''فاذکرونی اذکرکم'' ''و اللہُ یدعوا الی دار السلام'' ''اللہ لطیف بعبادہ'' ''وان اللہ لغنی عن العلمین'' ''و ان اللہ غفور رحیم'' ''واللہ یحب التوابین، وتعز من تشاء، فکشفنا عنک غطائک، واللہُ بکُل شئی مُحیط، ان اللہ خلق آدم علی صورتہ''، الانسان سبحان ربہ، وفی انفسکم افلا تبصرون، فاینما تولّوا فثم وجہُ اللہ، وہو معکم اینما کنتم، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ، قدجاء الحقُّ وزھق الباطل، ولقد کرّمنا بنی آدم کہ اشارت، در حق انسان است بہرہ مند گردی [illegible]:

چو آدم را فرستادیم بیرون　　جمال خویش بر صحرا نہادیم
نہ مسجود ملایک آدم آمد　　کہ نور پاک در وی بود مدغم (۲۰۶)

اس بنا پر بے جا نہ ہوگا اگر بیدل اپنی روحانی اور علمی پیشرفت کو شاہ صاحب موصوف کی تربیت اور توجہ کا مرہون قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

در عالمی کہ با خود رنگی نبود مارا　　بودیم انچہ بودیم او وانمود مارا

(ایسی صورت میں جبکہ ہمارا اپنا کوئی رنگ نہیں تھا (ہمارے قلب و دماغ پر کوئی چھاپ نہیں تھی) ہم جو کچھ بھی رہے ہوں انہوں نے ہماری شخصیت کو نکھارا۔

مرآت معنی ما چوں سایہ داشت رنگی　　خورشید التفاتش از ما زدود مارا

ہمارا آئینۂ معنی سایے کی طرح سیاہ رنگ تھا ان کے آفتاب توجہ نے ہم سے ہمارے رنگ کو دور کیا۔

پرواز فطرت ما در دام بال می زد　　آزاد کرد فضلش از ہر قیود مارا (۲۰۷)

ہماری پرواز فطرت پھندے میں گرفتار ہوکر پر پھڑپھڑا رہی تھی ان کی عنایتوں اور مہربانی نے ہمیں ہر قسم کے قید و بند سے آزاد کردیا۔

ان اشعار خصوصاً مصرع ''بودیم آنچہ بودیم او وانمود مارا'' کی اساس پر کہا جاسکتا ہے کہ بیدل کی شخصیت کی تعمیر، اس کی فکری و روحانی ارتقاء کے سفر میں بلکہ کہنا چاہئے بیدل کو بیدل بنانے میں شاہ قاسم ہواللہی کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ اس اعتراف کے باوجود کہ ہر ایک بزرگ جن سے ان کی ملاقات ہوئی اُس کی شخصیت کی تعمیر اور اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں غیر فانی رول رہا ہے، شاہ قاسم صاحب کا رول سب سے زیادہ اہم رہا ہے۔ اسی وجہ سے وہ شاہ صاحب سے نیازمندی اور احسان شناسی سے بھرے جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

''ہرگاہ زبان بنامش کشودہ ام، صیت شہپر جبرئیل مقیم پردۂ گوش است و ہرجا نفس بیادش کشیدہ ام، نسیم وادی ایمن، عطر دماغ ہوش۔ تسلیم حقوق آستانش را، باسرنوشت اعتقاد بیدل نسبتی است کہ تا نشان جبہہ باقی است، چون سجدۂ حق از واجبات فرض شمارد۔ و تسبیح تہیہ شنایش را، بر زبان شکر بیان نرود یعنی کہ تا نفس نقد کیسہ زندگیست، بلوازم ادای فرض سر بر نیارد''۔ (۲۰۸)

جب بھی زبان پر ان کا نام نامی آیا شہپر جبرئیل کی آہٹ بھی پردہ گوش میں سمٹ کر رہ گئی۔ جب بھی ان کی یاد میں سانس لیا وادی ایمن کی باد نسیم دماغ ہوش کا عطر بنی۔ ان کے حقوق آستانہ کے آداب و تسلیم کو بیدل کی ارادت کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے کہ پیشانی کا نشان جب تک باقی ہے سجدۂ حق کی طرح اسے منجملہ فرائض زندگی تصور کرتا ہے۔

ان غیر معمولی تعلق کے پیش نظر جو ایک کو دوسرے کے ساتھ تھا، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی صحبت سے بیدل کے استفادے کا تفصیلی ذکر کیا جائے تا کہ بیدل کی شخصیت کی بہ قول ان کے ''وانمودی'' پوری طرح واضح ہو جائے لیکن اس سے پہلے دو ایسے واقعات کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک بیدل کی مخفی صلاحیت کو اجاگر کرتا ہے نیز اس کی مستقبل کی تعیین اور ولایت کی تشخیص کرتا ہے۔

بیدل کا بیان ہے کہ ایک دن ہم لوگ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھے کہ اُن کے بھائی میر عبدالسلام نے شاہ صاحب سے عرض کیا۔

''اگر ایں قسم قابلی، بہ صحبت ارشاد منقبت بار قبولیت یابد، بعید نیست کہ ہلال فطرتش بہ کمتر زمانی عروج کمال گیرد''۔ (۲۰۹)

اس قسم کا جوہر قابل اگر جناب عالی کی صحبت ارشاد منقبت میں باریاب ہوتا رہے تو کچھ بعید نہیں کہ اس کا ہلال فطرت کم سے کم وقت میں اوج کمال پر پہنچ جائے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا:

''واز آن طایفہ ایست کہ ازلاً بافضل حقیقی جوشیدہ اند و ابداً احوالشان در تتق انوار غیب پوشیدہ۔ تربیت مائل الیہما باطن اسرار نبویست، و اعانت شامل ایشان حقیقت انوار ولایت، لا خوف علیھم از آئینۂ ظہورشاں جلوہ فرما۔ و ہم لایحزنون از سیمای طینت شان چہرہ کشا۔ مارا بہ استفادہ طرفین ودیعت ہم بہم سپردنست و بہ استعانت یکدیگر سعی استکمال پیش بردن'' (۲۱۰)

یعنی بیدل کا تعلق ایسے لوگوں سے ہے فضل حقیقی جن کا روز ازل سے معاون رہا ہے اور آئندہ ان سے کیا کیا ہوش و عقل کی باتیں نمایاں ہونگیں ہنوز پردۂ غیب میں ہیں۔ اس کا ذاتی رجحان نبوی معارف کی طرف ہے اس لئے امید ہے کہ ایک دن وہ اپنی مخصوص منزل پر پہنچے گا۔ انہیں امانت کی بنا پر ہم دونوں ایک دوسرے سے استفادہ کریں گے اور جو امانت ہمارے پاس ہے ایک دوسرے کے سپرد کریں گے خصوصاً اس کی متجسس طبعیت اور حقیقت جو ذوق اس قدر قابل تعریف ہے کہ صرف یہی ایک امر اسے منزل تک پہونچا کر دم لے گا۔

ہر کرا کہ شوق باشد رہبری درکار نیست
(ہو شوق جسے بے حد حاجت نہیں رہبر کی)

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن مرزا ظریف نے از راہ شفقت شاہ صاحب سے بیدل کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتے ہوئے عرض کیا۔

''این زیا نکار نقد آگہی ناممکن است بابی معرفتی چند کہ متلبس فرقہ تقلید اند، می جوشد و بگمان سودی کہ جز خسران متصور نیست، در تضیع اوقات می کوشد بآنکہ اینجا عرفای محفل یقین، از سطر نگاہی، درس معنی بکمال می رساند۔ وکملای مدرسہ تحقیق، بہ نقطہ اشارتی، از سبق ماسوی ورق می گرداند۔ کم وقتی است کہ کسب این سعادتش اتفاق افتد۔ و یا مطالعہ این فیضش بتالمی بکشد۔ اگر بہرہ از شعور داشتہ باشد، می باید دامن فرصت از دست نگذارد۔ و بی حضور این دولت عظیمی، نفسی بر نیارد۔ در خانہ آفتاب، بہ پرتو چراغ پرداختن چقدر خجلت نوریست۔ و در کنار محیط، بخیال سراب، چشم باختن، چہ مقدار انفعال۔ از بصیرت دوری۔ تفسیر التزام این شیوہ، بجز نوحہ محرومی چہ خواہد بود و شرح اقدام این عمل، غیر از شکوہ بی نصیبی چہ می توان نمود۔'' (۲۱۱)

یعنی نقد علم و آگہی کا یہ زیا نکار خریدار چند بے علم اور جاہلوں کی رفاقت میں جو فرقہ تقلید کے لباس سے آراستہ ہیں (بھیس فقیروں کا بنائے ہوئے ہیں) ممکن نہیں کچھ حاصل کر سکے جہاں فائدے کے گمان میں گھاٹے کے سوا کوئی چیز اس کے ہاتھ نہیں لگ سکتی اور اس طرح اوقات عزیز کو رائیگاں کر رہا ہے حالانکہ یہاں محفل یقین کے ایسے عرفا موجود ہیں جو اپنی ایک نگاہ سے معنی کمال کا درس دیتے ہیں اور مدرسہ تحقیق کے ایسے کاملیں موجود ہیں جو ایک نقطہ اشارہ سے ماسوی کا سبق پڑھاتے ہیں لیکن یہ سعادت اتفاق ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اگر اسے ذرا بھی شعور ہو تو فرصت کا دامن اسے ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے عظیم دولت کو حاصل کئے بغیر اسے چین نہیں ملنی چاہئے۔ آفتاب کی موجودگی میں چراغ کی روشنی کی طرف متوجہ ہونا نور کی بے حرمتی ہے اور سمندر کے پڑوس میں رہ کر سراب کے کنارے میں نگاہیں بندر کھنی شرمندگی کی بات ہے۔

اس شکایت کے لب و لہجہ سے ایسا لگتا ہے کہ علم و دانش کے حصول میں بیدل حقیقی بزرگوں کی صحبت سے زیادہ ایسے درویشوں کی صحبت میں نشست و برخاست رکھتا تھا جو محض صورۂ عالم اور بزرگ تھے حتی کہ شاہ قاسم ہو اللہی جیسے عظیم عالم فاضل اور بزرگ اوڑیسہ تشریف لائے بیدل نے ان بزرگ فقیروں کی صحبت مکمل طور پر ترک نہیں کی تھی۔ اسی بنا پر مرزا ظریف نے شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ فائدے کی امید میں یہ ہر کس و ناکس کے پیچھے سرگرداں رہتا ہے۔ جبکہ آپ جیسا عارف خداشناس یہاں فروکش ہے اور خدمت میں حاضر باشی کے ذریعہ وہ زیادہ سے زیادہ علم کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کی کوششوں کا ماحصل تضیع اوقات کے سوا کیا ہے۔

شاہ صاحب نے جواب دیا:

''دانا را از سطر ہلال، عرض نسخہء کمال نباید خواست، و بر ریشۂ نہال دامن گلچینی نشاید آراست۔ در آئینہ ظہور انسان کہ تجلی گاہ مراتب اسرار است و مظہر امور افعال و آثار، اظہار ہر معنی متعلق آنی است۔ و گل کردن ہر رنگی موقوف زمانی، اما پوشیدہ نیست کہ بنای فطرت این نقش بنیاد، بکمال متانت و استواری۔ و بساط این خاکسار نژاد، در نہایت صافی و ہمواری۔ اما جوانی مقتضی بی پروائیست۔ گذشتگی مستلزم رسائی۔ امید کہ او قاتش ہیچ وضعی، تغییر جمعیت نہ بیند و اشغالش در ہیچ حالتی، تہمت غفلت نچیند، دماغ از ادلیش، سرخوش جرعہ ذوقیست، از آنی نشأ دوبالائی ساز بی تعینش، سیر آہنگ زمزمہ شوقی، مژدہ اقبال عروج نوائی۔'' (۲۱۲)

یعنی ایک عقلمند آدمی کو ہلال سے بدر کامل کی توقع نہیں رکھنی چاہئے اور ایک ننھے پودے سے امید رکھنی فضول ہے۔ انسان کا آئینہ ظہور جو مختلف اسرار و رموز کی تجلی گاہ ہے اس میں ہر صفت کا مخصوص وقت سے وابستہ ہے لیکن یہ بات بھی صیغہ راز میں نہیں ہے کہ اس نقش بنیاد (بیدل) کی اساس فطرت انتہائی متانت اور استواری پر قائم ہے لیکن بے اعتنائی جوانی کا تقاضا ہے اور منزل تک رسائی کے لئے اسے نظر انداز اور درگزر کرنا ضروری ہے۔ امید ہے اس کا وقت کسی بھی طرح سے نہیں گذرے گا۔ اس کی آزاد منشی نے جرعۂ ذوق سے مست ہو کر نشے کو دوبالا کر دیا ہے۔

شاہ صاحب کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیدل اگر چہ لاپروائی اور آزاد منشی سے کام لے رہا ہے پر چونکہ یہ جوانی کا تقاضا ہے اس لئے یہ قابل درگذر ہے اس کی جس سوجھ بوجھ کا میں نے مشاہدہ کیا اس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر اعلی درجے کی متانت اور استواری ہے علاوہ ازیں انسان چونکہ انواع واقسام کے رموز کا مظہر ہے اس لئے ہر رمز کا ظہور ایک مخصوص وقت سے وابستہ ہے۔

بیدل کا بیان ہے کہ ادھر دونوں کا سلسلہ گفتگو جاری تھا اور میرا حال یہ تھا کہ میں سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا نہ تو پلک جھپکا سکتا تھا اور نہ لب کشائی کی جرأت کر سکتا تھا۔ در حقیقت ایک عجب مخمصے میں گرفتار تھا۔

جاہلاں گرم طعن و محرماں مست ثنا — من ہماں آئینہ حیرت پرستیہای خویش

غافل لوگ لعن طعن کرنے میں لگے تھے اور محرم حضرات میری تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے میں آپ اپنی حیرت کا آئینہ بنا ہوا تھا۔

مرزا ظریف جب مجلس سے رخصت ہو گئے تو شاہ صاحب نے بیدل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''ای حباب محجوب قباب عزت! نگاہ ظاہر بینان، در تمیز کیفیت احوالت، غبار آلود کلفت تماشائیست۔ و فہم لفظ آشنایان، بدرک معنی اسرار، بپایہ عجز و نارسائی۔ کسوتی نہ پوشیدہ ای کہ

بچشم ہر کس، نقاب یقین کشاید۔ و برنگی نہ جوشیدہ ای کہ امتیاز ہا از عہدہ تحقیق برآید۔ جائیکہ آفتاب آئینہ ماہ پردازد، دیدہ ہا ناچار حیرت نگاہیست۔ و ہر جا لمعہ انوار قرب، بساط دوربنی چیند، تصور ہا ناگزیر شبہ سیاہی۔ اگر طبایع، بکنہ اوضاعت وارسد، جای اعتقاد است، نہ محل فضولی ارشاد۔ واگر ہوشہا، برمز اطوارت پی برد، عالم تسلیم است، نہ گستاخیہای تعلیم۔ میرزا را در ہمہ معذور باید داشت۔ و رقم کدورتی، بر صفحہ خیال نباید نگاشت۔ اینجا سعی ناصح، باعتقاد خود، مصروف ترغیب کمالست۔ و منظور معلم، تہذیب اخلاق و احوال، ہرگاہ معنیٰ و مدعا، مشعر حقیقت اخلاص باشد، بنامربوطی الفاظ نباید رنجید۔ و ہر جا حاصل جست و جوہا، غیر از وصول مقصد متصور نیست از لغزش رفتار منحرف نباید گردید۔'' (۲۱۳)

اے قباب عزت میں پوشیدہ حباب اظاہر بین حضرات کی نگاہ تیرے حالات اور کیفیات اندازہ لگانے میں کلفت نا آشنائی سے غبار آلودہ ہے۔ اور لفظ آشنا حضرات کی فہم تیرے اسرار معانی درک کرنے مین بے بس ہے۔ تو نے ایسا کوئی لباس زیب تن نہیں کیا ہے جو ہر کس و ناکس کی نگاہ یقین کو بے نقاب کرے۔

اس تسلی آمیز جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل کافی سوجھ بوجھ کا حامل تھا۔ شاہ صاحب اپنی ایمانی فراست سے اس کا اچھی طرح اندازہ لگالیا تھا مگر مرزا ظریف باوجودیکہ ایک تجربہ کار تھے، بیدل کی پوشیدہ لیاقتوں کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب نے ان کے تبحر علم و دانش کے باوجود انہیں ''ظاہر بیں'' سے تعبیر کیا اور بیدل کو نصیحت کی کہ ان کی ناصحانہ اور تلخ گفتگو سے متاثر نہ ہو نیز ان کے بارے میں کسی قسم کی کوئی کدورت دل میں راہ نہ دے۔

ایسی محفلیں جن میں شاہ صاحب شریک ہوتے اور بیدل ان سے استفادہ کرتا گاہے گاہے منعقد ہوتی تھیں اور وہ بھی گھنٹے دو گھنٹے تک جاری رہتی تھیں، ان مجلسوں میں شاہ صاحب کی توجہ دوسروں کی بہ نسبت بیدل پر زیادہ رہا کرتی تھی۔ ان مجالس میں اگر کبھی کوئی نثر پارہ یا نظم بیدل کے طبع موزوں سے تراوش کرتی تو اصلاح کی خاطر وہ اسے شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کرتا اور شاہ صاحب درج ذیل الفاظ سے اس کی غیر معمولی حوصلہ افزائی فرماتے تھے:

''نشئہ موزونی ذاتی ازیں کلام سرخوش پیام روشن است و معنی تلامیذ الرحمٰن ازین مقالات شوق آیات مبرہن'' (۲۱۴)

یعنی اس کلام سرخوش پیام سے ذاتی موزونی طبع عیاں ہے اور ان مقالات شوق آیات سے تلامیذ الرحمٰن کا مفہوم واضح ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں شاعروں کو شتر بے مہار سے تعبیر کر کے ان کے قول و عمل میں تضاد کی خصوصیت بیان کی گئی ہے مگر ایمان و عمل سے آراستہ شاعروں کو اُن سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، ان لوگوں کو تلامیذ الرحمٰن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس بیدل کا تعلق بھی بہ قول شاہ صاحب اسی طبقے سے ہے۔ شاہ صاحب نہ صرف یہ کہ اس کی منظوم و منثور تخلیقات کی تعریف کرتے تھے بلکہ اس کے حالات و کیفیات کو بھی ''آزادگی'' اور ''بے نیازی'' کی خصوصیات سے متصف کرتے تھے۔

''در ضمن این الطاف، اوضاع این گرفتار بحر سلسلہ تحیر را بہ آزادگی می ستود'' (۲۱۵)

شاہ صاحب کے بارے میں بیدل کے بیانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ موصوف ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی کے گوناگوں پہلو بتاتے ہیں کہ بلند عارفانہ مقام پر فائز ہونے کے علاوہ صرف و نحو، صنایع و بدایع، شعر و ادب، تفسیر و حدیث اور الٰہیات وغیرہ موضوعات میں ان کو ید طولی حاصل تھا اور جس موضوع پر بولتے یا بحث کرتے ایسا لگتا کہ اسے اوج کمال پر پہونچا دیا ہے۔ اسی بنا پر ان کی صحبت سے بیدل کا استفادہ دوسرے بزرگوں کی بہ نسبت کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے بہت زیادہ رہا ہے۔ ان کے چند کرامات اور اپنے بعض استفادے کا تذکرہ کرنے کے بعد بیدل لکھتا ہے کہ شاہ صاحب کے مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ رشتہ تحریر میں نہیں لائے جا سکتے۔

''شمار مناقبش بی پایاں تر از آنست کہ بہ سعی خامہ فطرت در نگارش آن توان پرداخت... اگر بہ تفصیل می کوشید فرصتہا تحمل نمی کرد واگر بہ بست می پرداخت اندیشہ رنگ وسعت می باخت'' (۲۱۶)

ان کے مناقب کا لامحدود دفتر اس سے کہین زیادہ ہے کہ خامہ فطرت کی کوشش سے ان کو دائرہ تحریر میں لایا جا سکے اس کی تفصیلات اگر بیان کرنا شروع کریں تو فرصت میں اس کی سکت نہیں اور اگر اختصار سے کام لیا جائے تو قوت فکریہ وسعت کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

اسی بنا پر جیسا کہ عرض کیا گیا شاہ قاسم ہو اللّٰہی کا بیدل کی روحانی ارتقا، فکری بالیدگی اور شخصیت سازی میں بہت اہم رول رہا ہے۔ خصوصاً شاہ صاحب کی مسلسل حوصلہ افزائیاں بیدل کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوئی ہیں۔ مختلف واقعات کے ضمن میں جو اہم نکات اس کے علم میں آئے اور جو نتائج اس نے ان سے برآمد کئے وہ ہر چیز سے کہیں زیادہ ہمارے لئے قابل قدر ہیں۔ ایک باب میں اس قسم کے بعض وہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں جو شاہ صاحب کے روحانی مقام و مرتبے کے لحاظ سے نیز ان نتائج کے لحاظ سے جو ان سے برآمد ہوئے اہمیت کے حامل ہیں۔

خان دوراں محمود کی بیماری کا واقعہ:

بیدل جب مرزا ظریف کے ہمراہ اوڑیسہ پہونچا تو وہاں کا صوبیدار خان دوراں سید
کٹک میں اپنے قیام کے دوران سید محمود کو ایک بیماری لاحق ہوئی جسے طبی اصطلاح میں ''داء
کہتے ہیں اس بیماری میں بال گرنے لگتے ہیں، اسے بال خورہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا زہر
ناخنوں تک سرایت کر گیا تھا اور اس کا پورا جسم اس سے متاثر ہو گیا تھا۔ اطبا کی طرف جس قدر رجو
لا حاصل ثابت ہوتا تھا۔ معالج سے مایوس ہو کر مجبوراً اس نے اہل قبور اور بزرگان دین کی طرف
کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں اس نے بارہا حضرت شاہ صاحب سے بھی دعا کی درخواست کی
نہ کسی وجہ سے اس کی درخواست ٹلتی رہی بلکہ کہنا چاہئے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور وہ وقت
آیا تھا، آخر ایک دن مرزا ظریف نے شاہ صاحب سے اس کے لئے سفارش کی۔ شاہ صاحب
کی درخواست قبول کی اور اس سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ جونہی خان دوراں کے گھر میں
تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا لیکن خان دوراں اپنی علالت کی وجہ سے
استقبال نہ کر سکا بلکہ نحیف اور غم زدہ آواز میں تسلیم بجالایا اور بڑی مشکل سے سر تک ہاتھ لے جا کر
حال سے کہا۔

بر اہت مردہ ام امازیارت خانہ خاکم ‌ ‌ ‌ ‌ تو می آئی ومن آسودہ، آتش

شاہ قاسم نے جواب دیا:

''ما از تو چندین سالہ کلفت برداشتہ ایم، تا ساعتی بجمعیت خاطر بیاسائی۔ ہرگاہ ماموران عالم قدرت، بار دوش ناتوانی بری گیرند، مدعا راحت اوست، نہ تعظیم فرمائی۔ تشویش و تردد این زمان، تمکین طراز مسند گوہر مشاہدہ گردانیست۔ وآشفتگی انفاس، بعد ازین، مصروف شیرازہ پیرای دل، بمطالعہ آوردنی۔'' (۲۱۷)

ہم نے کئی سال تمہارے لئے دعائیں کیں کہ کسی طرح تم کو سکون قلب اور دلجمعی نصیب
خدا کے مامورین حضرات جب بھی کسی ناتواں کے کاندھے کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں تو
ناتوانوں کی راحت رسانی ہوتی ہے۔ اپنی تعظیم و تکریم کرانی نہیں۔ خوشخبری ہو کہ تمہارے ناخو
حالات اب تم سے رخصت ہوتے ہیں۔

گر فلک صدد ر تشویش بر ویت واداشت ‌ ‌ ‌ ‌ مژدہ ات بادکہ یکبارہ فرازش

اتفاق سے وہاں موجود حاضرین میں اسد نام کا ایک ندیم بھی تھا۔ وہ ہمیشہ شراب پی کر مست
رہا کرتا تھا۔ ان الفاظ کو شاہ صاحب کی زبان سے سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا اور لاحول پڑھتا ہوا

کالیاں دیتا ہو بولا:

کو دنیت در مزاج ارباب دل مضمر نباشد با ہمچو خودستایان معتقدانہ پیش نیایند۔ و با این قسم
سروپایان طریق تملق نہ پیمائید۔ اختیار عزلت، کمینگاہ امید یست کہ بنقب اشتہارش، در
صاحب دولتی راہ تزویر وانمایند و بہ افسون ساختہ چند، دفتر عرض خوارق و کرامات
شایند۔ بی صرفہ گو یمہا باین مرتبہ کہ مثل خان دوراں را بگو نیدکہ، ترانجات بخشیدہ ایم۔'' (۲۱۸)

کو شاہ صاحب پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ان گوشہ نشیں حضرات کا گوشہ نشنی سے
وانہ کی وہ توقعات ہیں جو منصب داروں سے ان کو وابستہ ہوتی ہیں۔ اپنے کرامات کے
حقیقت جادو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، وہ امیروں کے دل میں اپنی جگہ بناتے ہیں بیدل
کر لکھا ہے کہ جیسا کہ اس طبقے سے امید کی جاتی ہے اسی قسم کی اور بدکلامی بھی اس نے
میں وہ اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔ جونہی اس کی پالکی دروازہ شہر کے پاس پہونچی ایک بجلی سی
مین لرز اٹھی، پالکی پلٹ گئی، جو لوگ پالکی کو لے جا رہے تھے اس خیال سے کہ شاید دروازہ
پر تو نہیں گر رہا ہے ہوش و حواس کھو بیٹھے کچھ دیر بعد جب ہوش آیا تو اسد کی تلاش شروع
پالکی میں نہ تھا۔ ان کو حیرت ہوئی، آخر کافی تلاش و جستجو کے بعد اسے اس پل کے نیچے پایا
ظت پھینکی جاتی تھی۔ وہاں وہ برہنہ سر، سوجے ہوئے چہرے اور غلاظت سے لت پت
نظر آیا جیسے اسے کسی نے غلاظت میں غوطہ خوری کرایا ہو۔ غرض اس کا پورا پیکر خا کی عذاب
تھا۔ ان لوگوں نے خیال کیا شاید اس نے شراب کچھ زیادہ پی لی ہے اس لئے بیہوش ہو گیا
اور پاکی میں فرق نہیں کر سکا۔ باوجودیکہ اسے صاف ستھرا کرنے میں انہوں نے کوئی کسر
اس کے چہرے کی سیاہی ناپید نہ ہو سکی۔ اور اس کی زبان کھولنے کی جتنی کوشش کی گئی
میں اضافہ ہوتا گیا۔ بہت زیادہ پوچھ گچھ کرنے پر صرف لفظ عو، عو اس کی زبان سے نکلتا
مناسبت سے بیدل نے چند اشعار بھی کہے ہیں جن میں اس عذاب کا سبب اس نے ایک
کا انکار قرار دیا ہے۔

کامل ہر کجا آید بچشم ‌ ‌ ‌ ‌ بی تامل شد یقیں سگ بود یا خر بودہ است

انسان کامل کا منکر جہاں کہیں نظر آیا بلا تامل مجھے یقین ہو گیا کہ وہ یا کتا ہے یا گدھا ہے۔

نتوان یافتن بوی حسد ‌ ‌ ‌ ‌ طبعہای مختلف، ازہم مکدر بودہ است

کیونکہ ہم جنسوں میں حسد کی بو باس نہیں ہوتی ہے مختلف افتاد طبع کے حامل لوگوں میں ہی
ہوتی ہے۔

علت اضداد خلق او ج وحضیض فطرتست   زین سبب ابولہب خصم پیمبر بودہ است

مخلوق کے تضاد کا باعث انسانی فطرت کی پستی و بلندی ہے اسی وجہ سے ابولہب پیغمبر کا دشمن

اسد کے انجام کی خبر جب ان لوگوں کو معلوم ہوئی جو خان دوران کے حاشیہ نشین تھے تو یقین ہوگیا کہ یہ عذاب درحقیقت اُسی گستاخی کا نتیجہ ہے جو اس درویش کے ساتھ اس نے کیا واقعہ کے رونما ہونے سے قبل شاہ صاحب، مرزا ظریف اور بیدل کے ہمراہ اپنے گھر لوٹ لیکن ابھی لوگ ایک دوسرے سے رخصت نہیں ہوئے تھے کہ خان دوران نے ایک آدمی شاہ صا خدمت میں روانہ کیا اور ان الفاظ میں اس کی طرف سے معذرت چاہی کہ ایک عرصہ سے خاکسار کی صحبت میں رہا ہے اور حضرت کے روحانی مقام سے لاعلمی کے سبب وہ گستاخی کر بیٹھا جبکہ وہ اس کی وجہ سے موت کے آستانے پر پہنچ چکا ہے اس کی طرف سے معذرت چاہتا ہوں''

دریا دلان کہ سینہ بگوہر جلاد ہند   خاشاک را چوگل بسر خویش

اس خوشامدانہ گفتگو کو سن کر شاہ صاحب چیں بہ جبیں ہوگئے اور ان کے چہرے پر آثار نمایاں ہوگئے۔ انہوں نے فرمایا:

''بیخودان محفل غنا فارغند از اندیشہ فخر یکہ خلق مجہول بہ نیکی شاں بستایند و مقیمان گوشہ فنا، آزاد اندازتو ہم پیشگی کہ ہرزہ درایان، بعرض بدی ایشان غلو نمایند۔ اما غیرت معنی، رعایت پرور ناموس این طایفہ است، روانمی دارد کہ ہر بیبا کی، کمر بخواری و نارسائی شان بر بندد۔ وز لقلقۂ زبان، عذریکہ بدتر از اعادۂ گناہ باشد۔ بامن اباد ملامت پیوندد، فی الحال، چاؤشان بارگاہ قضا، باین تاکید حکم در دادہ اند۔ قدر اندازان عرصہ تقدیر، باین ناوک شست انتقام کشادہ کہ جان بی ایمانش، بہمان بی اعتدالی مستی قبض گردانند، و بہ تعصب گاہ اغلال و سلاسل مالک رسانند۔'' (۲۲۰)

محفل بے نیازی کے بیخود حضرات اس اندیشہ فخر و غرور سے عاری ہیں کہ مجہول عوام ستائش کرے اور گوشہ فنا کے مقیم حضرات اس وہم سے آزاد ہیں کہ یاوہ گو اور بیہودے لوگ برائیوں کو بے نقاب کرنے میں غلوٗ سے کام لیں لیکن غیرت معنی جو اس طبقے کی آبرو کی لاج رکھتی روا نہیں رکھتی کہ ہر گستاخ آدمی ان کی توہین کی ہمت کرے اور لقلقہ زبان سے ایسا عذر پیش کرے گناہ کے تکرار سے بھی زیادہ برا ہو۔ فی الحال بارگاہ قضا و قدر کے چاؤش نے تاکید کے ساتھ یہ ہے کہ اس بے ایمان کی جان اسی بے اعتدالی کے ساتھ قبض کی جائے۔

ادھر شاہ صاحب یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ خبر آئی اطبا نے اس کا سبب مرض شراب کی برودت

تشخیص کی ہے اور اس کا علاج شراب کے چند جام سے تجویز کی ہے۔ اس تجویز پر عمل کرتے ہی بند ہوگیا اور غرغر کرتا ہوا وہ اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

واقعہ کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب کبھی کوئی افسر یا حاکم علاقے کے نظم و ضبط پر ہے تو اس کا پہلا فرض یہ ہوتا ہے کہ سماج کے مختلف افراد کے درمیان عدل و انصاف اور امن و ے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ جن کا وجود معاشرے میں بدامنی کا سبب ہو ان کو دیا جائے آج یہ کام میرے سپرد ہوا ہے۔

''...فی الحال چاؤشان بارگاہ قضا، باین تاکید حکم در دادہ اند و قدر اندازان عرصہ تقدیر، باین شست انتقام کشادہ کہ جان بی ایمانش، بہمان بی اعتدالی مستی، قبض گردانند و بہ گاہ اغلال و سلاسل مالک رسانند'' (۲۲۱)

شاہ صاحب کی گفتگو سے ایسا استنباط ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ابدال سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ان بزرگوں سے وابستہ ہے جو غوث، قطب اور ابدال وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ ان ستر کے قریب ہوتی ہے، چالیس شام میں رہتے ہیں اور تیس دوسرے مقامات میں جب ان اس دنیا سے کوچ کرتا ہے تو دوسرا آدمی اس کی جگہ منتخب کیا جاتا ہے۔ (۲۲۲) اس لئے تعجب حب بھی انہیں روحانی شخصیتوں میں ہوں جن کو اس زمانے میں اڑیسہ کی حکومت ملی ہوئی علاوہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ امت محمدیہ میں سدا تقریباً چھ سو ابدال رہتے ہیں۔ اس لحاظ بہت خوش نصیب تھا کہ اس کو ایسی روحانی شخصیت کی رفاقت نصیب ہوئی۔

بہت سے لوگوں کو اس واقعہ پر اعتراض ہے۔ اور بیدل کو دروغگو کہتے ہیں لیکن بیدل نے شروع جواب دے دیا ہے کہ یہ میری آپ بیتی ہے میں کسی سے زبردستی منوانا نہیں چاہتا ہوں۔

ن زمطلب بے نیاز افتادہ است   بر حریفاں گر نخوانم انفدرہا فرض نیست

بیدل نے موقعہ کی مناسبت سے حضرات انبیاء و اولیا اور ان کے معجزات و کرامات کی روشنی ڈالی ہے یہ بحث دلچسپ بھی ہے اور وضاحت طلب بھی۔

نی کا واقعہ:

دنوں بعد ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ایک دن شاہ قاسم مرزا ظریف کے گھر تشریف لائے۔ حاضر ہوگئے اور شاہ صاحب کے گرد حلقہ بنا کر استفادہ کرنے لگے۔ شاہ صاحب ف کی باتیں بیان کرر ہے تھے کہ اچانک حکیم طاہر گیلانی وارد ہوا۔ وہ شہر کا ایک مشہور

معروف طبیب حاذق شمار کیا جاتا تھا۔ جو بیماروں کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہی اسباب مرض کا پتہ
تھا۔ وہ نہ صرف یہ کہ معالج تھا بلکہ متین طبع، پروقار اور شیریں گفتار شخص بھی تھا۔ گفتگو کرتا تو ا
الفاظ نہیں ہیں بلکہ نہایت موزونیت سے پروئے ہوئے موتی ہیں اس کے دلنشیں انداز گفتگو
صرف حاضرین بلکہ شاہ صاحب بھی متاثر تھے اس لئے شاہ صاحب نے اس کی طرف متوجہ ہو کر

''ما از حق درخواستیم تا باطنت را برنگینی ظاہر متصف گرداند۔ و آئینۂ اعتقاد ہم برتبہ صافی
کلامت رساند۔ اما غریب وقتی باینجا نبت کشید۔ و طرفہ حالتی عنانی بانظرف گرداند۔
بہر حال انجام صیقل کاری حقیقت نہفتۂ موعود است۔ و گل کردن اسرار معنیت در ضمن ہمیں
ایام معدود۔'' (۲۲۳)

ہم نے خدا سے دعا کی ہے کہ تیرے باطن کو تیری ظاہری رنگینی سے آراستہ کردے اور تیرے
آئینۂ اعتقاد کو تیرے صاف اور شستہ کلام کے رتبے تک پہونچا دے لیکن شاید ابھی اس کا وقت نہیں آیا
ہے اور تیری حالت ابھی اس کے لئے مستعد نہیں ہے۔ بہر حال تیرے انجام کی صیقل کاری ایک
پوشیدہ حقیقت ہے، جس کا وعدہ ہو چکا ہے اور تیرے اسرار معانی ان ہی چند دنوں کے اندر گل کریں گے۔

ما و تو جملہ منتظر فضل و رحمتیم　　تا شاہد قبول نصیب کنار کیست؟

ہم تم سب اس کے فضل و کرم اور رحمت و عنایت کے منتظر ہیں دیکھئے قبولیت کا معشوق کس کے
پہلو کو نصیب ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ حکیم گیلانی کا ایک فرقہ مخصوص سے تعلق تھا، اس کا باپ حکیم نورالدین بھی
مسلک کا تھا اور عرصہ ہوا دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔

اس پس منظر میں شاہ صاحب کی دعا پر غور کیجئے۔ دعا کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح خدا نے
تجھے رنگین بیان اور شیریں زبان بنایا ہے تیرے قلب کو بھی وہ ہر قسم کے باطل افکار و خیالات اور
سے پاک وصاف کردے۔

ملاقات کے تین دن بعد جبکہ شاہ صاحب کے ارادتمند اُن کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے ایک
آدمی حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ حکیم طاہر گیلانی سوداوی بحران سے دوچار ہے اور اس کا سارا
سکون غارت ہو گیا ہے، کسی کروٹ اسے قرار نہیں ہے اور حضرت سے ملاقات کا متمنی ہے۔

درخواست سننے کے بعد شاہ صاحب نے مرزا ظریف کو اپنے پاس بلایا اور بیدل کے ساتھ
کر کے انہیں حکم دیا کہ مزاج پرسی کے لئے وہ حکیم موصوف کے گھر جائیں۔ شاہ صاحب نے
ہدایت کی کہ اپنے مسلک کے بارے میں اسے ندامت لاحق ہوئی ہے اس لئے اس کی حالت دریافت

کرنی چاہئے اور اگر یہاں آنا چاہے تو اس ارادے سے اس کو باز رکھنا اور کہنا کہ دو دن اور صبر
کرے انشاء اللہ اسے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کروں گا۔

بیدل کا بیان ہے کہ شاہ صاحب کے حسب ہدایت جب ہم لوگ اس کے گھر پہنچے تو اس کے آہ
نے سو قدم پہلے ہی ہمارا استقبال کیا، جب مزاج پرسی کی تو کہنے لگا:

سچ پوچھئے تو مجھے کوئی ایسی بیماری لاحق نہیں ہوئی ہے جس کا سبب مزاجی بے اعتدالی ہو بلکہ قصہ
یہ ہے کہ جس دن سے شاہ صاحب سے میری ملاقات ہوئی ہے اپنے اندر کچھ عجیب و غریب کیفیت پاتا
ہوں جس کو نہ تو بیان کر سکتا اور نہ ہی اسے اپنے قلب و دماغ میں محفوظ رکھ سکتا ہوں۔ زبردست کشمکش
سے دوچار ہوں کسی طرح چین نہیں ملتا۔ ''گھر سیلاب کے دوش پر ہے، خاک یاس کو سر پر اُڑانے کے
سوا تدبیر کہاں۔ پیداوار بجلی کے رحم و کرم پر ہے گداز کے سوا آبیاری کی امید کسے ہے'' مجھ پر ایسی
حالت طاری ہوئی ہے کہ شاہ صاحب کی توجہ کے بغیر ممکن نہیں بخیر و عافیت اس سے بچ نکلوں آپ لوگ
چونکہ شاہ صاحب کے محرم راز ہیں اس لئے یہ حیرت انگیز واقعہ بیان کر رہا ہوں۔

عرصہ ہوا میرے والد نورالدین جو خود بھی طبیب تھے، اسی باغیچہ کے صحن میں سپرد خاک
ہیں۔ بیٹے ہونے کے حق کی بنا پر جو باپ کا اولاد پر ہوتا ہے روزانہ شام کو فاتحہ خوانی کے لئے وہاں جاتا تھا۔
کل جس دن شاہ صاحب کی محفل سے واپس لوٹا، حسب معمول شام کو ان کے مزار پر گیا، وہاں کی بدبو سے
دماغ پھٹنے لگا اور ایک عجیب و غریب پیکر نظر آیا جیسے کوئی عضر یت قبر سے سر اٹھا رہا ہو، غور سے دیکھا
تو ایک ریچھ ناپسندیدہ شکل میں بیٹھا نظر آیا اور اس قدر کالا کلوٹا تھا جیسے کالے پانی میں اسے غوطہ دیا گیا ہو
حالانکہ وہاں ایسی جگہ نہ تھی جہاں ریچھ کا تصور بھی کیا جا سکے اس کا وجود تو دور رہا۔ اس لئے میری عقل نے
مجھے اس نکتے کی طرف متوجہ کیا کہ یہ واقعہ اصل میں ایک درس عبرت ہے جس کے ذریعہ مجھے اپنے مذہبی
عقائد کی چھان بین کرنی چاہئے۔ بہر حال اس ناپسندیدہ اور کریہہ منظر کو دیکھ کر جونہی واپسی کا ارادہ کیا
ریچھ نے مجھے آواز دی:

طاہر! میں تمہارا باپ نورالدین ہوں۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جو شکل تم دیکھ رہے ہو
یہ اس اعمال کی صورت ہے جس سے عبرت لینے کی ضرورت ہے یہ درحقیقت اس معصیت کا انجام ہے
جس کو میں اپنی دانست میں طاعت سمجھتا رہا اور اس بدنصیبی کا ثمرہ ہے جسے اپنے خیال میں خوش نصیبی
تصور کرتا رہا۔ (بیدل کے الفاظ میں) ہنوز استقبال موجودہ عذاب سے آفتاب قیامت کے استقبال کا
منتظر ہوں اور یوم معہود کے انتظار میں طرح طرح کی سزائیں بھگت رہا ہوں... جو عذاب میں
جھیل رہا ہوں کسی قیدی کو نہ ہوا اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کسی کافر کو نصیب نہ ہو۔''

نورالدین کے عبرت آمیز بیان سے اس کالڑکا حکیم طاہر گیلانی اتنا خوفزدہ ہوا کہ اس کے
اڑ گئے۔ وہ مرزا ظریف سے بولا:

''ان الفاظ کو سن کر اور یہ منظر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے، میں بے ساختہ زمین پر گر گیا،
دوستوں نے اٹھا کر مجھے بستر پر لٹایا۔ تب سے میں اس طرح وقت گزار رہا ہوں کہ کسی کروٹ
ہے، انکھیں کھولتا ہوں تو وہی منظر نگاہوں کے سامنے گھومتا ہے اور بند کرتا ہوں تو وہی سماں
پھرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حالات میں یہ انقلاب شاہ صاحب کی توجہ اور تصرف کا نتیجہ ہے۔
ہوں میری بقیہ زندگی بھی اگر اسی نہج پر گزری تو برے انجام میں کوئی شبہ نہیں۔ براہ کرم
حالات سے شاہ صاحب کو آگاہ کیجئے اور ان سے میری نجات کی درخواست کیجئے میں اپنے کرتوت
توبہ کرتا ہوں۔

بیدل لکھتا ہے کہ شاہ صاحب کے حسب ہدایت میں نے اس سے کہا دو دن اور صبر
ہے کہ آپ کا انجام بہتر ہوگا۔ واپسی پر اس کی ساری رام کہانی شاہ صاحب سے بیان کی۔

اس واقعہ کے تیسرے دن صبح کو جبکہ احباب اپنے معمولات سے فارغ ہو رہے تھے
برپا ہو کہ حکیم طاہر گیلانی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ شاہ صاحب پر نظر پڑتے
طرح نعرہ لگاتے ہوئے اس نے جست لگائی اور سر خاک پر رکھ دیا۔ شاہ صاحب نے اسے
میں لے لیا اور بڑی شفقت سے اپنے سامنے بٹھایا، شاہ صاحب کے محبت آمیز برتاؤ نے گو یا
مردہ جسم میں جان ڈال دی تھی حکیم طاہر زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

ای خوش آنحال کہ چوں بر تو نظر بکشایم — ہر نفس چوں نفس از خود روم و
بخیال تو چناں گم شوم از ہستی خوبش — کہ عدم ہم نتواند کہ

شاہ صاحب کی عنائتیں جتنی زیادہ اس کے حال پر ہوتیں اس کے اعضا میں
رعشہ طاری ہوتا اور حسرت آمیز زبان سے کہہ رہا تھا۔

''روز در کسب ضلالت شب کردہ ام و بمز در حمت روی توقع آوردم بر غفلت حالم ترحمی
بحیرت کارم تبسمی''

گمراہی کے حصول میں دن رات ایک کر دیا ہے اور رحمت و عنایت کی آس
ہوں، میری غفلت پر ترس کھائیے اور میری حیرت پر تبسم فرمائیے۔

آہی ہمہ تن یاس بیار آمدہ ام — فرصتی سوختہ بر دوش
[مجسم ہوں آہ کا اور ہو کے سراپا اک یاس — ہوا حاضر ہوں ترے در پہ او

ہوں فرصت بریاں، پھر بھی — ہو کے کاندھے پہ شرر کے ترے آیا میں پاس]
خاشاک من آوارۂ گرداب عدم — از پی سوختن اکنوں بکنار آمدہ ام

''مروز از چراغ زندگی پرتو نفسی باقیست آغوش کشای وداع امید۔ واز سحاب فرصت عرق
درنظر آبیار انفعال جاوید'' (۲۲۵)

چراغ زندگی کی ایک لو باقی ہے جو وداع امید کے لئے اپنی آغوش وا کیے ہوئے ہے اور
پیشانی کا پسینہ دائمی ندامت کی سیرابی کراتا ہے۔

شاہ صاحب کی زبان پر بے ساختہ مغربی کے درج ذیل اشعار تھے۔

جام جہان نمای ذاتیم — ما ہادی عالم صفاتیم
مردہ بیا کہ روح بخشیم — کو تشنہ؟ درا کہ ما فراتیم (۲۲۶)
[ذات کے اک جام جہاں نما ہم — اور صفات کے اک رہبر و رہنما ہم
مردہ کہاں کہ بخشیں اسے روح — ہے تشنہ کہاں کہ پلائیں اسے ہم]

اس کے بعد فرمایا:

''ای حکیم! زمین تا آسمان یک در فیض تصور کن کہ بار بودن از تسلیم حلقہ اش ابدا سر نخواہد
... از نمودن ہرگز پیرامن خیالش نتواند گردید تا بستگی این در، دلیل وسعت آغوشی شخص
... است۔ و کشادگی این بنگاہ، حجت دستگاہ فضل و کرامت۔ مغفرت پر بہانہ جوست۔
... التفات خو۔ اینجا عقدہ ہای غفلت، بیک آہ ندامت، نقاب دل آگاہی می کشاید۔
... خواب، در یک مژہ باز کردن، مد نگاہی بر می آید۔ تا رعونت سری در پیش افگند آداب
... سرکشی، فال خمیدنی زند محراب۔
... کہ ندامت غبار اشکت نوید یست از شستنیہای رقم سیاہکاری۔ و یاس آہنگی توبہ
... از ساز محفل رستگاری۔ شاہد فضل چقدر مشتاقت بود کہ نقاب آں حقیقت بچشم
... وعرض ظہور این ہدایت، از شکنجہ قید اوہام وا رہانیدنست و بہ وسعت آباد سر
... سانیدن۔ ہر کرا برگزیدند باین دقت گرد این حالش برایند و ہر کرا بنوازند، باین
... نمایند۔'' (۲۲۷)

شاہ صاحب کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ گناہ چاہے جتنا ہو بندہ جب توبہ کرتا اور اس پر ندامت کا
... رحمت اس کے حال پر متوجہ ہوتی ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے۔ خوشی کی بات یہ
... ندامت اور توبہ کی توفیق فرمائی۔

اس کے بعد اسے کلمہ شہادت کی تجدید کرائی اور اپنی چادر عنایت کی۔ چاروں طرف مبارکباد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حکیم طاہر نے نیازمندی سے عرض کیا کہ حضرت نے جو عطا فرمایا ہے اس کے شکر میں اگر ہر سانس میں ہزار رکعت بھی ادا کریں تو کم ہے اور خاکسار کو دو سانس سے زیادہ مہلت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اجازت مطلوب ہے کہ اپنے گھر جا کر دو کروں۔ شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا: ''ایسے نیک کاموں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔'' بعض دوستوں نے اس کے گھر تک اس کا ساتھ دیا۔ جونہی وہ وہاں سے واپس ہونے لگے رونے کی آواز بلند ہوئی کہ حکیم طاہر رکوع کی ادائیگی کے بعد ابدی سجدے میں پہنچ گیا۔ شاہ صاحب ہمراہ سارے احباب اس کے گھر گئے اور اس کی تجہیز و تکفین کی ساری ذمہ داری خود شاہ صا اپنے سر لی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے سپرد خاک کیا۔

ہمچو اخوان عمر ہا دربند غفلت صرف کرد　　یوسفی در جلوه آمد تا بروں از
درد پیدا کن کہ این دریا سراسر مرہم است　　نیست محروم اجابت گر خموشی

یوسف کے بھائیوں کی طرح ساری زندگی اس نے غفلت میں گذاری۔ یوسف جلوہ وہ (غفلت کے) کنواں سے باہر نکلا۔ دردِ عشق پیدا کر کہ یہ دریا سراسر وہم ہے اگر خاموشی آہ تو اجابت و قبولیت سے محروم نہیں رہتی ہے۔

یہ تھا دوسرا واقعہ۔ مشہور محقق قاضی عبدالودود صاحب نے ایک انٹرویو میں جو راقم میں دیا، اس واقعہ کی بنیاد پر بیدل کو دروغ گو کا لقب دیا۔ ایسا لگتا ہے کہ بیدل کو بھی اندازہ تھا ہیں اور آیندہ بھی ہوں گے جو اس قسم کے مشاہدات پر یقین نہ کریں گے اسی وجہ سے اپنے تجربات مشاہدات کے بارے مین چوتھے عنصر میں صاف لفظوں میں اس نے کہا۔

سرگزشت من زمطلب بی نیاز افتادہ است　　گر نخوانم بر حریفان آنقدر ہا فرض نیست

بہر حال یہ اس کے ذاتی مشاہدات تھے اور ذاتی مشاہدات دوسروں کے لئے حجت ہوتے۔ شاہ صاحب کے اور بھی واقعات ہیں جو بڑی حد تک ان کے کرامات سے وابستہ ہیں اور جن کو ان کے روحانی مقام کی تعیین کے لئے بیدل نے ذکر کئے ہیں۔ راقم السطور نے لحاظ رکھا ہے کہ صرف وہ واقعات یہاں ذکر کئے جائیں جنہوں نے بیدل کی روحانی، فکری ارتقا میں اہم رول ادا کئے ہیں۔

بیدل لکھتا ہے کہ ایک دن شاہ قاسم مرزا ظریف کے گھر قیام پذیر تھے اور حاضرین مشہور شاعر والہ ہروی بھی شامل تھا، اپنی صحبت سے فیضیابی کا موقعہ فراہم کئے ہوئے تھے۔

نے صنایع و بدایع سے متعلق بہت سے اہم نکات بیان کئے۔ گفتگو کا سلسلہ آخر صنعت پہونچا۔ بیدل نے اس کی تعریف یوں لکھی ہے۔

صنعتی است در سلک ہر مصرع رشتہ یک لفظ مملوی جواہر نقط و لفظ دیگر از بی گوہری ہماں رشتہ در قطار۔ رعایت ہمیں نسق در مراتب حروف ابیات و ضوابط ہماں قاعدہ بترتیب درجات۔'' (۲۳۰)

ایک صنعت ہے جس کے اندر مصرع کی لڑی میں ایک لفظ نقطہ دار تو دوسرا نقطے سے خالی کے حروف میں اس نظم و ترتیب کی رعایت رکھنے کا نام ''خیفا'' ہے۔

''اصل میں اس گھوڑی کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ سیاہ اور دوسری سفید ہوتی ہے اور اسی شعر کی اُس صنعت کو کہا جاتا ہے جس میں ایک لفظ نقطہ دار اور دوسرا بغیر نقطے کا ہوتا بیان ہے کہ جبکہ شاہ صاحب اس صنعت سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے طبعیت اس میں طبع آزمائی کی کوشش کر رہی تھی جو بالآخر کامیاب ہوئی:

رشک آید زگرد یار گردیدن　　کہ خواہم زین الم آخر زبان مار گردیدن

کے محبوب کی گردن کے گرد طواف کرنے پر مجھے رشک آتا ہے اس تکلیف کی وجہ سے زبان بن جاؤں گا۔

بازندہ شد رنگ رخش آخر　　چراغان کرد جوش خط زشام تار گردیدن (۲۳۱)

شرم کے اس کے چہرے کے رنگ پر پسینہ چھوٹنے لگا خط کے جوش نے شام کے تیرہ و کی وجہ سے چراغاں کیا۔

ر یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ مذکورہ بالا دونوں ابیات میں صنعت خیفا کی رعایت رکھی ی نے اس کی مثال میں درج ذیل شعر لکھا ہے۔

الم شد او بہ بخشش و مال　　تیغ او زینت ممالک شد)

کے باذوق حضرات نے اسے سراہتے ہوئے کہا:

زد فطرت قدمای این فنون راہ طرز یکہ ناپیودہ تواند بود، بعید می نماید۔ یا عقدہ طر قدرت سلف نکشودہ تواند نمود، کمتر بامتحان می آید۔ اما زمزمہ ہای این نوا تازہ خورد۔ ہمہ حال طبیعت سحر آفرینت ہر چہ نگارد۔ و خیالات قیامت کمین از ہر آرد۔'' (۲۳۲)

کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم شعرا نے تمام تر شاعرانہ ذوق اور طبع رسا رکھنے کے

باوجود اس راستے میں قدم نہیں رکھا اور جنہوں نے رکھا انہیں بہت کم کامیابی ہوئی لیکن تمہارے
سے ایسا لگتا ہے کہ تم ایک غیر معمولی شاعرانہ ذوق اور طبع رواں کے مالک ہو اور اس میں بہت
لئے ہو۔ شاہ صاحب نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''دانایان فن بلاغت مجرد وزن وقافیہ پیمائی را در ہر طرب بہم سنگی معانی کمال سنجیدہ اند۔
وسستیہای عبارت را نیز درین مقام بصد محکمی بنای فطرت برگزیدہ۔ بی تکلف صوت
تمثال این مضمون، از آئینہ صنایع حیرتست وشگفتگی این رنگ عبارت از حدیقہ بدایع
قدرت'' (۲۳۳)

یعنی فن بلاغت کے عالموں نے وزن آرائی اور قافیہ پیمائی کو اس شکل میں کمال
ہم آہنگ کیا ہے اور عبارت کی سستی کو بھی اس موقعہ پر سیکڑوں استواری سے ہمکنار کیا ہے۔
کی صورت بلاشبہ ضایع حیرت کے آئینے سے وابستگی رکھتی ہے اور اس عبارت کی شگفتگی
کے حدیقے سے تعلق رکھتی ہے۔

شاہ صاحب کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل اس وقت جبکہ آستانہ جوانی
رہا تھا (کوئی ۱۷ سے ۱۹ سال کی عمر میں) کسقدر پاکیزہ شاعرانہ ذوق اور طبع موزون
شاعری اور اس میں بھی صنعت ''خیفا'' کا استعمال کامیابی سے کر سکا جبکہ اچھے اچھے شاعر
رہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشکل صنعت کے استعمال سے شعر کا مضمون ہی خبط ہو جاتا ہے
صنعت اور مضمون میں ہم آہنگی کی کوشش کلام میں سستی عبارت پر منتہی ہوتی ہے لیکن بیدل
میں کامیاب و کامران نکلا۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب نے اس کی بڑی تعریف کی۔
صاحب کی بیدل کی کامیابی کے لئے دعا اثر سے خالی نہیں جاسکتی تھی۔ غرض شاہ صاحب
بیدل نے ضایع وبدایع سے متعلق بہت سے نکات سیکھے۔

جس زمانے میں بیدل شاہ صاحب کی صحبت سے استفادہ کرنے میں مصروف
کے لئے اس کو کسی کام سے شاہ صاحب کی صحبت سے غیر حاضر رہنے کا اتفاق ہوا۔
کتاب کے مطالعہ سے وہ اپنا دل بہلاتا تھا۔ ایک دن وہ مجموعہ رسائل تالیف ابوبکر شبلی
جو کسی دوست کے ذریعہ اسے ہاتھ لگا تھا اور جس میں سلوک وعرفان کے مسائل بیان
اچانک شاہ صاحب نے پہنچ کر پوچھا۔

''ازین مکتوب کدام نکتہ مسرور وقت ساخت وازیں سطور چہ نقطہ بدل نشینی
پرداخت'' (۲۳۴)

یعنی اس کتاب کی کونسی بات تم کو اچھی لگی اور اس کے سطور کا کونسا نقطہ تمہارے دل میں اتر کر

بیدل نے جواب دیا:

''مدتہا رشتہ اندیشہ عقدہ داشت وخامہ تامل ترددی می نگاشت۔ امروز از مطالعہ کلام تحقیق
انجام شیخ طریقت شبلیؒ، آن عقدہ بکشایش مقرون گردید وآن تردد، بمضمون تسلی انجامید کہ
فرمودہ است۔: التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن غیر و لا غیر۔''

یعنی عرصہ سے رشتہ اندیشہ کو ایک گرہ سے سابقہ تھا اور خامہ تدبیر پریشان نگاری کیا
تھا۔ آج شیخ طریقت حضرت ابوبکر شبلیؒ کے کلام تحقیق انجام کے مطالعہ سے وہ گتھی سلجھی اور وہ
دور ہو کر تسلی ہوئی، انہوں نے فرمایا:

التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن غیر و لا غیر

تصوف شرک ہے اس لئے کہ وہ دل کو غیر اللہ کے تصور سے محفوظ رکھنے کا نام ہے اور غیر کا کہیں
وجود نہیں ہے۔

بیدل کے اس بیان کو سرسری نظر سے پڑھ کر نہیں گزرنا چاہئے بلکہ اس کے عارفانہ افکار وخیالات
ست انقلاب کا سرچشمہ اسے کہنا چاہئے۔ جس پر آگے چل کر تفصیل سے بحث ہوگی۔

حضرت شبلیؒ کے خیال کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کی مشہور تعریف یہ ہے کہ دل کو حق سبحانہ تعالی
کے علاوہ کسی اور کے تصور سے پاک صاف رکھا جائے۔ اس تعریف پر لازم آتا ہے کہ ''عین'' اور ''غیر''
چیزیں ہیں اور دل کو ''عین ذات'' سے وابستہ رکھنے کے لئے لازم ہے ماسوا سے خود کو دور
حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ جب ''ماسوا'' یا ''غیر'' نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ دنیا اور جو کچھ دنیا
سب وہی ذات حق ہے، پس 'غیر' کے قایل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ دل کے تصور کدہ میں
ذات' اور غیر ذات'' دونوں موجود ہیں، اگر چہ ایک مثبت اور دوسرا منفی شکل میں ہے۔ یہ بات تو
ور ایک خدا کی پرستش کے سراسر خلاف ہے، اور جو چیز 'یکتا پرستی' کے تقاضوں کے خلاف ہو
لہذا اس تعریف کی رو سے تصوف 'شرک' ٹھہرتا ہے لیکن ظاہر ہے اس طرح کی باتیں عام
جذبی کیفیت میں بزرگوں کی زبان سے نکلتی ہیں ورنہ کلمہ لا الہ الا اللہ میں خود اول نفی غیر اللہ
اور پہلے بھی ایسے لوگ رہے ہیں، آج بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے جو غیر اللہ کی پرستش
چنانچہ نماز کی ابتدا میں ہم لوگ ''ثنا'' پڑھتے ہیں، اس میں ایک جملہ ''لا اِلہٰ غیرک'' کا

بہر حال بیدل کے اس بیان نے کہ حضرت شبلی کے اس ارشاد نے میری گتھی سلجھا دی یہ واضح کر دیا کہ اس وقت سے اس نے ''ہمہ اوست'' یا ''وحدت الوجود'' کے عقیدے کو اپنے کلام کا مخصوص اور اہم موضوع قرار دیا۔ جبکہ پچھلے حالات کو سامنے رکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ یہ دوسرا موقعہ تھا جب مسئلہ ''وحدت الوجود'' سے وہ اتنا متاثر ہوا۔ درج ذیل غزل اسی خیال کا نمائندہ ہے۔

اینقدر رگ وہم وظن، اعراض و جوہر ریختند   چشم واکن تا چہ صہبا از چہ ساغر ریختند

وہم وظن (جسکا وجود محض خیالی اور ظنی ہو) عرض (قائم بہ غیر) اور جوہر (قائم بالذات) اگر اتنی کثیر تعداد میں دنیا میں پھیلا دیے ہیں تو آنکھیں کھول کر دیکھو کون سی شراب کسی ساغر سے ٹپک رہی ہے۔

گفتگوی عشق شیریں کار بی تکرار بود   شیرہ این قند بیکاران مکرر ریختند

عشق شیریں کار کی گفتگو غیر مکرر تھی بیکاروں (عاشقوں) نے اس قند کا شیرہ بارہا گرایا ہے۔

دم مزن از اصطلاح طوطیان این قفس   یعنی این شیریں نوایاں سخت شکر ریختند

اس قفس کے طوطیوں کی اصطلاح کا دعوی مت کرو یعنی ان شیریں نواؤں نے بڑی مقدار میں شکر چھینٹ دی ہے۔

شاہ صاحب نے بیدل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''چندی تماشائی این مجمع اسرار بایدت بود و این مصاحب قدیمی را انیس خلوت مایل بایدت نمود، امید کہ باین لطایف کلمات دیگر نیز در رفع حجاب معانی، امداد فرماید و چشم یقینیت مطالعہ نسخہ تسلی کشاید۔'' (۲۳۵)

یعنی تمہیں چاہئے کہ اس مجموعہ اسرار (رسائل ابوبکر شبلی) کے کچھ دنوں تماشائی بنو اور اس قدیم مصاحب کو انیس خلوت قرار دو امید کہ اسی قسم کی دوسری لطیف باتیں معانی کے چہرے سے حجاب دور کرنے میں تمہاری مدد کریں اور تمہاری چشم یقین کو نسخہ تسلی کا مطالعہ نصیب ہو۔

شاہ صاحب کے حسب ہدایت بیدل نے اس کا پوری طرح مطالعہ کیا اور اس سے خاطر خواہ فایدہ اسے پہونچا۔ اس کے بہت سے شبہات دور ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ بعض صوفیانہ اصطلاحات سے واقف بھی ہوا۔ لکھتا ہے:

''خون گشتن آثار شبہات رنگ چہرہ یقین افروخت و خاکستر شعلہ اوہام صفای آئینہ ادراک اندوخت۔ باری طبیعت بیگانگی امتزاج، با بعضی از مصطلحات این طایفہ آشنائی بہم رسانید تا بقدر مناسبت، در فہم عبارات قاصر نماند۔ و از درسگاہ استفہام، سطور نارسائی محض نخواند۔ (۲۳۶)

یعنی آثار شبہات کے خون ہونے سے چہرہ یقین کا رنگ چوکھا ہو گیا شعلہ اوہام کی راکھ نے آئینہ ادراک کی صیقل گری کی۔ غرض تصوف سے بیگانہ طبیعت کو اس طایفہ صوفیہ کی بعض اصطلاحات سے آشنائی حاصل ہوئی تا کہ مناسبت طبع کے بقدر ان کی عبارتوں کے سمجھنے میں قاصر نہ رہے اور درسگاہ [illegible] اسے نارسائی محض کے سطور کا مطالعہ نہ کرے۔

بیدل کے بیانات سے ایسا مستفاد ہوتا ہے کہ ''مجموعہ رسائل'' نے اس کے افکار و خیالات کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا۔ چنانچہ اس کتاب کا ایک انتخاب تیار کرنے کے بعد اس نے ایک مفصل تقریظ کے ساتھ ملحق کیا جس کے دو اشعار درج ذیل ہیں:

دارد این نسخہ از علوم کمال   یابس و رطب چوں کتاب مبین

بزم ہوش از لطایفش روشن   باغ فہم از معارفش رنگین

اس کے بعد اسے شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا، شاہ صاحب نے اسے سراہا۔ اس منظوم تقریظ کے ذریعہ بیدل نے اپنی جس شاعرانہ لیاقت اور خداداد صلاحیت کا اظہار کیا اس سے شاہ صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ اسی دن مرزا ظریف کو بلا کر بیدل کے بابت فرمایا:

''پیش از یں خبر دادہ ایم کہ حقیقت کمال در پردہ این لعبت بازگرم شغل طوفان سازیست۔ و معنی قدرتی، در کسوت این نقطہ موہوم، مستعد قیامت طرازی۔ ہر چند احوال ظاہرش، در نظر بیکار وا می نمایند۔ اما روی باطنش، ابواب فواید عظیم می کشایند۔ باید دانست کہ در میخانہ استعداد، تا دماغ ہستی بنشہ تحقیق نمی رسد، باین کیفیتش آشنا نمی سازند و نارسا فطرتی، محرم نغمات یقین نمی گردد، باین آہنگیش نمی نوازند۔ (۲۳۷)

اس سے پہلے بھی میں نے تم کو بتایا ہے کہ اس مجازی کھلونے کے پردے میں حقیقت کمال طوفان سازی میں سرگرم کار ہے اور اس نقطہ موہوم کے لباس میں مفہوم قدرت قیامت طرازی کے لئے پوری طرح آمادہ ہے۔

اس کے حالات اگرچہ بظاہر از کار افتادہ نظر آتے ہیں تاہم اس کے چہرہ باطن پر عظیم فواید کے دروازے کھل رہے ہیں۔ واضح رہے کہ استعداد کے شراب خانے میں دماغ ہستی جب تک نشۂ تحقیق تک رسائی حاصل نہیں کر لیتا اس کیفیت سے اسے آشنا نہیں کرتے اور فطرت رسا یقین کے نغموں کا جب تک محرم نہیں ہو جاتی ہے اس آہنگ سے اسے نہیں نوازتے۔

شاہ صاحب کے بیان سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ بیدل اس وقت تک غیر معمولی صلاحیت اور شاعرانہ لیاقت کا حامل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے بیدل کے قطعے کو اپنے ہاتھ سے

لکھ کر اس نوٹ کے ساتھ شاہ نعمت اللہ فیروز پوری کے پاس جو بلند پایہ مشائخ میں تھے اور شاہ قاسم سے ان کے خوشگوار دوستانہ تعلقات تھے، روانہ کیا کہ:

''خموشی نشہ ورابجد درس سلوک بایں نطق لب کشودہ است۔ وتحیر آئینہ در آغاز کسب شہود صورت این تمثال وانمودہ۔ از آنحضرت نیز ملتمس دعاست۔ اثر انتفاع بنای فطرتش گماشتن است۔ ورشحہ امدادی بہ پرورش نہال معنیش مبذول داشتن۔'' (۲۳۸)

خموشی نشا (بیدل) نے درس سلوک کے ابجد ہی میں اس کلام کے ساتھ لب کشائی کی ہے تحیر آئینہ نے کسب شہود کے آغاز ہی میں اس تمثال کی صورت دکھائی ہے۔ جناب والا سے بھی درخواست ہے، بہرہ یابی کا اثر اس کی فطرت کی بانسری سے وابستہ کیجئے اور امداد کی قطرہ اندازی سے اس کے نہال معنی پر توجہ فرمایئے۔

اور شاہ نعمت اللہ صاحب نے اس طرح جواب دیا:

''کار صاحب ایں کلام باہمہ نقص تمام است۔ وآغاز رہروان این مراتب، در ہر طریق بہار انجام۔ آہنگ عندلیبی کہ باین کفیت، منقار رنگین نوای کشاید۔ وعالم افروز چراغیکہ این بسط دامن پرتو آراید۔ (۲۳۹)

اس شاعر کا کلام اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود کامل ہے اور اس منزل کے رہرو کی ابتدا ہی سے بہار انجام ہے۔ یہ اس بلبل کی آواز ہے جس نے اس کیفیت کے ساتھ رنگیں نوائی کے لئے منقار کھولی ہے اور یہ وہ عالم افروز چراغ ہے جو اس کشادگی دامن کے ساتھ پرتو آرائی کر رہا ہے۔

ان بزرگوں کے ارشادات کی نقل سے مقصود یہ پتہ لگانا ہے کہ بیدل نے فکری اور ادبی ارتقا کے مراحل کس طرح طے کئے اور اس کے شاعرانہ ذوق کی آبیاری اور اس سطح کے بلند کرنے میں در پردہ کیا عوامل کارفرما رہے ہیں اور سب سے زیادہ اہم نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ بنی نوع انسان کے ان مخلص خیرخواہوں کا جو ہر قابل کی پرورش اور اس کی حوصلہ افزائی میں کتنا بڑا رول ہوا کرتا ہے جیسا کہ ابھی شاہ نعمت اللہ کا مقولہ اوپر گزرا

''کار صاحب این کلام باہمہ نقص تمام است''

ظاہر ہے جس میں نقص اور خامی ہو اسے ہم کامل کس طرح کہہ سکتے ہیں پس لامحالہ یہ ماننا پڑے گا شاہ صاحب کا مقصد اس پوشیدہ جوہر کی حوصلہ افزائی تھی جو بیدل کو قدرت نے عطا کی تھی تاکہ وہ اسے پنی لگاتار مشق سے ترقی دے سکے۔

شاہ قاسم ہواللہی کی صحبت سے استفادے کا سلسلہ خواب میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ بیدل لکھتے

[illegible] ت میں خواب کی آغوش میں پڑا ہوا تھا، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک پورا مجمع شاہ صاحب کے گرد [illegible] کا سلسلہ جاری ہے یہاں تک کہ ''حیا'' کا تذکرہ چھڑ گیا۔ ہر آدمی اپنے اپنے خیال اور [illegible] مطابق اس کی تعریف کر رہا تھا اچانک میری طرف متوجہ ہو کر شاہ صاحب نے پوچھا:

[illegible] یں عالم بخاطرت چہ گذرد؟''

[illegible] یعنی اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

[illegible] اپنے ساتھ شاہ صاحب کے برتاؤ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیدل نے لکھا ہے کہ مجالس میں جب کبھی کوئی بات چیت ہوتی اور کوئی نکتہ احباب کو بہت پسند آتا تو شاہ صاحب میری طرف [illegible] کرتے: موقع ومحل کی مناسبت سے کوئی شعر کہو یا مناسب نکتہ بیان کرو'' اور میں حسب [illegible] کرتا تو حاضرین مجلس اس پر نعرہ ہای تحسین بلند کرتے۔ خواب کے عالم میں جب شاہ صاحب [illegible] فرمائش کی تو یہ خیال آیا کہ اس سلسلے میں اپنے خیال کا اظہار شاہ صاحب کے حضور لب کشائی پر محمول ہوگا اور ان کا ادب اس کی اجازت نہیں دیتا حتی کہ ایک اشارہ بھی اپنی ہنرنمائی اور [illegible] کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ اسی کشمکش میں تھا کہ ایک طرف ان کی فرمائش لب کشائی پر [illegible] تھی دوسری طرف ادب واحترام خاموشی کا تقاضا کر رہا تھا سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کروں کیسے [illegible] کے ساتھ زیر بحث موضوع بھی میرے دل ودماغ میں پیچ وتاب کھا رہا تھا کہ اچانک [illegible] شعر [illegible] ذہن پر نمایاں ہوا اور میں نے شاہ صاحب کو سنایا۔

''حیا'' خواندم نگہ در گرد خط ماند ادب کر دم، رقیمہ در نقط ماند

[illegible] یہ سارا ماجرا خواب کی دنیا میں پیش آیا۔ کچھ عرصے کے بعد ایک دن شاہ صاحب کی مجلس میں [illegible] دستور سابق منقد ہوئی تھی ''تذکرۃ الاولیا'' پڑھی جارہی تھی۔ سارے حاضرین توجہ سے سن [illegible] حضرت بایزید بسطامیؒ کا تذکرہ آیا، کوئی ارادتمند ان کی زیارت کے لئے آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ [illegible] نے کے سامنے زرد پانی بہہ رہا ہے۔ اس نے دریافت کیا حضرت! یہ کیا ہے؟ شیخ نے [illegible]

[illegible] تحقیق مخموری تر زبان مسئلہ حیا، بودو بذوق نشۂ تسلی ساغر سوالی می پیمود۔ گردش پیمانہ بیان [illegible] داب گزارش انداخت تا درین صورت، سنگ بنای ہستی، بطوفان عرق در باخت۔ [illegible] حقیقت تمثال تخیلی است، باین ہیئت دماغ تسکین رسانیدہ، وشخصی توہمی، باین کیفیت، [illegible] آئینۂ تحقیق گردید۔ (۲۴۰)

[illegible] ایک دن ایک آدمی نے داخل ہو کر مسئلہ ''حیا'' کے بابت دریافت کیا (کہ اس کی تعریف

کیا ہے؟) شیخ نے اس کا جواب دیا تو وہ آدمی پانی میں تبدیل ہوگیا، ایک دوسرا آدمی آیا ... آستانے پر دیکھ کر کھڑا ہوگیا اور پوچھا: شیخ یہ کیا ہے انہوں نے فرمایا: ایک آدمی نے اکرُحیا' ... مجھ سے سوال کیا میں نے جواب دیا تو وہ اس کی تاب نہ لا کر یوں پانی میں بدل گیا۔

بیدل کا بیان ہے کہ اس نکتے پر غور کے دوران مجھے یہ نہیں سمجھ میں آرہا تھا کہ کس ... الفاظ کے جامے میں پیش کروں۔ اس خیال کے صفحہ ذہن پر ابھرتے ہی شاہ صاحب نے فرمایا:

''حق آنست کہ تو آن شب نظم معروض داشتی اما در طریق بیان اشارات بسیار است ... حرف وصوت، عبارات بی شمار۔'' (۲۴۱)

یعنی حق تو وہی جو تو نے اس رات کو نظم کی شکل مین پیش کیا البتہ انداز بیان کا فرق ہو... حرف وصوت سے آزاد بھی عبارتیں ہوتی ہیں۔

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب کا دل ٹھیک آئینے کی طرح تھا جس پر دو... دل کے واردات کا عکس نمایاں ہو جاتا تھا۔ یہاں موقع ومحل کی رعایت سے بیدل نے مسئلہ'' ... بھی بحث کی ہے اور اس کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی ہے اسے پانچویں باب ''بیدل ... خیالات'' کے ضمن میں بیان کریں گے۔

شاہ قاسم ہواللہی اور ان کی خدمت سے بیدل کے استفادے کا تذکرہ قدرے طویل ... گیا لیکن بیدل کی شخصیت کی شناخت اور اس کی فکری اور ذہنی ارتقا بلکہ بیدل ہی کے الفاظ میں ... شخصیت کی وانمودی'' کے لئے اس کا تفصیلی تذکرہ کرنے پر ہم مجبور تھے۔ شاہ صاحب سے اپنی ... اور حق شناسی کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بیدل لکھتا ہے۔

''الحاصل این ناکس جهان اعتبار بہ یمن نگاہ کرم دستگاہش صاحب اقبال شہرت گیتی گردید۔ واین مشتی گیاہ بی مقدار از رشحہ سحاب توجہش آبروی قدرت طوبی بہم رسانید۔ ہم درخور بزرگیہای کیمیای اوصافش بود کہ ذرہ را بہ آفتابی می ستود وقطرہ را محیط وانمود۔ و ... از قانون عاجز نوازیہای اوست کہ امروز ساز بیدلی بہ ہزار آہنگ استغنای ناز دوحزینی نالہ بیکسی بہ چند نوا علم بی نیازی می افرازد۔

تا بہار زندگی دارد سرو برگ نفس — موبمویم آشیان سجدۂ تسلیم وست
مرگ ہم زاں آستاں مشکل کہ سازد غافلم — ہر قدر خاکم ہوا گیرد، ہمان تعظیم وست
رنگ گل تا شوخی سنبل بہار آلودہ است — انچہ از اندیشہ ام گل می کند تعلیم اوست

جہاں اعتبار کا یہ ناچیز ان کی نگاہ کرم کی برکت سے صاحب اقبال شہرت گیتی ہوگیا ...

... مٹی بھر خاک ان کے ابر توجہ کی بوندوں سے قدرت طوبی کی آبرو بن گیا۔ ان کے کیمیائے ... بزرگی کے لایق تھا کہ ذرے کو آفتاب کہہ کر تعریف کرتے اور قطرے کو سمندر بتاتے۔ ان ... (نوازی) کے راگ کی بات ہے کہ آج ساز بیدل استغنا کے ہزاروں آہنگ پر فخر کرتا ہے اور ... کی غم آگیں کی صدا سے علم بے نیازی بلند کرتا ہے۔

۱۔ سرو برگ نفس میں جب تک زندگی کی بہار برقرار ہے میرا بال بال ان کے سجدۂ تسلیم کا ... ہے۔ ۲۔ موت بھی مشکل ہی سے مجھ کو اس آستانے سے غافل کر سکتی ہے ہوا میری خاک ... جتنی بلندی پر اُڑا لے جائے ان کی تعظیم بدستور اسی طرح برقرار رہے گی۔ ۳۔ پھول کے رنگ ... سنبل کی شوخی تک سب بہار آلودہ ہیں، میری قوت فکریہ سے جو افکار وخیالات صفحہ قرطاس پر ... رہے ہیں سب ان ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔

... آخری مصرع ''انچہ از اندیشہ ام گل می کند تعلیم اوست'' سے بیدل کے دل ودماغ پر ان کی ... چھاپ کا پتہ چلتا ہے، اور اس کے عارفانہ افکار وخیالات کے سرچشمے کی نشاندہی میں معاون ... ہے۔

شاہ صاحب کی خدمت سے بیدل کے استفادے کا سلسلہ بہ قول اس کے تین سال تک جاری ... یقینی طور پر ہمیں معلوم ہے کہ بیدل ۱۰۷۵ھ ۱۶۶۴ء میں اُڑیسہ کو خیرباد کہہ چکا تھا جیسا کہ آئندہ ... میں اس کا ذکر آئے گا اس لئے اس سال کے بعد ہی دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے لیکن ... جسمانی تھی ورنہ ایک اشارہ ایسا ملتا ہے کہ بیدل کا شاہ صاحب سے رابطہ مراسلات کے ذریعہ ... کی وفات (۱۰۸۳ہجری) تک قائم رہا۔

... وقت تک بیدل اپنی زندگی کی اکیسوین منزل میں پہنچ چکا تھا اور ایک خوبصورت میانہ قد ... حسین اور کشادہ پیشانی کے ساتھ ذوق سلیم اور طبع مستقیم کی حامل شخصیت کی حیثیت سے ایک روشن ... مستقبل کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ اچانک مرزا ظریف نے دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ آدمی جب ... ترقی کی راہ پر گامزن ہو تو اسے سرپرستی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اس وقت کوئی آدمی ایسا نہیں رہ ... گیا تھا جو بیدل کی حمایت کرتا اور اس کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالتا۔ ایسی حالت میں اس کے ... حزن والم کا کیا عالم رہا ہوگا درج ذیل مرثیہ سے جو اس نے مرزا ظریف کی وفات پر کہا ہے ... لگایا جاسکتا ہے۔

قدوہ اہل فضل خواجہ ظریف — کہ چو او سالکی یگا نہ نبود
نفسی جز حدیث درد نداشت — قدمی جز براہ فقر نسود

هر قدر فضل و علم بیشی کرد　　درس تسلیم و مسکنت افزود
آخر از آشیان بیرنگی　　طایرش بانگ ارجعی بشنود
چشم پوشید و از جهات گذشت　　مژه بر بست و بال ناز کشود
وقف این مصرع است تاریخش　　نیک فرجام عاقبت محمود ۱۰۷۵ھ

اہل علم و فضل کے پیشوا خواجہ ظریف جو یگانہ روزگار صوفیانہ شخصیت کے مالک تھے۔ د
کے سوا کسی طرح کی کوئی بات نہیں کرتے اور راہ فقر کے سوا کسی راستے پر نہیں چلتے تھے۔ ان کے
میں جس قدر اضافہ ہوتا تسلیم و مسکنت میں بھی اسی انداز سے ترقی ہوتی۔ آخر آشیانہ بیرنگی سے ان
پرندنے ارجعی (اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا) کی آواز سنی آنکھیں موندلیں اور جہات کی قید سے
آزاد ہو گئے۔ آنکھیں بند کرلیں پر ناز کے بازو پھیلا دئے۔ اس کی تاریخ کے لئے یہ مصرع وقف
''نیک فرجام عاقبت محمود''

بیدل کا شمالی ہند کا سفر:

تیرہ بختی در وطن ایجاد غربت می کند　　گر ز چینی مو دمد چینش همان بنگاله است
[قسمت نہیں ہے دیس میں گر سازگار تو　　ہے اس کا اقتضا کہ پردیس کو
وطن میں اگر آدمی کی قسمت سازگار نہیں ہوتی ہے تو وہ اسے پردیس سدھارنے پر مجبور
ہے چینی کے برتن میں اگر بال پڑ جائے تو اس کو بنگال ہی میں درست کیا جائے گا (کیونکہ وہیں یہ
تیار ہوتے ہیں۔)

خاک غربت کیمیای مردم نیک اختر است　　قطره در گرد یتیمی خشک چون شد گوهر است

بیدل کا سفر دہلی کہاں سے اور کس طرح شروع ہوا؟ اس سلسلے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف
ہے۔ شاد عظیم آبادی کے بیان پر اعتبار کر کے ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے یہ فیصلہ کر دیا کہ:

''اس وقت (مرزا ظریف کی وفات کے وقت) اب ایسا کوئی آدمی نہ تھا جو بیدل کی
اور سرپرستی کرتا۔ اس کے پاس کوئی ذریعہ معاش بھی نہ تھا۔ اپنے روزمرہ کے اخراجات کا کیا
ایک مستقل دردسر بنا ہوا تھا۔ ایک کبڑی بڑھیا بیدل کے گھر آتی تھی اور اس کی ضروریات
تھی۔ یہ بڑھیا بیدل پر بہت مہربان تھی حتی کہ اس پریشانی کے عالم میں بھی اس کا خیال رکھتی
کا سلسلہ بھی کچھ زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔ اس قسم کے قرض سے اس کی صرف عارضی ضرور
ہو جاتی تھیں۔ اس لئے لوگوں نے اسے دہلی جانے کا مشورہ دیا جو سلاطین کا مرکز تھا جہاں وہ اپنے

سکتا تھا۔ بیدل نے اپنے انتہائی مختصر اثاثے کو ایک گھوڑے پر رکھا، باگ ہاتھ میں لی اور
جاکر اس سے رخصت ہوا اور ہندی کا یہ شعر کہا:

جب کوئی نہیں تب دشمن آپن کیس　　پٹنہ نگری چھاڑ دہن اب بیدل چلے بدیس

بوڑھیا نے اپنی اشکبار آنکھوں کے ساتھ جواب دیا:

ہے پہن کا ہ بدلے بیصبری　　بیدل بھی کرمت چھاڑو پوتا آپن نگری (۲۴۴)

شاد کے بیانات کے تحلیل و تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق زیادہ تر سماعی روایات سے
مرزا قلندر جو بیدل کے چچا تھے، ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ بیدل جب سترہ سال کا تھا تو
جبکہ خود بیدل کے بیان کے مطابق مرزا قلندر اس وقت بنگال روانہ ہوا اور بیدل اپنے
وقت میں آیا اور جیسا کہ اس سے پہلے لکھا گیا ایسی حالت میں بھی وہ گا ہے ماہے چچا سے
تھا۔ شاد کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ رخصت ہوتے وقت بیدل پٹنہ میں تھا اور بڑھیا
پرستی کرتی تھی وہیں رہتی تھی۔

بیدل نے ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۵ء میں اڑیسہ میں ایک خواب دیکھا۔ اس کے ایک سال بعد دہلی
ہے۔

از یکسال آن واقعه در سن یکهزار و هفتاد و شش هجری فال عبور به قیامتکده شهر دهلی
(۲۴۵)

یعنی اس واقعہ کے ایک سال بعد ۱۰۷۶ھ میں اقامتکدہ شہر دہلی سے گذرنے کا اتفاق ہوا۔
ایک قطعہ بھی اس نے سفر سے متعلق کہا ہے۔

بهار سوی دهلی　　چون اشک روان شدیم بیکس
طرف آنسو کی طرح بے یار و مددگار روانہ ہوا۔

شهود فضل بیچون　　همراه حضور فیض اقدس
وچرا کے فضل و کرم اور فیض اقدس کے ہمراہ۔

تاریخ این عزیمت　　دریاب که ''راهبر خدا بس'' (۲۴۶)

کا سال تاریخ ''راہبر خدا بس'' سے معلوم کر جس سے ۱۰۷۵ھ نکلتی ہے۔

بالا اقتباس اور قطعہ کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۰۷۵ء میں اوڑیسہ میں مرزا ظریف
کے بعد دہلی کے ارادے سے مختلف شہروں سے عبور کرتا ہوا کم و بیش ایک سال کے بعد وہ
ء میں دہلی پہونچا۔ دوران سفر مختلف شہروں میں کچھ قیام بھی کیا۔ اس طرح وہ سب

سے پہلے پٹنہ پہنچ کر وہاں کچھ قیام کیا اور مرزا قلندر سے ملاقات کے انتظار میں رہا لیکن چونکہ مرزا قلندر بنگال سے واپس نہیں ہوئے اس لئے اپنی بیکسی کا خیال کر کے دہلی روانہ ہوا۔ اس خیال کی تائید درج ذیل شعر سے بھی ہوتی ہے۔

بے یاس دل از فکر وطن برنگرفتم　　　تا آبلہ پا گشت گہر فال سفر زد

ممکن ہے کچھ احباب نے بھی مشورہ دیا ہو مگر بڑھیا کا قصہ تو منجملہ ان حکایات کے ہے جو عام طور سے لوگ بڑی بڑی تاریخی شخصیتوں کے بارے میں گھڑ لیتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کی کوئی سند نہیں پیش کی دوسرے یہ کہ جیسا کہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے بیدل ہندی زبان سے واقف نہ تھا اس میں شعر کہنا تو دور کی بات رہی (۲۴۷)۔ پٹنہ کے بعد راقم السطور کے خیال میں الہ آباد میں کچھ دنوں قیام کیا وہاں گنگا میں ہندوؤں کے غسل کا منظر جسے ''گنگا اشنان'' یا کمبھ کا میلہ کہتے ہیں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ مثنوی عرفان میں گنگا اشنان یا کمبھ کے میلے سے وابستہ ایسے اشعار موجود ہیں جو اس خیال کی تائید کرتے ہیں:

حاصل الامر ازاں سواد طرب　　　موج می زد ہزار رنگ طلب

غرض طرب و خوشی کے اس علاقے سے شوق ہزاروں رنگ میں موجزن تھا۔

از سراندیپ تاحد ملتان　　　شور لبیک دل گسستہ عناں

سراندیپ سے لے کر ملتان تک لبیک کے شور نے دل کی باگ توڑ رکھی تھی۔

تا در آں کعبہ صفا تمثال　　　شستہ خوانند نامۂ اعمال

تا کہ اس صفا مثال کعبے (گنگا) میں اپنے نامہ اعمال کو دھوڈالیں۔

بی محابا بطوفش از ہمہ سو　　　ہند چوں سیلی تیرہ داشت غلو

اس کے طواف کے لئے ہر طرف سے ہندوستان ایک تاریک سیلاب کی طرح امنڈا چلا آرہا تھا۔

سعی شبگیرہا ہلاک سفر　　　کز زلالش کشید جام سحر

شبگیر (پچھلی رات کو عبادت کے لئے اٹھنے والوں) کی سعی اس لئے سفر کی نذر تھی کہ کسی طرح جام صبوحی اسی (گنگا) کے میٹھے پانی سے نوش کریں۔

از ذکور و اناث کافہ ناس　　　ہمچو امواج سر ز پانشاس

مرد عورتیں غرض سب لوگ موج دریا کی طرح رواں دواں ہیں اور کسی کو سر پاؤں کا ہوش نہیں۔

بہزار آفت نشیب و فراز　　　گرم می تاخت ناقہ تگ و تاز (۲۴۸)

پستی و بلندی کی ہزاروں آفات کے باوجود تگ و تاز کی اونٹنی گرم رفتار تھی۔

ان اشعار میں بیدل نے دریائے گنگا میں غسل کے لئے مرد عورتوں کے جوش و خروش، ان کے شوق اور ملک کے گوشہ و کنار سے وہاں ان کی آمد اور جم غفیر کا تذکرہ جس طرح کیا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس طرح کے مقامات بنارس اور الہ آباد کے سوا کوئی نہیں ہو سکتے۔ ان کی یہ حیثیت ہنوز برقرار ہے۔ حمید عظیم آبادی نے اپنے ایک مضمون ''بہار اور اردو'' میں لکھا ہے

''بیدل جونپور عبور کر کے دہلی پہنچے۔'' (۲۴۹)

لیکن انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ خوشگو لکھتا ہے:

''وہاں (اوڑیسہ) سے میر کامگار کی دعوت پر ہندوستان پہونچے، کچھ دنوں شہر اکبر آباد میں قیام کیا اس کے بعد دارالخلافہ شاہجہان آباد پہنچے۔'' (۲۵۰)

خوشگو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل میر کامگار کی دعوت پر اڑیسہ سے ہندوستان یعنی دہلی پہونچے متھرا اور دوسرے شہروں (۲۵۱) میں پہونچا اس کے بعد دہلی پہونچا۔ میر کامگار کا مختلف عہدوں پر فائز ہونا جیسا کہ ''احباب بیدل'' کے ضمن میں آئے گا واضح کرتا ہے کہ وہ ۱۱۱۴ ہجری ۱۷۰۲ء میں صوبہ اوڑیسہ کا ناظم تھا اور بیدل کی تمام مسافرتوں کو مدنظر رکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۰۷۶ ہجری میں اوڑیسہ سے دہلی آنے کے بعد اس نے پھر بہار اور اوڑیسہ کا رخ نہیں کیا۔ میر کامگار ۱۰۷۶ ہجری میں اپنے باپ جعفر خاں وزیر اعظم کے ساتھ دہلی میں رہتا تھا (۲۵۲) اور ظاہر ہے بیدل کے روابط اس سے مذکورہ سال سے پہلے قائم نہیں ہوئے لہذا خوشگو کا بیان غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

دہلی پہنچنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ بیدل نے وہاں اپنے بعض پرانے آشناؤں یا ہم ذوق احباب کو ڈھونڈ نکالا۔ ان میں بیشتر مجذوب قسم کے لوگ تھے، لکھتا ہے:

''بہ حسب اتفاق زیارت آشنائی از ثابت قدماں طریق سلوک دست بہم داد۔'' (۲۵۳)

یعنی اتفاق سے راہ سلوک کے ثابت قدم حضرات میں سے ایک آشنا کی زیارت حاصل ہوئی۔

حمید عظیم آبادی کا بیان ہے:

''آخر تو راہ میں حیران پریشاں رہ کر دہلی پہونچے۔ استاد شاعروں کا مجمع تھا۔ شاعروں میں خوب خوب طبع آزمائیاں ہوتی تھیں۔ مرزا بھی شریک ہونے لگے۔ طبیعت نقاد اور فکر بلند تو رکھتے ہی تھے تھوڑے دنوں میں شہرہ ہو گیا۔'' (۲۵۴)

اسی بیان کی اساس پر پروفیسر غلام حسن مجددی نے لکھا ہے:

''جن شاعروں کا شاد نے حوالہ دیا ہے اگر چہ ان کے نام واضح نہیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے

کہ شاہجہاں آباد پہنچنے کے بعد بیدل کو ایک نئے اسلوب شاعری سے آشنائی حاصل ہوئی۔
خود اس نے اعتراف کیا ہے کہ جب تک بہار میں رہے کلاسیکی شاعروں کے اسلوب میں
طبع آزمائی کرتے رہے۔ اس وقت اس کا دھیان اس امر کی طرف گیا کہ دارالحکومت میں
ایک بالکل نئے اسلوب کا رواج ہے جسے ''سبک ہندی'' کہتے ہیں۔ مثنوی ''محیط اعظم'' پر
جو چند سال بعد بیدل نے ایک مقدمہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عہد مغل
کے شاعروں کے کلام کا مطالعہ کیا ہے، اس نے بابر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب
کے عہد کے جن شاعروں کا تذکرہ کیا ہے وہ ہیں ظہوری (وفات ۱۰۲۵ھ) ہلالی (عہد بابر
کا شاعر)، زلالی (وفات ۱۰۳۱ھ)، سالک (عہد شاہجہاں کا شاعر)، شیدا (عہد جہانگیر
کا شاعر) سلیم (وفات ۱۰۵۷ھ) اور صائب۔'' (۲۵۵)

جہاں تک بیدل کے مذکورہ بالا شاعروں کے کلام سے آشنائی کا تعلق ہے مرزا [illegible]
میں سلف کے کلام کے مطالعہ نے یہ کام بہت پہلے انجام دیدیا تھا۔ اس لئے ان شاعروں سے [illegible]
آشنائی کا تذکرہ ضروری نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ایک اہم نکتہ جو مثنوی محیط اعظم (سال تصنیف [illegible]
۱۶۶۷ء) سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا سال تک وہاں بڑی زحمتوں سے دوچار [illegible]
کو پہنچنا تو دور رہا۔

گرفتم ز گردوں دلی شاد نیست ز عدلش عیاں غیر بیداد نیست

میں نے مانا کہ آسمان کے ہاتھوں کوئی دل خوش نہیں ہے۔ اس کے عدل و انصاف سے [illegible]
کے سوا کوئی چیز نمایاں نہیں ہو رہی ہے۔

مرا از کہ باید تظلم فروخت کہ بیدادم اندیشہ خویش سوخت

ظلم نے میری قوت اندیشہ کو جب نذر آتش کر دیا تو میں کس سے فریاد رسی کے لئے [illegible]

دگر گشت در مجمر آباد غم دو عالم جگر یک کباب ستم

رنج و غم کی انگیٹھی میں سیکڑوں جگر ظلم کی وجہ سے کباب بن گئے۔

من از دور کلفت فروزم چرا خیال آتشی نیست سوزم چہ

زمانہ کے ہاتھوں میں غم کو کیوں بڑھاؤں آگ کے تصور سے حقیقت میں آگ نہیں [illegible]
کہ اپنے آپ کو جلاؤں۔

نیم از محبان دنیا کہ من دہم شکوہ را دستگاہ سخن (۲۵۶)

میں طالبان دنیا میں نہیں ہوں کہ شکایت پر اپنا زور قلم صرف کروں۔

دہلی میں شاہ کابلی سے ملاقات:

دہلی پہونچنے کے بعد جو سب سے پہلا واقعہ پیش آیا وہ بیدل کی شاہ کابلی سے ملاقات تھی۔
[illegible] موصوف سے اپنی ملاقات کی نوعیت بتانے سے قبل بیدل نے ایک مقدمہ لکھا ہے۔ شاہ موصوف کو
[illegible] سوال کا جواب تصور کرنا چاہئے جو ایک سال قبل بیدل کے دل میں اٹھا تھا تب ہم اس رول کا صحیح
[illegible] سکیں گے جو شاہ صاحب نے بیدل کی روحانی اور فکری بالیدگی میں ادا کیا ہے۔ بہتر ہے اس
[illegible] خود بیدل کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

''در بدایت احوال مدتہا چون نفس بال جستجو می افشاندم و نمی دانستم چہ می جویم شعلہ ای از
طبیعت جوش می زد کہ شرار دودش از عالم اسباب متصور نبود۔''

بال گرم طپش و مقصد پرواز نہاں آہ مجنوں روش و اصل تگ و تاز نہاں

یعنی شروع میں عرصے تک سانس کی طرح کسی نامعلوم چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا پر سمجھ
[illegible] نہیں تا تھا کہ آخر تلاش کیا کر رہا ہوں۔ طبیعت سے ایک شعلہ سا بھڑکتا تھا جس کے دھویں کی چنگاری
[illegible] اسباب کی چیز نہیں لگتی تھی۔ بازو گرم طپش ہیں پر مقصد پرواز نگاہوں سے اوجھل ہے۔ آہ کی کیفیت
[illegible] جیسی ہے اور اصل تگ و تاز پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس کے بعد اپنی حقیقت کا سراغ لگا کر لکھتا ہے:

''پس از عمری، چشم تماشائی، بشہود ایں جلوہ ام کشودند کہ آئینہ حقیقتم چشمہ ایست از اسرار عالم
[illegible] فت، و آب و گل طینتم جوہری منزہ از اعراض کدورت و کثافت تخیل ہستی، عنقائی بدام
نفسم کشیدہ۔ و تو ہم بال و پر، قفسی برای خود تراشیدہ۔ پرواز نشأ ام، آنسوی داغ امید و بیم
است۔ و جولان معنیم، خارج الفاظ تحقیر و تعظیم۔ بچہ مدعا بال کشایم تا کوشش دامنی، بر جمعیت
[illegible] ل تواند افشاند؟ وکدام آرزو میل نمایم تا فطرت ذوق کمالی تواند بہم رساند؟ اگر با کدورت
نساختہ ام، طلب صفا برای چیست؟ و اگر با ظلمت نپرداختہ ام، سودای نور تو ہم کیست۔''

[illegible] ایک عرصے کے بعد چشم تماشا اس جلوے کا مشاہدہ کرتے ہوئے کھولا کہ میرا آئینہ حقیقت عالم
[illegible] کا ایک چشمہ ہے اور میری آب و گل طینت کدورت و کثافت کے لوث سے پاک ہے۔
[illegible] نے ایک عنقا کو میرے دام میں گرفتار کر دیا اور تو ہم بال و پر نے اپنے لئے ایک قفس تراشا
[illegible] نشے کا پرواز دماغ امید و بیم سے پرے ہے اور میرا جولان معنی تحیر و تعظیم کے الفاظ سے
[illegible] کس مدعا کے ساتھ بال کشائی کروں کہ کوشش جمعیت حال پر دامن افشانی کرے؟ اور کس
[illegible] ف مائل ہوں کہ فطرت ذوق کمال مہیا کرے۔ اگر میں کدورت سے آلودہ نہیں ہوں تو صفا
[illegible] ں پیدا ہوئی؟ اور اگر تاریکی میں پڑا نہیں ہوں تو نور کا سودا سر میں کیوں سمایا ہے؟

آخراس طرح اسے تسلی نصیب ہوئی:

''یافتنہای مرادامکانی یکسراز عالم تحصیل حاصل است۔''

امکانی یا مادی مقصد کی یافت سراسر تحصیل حاصل ہے اور شیوہ تسلیم ورضا کے عالم میں
دل کی کیفیت ملاحظہ ہو:

''درحالتی کہ از جبہہ تسلیم، سپر انداختہ بودم، معلم اسرار ربوبیت گاہی بہ تعلیم سرخط ناز می
نواخت وگاہی بہ تنبیہ آداب نیازم می گداخت۔''

یعنی ایسی حالت میں جبکہ پیشانی تسلیم سے میں نے سپر ڈال دی تھی اسرار ربوبیت
ناز نامہ کی تعلیم مجھے دیتا اور کبھی آداب نیاز کا پاس ولحاظ رکھنے کی تنبیہ کرتا تھا۔ گویا وہ اپنے اوقات
ناز ونیاز کی کشمکش میں گذارتا تھا۔ کبھی ذوق طلب کے دباؤ میں ناز میں مشغول ہوتا اور کبھی شیوہ
تقاضے سے نیاز کی طرف متوجہ ہوتا تھا اس عالم میں اسے ایک دنیا نظر آئی:

''جہانی دیدم از محیط بی آرزو جوشیدہ وبزباں ہزار رنگ امواج خروشیدہ... ہمہ متفق کہ ماسوی
اللہ اوہام است بروہم می پیچند وجملہ متحد کہ غیر حق موجود نیست وخودرا غیری فہمیدند۔''

ایک دنیا دکھائی دی جو ''آرزوؤں سے خالی'' دریا سے جوش مار رہی تھی اور ہزاروں
لہروں کی زبان سے متلاطم تھی۔ ساحل مقصد کا پتہ نہ تھا پر سعی وتلاش کا سلسلہ طوفان غبار میں
گو مدعا نامعلوم تھا پر غوطہ خوری کی کوشش بے اختیار جاری تھی۔ سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ
کے سوا سب وہم ہے پھر بھی وہم پر پیچ وتاب کھا رہے ہیں اور سب لوگ اس امر پر متحد ہیں کہ حق کے
کسی کا وجود نہیں ہے اور خود کو غیر سمجھے بیٹھے ہیں۔

''الحاصل بفضل ہمت یکتائی، لبی بہ حرف آشنا داشتم مخاطب دیگری نبود۔ اگر بہ خاموشی ا
می بردم، غیری در تامل نمی کشود۔ نشہ ای نرسانیدم تا عشق بداغم نرسد۔

......درآنحالت ہرگاہ غلبہ وجد مضراب اہتزاز طبیعت می گشت این بیت بی اختیار برزبانم
گذشت۔

از ہر چہ سرایمت فزونی　　　　خود گوی چگویمت کہ چونی(۷۔۔)

اس سوال کا ماحصل یہ ہے کہ ابتداء شعور میں بیدل عرصے تک اپنے دل کو کسی منزل کی جستجو
میں سرگرداں پاتا تھا لیکن منزل تھی کہ نگاہوں سے اوجھل تھی۔

ایک مدت سے ہیں آوارۂ منزل ہم لوگ　　　　اور منزل ہے کہ نظروں سے ہے پنہاں
کچھ دنوں بعد اس پر منکشف ہوا کہ وہ اسرار جہاں لطافت کا ایک چشمہ ہے جو کدورت سے

دل میں صفائی اور پاکیزگی کی طلب کیوں پیدا ہو رہی تھی اس کے باوجود اس کا مقصد اور اس
کی منزل ہنوز نظروں سے اوجھل تھی۔ آخر کار تن بہ تقدیر شیوۂ تسلیم ورضا کو اپنا اصول زندگی بنایا۔ اسی
دوران میں وہ دنیا نہ کے متضاد تقاضوں کے تحت عجیب وغریب کشمکش میں گرفتار رہا۔ یہ کشمکش تھی ''عین وغیر''
یعنی اس بات پر سب متفق ہیں کہ خدا کے سوا سب وہم ہے پھر بھی وہم پر پیچ وتاب کھا رہے
خدا کے سوا کسی کا وجود نہیں پھر بھی خود کو ''غیر'' سمجھے بیٹھے ہیں قول وفعل میں یہ ناہم آہنگی ذہنی
میں اضافہ کر رہی تھی۔ اسی حالت میں درج ذیل شعر غیر شعوری طور پر زبان پر جاری ہوا۔

از ہر چہ سرایمت فزونی　　　　خود گوی چگویمت کہ چونی

گویا بیدل اللہ جل شانہ کی ذات کی کنہ تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن اس سلسلے میں دانشوروں،
فلسفیوں کے افکار وخیالات کا بہ غور مطالعہ کر کے وہ اس نتیجے پر پہونچتا ہے کہ ان کے بیانات
میں زبردست تضاد ہے لہذا وہ لوگ خدائے تعالیٰ کی کنہ کے بارے میں مزید پیچیدگی پیدا کرنے کے سوا
کچھ نہیں کر سکے۔ تب اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہوا خود اس سے اس کے تعارف کا طالب ہوا۔
یا خدا جس طرح اور جس شکل میں بھی آپ کی تعریف کروں آپ اس سے بالاتر ہیں اس لئے آپ خود
ہی بتائیے آپ کیا ہیں اور آپ کی حقیقت کیا ہے؟

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ''کنہ خداوندی کی تلاش'' ایک اہم سوال کی حیثیت سے بیدل کی
فکر کا مرکز بنتی ہے۔

آخر جس زمانے میں اس کا قیام اوڑیسہ میں تھا (یعنی ۱۰۷۱ھ سے ۱۰۷۵ھ) ایک رات عالم
وارفتگی میں یہ شعر غیر ارادی طور پر اس کی زباں پر جاری تھا کہ اچانک ''الہام کدہ بی حرف صوت'' سے
مندرجہ ذیل شعر اس کے صفحہ قلب پر ظاہر ہوا۔

از ما باماست ہر چہ گوئیم　　　　ما ہیچو توئی دگر چہ گوئیم

یعنی اپنے متعلق ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہمارے ہی ساتھ مخصوص ہے بس یہ سمجھو کہ ہم بھی تمہاری
طرح ہیں اس سے زیادہ کیا کہیں۔

درحقیقت یہ شعر اس سوال کا جواب تھا جس نے بیدل کے دماغ کو عرصے تک پریشان کر رکھا
تھا مقصد یہ ہے کہ اگر تم میری کنہ تک پہنچنا چاہو تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اس سلسلے میں جو کچھ کہیں گے اس کو
صرف ہم ہی سمجھ سکتے ہیں دوسروں کے دائرہ فہم سے خارج ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم
تمہاری طرح ہیں یعنی جس طرح ہر آدمی کو اپنی ذات کا علم دوسروں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور
اپنی ذاتی خصوصیات سے وہ دوسروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ آگاہ ہوتا ہے اسی طرح اپنی ذات کی

کنہ وحقیقت کو دوسروں سے زیادہ ہم سمجھتے ہیں اس لئے ہماری کنہ تک پہنچنے کا خیال ترک
موجودات ومخلوقات کے دائرہ فہم سے وراء الوراء ہے۔

ای بر تر از خیال و قیاس وگماں و وہم　　　وز ہر چہ گفتہ ایم وشنیدیم وخواندہ ایم

بیدل اس جواب سے کس قدر متاثر ہوا اس کے درج ذیل بیان سے قیاس کیا جاسکتا

''بجر دایں ندا، خواب ماہوش از سرم دامن افشاند وموبمویم چون مژہ از خواب جستہ بحیرت باز ماند۔ ونقاب حقیقت ان جلوہ، غیر از ہمان جلوہ باز نکشاید۔ شب ز پرتو خورشید چہ داند۔ و خورشید از سواد شب چہ خواند؟'' (۲۵۸)

اس آواز کا سننا تھا کہ میرے ہوش اڑ گئے، میرا بال بال پلک کی طرح خواب سے
حیرت واستعجاب کا پتلا بنا ہوا تھا۔ اس حال کی کیفیت کا بیان اسی حال میں ممکن ہے اور اس
حقیقت کا نقاب اسی جلوہ سے سرک سکتا ہے۔ رات کو سورج کے پرتو کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے اور سو
رات کی تاریکی کا کیا علم ہوسکتا ہے۔

یہاں بیدل خدائے تعالیٰ کی کنہ تک پہنچنے میں انسان کی بے بسی اور درماندگی کے نتیجے
ہے اور اس ناپیدا کنار وادی میں خود کو ایک حیرت انگیز مقام پر کھڑا دیکھتا ہے۔

من آن شوقم کہ خود را در غبار خویش می جویم　　　رہی در حیب منزل کردہ ام ایجاد

میں کیا ہوں؟ وہ شوق ہوں جو آپ کو خود آپ اپنے غبار میں تلاش کر رہا ہے خود اپنی
گریباں میں ایک راستہ بنا کر اس پر دوڑ لگا رہا ہوں۔

بچندیں اختلاف صورت ومعنیٰ، من بیدل　　　جز او دیگر چہ می خواہم و انمود آئینہ

بیدل! صورت ومعنی کے اتنے اختلاف کے باوجود مجھے اس کے سوا کس کی طلب ہے
اس کے آئینے کا وانمود اور عکس ہوں۔

اس ''الہام کدہ بی حرف وصوت'' سے کون سی شخصیت مراد ہے؟ اس سوال کا جواب تب
جب بیدل کی دہلی میں شاہ کابلی سے ملاقات ہوتی ہے اس لئے خواب کے اس واقعے کو پیش نظر
ہوئے قارئین اب ملاقات کی اس نوعیت پر توجہ دیں۔

بیدل کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے ایک سال بعد ۱۰۷۶ھ ۶۶-۱۶۶۵ء میں جب دہلی
اتفاق سے بعض جانے پہچانے صوفی مشرب حضرات کے حلقے میں میری رسائی ہوئی۔ گفتگو کے دوران
مجذوبوں کا تذکرہ چھڑا تو ایک شریک محفل نے بتایا:

''مجذوبی در این ایام ویرانہ را بگنج حضور پرداختہ است۔ وگوشہ را بہ پرتو شمع اقامت منور

ساختہ۔ از غرایب احوالش آنکہ ہر قدر طعام پیش بگذارند خاشاک بآتش پروردنست۔ و چندانکہ آب در نظرش عرضہ دہند، قطرہ بخاک سپردن۔ اما تا تکلیف طعامی نہ نمودہ اند کہ اگر بگذرد، شعلہ التفات اغذیہ اش ساکن بردۂ خاموشیست۔ وتا مصدع آبی نکردہ اند، چشمہ رغبت اشربہ اش محوتر اوش بی جوشی الخ۔'' (۲۵۹)

''ایک مجذوب شہر دہلی میں ایسا وارد ہوا ہے جس کی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب کھانے پر
جتنی بھی غذا رکھی ہوتی ہے سب چٹ کر جاتا ہے اور اگر ہفتوں اسے آب ودانہ نہ ملے تو کسی
اور نقاہت کا احساس اسے نہیں ہوتا اور بدستور اپنی طبعی حالت میں نظر آتا ہے، کسی سے
تا، اس قدر فروتنی اور خاکساری کے باوجود اس کے چہرے سے ایسی متانت اور اتنا رعب
کہ کسی کو اس کے مقابل ٹھہرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ جب بھی اس کی زیارت کو گیا دیر تک
اپایا۔ اس بنا پر کہ کبھی ''کابل'' میں نظر آیا تھا کچھ لوگ اسے ''شاہ کابلی'' سے یاد کرتے ہیں۔
ہے کہ جونہی دستر خوان بچھا اور کھانا چنا گیا وہ مجذوب اچانک مسکراتا ہوا آنکلا۔ سارے
اس کے احترام میں کھڑے ہوگئے۔ جب اسے کھانے کی دعوت دی گئی تو عین اسی حالت میں
پر پڑی، اس نے کھانا شروع کیا، چند لقمے کھائے ہوں گے کہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے
لوٹنے لگا اور اپنی قیامگاہ پر جو شہر سے باہر تھا، لے آیا۔ وہاں دونوں ایک دوسرے کے آمنے
موش بیٹھے تھے لیکن وہ تمام تر خاموشی کے باوجود بات کرتا نظر آرہا تھا۔

است با تو بصد رنگ گفتگو است　　　شوق آرمیدہ است و فلک تاز جستجو

حق خاموش ہوتے ہوئے بھی سیکڑوں انداز سے تم سے محو گفتگو ہے، شوق آرام وسکون سے
جستجو آسمان پیمائی کر رہی ہے۔

کے وقت سے لے کر رات کا کچھ حصہ اسی کیفیت میں بیت گیا۔ ایک عجیب وغریب
ی تھی۔ ایک طرف غور رفکر کی صلاحیت جواب دے چکی تھی تو دوسری جانب اس کے سامنے
جرأت مفقود تھی۔ اچانک انہوں نے مسکراتے ہوئے اسی شعر کو پڑھا جسے اوڑیسہ میں عالم
''الہام کدہ بی حرف وصوت'' سے میں نے سنا تھا۔

از ما با ماست ہر چہ گوئیم　　　ما ہمچو توئی، دگر چہ گوئیم

ہم جو کچھ اپنے بارے میں کہتے ہیں وہ ہماری ہی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہم بھی تمہاری
س کے سوا کیا کہیں۔

شعر کا سننا تھا کہ میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور ضبط کی باگ ہاتھ سے چھوٹتی نظر آرہی

تھی۔ ایسی حالت میں دریافت کیا یہ شعر کس کا ہے؟

''ہمارا ہے، اس میں شبہ کی کیا بات ہے۔''

انہوں نے جواب دیا پھر پیر پھیلا کر لیٹ گئے اور بولے:

''اینجا کشاد چشم غیراز ''حیرت'' چیزی ندارد، باید خوابید۔ و بیداری جز ''تشویش'' بارنمی آرد
باید وا کشید۔'' (۲۶۰)

یہاں اگر آنکھیں کھولیں تو حیرت کے سوا کچھ پلے نہ پڑے گا اس لئے محوِ خواب ہو جانا چاہئے۔
بیداری سے تشویش کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگتا اس لئے لیٹ جانا چاہئے۔

اب شاہ صاحب تو خواب کی آغوش میں پہنچ چکے تھے اور میں اسی طرح حیرت کا پتلا بنا
کشمکش سے دوچار تھا، نہ بھاگنے کی سکت تھی اور نہ نالہ کرنے کی ہمت۔ آخر کار رات کے آخری حصے میں
مجھے بھی نیند آ گئی۔

صبح ہوئی، آفتاب کی کرنوں نے دنیا کو روشن کر دیا، نیند سے بیدار ہو کر اس ''نشۂ غیب'' کو ادھر
ادھر ڈھونڈا کیا پر کہیں ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ کچھ دنوں تک دلی کی گلی کوچوں میں انہیں تلاش کرتا پھرا
کہیں ان کا کوئی نشان پتہ نہیں تھا۔

آن جلوہ غیب کایں تحیر آراست   وانگہ چوں نگہ زپیش چشمم برخاست
گر گویم خضر بود، ترک ادب است   آنجا کہ حق است خضر و الیاس کجاست

اس ''جلوۂ غیب'' نے ''حیرت'' کا بازار سجایا پھر مثل نگاہ کے میرے سامنے سے اوجھل ہو گیا۔
اگر یہ کہوں کہ وہ خضر تھا تو ترک ادب ہوتا ہے جہاں حق ہے وہاں خضر و الیاس کی کیا گنجائش ہے۔

شاہ کابلی سے بیدل کی یہ پہلی ملاقات تھی اور اس کے جو نقوش اس کے صفحۂ دل و دماغ پر ثبت
ہوئے اس کا اندازہ اس کے درج ذیل بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

''الحمد للہ کہ لمعہ وقوع آن کیفیت، ظلمت ہزار رنگ شبہات، از آئینہ یقینم زدود۔ و شکوک
یک عالم اوہام، از صفحہ اندیشہ ام پاک نمود۔ بحکم بیخودی چون اشک سراز پانمی شناختم و چون
نالہ، از کمند تشویش بیرون می تاختم۔

عالم ہمہ یک برق تجلی دیدم   محمل گردی نداشت، لیلی دیدم
زیں سرمہ کہ حق کشید در دیدہ من   ہر جا لفظی دمید، معنی دیدم (۲۶۱)

خدا کا شکر ہے کہ اس کیفیت کی چمک نے ہزاروں طرح کے شبہات کی تاریکی کو میرے آئینہ
یقین سے دور کر دیا۔ .... پھر تو بیخودی کا یہ عالم تھا کہ آنسو کی طرح سر اور پیر میں خط امتیاز نہیں کھینچتا

نالے کی طرح تشویش کے کمند سے باہر نکل آیا تھا۔

ساری دنیا مجھے ایک ''برق تجلی'' کا کرشمہ نظر آنے لگی۔ کجاوے میں کوئی گرد و غبار نہ تھا اس لئے
لیلیٰ (معشوق) پوری طرح نمایاں دکھائی دینے لگی۔ اس سرمہ کے بدولت جو خدا نے میری آنکھوں میں
لگایا جہاں بھی کوئی لفظ سامنے آیا میں اس کے معنی کی تہ تک پہنچ گیا۔

بیدل کے بیان سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ جس چیز کی تلاش میں وہ بیتابی سے سرگردان تھا وہ
شاہ کابلی کے پاس مل گئی۔ ''جہاں'' اور ''جہاں آفرین'' اور دونوں کے ''درمیانی روابط'' کی
بابت سے متعلق جو شبہات اس کے ذہن میں پیچ و تاب کھا رہے تھے شاہ کابلی سے ملاقات کے بعد
دور ہو گئے اور اس جدوجہد سے جس ایمان و یقین کا حصول اس کے پیش نظر تھا وہ اس کے ہاتھ
آ گیا۔ اب اس کی بیخودی کا عالم یہ تھا کہ مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا تھا۔ یہ یقین جو اس کی منزل تھی
حقیقت کائنات کے بارے میں اس کا یہ خیال تھا کہ وہ ایک ''برق تجلی'' سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

عالم ہمہ یک برق تجلی دیدم

یہ وہی خیال ہے جسے صوفیہ کی اصطلاح میں ''وحدت الوجود'' کہتے ہیں یعنی یہ کائنات خدائے
وحدہٗ لاشریک لہ کی جلوہ گاہ یا ''جلوہ ذات احد'' بیدل کی تعبیر میں ہے ع

''عالم ہمہ جلوۂ ذات احد است''

جس چیز پر نظر ڈالئے وہیں شاہد ازل نظر آئے گا۔ بظاہر محمل (کجاوہ یعنی کائنات) دکھائی دیتا
ہے پر حقیقت میں محمل میں گرد تک نہیں ہے اور محبوب (خدای تعالیٰ جد مجدہ) براہ راست بغیر کسی پردہ
کے نظر آ رہا ہے۔

یہ ایک عظیم کامیابی تھی جو چند سالہ کاوشوں کے نتیجے میں اس کے ہاتھ لگی تھی۔ گویا مختلف ارتقائی
مراحل کو طے کرنے کے بعد اسے بالآخر اپنی حقیقی منزل مل گئی۔ یہ بحث چونکہ بڑی حد تک ''وحدت
الوجود'' سے متعلق ہے اس لئے ہم اسے پانچویں باب ''بیدل کے افکار و خیالات'' کے لئے ملتوی
کرتے ہیں۔

اس کے بعد دو مختلف زمانوں ۱۰۷۸ھ اور ۱۰۸۰ھ میں بیدل کی شاہ موصوف سے دو ملاقاتیں
ہوئیں اور ہر ایک ملاقات نے بیدل کی روحانی پیشرفت میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔

شاہ کابلی سے دوسری ملاقات ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء میں متھرا کے بازار میں ہوئی۔ اس وقت
آشوب چشم کے مرض میں گرفتار ہو کر ایسا بے چین تھا کہ کسی ایک جگہ اسے قرار نہیں مل رہا تھا اور سدا سیر
سپاٹے میں وقت بتا رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک دن بندرابن کے علاقے سے اس کا گذر ہوا۔ دھوپ

کی تمازت کے سبب ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی آنکھیں نذر آتش ہو جائیں گی۔ جب شہر متھرا کے پاس پہونچا تو وہاں ایک انتہائی پر رونق بازار نظر آیا جہاں کی دکانوں میں مروت و انسانیت کی پونجی چھوڑ کر ہر قسم کے ساز و سامان نہایت قرینے سے لگے ہوئے تھے۔ اسی دوران اس کا گذر ایک ... کے پاس سے ہوا جہاں بہ قول بیدل ''وحدت اس کی کل پونجی تھی جہاں اس کے دیدۂ تصور میں غیر کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی اور جب تک وہ خود پہلو نہیں بدلتا کسی اور کا خیال اس کے صفحہ ذہن پر نہیں ابھرتا۔ اپنی سابقہ آشنائی اور مہربانی کے سبب اس نے تغافل کی بساط الٹ کر رکھدی اور رشتے کی یگانگت کے سبب سوئی کی آنکھ میں اس نے مجھے جگہ دی۔'' اس کے اصرار پر بیدل اس کے پاس بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا پر ... خاطر ہونے کا اندیشہ اسے مضطرب کئے رہا۔ کیا عمدہ بات اس نے کہی ہے۔

بیک دو روزہ سر و برگ زندگی مپسند　　　　که بهر خلق پی سود خود زیان باش
اگر غبار شوی، محو دامن خود باش　　　　چناں مباش که تشویش دیگران باش

یعنی دو دن کی زندگی کے ساز و سامان جمع کرنے کے لئے اپنے فائدے کی خاطر کسی کا نقصان گوارا مت کرو۔ اگر غبار ہو تو بھی اپنے ہی دامن میں محو ہو کر رہو ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے لئے باعث تشویش بنو۔

ایک گھنٹہ بھی ابھی نہیں بیتا تھا کہ ایک شخص دوکان کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ رفوگر نے اٹھ کر عرض کیا: حضرت تشریف رکھئے۔ اس آدمی نے جواب دیا: یہ دردمند میرے دوستوں میں ہے ... پرسی کا ارادہ ہے تاکہ لحہ بھر کیلئے ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہو جائیں۔

درد چشم کی وجہ سے بیدل آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا کہ پرانے آشنا کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، فوراً اس نے آنکھیں کھولیں دیکھتا کیا ہے کہ شاہ کابلی رفوگر کی جگہ تشریف فرما ہیں ''صدق ... اور مائل بہ نوازش ہیں اور چاروں طرف سے کٹ کر ساری توجہ میری حالت پر مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ شاہ صاحب کی ملاقات سے بیدل کو بڑی خوشی ہوئی مگر سلام کی پہل کرنے سے پہلے شاہ صاحب نے فرمایا:

''ساعتی بخواب، تا نشستہ ایم، عالم بیخودی، ہم عین شعور است و صحبت خواب نیز آئینہ حضورؔ۔''

''جب تک ہم یہاں بیٹھے ہیں تم تھوڑی دیر سو رہو۔ ''عالم بیخودی'' بھی عین ''عالم شعور'' ہے اور ''صحبت خواب'' بھی آئینہ حضور ہے۔''

شاہ صاحب کے بیان کی بیدل نے ایک نظم میں وضاحت کی ہے جس میں خواب و بیداری کی بحث فلسفیانہ انداز سے کی ہے اس لئے اس کو پانچویں باب 'بیدل کے افکار و خیالات'' میں بیان کریں گے۔

غرض شاہ صاحب کے حسب ہدایت بیدل نے جونہی آنکھیں بند کیں اس کا درد جاتا رہا اور ... کچھ دیر بعد جب بیدار ہوا تو شاہ صاحب کی تلاش شروع کی پر کہیں ان کا کوئی نشان پتہ نہ تھا ... نے اپنی کیفیت کا اظہار اس طرح کیا۔

''ہر چند اثری از درد چشم، محسوس تامل نمی نمود۔ اما ہر طرف چشم می کشودم، درد دل طوفان قیامت انگیختہ بود۔ نشأ سودا، بتازگی دوبالا گردید۔ وشور جنون مکرر بر دماغ پیچیدہ۔''

یعنی درد چشم کا گو کوئی اثر محسوس نہ تھا پر جدھر آنکھیں کھولتا درد دل نے ایک طوفان قیامت کھڑا کر رکھا تھا۔ ''نشہ سودا'' از سر نو دوبالا ہو گیا تھا اور ''شعلہ جنون'' نئے سرے سے دماغ میں بھڑ کنے لگا تھا۔

شاہ موصوف سے بیدل کی تیسری ملاقات ۱۰۸۰ھ/ ۱۶۶۹ء میں دہلی کے بازار میں ہوئی۔ اس زمانے میں بیدل کی شادی ہو چکی تھی اور ذریعۂ معاش کی خاطر وہ اورنگ زیب کے تیسرے لڑکے اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اعظم شاہ کے دربار سے بیدل کی وابستگی کی نوعیت اور مدت پر ... صفحات میں بحث ہوگی۔ مجموعی طور پر آزاد منش بیدل ازدواجی زندگی اور سپہ گری کے بندھنوں میں گرفتار ہو کر کچھ مطمئن نہیں دکھائی دیتا ہے۔ اس صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاہ صاحب سے تیسری ملاقات کی تفصیل سنئے۔

ایک دن بیدل عربی گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی کے بازار سے گزر رہا تھا، اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ دور سے کچھ لوگوں کی بھیڑ نظر آئی جن کی نگاہیں بیدل پر لگی ہوئی تھیں۔ جس قدر وہ ان کے قریب ہوتا جا رہا تھا اس کی شخصیت اسی قدر تماشا گاہ بنتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے اس کی وجہ جاننی چاہی۔ جب ان کے بالکل قریب آ گیا تو ایک تماشائی کو بولتے ہوئے سنا:

''دوستو! دیکھو ایک دیوانہ اس سوار کے پیچھے دوڑا چلا آ رہا ہے اور گھوڑے کے قدموں سے قدم ملا کر رقص کرتا ہوا آ رہا ہے۔''

بیدل نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ شاہ کابلی کا ''جمال خورشید تمثال'' تھا جس نے پردۂ غیب سے نکل کر ''ذرۂ بیتاب'' کو اپنی نگاہ مستی پناہ کی آغوش میں لے لیا تھا۔

فوراً گھوڑے سے اترا اور چاہا کہ جلد سے جلد ان کے قریب پہنچ کر ان سے بغل گیر ہو لیکن شاہ صاحب نے پہل کی اور انتہائی لطف و محبت سے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔

... پردہ دیگر تاب خودداری کراست　　　　ای رفیقاں! نوبہار آمد کنوں دیوانہ ام

دوست پردے سے باہر آ گیا اب ضبط کی تاب کہاں۔ اے دوستو! نوبہار آ گئی اب تو میں دیوانہ ہو گیا۔

پاس ہی ایک دوکان خالی پڑی تھی۔ شاہ کے حسب ہدایت دونوں وہاں جاکر بیٹھ گئے اور
میں باتیں کرنے لگے۔ بیدل نے پوچھا ''اب میں آپ کو کیسا لگ رہا ہوں؟''

''جیسے پہلے تھے'' شاہ صاحب نے جواب دیتے ہوئے کہا ''اور جس حوصلہ وہمت کا مظاہرہ
نے پہلے کیا تھا، تمہاری شخصیت کے انداز میں جو انقلاب آیا ہے وہ قدرت کی کرشمہ سازی کا نتیجہ
یہاں طوفان رنگ نے موسم کی باگ توڑ کر رکھدی ہے۔

مطلب شاہ صاحب کا یہ تھا کہ جس طرح پہلے تم روحانی اور باطنی فضائل کے حصول کے لئے
کمر بستہ رہتے تھے وہ صورت حال ہنوز برقرار ہے حالانکہ تمہاری شخصیت ایسی لگتی ہے کہ عظیم انقلاب
کے بعد نقطہ عروج پر پہنچے گی پر اب تک تم اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا اندازہ نہیں لگا سکے۔

توان حسنی کہ با صد کیف و کم، خود را نمی یابی   ز بس آئینہ داری در عدم، خود را نمی یابی

تم وہ حسن ہو جس میں کیف و کم (مقدار اور وصف) دونوں چیزیں موجود ہیں لیکن تم خود
آپ سراغ لگا نہیں پا رہے ہو۔ دنیائے عدم میں تمہارے پاس بے شمار آئینے ہیں لیکن خود ''آپ'' تک
نہیں پہنچ پا رہے ہو۔

اگر صد عمر پرواز تو صرف جستجو گردد   ز بیداری اسرارت، قم خود را نمی یابی

تقدس جوہر رمز کمالت کیست دریابی   ز بس از فہم بیرونی، تو ہم خود را نمی یابی

بیدل نے جواب دیا:

''تخم تجرد، بریشہ تاہل تنیدہ است۔ و بہار آزادی، بشاخ و برگ تعلق گردیدہ اما نسیم گلشن،
بان رو ائح مخبر است کہ نہال یکتائیم، بآبیاری نیرنگ علایق ثمریکہ عبارت از نتائج باشد۔
نخواہد بست، تا آنقدر بار خاطر تواند گردید۔''

تخم تجرد، ریشہ تاہل سے بُن چکا ہے (میری شادی ہو چکی ہے) اور ''بہار آزادی'' شاخ
برگ کے تعلق سے وابستہ ہو چکی ہے۔ پر چمن کی باد نسیم اس امر کو واشگاف کرتی ہے کہ میری یکتائی کے
پودے میں نیرگ علایق کی آبیاری سے وہ پھل جس کو نتیجے سے تعبیر کیا جاتا ہے نہیں لگے گا۔

شاہ صاحب نے اس کا جواب بڑی تفصیل سے دیا۔ چونکہ شاہ صاحب سے بیدل کی یہ تیسری
اور آخری ملاقات تھی اس لئے پچھلی دو ملاقاتوں میں جو تشنگی رہ گئی تھی شاہ صاحب نے اسے دور
جن حقایق و معارف کو انہوں نے اشاروں اور کنایوں میں سمجھایا تھا ان کو تفصیلی سے بیدل کے گوش گزار
کرنا چاہا اس بنا پر ان کا تفصیلی بیان نقل کیا جاتا ہے۔

شاہ کابلی کے ارشادات کو بیدل کے افکار و خیالات کا نچوڑ سمجھنا چاہئے۔ بیدل نے عرض کیا

کہ اگرچہ میں نے ازدواجی زندگی کا طوق گلے میں ڈال لیا ہے تاہم میرے باطنی احساسات بتاتے ہیں
کہ میں بدستور ''نہال یکتائی'' ہوں اور ہر طرح کے قیود و شرائط سے آزاد ہو کر صرف خدائے جل جلالہ
سے وابستہ ہوں۔

شاہ صاحب نے بیدل کے خیال کی تائید کرتے ہوئے فرمایا:

''... کہ دانستہ ای، ما افرادیم لم یکن لہ کفوا احد۔ لطیف مطلقیم، تا ملکدہ حقیقت
... ''عالم کثیف'' نامیدہ۔ و بہار نیرنگیم، از قصور کیفیات خود، شاخ و برگی برہم تراشیدہ۔
... کثافت، غبار آئینہ لطافت است۔ و نہ تخیل شاخ و برگ، حجاب بہارستان نزاہت،
... نیم گام نفس، وجود تا عدم پی سپر است و بیک حرکت مژہ، غیب تا شہود تابع نظر۔ تا چشم
... ایم نقطہ گل کردہ است۔ و تا مژہ بستہ ایم معنیہا پی بردہ۔ نفسی در دل گرہ بستہ ایم گنج
... معانی، نقد کیسہ تخیل، و نسیمی در غنچہ دزدیدہ ایم، بہار رنگ عبارات، صورت آئینہ تامل۔
... قدرتیم، بآرائش مرأت افشار سیدہ۔ نشأ شوقیم، مقیم ساغر دماغ گردیدہ۔ خیالیم در
... تصور کائنات سرایت نمودہ۔ و نگاہیم، باعتبار گل صور نقاب تحقیق کشودہ۔ اینجا لطیف،
... لطیف است، واسطہ چشم و گوش بہانہ۔ و تنزیہہ، آئینہ تنزیہہ است گفت و گوی جسم و
... افسانہ۔ نفس، جزر و مد بیچون است، از قعر ''عدم مطلق'' تا ساحل ''وجود مقید''، طوفان
... شرت ما دمن۔ و نگاہ، بست و کشاد دریچہ غیب است، عینک پرداز مطالعہ خلوت و
انجمن۔ اینکہ ''عالم'' می خوانیم، صفحہ دلی مطالعہ کردہ ایم۔ و آنچہ ''اشیا'' می دانیم، سطر نگاہی
... آوردہ۔ ''دل'' اجتماع کیفیت علوم است۔ و علوم ادراکات معانی نامفہوم۔ وسوسہ از
... تراشیدن، ہم صنعتی است، و اوہام بر خود بستن نیز قدرتی۔ در وادی ظہور کسب ما
... بت'' است، نہ اظہار غیبت، ہر قدر توانی، در لباس کوش۔ و تا ممکن است خود را بہ خود
... ۔ با ہمہ بی تعینی، ''غیر'' عبارت تعین ماست، یعنی حصول تو ہم پیدائی۔ ''و عین''
... بی صفتی، یعنی تغافل اوضاع خودنمائی۔ ''صفت'' بی ذات معدوم است۔ تاملی باید
... ۔ و ''ذات'' بی صفت موہوم چیزی نمی توان نمود۔ ہر جا موسوم صفات نیستیم، ذاتیم۔ و
... صفات باسم آمدہ ایم۔ صفاتیم۔ (۲۶۳)

... ہے جو تم نے سمجھا۔ اس کے بعد ''وحدت در کثرت'' اور ''خلوت در انجمن'' کی وضاحت
کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم لوگ درحقیقت ایک ایسے خاندان کے افراد ہیں جس کا عنوان ہے ''لم یکن
... سورہ اخلاص کی یہ آیت خدائے تعالیٰ کے اوصاف کے تذکرے میں آئی ہے یعنی یہ کہ وہ اکیلا

ہے کوئی اس کا شریک وساجھی نہیں اور نہ مد مقابل ہے گویا خدا کی ہستی لاثانی ہے۔ ہم انسان
پیدائش کے لحاظ سے انسانی خاندان کے افراد شمار ہوتے ہیں، پر اس بنا پر کہ اپنی ہستی کو خدا کی
کردیا یا فنافی اللہ ہوگئے اور ہر چیز سے کٹ کر اس سے وابستہ ہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ہم
ایزد، کے افراد ہیں۔ ایک طرف 'لطیف مطلق'' ہیں، جسے عالم کشف، کہتے ہیں وہ اپنی
کدہ ہے۔ دوسری جانب ہم ''بہار نیرنگ'' ہیں کہ اپنے مختلف کیفیات وجذبات کی وجہ سے
تراشا کرتے ہیں۔ ''عالم خاک'' سے تعلق کے باوجود ہماری ساری توجہ اس جہاں پاک کی طرف
اس دنیائے پلید کی کثافت کا خیال اُس دنیائے پاک کی لطافت کے آئینے کا غبار نہیں بنتا اور
برگ کا تصور ''بہارستان نزاہت'' کے لئے آڑ ہوتا ہے۔ ہمارا وجود وعدم دونوں باہم اس قدر
واقع ہوا ہے کہ ان دونوں کے درمیان نیم گام نفس، سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے
شہود کے درمیان پلک کی ایک جھپک سے زیادہ کوئی تفاوت نہیں ہوتا ہے۔ ''نفس'' کیا ہے؟
جذر و مد، جب عدم سے نکل کر منصۂ وجود میں قدم رکھتا ہے تو ''ماومن'' کی تعبیر کے ذریعہ
خود کو ممتاز کرتا ہے۔ ''نگاہ'' کیا ہے؟ غیب کا بست وکشاد۔ جب وا ہوتی ہے تو انجمن کا مطالعہ
اور جب بند ہوتی ہے تو ''خلوت'' کے مطالعہ میں مصروف ہوجاتی ہے۔ جسے ''عالم'' کہتے ہیں
میں ''صفحۂ دل'' ہے، جسے 'دل' کہتے ہیں وہ درحقیقت نام ہے گونا گوں علوم ومعارف کی
'علوم' نام ہے نامفہوم معانی کے ادراک کا، یعنی جب مفاہیم ومعانی واضح ہوکر ہمارے دماغ میں
ہوتے ہیں تو ہم انہیں 'علم' کہتے ہیں۔ اس وادی ظہور میں جسے ''عالم آب وگل'' کہتے ہیں
سانس لیتے ہیں تو ہماری ساری تگ ودو 'غیریت' کہلاتی ہے۔ زیادہ واضح الفاظ میں ہماری ساری
وجستجو کا مرکز ومحور ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو خدائے تعالیٰ سے بیگانگی کی نسبت رکھتی ہیں کیونکہ یہ
زیادہ تر کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے وغیرہ بنیادی اور غیر بنیادی ضرورتوں کی
وابستہ ہوتی ہیں۔ گویا ہمارا تعلق خدا سے ہر حال میں برقرار رہتا ہے حتی کہ جب ہم اپنی
ضروریات کی تکمیل کررہے ہوتے ہیں ہمارا تعلق اس مرکز پرکار سے نہیں ٹوٹتا۔ وہ واحد چیز
ہم ''تفاوت'' کی حیثیت سے کرسکتے ہیں وہ ہے ان کاوشوں کی ''غیریت اور بیگانگی'' اس
ہدایت اور صلاح ہے کہ امکانی حد تک آپ کو خود آپ اپنے لباس میں پوشیدہ رکھو۔ حقیقی لباس صوفیہ
نزدیک 'لباس احدیت'' ہے جو عارفوں کے جسم پر پوری طرح راس آتا ہے۔ اسی قسم کے
لئے قرآن پاک میں ''صبغۃ اللہ'' (خدا کا رنگ) کی تعبیر آئی ہے اور اس کی اہمیت کو واضح
ہوئے قرآن پاک کہتا ہے ''ومن احسن من اللہ صبغۃ'' اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ

کا مقصود یہ ہے کہ راہ سلوک کے مسافروں کو حتی الامکان یہی ''رنگ احدیت'' اختیار
۔

شوخی لباس، ہماں سر بجیب باش در ''عالم شہود'' ز مردان غیب باش
اس کی تمام تر شوخی کے باوجود تم سر بگریباں رہو ''عالم شہود'' میں بھی مرد غیب کی پوزیشن
۔

حقیقتی است، نیاز مجاز ما یکچند ''شوق موسیٰ'' و ''درد شعیب'' باش
ے مجاز کا 'نیاز' حقیقت کا 'ناز' ہے تھوڑی دیر ''شوق موسیٰ'' اور 'درد شعیب' بن کر زندگی گذارو۔
مہ خیال ''دوئی'' گرم کردہ ایم ما ئیم وعرض آئینہ گو جلوہ غیب باش
''دوئی'' کے تصور کا ہنگامہ ہم نے گرم کر رکھا ہے ہم ہیں اور آئینہ سامنے ہے کہہ دو ''جلوہ'' غیب
ہے۔

کے بعد 'عین وغیر' کے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں تمام تر 'بے تعینی' کے باوجود
عبارت ہے یعنی ''توہم پیدائی'' کا حصول اور عین بی صفتی کی اصطلاح یعنی ''اوضاع خود
تغافل ہے۔ 'تعین' سے مراد 'وجود ہستی' ہے لہذا جو لوگ نظریہ ''ہمہ اوست'' کے قائل ہیں وہ
وجود کا انکار کرتے ہیں اس کے باوجود 'غیر' ہمارے درمیان سے نہیں جاتا۔ ہاں ایسی شکل
'ہستی'' ہماری قوت واہمہ کی اختراع اور اپج ہے اور 'عین' سے مراد 'بے صفتی' (خالی عن الصفت
یعنی جب ہم ذات کو صفت سے الگ ہوکر دائرۂ خیال میں لاتے ہیں تو 'عین' سامنے آتا ہے
ہے اپنی اس ''خاکی ہستی'' کو 'عین ذات احدیت'' کا نام دیں اس لئے ایسی صورت میں
احتراز کرنے پر مجبور ہیں۔ یہاں شاہ صاحب ذات وصفت اور ان کے باہمی تعلق کی
ے میں یہ واضح فرماتے ہیں کہ صفت بغیر ذات کے معدوم ہے یعنی ذات کے بغیر صفت
ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح ذات بغیر صفت کے موہوم ہے یعنی بغیر صفت کے ذات کی
کی جاسکتی۔ اس لئے دونوں کے تعلق کی نوعیت لازم ملزوم کی ہے۔ اس مقدمہ سے ہم اس
کہ جب کبھی ہم صفت سے متصف نہیں ہوتے ہیں تو ہم ذات ہیں اور اگر صفت سے
میں تو ہم صفات ہیں۔

پر بیدل نے ایک غزل کے ذریعہ شاہ صاحب کے خیالات کا لب لباب پیش کیا ہے۔
تو ہمی، نہ سفر گزیں نہ اقامتی قدم و حدوث تخیلی، نہ شکستی ونہ سلامتی
''توہم'' کا موتی اور سمندر ہے، نہ سفر اختیار کر اور نہ کہیں قیام کر۔ تیری قدامت وحداثت

'تخیل' کی کرشمہ سازی ہے۔ (ورنہ در حقیقت) ٹوٹا ہوا ہے تو اور نہ سلامت ہے۔

چمنت حقیقت بی خزاں وطنت طربگہ جاوداں المی بخود بزہی کماں کہ تو عشرتی و [illegible]

تیرا چمن خزان سے عاری ایک حقیقت ہے، تیرا وطن ایک ابدی طربگاہ ہے۔ تو تو سراپا [illegible] ندامت ہے الم کو اپنے پاس پھٹکنے مت دے۔

بفلک فروغ تو در نظر، بزمیں بہار تو جلوہ گر به چمن سحاب وبگل سحر ہمہ جا ظہور [illegible]

آسمان پر تیری روشنی اور چمک دکھائی دیتی ہے، زمین پر تیری بہار جلوہ گر ہے تو چمن [illegible] اور پھول میں سحر کی شکل میں ہے غرض ہر جگہ تیری کرامت وشرافت کا ظہور ہے۔

چوز خود بخود نظری کنی، روی از خود و دگری کنی تو مگر چنیں ہنری کنی کہ بگویمت چہ [illegible]

جب تو خود آپ اپنے اوپر (یا اپنی ذات اور ہستی پر) غور کرلے گا تو آپ اپنے ''خو[illegible] ''ہستی'' سے نکل کر کچھ اور ہو جائے گا۔ ایسا کوئی ہنر اور فن دکھا کہ ہم یہ پوچھنے پر مجبور ہوں کہ آخر [illegible] چیز کی علامت ہے؟

بہ بیان کمال شریعتی، بہ بغل شگوفہ طریقتی بخیال حشر حقیقتی، تو قیامتی تو [illegible]

بیان کے لحاظ سے تو ''کمال شریعت'' ہے اور پہلو میں تو ''انوکھی طریقت'' کا حامل ہے [illegible] خیال میں تو ایک محشر حقیقت کا ہے۔ تو قیامت واقع ہوا ہے تو قیامت واقع ہوا ہے۔

شاہ موصوف کی باتوں سے بیدل کتنا متاثر ہوا اس کا اندازہ اس کے درج ذیل بیان [illegible] جاسکتا ہے۔

''مطالعہ اسرار ''حیرتی'' غبار نگاہم گردید و ''بیخودی'' در دماغ شعورم پیچید۔ (۲۶۴)

اسرار ''حیرت'' کا مطالعہ میرے لئے غبار نگاہ بن گیا اور ''بیخودی'' میرے دماغ کے شعو[illegible] رچ بس گئی۔

لیکن جب اسے ہوش آیا تو شاہ صاحب بیدل کو اکیلا چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔

دلدار رفت و بیخودیم درکنار ماند تمثال جست و آئینہ حیرت شکار [illegible]

محبوب روانہ ہو گیا پر میری ''بیخودی'' میرے پاس رہ گئی۔ تمثال جست کر کے روانہ ہو [illegible] اور آئینہ ''حیرت شکار'' رہ گیا۔

بیدل نے شاہ صاحب کے یہ ارشادات اس وقت قلم بند کئے ہیں جب تیسری ملاقات [illegible] سال گزر چکے تھے یعنی ۱۱۰۰ ہجری کے آس پاس پھر بھی اپنی شخصیت اور روح پر شاہ صاحب کے [illegible] کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''امروز بیست سالست، مست خیال آن ساغرم، و از خمار کلفتہای ہستی، بی خبر۔ مامور معیت ذوقم، ہرچہ فرماید۔ و مجبور ساقی شوقم، ہرچہ پیماید۔ گاہی در کسوت عبارت ''معنیٰ'' بجلوہ ایم۔ وگاہی بکیفیت معنی نقاب عبارت می کشائیم۔ گردش بہ تسلسل کشیدہ است۔ و پرواز خیال، بر طپیدن تنیدہ۔ تا آن ''پرکار تسلسل'' کی بمرکز بر آید، و این پرواز خیال چہ وقت آشیانی نماید۔'' (۲۶۵)

آج بیس سال ہو گئے اس ''ساغر خیال'' سے مست ہوں اور ''ہستی'' کی کلفتوں سے لاعلم ہوں، [illegible] ہدایات پر اس کی رفاقت نبھاتا ہوں اور شوق کا ساقی جس چیز کا دور چلائے اسے اختیار کرتا [illegible] ''عبارت'' کے لباس میں ''معنیٰ'' نظر آتا ہے اور کبھی ''معنیٰ'' کی کیفیت میں نقاب ''عبارت'' [illegible] دیتا ہے۔ گردش تسلسل کی صورت اختیار کر گیا ہے اور پرواز خیال آمادۂ طپش ہے۔

بیدل کا انداز بیان ذرا پیچیدہ ہوتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ کرنا آسان نہیں خصوصاً اس وجہ سے [illegible] معمولی بات بھی استعارات وکنایات کے حسین ملبوس میں ادا ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی [illegible] ضروری ہے۔

شاہ کابلی نے معرفت کی جو شراب بیدل کو پلائی تھی اس نے اسے ایسا مست کر دیا کہ اپنی ہستی کا [illegible] ہوش نہیں رہا اور زندگی کی کوئی خوشی یا ناخوشی اسے متاثر نہیں کر سکی۔ تب سے نظم ونثر کی شکل میں [illegible] سامنے آئے سب اس صوفیانہ اور عارفانہ ذوق کے زیر اثر تھے جو شاہ صاحب سے ملاقات او[illegible] کے بعد اس کے اندر پیدا ہوئے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نمایاں شخصیت سے اس [illegible] ملاقات اس کے قلب ودماغ پر غیر فانی اثرات چھوڑ گئی۔ اس کے فکری سفر کا یہ نقطۂ عروج تھا [illegible] کی سوچ کے دھارے کو ہمیشہ کے لئے متعین کر دیا اور مضامین کے لحاظ سے بھی اسے اتنا [illegible] کر دیا کہ اپنے بیان کی ساری صلاحیتوں کو ان کی توضیح وتبلیغ اور تفسیر کے لئے وقف کر دیا۔

[illegible] محمد اکرام بیدل کے ان روحانی اساتذہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ تھے وہ حالات جس کے اندر بیدل کے عہد شباب کے قیمتی لمحات ان کے زیر اثر [illegible]زرے۔ اس کے نتیجے میں اس کے اندر غیر مرئی اور موہوم اشیاء کی طرف اس کا میلان [illegible] ہوا جس نے اس کے کلام کو ایک خاص رنگ عطا کیا۔'' (۲۶۶)

[illegible] انصاری مرحوم کا خیال ہے:

[illegible]یسہ میں شاہ قاسم نے ان کی روحانیت کو نکھارا اور دہلی میں شاہ کابلی سے انہوں نے [illegible]فت کے رموز حاصل کئے۔'' (۲۶۷)

لیکن جس طرح ہم نے بیدل کی فکری اور روحانی ارتقاء کا مطالعہ کیا اس سے یہ نتیجہ برآ
ہے کہ ''وحدت الوجود'' سے متعلق جو شبہات بیدل کو تھے شاہ کابلی نے ان کے دور کرنے میں اہم
ادا کیا اور جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا ''وحدت الوجود'' بیدل کی شاعری کا ایک اہم ترین
عظیم ترین موضوع ہے اس لئے اس کے کلام کو ''دور دراز اور غیر مرئی اشیا'' کی طرف منسوب
کرنا چاہئے۔

یہاں تک روحانی اساتذہ کی صحبت سے بیدل کے استفادے کا تذکرہ تھا اور اس میں شک
کہ ہر ایک نے بیدل کے شاعرانہ ذوق کی آبیاری اور روحانی و فکری بالیدگی میں اہم رول ادا کیا۔
شاہ کابلی کے بعد بیدل کی ملاقات بیشتر نوابوں، زمینداروں اور شہزادوں سے نظر آتی
لیکن ان میں سے کسی کیلئے وہ ''خورشید نگاہ و عالی ہمت'' کی تعبیر استعمال نہیں کرتا۔

اب ہم ایک بار پھر ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء کی طرف واپس لوٹتے ہیں جبکہ بیدل نے دہلی
وہاں کے سماجی و ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔

اس موقعہ پر شاہ محمد شفیع وارد طہرانی کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان (جس سے
بظاہر دہلی، اکبر آباد، متھرا اور اس کے آس پاس کا علاقہ مراد ہے) پہنچ کر بیدل نے سب سے
مرزا سلیمان کا تعارف حاصل کیا اور اس کی وفات تک اس کی صحبت میں رہا۔ مرزا سلیمان محمد معز الدین
شاہ عالم بہادر شاہ کا ماموں تھا۔ وارد لکھتا ہے۔

''میرزا بیدل در کمال جوانی رو بہندوستان آورد و در صحبت میرزا اسلمان خالوی حقیقی سلطان
محمد معزالدین خلف شاہ عالم بن عالمگیر سالہا بسر برد۔ بعد فوت میرزا سلیمان، در سلک
ملازمان اعظم شاہ بن عالمگیر منسلک گشتہ بیت الغزل دیوان اعتبار گردید۔'' (۲۶۸)

مرزا بیدل نے عنفوان شباب میں ہندوستان کا رخ کیا اور پہلے مرزا سلیمان جو سلطان
معزالدین خلف شاہ عالم بن عالمگیر کے حقیقی ماموں تھے، کی صحبت میں کئی سال گذارے۔ مرزا سلیمان
کی وفات کے بعد اعظم شاہ بن عالمگیر کے ملازموں کی صف میں شامل ہو کر اس کے دیوان
''بیت الغزل'' ثابت ہوئے۔

رقعات بیدل میں مرزا سلیمان کے نام دو خطوط ملتے ہیں۔ یہ خطوط دونوں کے درمیان
روابط پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مرزا سلیمان اس سے محبت کرتا تھا اور اس کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔ بیدل
حد تک اس کے اخلاق حمیدہ سے متاثر تھا۔ لکھتا ہے:

''ہر چند غبار بی سروپا در ہوای دامن مقصود سراپا طپش بود، بی توجہی نسیم اقبال امداد جرأت

نمود۔ در گرہ انتظار از امید شگفتگی چمنی را فراہم دارد و بہ شکر نعمای آن صبح بہار اخلاق و
احسان نفس می شمارد۔'' (۲۶۹)

بی سروپا گرد (بیدل) دامن مقصود کے حصول میں اگرچہ سراپا طپش تھی (آپ کی طرف سے)
کی بے توجہی نے اس کی جرأت کی مدد نہ کی۔ شگفتگی کی امید میں گرہ انتظار میں ایک چمن فراہم
ہے اور اس بہار اخلاق و احسان کی صبح بہار کے شکرے میں نفس شماری کرتا ہے۔

ولیم بیل کا بیان ہے کہ مرزا سلیمان عالمگیری عہد کے ایک وزیر تھے اور فضائل خاں کا خطاب
تھا۔ مرزا موصوف ۱۱۰۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ سرخوش نے اس کی تاریخ وفات
اس طرح نکالی ہے۔

شد شیخ سلیمان بہ سوی دار فنا　　وارست ز قید ہستی بی سرو پا (۲۷۰)

شیخ سلیمان نے جہان فانی سے کوچ کیا اور ہستی بی سروپا کی قید سے آزاد ہو گئے۔

اب شاہ وارد کے بیانات کو اگر درست مانا جائے یعنی یہ کہ مرزا سلیمان کی وفات کے بعد
اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ ہوئے تو لازم آتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۰۱ھ میں پیش آیا جو کسی طرح صحیح
نہیں ہے اس لئے کہ بیدل کے بیان کے مطابق ۱۰۷۹ھ - ۱۶۶۸ء میں شادی کے بعد اسے فوراً
فکر لاحق ہوئی اور چونکہ پہلے سے اسے سپہ گری کا تجربہ تھا اور آبائی روایت بھی یہی رہی تھی
اعظم شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔

''ناچار متبع سنت آباء گردید و طریقہ سپاہ گزید۔'' (۲۷۱)

مجبوراً آبائی روایت کی پیروی کی اور سپہ گری اختیار کی۔

اس لئے یقینی طور پر ۸۰-۱۰۷۹ھ ۶۹-۱۶۶۸ء کے آس پاس ملازمت اختیار کی ہے قابل
ہے۔ نام بیدل کے ایک خط سے جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سال
۱۰۸۰ ہجری ۱۶۶۹ء ہے اس کے علاوہ خود بیدل کا بیان ہے کہ ۱۰۹۶ ہجری سے ۱۱۰۸ ہجری تک
بارہ سال شکر اللہ خاں کی حمایت او رسرپرستی میں دہلی میں زندگی گذاری۔ ۱۱۰۸ ہجری
میں شکر اللہ خاں کی وفات کے موقعہ پر ان کے صاحبزادے کے نام ایک تعزیتی خط
بیدل لکھتا ہے:

''از دست رفتن دامن دولتی کہ سلسلہ موافقتش دوازدہ سال محرک عسرت آہنگی ساز انفاس
بود چشم عبرت یکبارہ برروی ادبار کشود۔'' (۲۷۲)

اس بنا پر وارد کا بیان شک و شبہے سے خالی نہیں ہے۔

لیکن مرزا سلیمان کے لئے بیدل کے الفاظ'' آن صبح بہار اخلاق واحسان'' بتاتے ہیں اس کی ملازمت میں نہیں رہے تو کم از کم اس کے حسن سلوک سے زیر بار رہے۔

بیدل کے رقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں اپنے قیام ۷۷-۱۰۷۶ھ ۶۶-۱۶۶۵ دوران شاہجہاں آباد کے ایک نامور امیر اور نواب عاقل خان رازی کے اوصاف حمیدہ واخلاق پسندیدہ اور ان کے خاندان کے بابت بیدل کو کچھ معلومات حاصل ہو چکے تھے۔ بیدل نے سرپرستی حمایت کے حصول کے لئے فیصلہ کیا کہ ان سے خوشگوار تعلقات قائم کیا جائے۔ عاقل خاں رازی کے بیٹے قیوم خان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

'' للہ الحمد از تہذیب اخلاقیکہ شایستہ این خاندان کرم آشیاں است انچہ می شنود گوش محامد نیوش، ذخیرہ سعادت می انپارد'' (۲۷۳)

بحمد اللہ اس تہذیب اخلاق کی بابت جو اس خاندان کرم آشیاں کے سزاوار ہے جو پرخلوص گوش محامد نیوش اس سے ذخیرہ سعادت اکٹھا کر رہا ہے۔

عاقل خاں رازی سے اس ۔کے اولین تعارف کی دلیل یہ ہے کہ ۱۰۷۸ھ ۱۶۶۷ء میں بیدل نے اپنی پہلی مثنوی ''محیط اعظم'' لکھ کر انہیں پیش کیا اور اس میں لکھا ہے کہ حسب وعدہ جناب سے ملاقات میں قدرے تاخیر ہوگئی اس لئے مثنوی پیش کر کے معذرت چاہتا ہوں۔

'' وعدہ آں قرب سعادت، بہ بعد این ہمہ مدت کشید.......... محیط اعظم را وسیلہ آمرزش قصور نمودہ بہ بارگاہ قبول معذرت فرستاد۔'' (۲۷۴)

عاقل خان رازی کا شمار اورنگ زیب کے بااثر امرا میں ہوتا تھا۔ مرور ایام کے ساتھ بیدل کے تعلقات نہ صرف عاقل خاں رازی بلکہ ان کے پورے خانداں خصوصاً داماد شکر اللہ خان کے ساتھ نہایت مستحکم ہوگئے تھے۔ اس لئے یہاں رازی کے مختصر حالات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ مولوی ظفر حسن خان نے واقعات عالمگیری، کے انگریزی ترجمہ میں عاقل خاں کے حالات مختلف منابع اور ذرائع سے ایک جگہ جمع کر دئے ہیں اس لئے من وعن اس کا ترجمہ پیش ہے:

میر عسکری جو عاقل خاں رازی کے نام سے زیادہ مشہور تھے خراسان کے خافی سادات سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ وہ اورنگ زیب کے ابتدائی حامیوں میں تھے، اس لئے اپنی تخت نشینی کے وقت ہی اورنگ زیب نے انہیں ''عاقل خاں'' کا خطاب دیدیا تھا۔ ان کا سرکاری عہدہ اکثر بدلتا رہا۔ انہوں نے اپنا منصب ترک کر کے دو دفعہ ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کی لیکن شاہی عنایات اور مراحم نے انہیں دوبارہ درباری وسرکاری خدمات کو قبول کرنے پر آمادہ کیا۔

درباری کتابوں میں جو حوالے ان کے بارے میں ملتے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کبھی درباری سیاست اور سازشوں میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے پرامن زندگی گزارنے کو ترجیح دی جس میں وہ ادبی سرگرمیوں میں اپنا وقت گزارا کرتے تھے۔ شعر شاعری ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ انہوں نے ایک دیوان اور کئی مثنویاں یادگار کے طور پر چھوڑی ہیں، لیکن نثر میں ''واقعات عالمگیری'' کے سوا کوئی اور کتاب ان کی طرف منسوب نہیں ہے۔ شاعری میں اپنا تخلص رازی اپنے مرشد حضرت برہان الدین رازی سے غیر معمولی عقیدت کی بنا پر اختیار کیا اور خافی اس لئے کہے جاتے تھے کہ ان کے اباؤ اجداد خاف کے باشندے تھے۔

عاقل خاں نے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، شہزادہ اورنگ زیب کی خدمت میں سرکاری عہدوں پر کام شروع کیا۔ شہزادے نے جب شاہجہاں سے ملاقات کے لئے جو بیمار تھا، دکن سے دہلی کا رخ کیا تو عاقل خاں ''بخشی دوم'' کے عہدے پر فائز تھا۔ اسے شہر دولت آباد کے نظم ونسق کے لئے چھوڑ دیا گیا اور ان کا منصب بڑھا کر پندرہ سو ذات اور پانچ سو سوار کا کر دیا گیا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے بعد انہیں شہزادہ معظم کی مصاحبت کا حکم ملا۔ یہاں وہ دوآبہ کے فوجدار مقرر ہوئے اور ان کا منصب پندرہ سو ذات اور ایک ہزار سوار کر دیا گیا۔ ۱۰۷۲ ہجری ۶۲-۱۶۶۱ء میں خرابی صحت کی بنا پر انہیں اپنے منصب سے سبکدوشی اور ریٹائرمنٹ کی اجازت ملی اور نو ہزار روپے سالانہ کی پنشن ان کے لئے منظور کی گئی۔ ۱۰۷۳ ہجری (۶۴-۱۶۶۳ء) میں کشمیر کے سفر سے واپسی پر اورنگ زیب نے لاہور میں اپنا دربار منعقد کیا اور عاقل خاں نے جو اس وقت وہاں قیام پذیر تھے، شاہی خدمت میں دوبارہ داخل ہونے کی رضا مندی ظاہر کی اور انہیں انکا منصب عطا کیا بلکہ دو ہزار ذات اور سات سو سوار کے عہدے پر انہیں ترقی ملی۔ یہاں وہ بادشاہ کے حشم وخدم کی صف میں شامل ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ دہلی پہنچتے ہی بادشاہ نے انہیں داروغہ غسلخانہ، کے عہدے پر فائز کیا۔ تین سال کے بعد ۱۰۷۷ھ ۶۷-۱۶۶۶ء میں انہیں ڈھائی ہزار ذات اور سات سو سوار کے عہدے پر ترقی ملی یہ واضح نہیں ہے کہ داروغہ غسلخانہ کے عہدے پر انہوں نے کتنی مدت تک کام کیا۔ لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۷۹ ہجری ۶۹-۱۶۶۸ء میں وہ داروغہ ڈاک چوکی کے عہدے پر فائز تھے۔ بارہ ہزار روپے سالانہ پنشن کے ساتھ وہ دوبارہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے جس کی منظوری ۷۷-۱۶۷۶ء میں ہوئی۔ اپنی سبکدوشی کے دوران بھی وہ دربار سے اپنا تعلق بدستور برقرار رکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ شاہی فرمان کے تحت شاہ عالم بہادر شاہ نے سات ہزار کی مالیت کا خلعت اور شمشیر انہیں عطا کیا۔ اس کے فوراً ہی بعد ۱۰۹۰ ہجری ۱۶۷۹ء میں وہ بخشی تن کے عہدے پر فائز دکھائی دیتے ہیں۔ اورنگ زیب کے ۲۴ ویں جلوس کے

سال (۱۶۹۱ء میں) دارالخلافہ دہلی کے صوبے دار کے عہدے پر وہ فائز ہوئے اور خلعت اور مرصع شمشیری ان کو عطا کیا گیا۔ اپنی وفات ۱۱۰۸ ہجری ۹۷-۱۶۹۶ء تک وہ اس عہدے پر بحال رہے۔

کہا جاتا ہے کہ عاقل خاں اپنے فرایض کی ادائیگی میں بڑے پابند اور دلیر تھے، انہوں نے آزادی اور صاف گوئی سے کام لیا، اپنے سے بالا افسروں کے سامنے گستاخ رہے اور غربت وافلاس اور ذاتی زندگی میں بھی انہوں نے ضبطِ نفس کا دامن ہاتھ سے نہیں دیا۔ وہ فیاض، دریادل، سخی، ایماندار، مخلص اور متدین قسم کے آدمی تھے۔ اسے خارج از امکاں نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی اداء فرض میں پابندی اور افسراں بالا کے ساتھ گستاخی ان کی عارضی سبکدوشی کا سبب بنا ہو لیکن ان کی مخلصانہ اور خوبیوں اور اوصاف کو اورنگ زیب نے بجا طور پر قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کے لئے خسروانہ مراحم کی سفارش میں کبھی پیچھے نہیں رہا۔ (۲۷۵)

یہ ساری تفصیلات ایک امیر کے بارے میں بہ ظاہر یہاں ایک بے تکی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن بیدل کے بیان ''خاندان کرم آشیاں'' کی توثیق دوسرے ذرایع سے ضروری تھی اس لئے تفصلات سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی تھی۔

بہر حال عاقل خاں رازی کے توسط سے ان کے داماد شکر اللہ خاں اور وزیر اعظم جعفر خاں کے بیٹے مرزا کامگار خاں سے ان کا تعارف ہوا۔

۱۰۷۸ ہجری ۶۸-۱۶۶۷ء میں بیدل متھرا کی سیاحت کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں کی شاہ کابلی سے دوسری ملاقات ہوئی جس کی تفصیل شاہ موصوف کے تذکرہ کے دوران آچکی ہے۔ اپنی پہلی مثنوی ''محیط اعظم'' لکھ کر عاقل خاں رازی کی خدمت میں پیش کی۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں اپنے دوسالہ قیام کے دوران بیدل اپنے بعض سرپرستوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

گرفتم ز گردوں دلی شاد نیست   زعدلش عیان غیر بیداد نیست

میں نے مانا کہ آسمان کی گردش سے دل خوش نہیں ہے پر اس کے انصاف سے بیداد کے کوئی چیز نمایاں نہیں ہے۔

اس لئے اس مثنوی کو نواب موصوف کی خدمت میں پیش کر کے انکی عنایات کا چشم براہ ہے۔ لکھتا ہے:

''حصول سعادت این اشعار موقوف ورود دولتی است کہ منظور مطالعہ تواند گردانید۔ وعروج رتبہ این افکار وابستۂ زمان سعادتیکہ بقبول اصغا تواند رسانید.......... با اینہمہ خجلت زمیں

گیر یہا، کمند عجز بہ چنین خفتہ امید رسائیست کہ جذبہ لمعات ہدایت ورق افسردگی برگرداند و شبنم خاک نشین ما را با انجمن خورشید حضور رساند۔'' (۲۷۶)

اس اقتباس کے خط کشیدہ حصے سے مترشح ہوتا ہے کہ بیدل کو عاقل خاں رازی کی طرف سے خواہ جواب ملنے کی توقع تھی نیز یہ کہ مثنوی کے مطالعہ کے بعد بیدل کی شاعرانہ لیاقت و بصیرت کا اندازہ لگا کر وہ اسے ملاقات کی دعوت دیں گے۔

غرض بیدل متھرا میں اپنے لگاتار تین سالہ قیام کے خوشگوار لمحات کو انتہائی خوشی کے ساتھ یاد کرتا ہے اور خصوصاً ہندوؤں کے تیوہاروں کے دلکش و دلفریب مناظر کی تصویر کشی کرتا ہے جہاں بانسری بجانے والے گوپیوں نے اس کے رونق میں غیر معمولی اضافہ کردیا تھا۔ بیدل لکھتے ہیں:

''بلدہ متورا، کہ سوادش از ہنگام وداع گشتن، داغیست سیاہی بیرون انداختہ، وہوایش ہمان وحشت آہی، در تلاش مطلب نایاب، رنگ تسکین باختہ۔ سرشک گوپیان، ہنوز از خیمہ اش، موج خیز است۔ وصدای بانسری، تا حال از نی کوچہ ہایش شعلہ آہنگ غبار انگیزی۔''

''جب سے متھرا سے رخصت ہوا ہوں اس کا علاقہ باہر پڑے ایک سیاہ داغ کی حیثیت رکھتا ہے اس کی محبت وحشت ناک آہ کی طرح ایک مطلب نایاب کی تلاش میں امن و سکون ہاتھ سے بیٹھی ہے۔ گوپیوں کے انسواس کے خیمے سے ہنوز موجزن ہیں اور بانسری کی آواز اس کی گلی کوچوں سے ہنوز گرد و غبار فضا میں بکھر رہی ہے۔

زمینکہ محبت اثری کاشتہ است   گرداو خرمن چندین طپش انباشتہ است

جس سرزمین میں محبت اثر انداز رہی ہے اس کے گرد دھڑکنوں کا ایک کھلیان اکٹھا رہا ہے۔

بہار یکہ ازین کوچہ وزیداست نسیم   جگر چاک زصبحش علم افراشتہ است

اس گلی سے موسم بہار میں جب کبھی بادنسیم چلی ہے اس کی صبح کے چاک جگر نے اپنا علم اٹھایا ہے۔

تن شوق شو و وادی مجنون دریاب   مشہد سوختگاں بوی دل داشتہ ست

سراپا شوق بن جا اور وادی مجنون کا سراغ لگا (آتش محبت کے) جلے ہوئے لوگوں کی شہادت گاہ سے دل کی بو آرہی ہے۔

متھرا کا قصہ:

متھرا میں اپنے تین سالہ قیام کے دوران بیدل کو ایک عجیب وغریب واقعہ سے سابقہ پڑا، جس کے نتیجے میں ’سخن‘ کی حقیقت کا سراغ اسے ملا۔ اس واقعہ کی اس حیثیت سے بڑی اہمیت ہے کہ بیدل کی

افتادِ طبع کی تشخیص و تعیین میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے اس لئے اس کا تذکرہ یہاں ضروری ہے۔

متھرا میں ایک قلعہ تھا، بیدل کا ایک دوست قلعہ دار کے عہدے پر فائز تھا۔ ایک دن قلعہ دار
نے بیدل سے کہا: کچھ اوپر تین سال سے یہ قلعہ جناتوں کی دست درازیوں کا شکار ہے۔ ایسا کوئی گھر
نہیں ہے جہاں اجنہ کی تباہکاری کی وجہ سے اس کا سارا سکون درہم برہم نہ ہو گیا ہو۔ اُن کی آتشباری اور
سنگ باری کی وجہ سے اس علاقے کے لوگوں کی زندگی تلخ ہو کر رہ گئی ہے۔ بہت سے عزائم خوان
اور اپنی کوششیں کیں۔ پر ان کی تخریبی کاروائیاں کسی طرح موقوف نہ ہوئیں۔ یہی صورت حال اگر جاری
رہی اور اس پر روک نہ لگائی گئی تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ آبادی ایک دن کھنڈر کی شکل اختیار کر لے۔
بیدل کا بیان ہے کہ اس کی ان باتوں کو سننے کے بعد میرے صفحۂ دل پر درج ذیل شعر کا الہام ہوا۔

با عفاریت جہانی دگر جائی کم نیست مکانی دگر

یعنی جنوں کے لئے دنیا میں اور بھی جگہیں ہیں کہیں کوئی تنگی تو ہے نہیں۔

درج بالا شعر کو سوکھے قلم سے لکھ کر کاغذ قلعہ دار کے حوالے کیا اور تعویذ کے اصول کے مطابق
اسے ہدایت کی کہ ایک نیزے پر لٹکا کر قلعہ پر نصب کر دے۔ قلعہ دار نے ایسا ہی کیا۔ اس عمل کے ساتھ
ہی سنگباری اور آتشبازی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ اپنے تین سالہ قیام کے دوران بیدل نے ان لوگوں
سے جو قلعہ میں آمد و رفت رکھتے تھے، رابطہ قائم کیا اور ان کے حالات دریافت کئے۔ سب نے بالاتفاق
یہ ظاہر کیا کہ تب سے ابتک مکمل سکون ہے۔ یہ تو تھا ایک واقعہ۔ بیدل نے یہاں اجنہ کی سنگباری کی
موقوفی کو ''سخن'' کا اثر قرار دیا۔ کہتا ہے:

ای دماغ فطرتت سرگرم سودای سخن زین بیاں دریاب اسرار اثر ہای سخن

اے وہ شخص کہ تیری فطرت ''سودای سخن'' میں سرگرم ہے (تجھ پر سخن یا شاعری کا خبط سوار ہے)
اس بیان سے ''سخن'' کے اثرات کا اندازہ لگا۔

نقطہ و خطی کہ از پرکار امکان دیدہ ای فہم کن قدرت نگار یہای اجزاء سخن

پرکار امکان سے جو نقطہ اور خط بنتا تمہیں دکھائی دیتا ہے اس میں اجزاء سخن کی کرشمہ سازی پر غور کرو۔

دستگاہ رنگ و بوی عالم غیب و شہود نیست غیر از صورت پنہاں و پیدای سخن

عالم غیب و شہود کی دستگاہ رنگ و بوئے سخن کی ظاہر و باطن صورت کے سوا کچھ نہیں ہے جن و
سب اس حکم کی تاثیر کے آئینہ دار ہیں افسوس اس طبعیت پر ہے جو 'سخن' کے اس اشارے سے بے خبر رہا۔

کیست زین تمثال نیرنگی نباز در رنگ ہوش می رود از خود سخن ہم در تماشای سخن

ایسا کون ہے جس کا ہوش و حواس تمثال نیرنگی سے اڑ نہ جائے۔ سخن کے تماشا کے لئے بھی

(سخن) خود بخود نکلتی چلی جاتی ہیں۔

زمین تا آسمان یک حلقۂ آغوش اوست تنگ نتوان کرد از بیدانشی جای سخن

زمین سے آسمان تک سارا علاقہ (سخن کا) ایک حلقۂ آغوش ہے۔ بے علمی اور نادانی سے سخن
کے مرتبے کو کم نہیں کیا جا سکتا۔

مضمون دیگر بر طلسم خود مبند جز سخن دیگر چہ داری ای معمای سخن

اپنے طلسم وجود پر کسی اور مضمون کی تہمت مت لگاو (کسی اور چیز کی طرف دھیان مت کرو)
اے معمائے سخن یہاں 'سخن' کے سوا کیا رکھا ہے۔

ممکن ہے بہ قول بیدل یہ 'سخن' کی کرشمہ سازی ہو پر راقم السطور کے خیال میں اس کی ایک اور
وجہ بھی ہے۔ ایام طفولیت میں بیدل جب اپنے چچا مرزا قلندر کے زیر تربیت مولانا کمال قادری کی
صحبت سے استفادہ کر رہا تھا آسیب زدگی کا اسی طرح کا ایک واقعہ وہاں پیش آیا تھا۔ بیدل اپنے
ہمجولیوں کے ساتھ کھیل میں مشغول تھا قریب کے گھر والے کی بیوی پر آسیب کا اثر ہوا۔ خبر ملتے ہی
بیدل نے کسی کی انگلی پر اسم اعظم دم کر کے کہا کہ آسیب زدہ کے کان میں رکھو۔ جونہی اس نے یہ عمل کیا
جنات نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ مولانا موصوف نے بیدل کو اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا:

''باخبر باش طالعت سلیمانی نظیر است و نفست عیسوی اثر'' (۲۶۹)

واضح رہے کہ تیری قسمت سلیمان نظیر اور تیرا سانس عیسوی اثر ہے۔

اس موضوع پر ''بیدل کے افکار و خیالات'' کی فصل کے تحت تفصیل سے بحث کریں گے۔

ہمیں معلوم ہے کہ بیدل کی شاہ کابلی سے پہلی اور دوسری ملاقات نے اس کی حیرانی اور
وارفتگی میں اتنا اضافہ کر دیا تھا کہ کہیں بھی اسے قرار نہیں ملتا تھا ہمیشہ سیر و سیاحت میں زندگی گزارتا اور
اس پر سے تجرد کی زندگی نے کسی مخصوص جگہ کا پابند نہیں رکھا تھا۔

بیدل کی شادی:

آخر ۱۰۸۰ ہجری ۷۰-۱۶۶۹ء کے آس پاس دہلی میں بیدل رشتہ ازدواج سے منسلک ہو گیا اور
اسی سال شاہ کابلی سے اس کی تیسری ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے دوران اپنی ازدواجی زندگی کا تذکرہ وہ
اس انداز سے کرتا ہے:

''بعد از ملاقات ثانی کہ کاوش آتشکدۂ دل، بتکرار رسیدہ بود، دود انگیزی خرمن ہوش بہ شعلہ
کشیدہ۔ تا زمانہ اضطراب تسکین داغی بہم رسانید، دو سال دیگر گذشت۔ وتا موسم وحشت

باعتدال تالّمی گرایید، فصلہا منقضی گشت ......آخر الامر معنی تجرد، بہ عبارت تعلق تحریر یافت، ونشہ مطلق رمزخمار مقید شگافت'' (۲۸۰)

یعنی دوسری ملاقات کے بعد (جو ۱۰۷۸ ہجری میں ہوئی تھی) جبکہ آتشکدہ دل کی کاوش با معرض وجود میں آرہی تھی اور خرمن ہوش کی دو دانگیزی شعلے کی صورت اختیار کر چکی تھی جب اضطراب کا زمانہ سکون کا داغ فراہم کرے دوسال اور بیت گئے اور وحشت وسرگردانی کا موسم جب اعتدال کی صورت اختیار کرے فصل کا وقت نکل گیا، غرض ''تجرد'' کا مفہوم ''تعلق'' کی عبارت آراستہ ہوا اور ''نشہ مطلق'' نے ''مقید'' کے خمار کے رمز میں شگاف ڈالی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ محمد اکرام کا یہ خیال کہ بیدل نے ۱۰۷۸ ہجری میں شادی کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ (۲۸۱)

بہر حال بیدل نے اگر چہ ازدواجی زندگی میں قدم رکھدیا تھا پر مکاشفہ سے اسے معلوم ہوا اس (ازدواجی زندگی) کے آثار کا نمایاں ہونا ایک مصلحت کا تقاضا ہے اس لئے توالد و تناسل کے وسوسے سے خاطر جمع رہنا چاہیئے۔ بیدل کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''گل کردن آثار ایں کیفیت مقتضی مصلحتی است، خاطراز وسوسہ توالد و تناسل باید پرداخت'' (۲۸۲)

یہ مصلحت کیا تھی؟ اس عبارت سے ایسا ترشح ہونا ہے کہ یا تو بیدل نے اپنی شریک حیات کے سامنے خود کو نامرد پایا چنانچہ نبی ہادی صاحب نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ رجولیت ہی سرے سے غائب تھی۔ (۲۸۳) راقم السطور کے خیال میں سماج میں غیر شادی شدہ آدمی کا کوئی مقام نہیں ہوتا اور وہ لنڈورا کہلاتا ہے۔ اس لئے یا تو سماجی حیثیت یا محض اپنی عصمت و پاکدامنی کی خاطر شادی کی، اولاد کی خاطر نہیں اس بنا پر بیوی کے ساتھ اس کا برتاؤ اس طرح کا بے اعتنایا نہ تھا مگر آخری عمر مین لڑکے عبدالخالق کی ولادت سے واضح ہوتا ہے کہ بیدل نامرد نہیں تھا اس لئے یہ طے ہے کہ (پہلی) بیوی کے بانجھ پن کی طرف اشارہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے چونکہ اس کا فطری رجحان خالق کائنات کے بوقلموں مظاہر پر غور وفکر کی طرف تھا اس لئے اس کے عشق کے سامنے ہوس کی کارفرمائی کے لئے کوئی گنجایش نہ ہو چنانچہ کہتا ہے:

مجبور عشق را بہ ہوسہا چہ نسبت است تسلیم جوست دل، بہ تمنا چہ نسبت است

یعنی جذبہ عشق سے مغلوب آدمی کو ہوس سے کیا تعلق دل کا کام تو رضائے الٰہی کے سامنے سر ڈال دینا ہے، اسے اپنی آرزو اور تمنا سے کیا تعلق؟ اس موضوع پر مزید بحث ''بیدل کی شریک حیات'' کے ضمن میں ہوگی۔

شاہ کی خدمت میں ملازمت:

روزی آخر نگذاشت دامن ما گندم قفای آدم از بس دوید و نان شد

اب جبکہ ازدواجی ذمہ داریوں کو اس نے قبول کر لیا تھا تو فطری طور پر ''باقاعدہ معاش'' کی فکر من گیر ہوئی۔ اس وقت فوجی خدمت اختیار کرنے کے سوا کوئی اور راستہ اس کے سامنے نہ تھا۔ سپہ گری اس کا آبائی پیشہ تو تھا ہی پچھلی زندگی میں اسے اس کا کچھ تجربہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔

ہے:

''دراں حالت کسی کہ اہل معاش بالزام آن ناگزیرند مناسب حال تحیر مال خودنمی دید، ناچار متبع سنت آباء گردید وطریقہ سپاہ گزید، تا طبیعت خرسند از آفات تعین ورع، چندی در سایہ تیغ، امان داشتہ باشد۔ ورحم غرور تقوی بسرداری این وضع، دامن ناموس بی تعینی نخراشد'' (۲۸۴)

ایسی حالت میں صاحب معاش آدمی کو جس چیز کا اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے وہ اپنے حال کے مناسب نظر نہیں آتی تھی۔ مجبوراً آبائی روایت کی پیروی کی اور سپہ گری اختیار کی تا کہ وہ جو تقوی و ورع کی حد بندیوں سے کسی طرح مطمئن نہ تھی کچھ دنوں تیغ کے سایہ تلے اسے امن حاصل ہو اور غرور تقوی اس ہیئت کدائی کی قیادت میں ناموس بے تعینی (فنافی الوجود) کے دامن کو تار تار نہ کردے۔

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ بیدل کا مقصد اپنی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ یہ بھی تھا کہ اس کی طبیعت کو جو تقوی کی پابندیوں اور اس کے تقاضوں سے آزاد رہنا چاہتی تھی تھوڑے دنوں تلوار کے سائے میں پناہ لینے کا موقعہ مل جائے چنانچہ ایک شعر میں کہتے ہیں:

پیشہ را نبود بہ از دیوانگی کسبی جنون کن یا سپاہی شو سپاسی ہم جنون دارد

کہ انسان چاہے مجنوں بن جائے چاہے سپاہی۔ سپاہی پر بھی ایک طرح کا جنون سوار ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے ایک طرح کی بیخودی حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مختلف قسم کے حالات سے متاثر نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ کہتا ہے:

دنیا ہیچ بر دیوانہ تاثیری نکرد بیشتر زیں برق عبرت خرمن فرزانہ سوخت

جہاں تک بیدل کی ملازمت کا تعلق ہے سارے تذکرہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا وہ معظم شاہ کی ملازمت میں تھا یا اعظم شاہ کی پھر یہ کہ اس کی مدت ملازمت کیا تھی؟ ابراہیم خاں خلیل کہتا ہے:

''ہر گاہ بہ سن رشادت رسید بہ رفاقت شاہزادہ معظم خلف خلد مکان قدم نہاد، بمنصب

پانصدی و داروغگی کوشتر خانہ مخصوص شد'۔(۲۸۵)

یعنی سن رشد کو پہنچنے کے بعد بیدل نے شہزادہ معظم بن خلد مکاں (اورنگ زیب) کی رفاقت اختیار کی اور منصب پانصدی اور داروغہ کوشتر خانہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔

سید میر قاسم عرف قدرت اللہ قادری لکھتا ہے:

''درابتدای حال بسلک سپاہیان عمدہ معاش و ملازمان امارہ تلاش شاہزادہ معظم و محمد اعظم بہادر طاب ثراہ منسلک گردید''۔(۲۸۶)

یعنی ابتداء میں شہزادہ معظم و محمد اعظم طاب ثراہ کے معزز سپاہیوں اور ملازموں کی صف سے وابستہ ہوا۔

لیکن ان تذکرہ نویسوں کے مقابلے پر کچھ ایسے تذکرہ نگار بھی ہیں جن کا بیدل سے براہ راست تعلق تھا، منجملہ ان کے شیر خاں لودھی مصنف ''مرأۃ الخیال'' ہیں جو بیدل کے دوست اور ہمعصر تھے ہی، مزید برآں بیدل کے حالات لکھ کر خود اُن کے پاس ان کی توثیق کے لئے بھیجا، لکھتا ہے:

''در اوایل شباب، چند روز بنابر مصلحتی نوکری شاہزادہ عالیجاہ سلطان محمد اعظم اختیار کردہ، بمنصب عمدہ سرفرازی یافتہ''(۲۸۷)

شروع جوانی میں چندن مصلحتاً شہزادہ سلطان محمد اعظم کی ملازمت کی اور بہترین منصب پر فائز ہوا۔

دوسرا تذکرہ نگار بندرابن داس خوشگو ہے جو بہ قول خود ایک ہزار سے زیادہ دفعہ بیدل سے ملا اور اس کا شاگرد رہا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ بیدل نے پانصدی اور دارغہ قشتر خانہ کے عہدے تک ترقی کی اور بیس سال تک اس عہدے پر فائز رہا۔ لکھتا ہے:

''بحکم رفعت استعداد و تحصیل اسباب معاش، ملازمت بادشاہزادہ عالیجاہ محمد اعظم شاہ در یافت۔ و در اندک فرصت، معزز و مقبول گردید بمنصب پانصدی و خدمت داروغگی کوشتر خانہ امتیاز یافت۔ بیست سال درین شغل اشتغال داشت''(۲۸۸)

یعنی اپنی اعلیٰ صلاحیت کی بنا پر ذریعہ معاش کی خاطر شہزادہ عالیجاہ محمد اعظم شاہ کی ملازمت انہیں حاصل ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں اعزاز و اکرام میں اتنا اضافہ ہوا کہ ''پانصدی'' اور ''داروغہ قشتر خانہ'' کے منصب تک ترقی کی۔ بیس سال اس خدمت سے وابستہ رہے۔

اس کے علاوہ 'رقعات بیدل' میں ایک رقعہ اور مجمع الانشاء تالیف محمد امین عرفان میں چار خطوط بیدل کے اعظم شاہ کے نام پائے جاتے ہیں۔(۲۸۹) جن میں استعفاء سے متعلق مضامین موجود ہیں۔

واضح ہوتا ہے کہ وہ یقینی طور پر اعظم شاہ کے ملازمین کی صف میں شامل تھا نہ کہ معظم شاہ کے۔ شہزادہ اعظم اورنگ زیب کا تیسرا لڑکا تھا اور ۱۰۸۰ ہجری ۱۶۶۹ء میں وہ پندرہ ہزاری نو ہزار سوار پر فائز تھا(۲۹۰)۔ مآثر عالمگیری کے مطابق وہ نورس بانو بیگم کے بطن سے ۱۲رشعبان ۱۰۶۳ھ میں پیدا ہوا تھا، فطری ذہانت و ذکاوت کے علاوہ مناسب تعلیم و تربیت کی وجہ سے بہت سے کمالات کا حامل تھا۔(۲۹۱) تذکرہ مرأۃ الخیال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۸۰ھ میں دار الخلافہ دہلی میں تھا۔(۲۹۲)

بیدل کا چونکہ عاقل خاں رازی، شکر اللہ خان اور کامگار خان جیسے صاحب مناصب عمدہ امراء سے پہلے سے رابطہ بلکہ دوستی تھی، اس لئے قیاس ہے کہ انہیں حضرات کے توسط سے وہ محمد اعظم شاہ کے ملازمین کی صف میں شامل ہوا۔

جبکہ محمد شفیع وارد صاحب تذکرہ مرأت واردات کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۰۷۶ء میں دلی آنے کے بعد بیدل نے سلطان معزالدین بن شاہ عالم کے حقیقی ماموں مرزا سلیمان کی صحبت میں کئی سال گزارے۔ مرزا سلیمان کی وفات کے بعد وہ اعظم شاہ بن عالمگیر کے ملازموں کی صف میں شامل ہوئے (۲۹۳) رقعات بیدل میں ایک خط مرزا سلیمان کے نام ملتا ہے جس سے دونوں کے مابین روابط پر روشنی پڑتی ہے۔ لکھتا ہے:

''.....درگرہ انتظار از امید شگفتگی چمن را فراہم دارد و بہ شکر نعمای آن صبح بہار اخلاق و احسان نفس می شمارد''۔(۲۹۴)

یعنی شگفتگی غنچہ دل کی امید میں ایک چمن گرہ انتظار میں مہیا کئے ہوئے ہوں اور اُس ''صبح بہار احسان'' کی عنایتوں اور مہربانیوں کی شکرگزاری میں نفس شماری کر رہا ہوں۔ بیدل نے جو تعبیر استعمال کی ہے اس سے ان کے تعلقات کی نوعیت ''محسن اور احسانمند'' کی معلوم ہوتی ہے نہ کہ آقا و غلام کی۔ مشہور مؤرخ ولیم بیل کے مطابق مرزا سلیمان عہد عالمگیری کا ایک وزیر تھا، اسے فضائل خاں کا خطاب ملا ہوا تھا اور اس کی وفات ۱۱۰۱ ہجری ۱۶۸۹ء میں ہوئی (۲۹۵) اس صورت میں لازم آتا ہے۔ بیدل نے ۱۱۰۱ ہجری کے آس پاس محمد اعظم شاہ کی ملازمت اختیار کی جبکہ اگلے صفحات سے ملازمت کا واقعہ ۱۰۸۰ ہجری ۱۶۶۹ء کے آس پاس کا ہے۔

خوشگو کے مطابق، محمد اعظم کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد، فارسی اور ترکی زبان و ادب میں لیاقت کی بنیاد پر، بیدل کو جلد ہی ''پانصدی'' اور داروغہ کوشتر خانہ کے عہدہ جلیلہ پر ترقی مل گئی۔ مغلیہ عہد میں ''پانصدی'' ایسا عہدہ ہوتا تھا جو عام طور سے جاگیرداروں اور زمینداروں کو ملتا تھا۔

غیاث الغات میں اس کی وضاحت یوں ہے:

''پنج صدی ذات: بدانکہ صاحب منصب پانصدی ذات راہشت لکھ دام باشد۔ چوں چہل دام ایک روپیہ می شود بدیں حساب ہشت لکھ دام رابست ہزار روپیہ شدند'' (۲۹۶)

یعنی پانصدی ذات کے منصب پر فایز عہدہ دار کے لئے آٹھ لاکھ دام وظیفہ مقرر تھا۔ چالیس دام کا ایک روپیہ ہوتا ہے اس لئے آٹھ لاکھ دام بیس ہزار روپیہ ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا بیدل کو بیس ہزار روپے سالانہ (یا ماہانہ) پانچ سو پیادہ سپاہی رکھنے کے لئے ملتے تھے اور اس پانچ سو فوجیوں کا سالار تھا جو یقیناً ایک عزت کی بات ہے۔ دوسرا عہدہ ''داروغہ کوفتگر خانہ'' کا تھا۔ لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ دونوں عہدے ایک ساتھ ملے یا یکے بعد دیگرے۔ بہرحال کوفتگر تعریف ناظم الاطبار کے الفاظ میں:

''عبارتست از جائیکہ آنجا تزہیب وطلاکوبی می شود'' (۲۹۷)

یعنی کوفتگر خانہ اس کارخانے کو کہتے ہیں جہاں سونے کا پانی چڑھایا جاتا یا ملمع سازی ہے۔ بیدل اس کے داروغہ تھے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا کام کاریگروں کی نگرانی، کار دیکھ ریکھ، نظم ونسق اور اس کا حساب کتاب تھا۔ ظاہر ہے یہ عہدہ بھی پہلے عہدہ سے کچھ کم اہمیت کا تھا بلکہ بیدل پر محمد اعظم شاہ کے غیر معمولی اعتماد اور اس کی ایمانداری و دیانتداری پر اس کے کا نمایندہ ہے۔

شیر خاں لودھی نے ان دونوں مناصب کے لے ''منصب عمدہ'' کی ترکیب استعمال خوشگو کے بیان کی تائید کرتی ہے۔ بہرحال ایک عہدہ اگر بیدل کی شجاعت و بسالت کو واضح کر دوسرا اس کی دیانت وامانت کو۔

بیدل کو ذہانت وزکاوت کے علاوہ غیر معمولی جسمانی توانائی اور ہمت بھی فطری طور پر تھی۔ ڈاکٹر عبدالغنی نے نامعلوم حوالے سے بیدل کی دلیری کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ بیدل موصوف کی رفاقت میں گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ اچانک ایک شیر نے جنگل سے شہزادے کے ملازمون پر حملہ کیا۔ بیدل نے بڑی جراءت وہمت سے کام لے کر اس پر جوابی اسے مار ڈالا۔ (۲۹۸)

اُس وقت تک بیدل کے درباریوں اور نوابوں سے تعلقات وسیع ہو چکے تھے۔ درمیاں مراسلات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ ۱۰۸۰ہجری میں اپنی دوسری مثنوی ''طلسم حیرت کر بیدل نے نواب عاقل خاں رازی کو پیش کیا اور نواب صاحب نے اس کا مطالعہ کر کے

تحسین آمیز کلمات لکھے۔ تو بیدل نے جواب لکھا:

''......پس از ادای سجدات لوازم عبودیت، سجدۂ شکر دیگری کہ طلسم حیرت، بتوجہ خانصاحب معنی مناصب، معنون کیفیت اقبال گردید۔ وباین عنوان، نسبتی بپایہ منظوری آن قبلہ ارباب حقایق رسانید۔ فیض اندوز معنی، کہ طبع تجلی شہودش پسندد۔ وسعادت عنوان کلامی، کہ بہ تحسین زبان حق ترجمان پیوندد۔'' (۲۹۹)

یعنی بندگی کے لئے لازم سجدوں کی ادائیگی کے بعد اب ایک اور شکرانے کا سجدہ پیش ہے کہ طلسم حیرت کو خان صاحب (عاقل خان رازی) کی توجہ سے شرف قبول حاصل ہوا۔ اس طرح قبلہ ارباب حقایق'' کی منظوری کے مقام پر اس کی رسائی کی نسبت مجھے حاصل ہوئی۔، وہ معنی اور فیض اندوز ہے جس پر خانصاحب موصوف کی طبع تجلی شہود اپنی پسندیدگی کی مہر لگائے اور وہ کلام سعادت عنوان ہے جس کو خانصاحب کی زبان ترجمان سے داد تحسین ملے۔

پچھلے صفحات میں یہ مذکور ہوا کہ بیدل نے ۱۰۷۸ہجری ۱۶۶۷ء میں اپنی پہلی مثنوی 'محیط اعظم' نواب عاقل خان رازی کی خدمت میں پیش کیا تھا اور اس کے شرف قبول سے نوازے جانے کی بیدل کی تھی۔ اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ خان موصوف نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ایک تحسین آمیز خط بھی بیدل کو لکھا۔ اس کے بعد جب ۱۰۸۰ہجری میں دوسری مثنوی 'طلسم حیرت' بھیجی تو ایک بھی تعریف کی۔ بیدل نے اس کے جواب میں ''سجدہ شکر دیگری'' ایک اور شکرانے کا سجدہ ایک اور اس پر بیدل کی خوشی کا یہ عالم ہے کہ کہتا ہے:

صد شکر کہ برد نامہ ام رنگ قبول　　بیدل بودم، ہزار دل گردیدم

(اس بات پر کہ میرے خط یعنی تخلیق کو جناب والا نے شرف قبول سے نوازا میں سو بار شکر ادا کرتا ہوں۔ میں تو بیدل (مایوس اور پست حوصلہ) تھا اب ہزار دل کا (حوصلہ مند اور امید وار کرم) ہو گیا ہوں۔

اس وقت تک نواب عاقل خان رازی کے علاوہ، ان کے داماد نواب شکر اللہ خان سے بھی غائبانہ تعارف ہو چکا تھا۔ طلسم حیرت' کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں بھی بھیج کر ان کی توجہات کریمانہ اور مراحم خسروانہ کا امیدوار نظر آتا ہے:

بجرم طلسم حیرت بیدل، عمریست کہ عبارتش بکنج دقت معانی واخزیدہ......مگر ترحم آن حق شناس [illegible] ومعنی توجہی فرماید وبروی ایں شکستہ بال عجز آشیاں، التفات آن قبلہ شکستگاں، در شرقی وانماید۔ ہرچند دیدۂ حسرت نگاہ را، مطلع دیدار سعادت انوار بہ پرتو ظاہری نہ

نواختہ است۔ اما گوش محامد نیوش، بتواتر صفات قدسی آیات، در مبہمات چشم پرداختہ۔ از انجا کہ سایہ اخلاق آن مہربان پناہ معنی پناہان بی بضاعت است، حیف معنی کہ از طبع اقبال اثر منشور قبول نمی گیرد۔ نیاز نامہ ملتجی باین تمنا، آرزومند دولت حضور است'' (۳۰۰)

بیدل ہی مثنوی 'طلسم حیرت' ایک عرصہ ہوا کہ اس کی عبارتوں میں باریک معانی پیوست ہوئے ہیں ...... شاید لفظ و معنی کے اُس حق شناس کی نظر عنایت اس پر متوجہ ہو اور اس بازو ٹوٹے آشیاں (بیدل) پر اُس قبلہ شکستگاں (ٹوٹے دلوں کے قبلہ) نواب کی توجہ شہرت کا در وا کر دیے۔ اگر چہ دیدہ حسرت نگاہ کو، دیدار سعادت انوار کے مطلع نے، ظاہری جھلک سے نہیں نوازا (ملاقات کی نوبت نہیں آئی ہے) لیکن تعریفی کلمات سننے والے کان نے اوصاف قدسی آیات کے ساتھ سن کر مبہمات پر نظر جما رکھی ہے۔ چونکہ اس مہربان نواب کے خلاق کا سایہ بے بضاعت پناہوں (کم مایہ شاعروں) کی پناہ ہے اس لئے اس ''معنی'' پر افسوس ہے جو نواب کے طبع اقبال اثر سے شرف قبولیت کا فرمان نہ لے۔ درخواست گزار کا نیاز نامہ اس درخواست کے ذریعہ دولت باریابی کا متمنی ہے۔

اس خط سے دو باتیں سامنے آتی ہیں اول یہ کہ نواب کی حمایت و سرپرستی اور قدر دانی حاصل کرنا تا کہ شاعری کے میدان میں شہرت بھی حاصل ہو اور آمدنی کا ذریعہ بھی ہاتھ آئے جس سے اس وقت یعنی ۱۰۸۰ ہجری کے آس پاس ملازمت سے پہلے وہ محروم تھا، دوسرے اس راستے نواب کی مجلس میں باریابی کی کوئی صورت نکلے۔

بہر حال اعظم شاہ کے دربار میں بیدل کی ملازمت کے دوران، بہ قول خوشگو میر محمد زمان راسخ، حاجی اسلم سالم، حکیم شیخ حسین شہرت وغیرہ چند دوسرے شعراء بھی اس کے دربار سے وابستہ تھے شہزادہ انہیں گرانقدر صلے دیا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں شہزادہ خود بھی طبع موزوں اور شاعرانہ تنقیدی ذوق کا حامل تھا۔ (۳۰۱) اس زمانے میں بیدل مولانا عبدالعزیز عزت کی خدمت میں شاعری کی مشق کیا کرتا تھا۔ (۳۰۲)

باوجودیکہ خوشگو بیدل کے آخری ایام میں اس سے بہت قریب رہا ہے لیکن جب اس کے بیانات کا دوسرے مآخذ و مراجع بلکہ خود بیدل کے بیانات سے موازنہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سے مقامات پر وہ غلط فہمی کا شکار ہوا ہے۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ بعد کے تذکرہ نگاروں بلکہ محققوں اور مصنفوں نے بھی بغیر کسی چھان بین اور جانچ پڑتال کے اس کے قول کو نقل کرنا کافی سمجھا۔

مولانا عبدالعزیز عزت سے مشق سخن:

یہاں ہم مولانا عبدالعزیز عزت کی خدمت میں مشق سخن کے مسئلے کا تاریخی جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

مولانا عبدالعزیز عزت ایک بلند پایہ شاعر و فاضل آدمی تھے۔ وہ ہرات (افغانستان) کے باشندہ تھے، ہجرت کر کے اکبر آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ شاعری اور سپہ گری دونوں میں انہیں کمال حاصل تھا۔ (۳۰۳) جب ۱۰۸۰ ہجری ۱۶۶۹ء میں اورنگ زیب سے اُن کا تعارف ہوا تو بہت جلد اُن کو صدی کے منصب پر ترقی مل گئی، اس کے بعد مولانا اور اورنگ زیب کے بیچ جب کسی بات پر کشیدگی ہوئی تو ملازمت کو خیر باد کہہ کر سرہند سے لاہور چلے گئے۔ (۳۰۴) عزت کے نام ایزد بخش رسا کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کو رسا کی وساطت سے ہی ۱۰۸۵ھ میں مولانا عزت کا تعارف حاصل ہوا تھا۔

''چہارم شہر رمضان ۱۰۸۵ ہجری...... انشاء اللہ العزیز میرزا عبدالقادر بیدل، کہ سراپا دلست، عنقریب بملازمت سعادت اندوزد، الہی ہمیشہ بر حسب خواہش من باشند''۔ (۳۰۵)

۴ رمضان ۱۰۸۵ھ...... انشاء اللہ العزیز مرزا عبدالقادر جو سراپا دل ہیں جلد ہی آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کریں گے۔ خدایا سدا میرے حسب خواہش ہوں۔

مولانا موصوف کے نام اپنے ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

''ہفدہم شہر صدر ۱۰۸۵ھ ...... بیدل ہمہ دل را دیدم، و از دل نہادش پرسیدم۔ آخر شہر رمضان یا اول شوال بانجامی رسد''۔ (۳۰۶)

۱۷ ماہ مذکور الصدر ۱۰۸۵ھ...... بیدل ہمہ دل کی زیارت نصیب ہوئی۔ دل سے ان کی خیریت پوچھی۔ رمضان کے اواخر یا شوال کے اوائل میں وہاں پہنچ رہے ہیں۔

ان دونوں خطوط سے چند باتیں سامنے آتی ہیں، اول یہ کہ مولانا عزت سے بیدل کا تعارف شوال ۱۰۸۵ھ کے رمضان کے اواخر یا شوال کے اوائل میں لاہور میں ہوا۔ دوم یہ کہ بیدل ان دنوں لاہور گیا تھا۔ سوم یہ کہ اسی تاریخ سے دونوں کے درمیان خط و کتابت، اصلاح کلام اور مشورہ سخن کا سلسلہ شروع ہوا۔ چہارم یہ کہ ایزد بخش رسا سے بھی بیدل کا تعارف انہیں دنوں ہوا۔ رقعات بیدل میں مولانا عبدالعزیز عزت کے نام چار خطوط بیدل کے ملتے ہیں جن سے دونوں کے محبت آمیز اور مخلصانہ تعلقات پر روشنی پڑتی ہی ہے استاد و شاگردی کا رشتہ بھی اُن سے نمایاں ہے، ایک خط کا مضمون ملاحظہ ہو:

''مطراح معمورۂ حرم دلہا، ہادم اساس حرصہا، ہموارہ موصول وصول دوام داراد۔ سالکا

واصلا! دو مصرع سادہ، کہ الحال دل سود مآل، طرح کردہ وکلک وداد سلک، دراحاطہ دام مسطرآوردہ، طمع دارد کہ دردرسگاہ مطالع اصلاح آراء ہمسلک گوہر کمال گردد۔'' (۳۰۷)

حرم دل کی آبادی کی اساس رکھنے والے، حرص وآز کی بنیادوں کو ڈھانے والے! وصول کا سلسلہ سدا جاری رہے۔ اے سالک واصل! دو سیدھے سادے مصرعے جنھیں اس وقت سود مآل نے نظم کیا اور کلک وداد سلک نے دام مسطر کے احاطے میں گرفتار کیا ہے۔ اس امید حاضر خدمت ہیں کہ جناب والا کی درسگاہ مطالع اصلاح آراء (ایسی درسگاہ جہاں مطالعہ کر کے کا کام انجام پاتا ہے) میں گوہر کمال سے ہمرشتہ ہوں۔

ان تمام بیانات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عزت کی خدمت میں مشق سخن خوشگو نے اپنے تذکرے میں بیان کی ہے وہ درست ہے مگر یہ کہ یہ بیدل کے اعظم شاہ کے دربار وابستگی کے دوران جاری رہا، اس امر پر موقوف ہے کہ بیدل اس وقت تک دربار میں رہا بھی ہو میں کلام ہے۔ بیدل کے بیان کے مطابق، اس کا پہلا سفر لاہور ۱۰۸۵ ہجری میں پیش آیا۔ کہتا ہے۔

شوق را از عزیمت لاہور تازگیہای مژدۂ شادیست

لاہور کے عزم سے شوق سفر کو خوشی کی تازہ بہ تازہ امیدیں وابستہ ہیں۔

یعنی از دامگاہ افسردن چند گاہم نوید آزادیست

یعنی افسردگی وپژمردگی کی دامگاہ سے کچھ دنوں کے لئے رہائی کی خوشخبری ہے۔

سال تاریخ ایں عزیمت شوق بی تکلف شنو: خدا ہادیست

اس عزیمت شوق کی تاریخ (مادہ تاریخ) بلاتکلف ''خدا ہادیست'' ہے۔ (۱۰۸۵)

چہار عنصر کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر دہلی سے ۱۰۸۵ء میں شروع ہوا کے ہمراہ کوئی دوست یا فوجی نہ تھے۔

''وقتی غبار قافلہ تجردم، از ساحت عرصہ دہلی، بسیر پنجاب دامن عزم شکست۔ ودرای محمل خیال، پیش آہنگی سفر لاہور کمر شوق بربست......'' (۳۰۸)

میرے کاروان تجرد وتنہائی کے غبار نے جب پنجاب کی سیاحت کے لئے دہلی سے کے دامن میں شکست وریخت پیدا کی اور محمل خیال کی گھنٹی نے سفر لاہور کے ارادے سے کمر شوق

سفر لاہور سے متعلق بیدل کے بیانات کو پیش نظر رکھ کر اگر ایزد بخش رسا کے خطوط کے اور محمد مستعد خاں ساقی صاحب مآثر عالمگیری کے بیان کی تحلیل وتجزیہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے رسا، جیسا کہ مولانا عزت کے نام ان کے بہت سے خطوط سے مترشح ہوتا ہے، عزت کے شاگرد تھے

ف رکھتے تھے۔ مولانا موصوف محمد ساقی کے مطابق، اس وقت سہرند (موجودہ سرہند) میں کے فوجدار کے عہدے پر فائز تھے، ۲۷ شعبان ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں ان کے اور اورنگ درمیان کسی بات پر کدورت پیدا ہوگئی جس کے نتیجے میں وہ ملازمت ترک کر کے لاہور روانہ سے انہوں نے بختاور خان کو ایک غزل بھیجی، جس کا درج ذیل شعر ان کی پریشاں حالی کا ہے:

ایم درین بحر تا خدا چہ کند بکشتی ایکہ زیک قطرہ آب گردابیست (۳۰۹)

دریا میں ایک ایسی کشتی پر بیٹھے ہیں جس کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی بھنور کی حیثیت خدا کیا کرتا ہے۔

سا کے ایک خط مورخہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۰۸۵ھ سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے مولانا عزت کہ چالیس پچاس روپے جس کی انہیں ضرورت ہے یا بیدل کی معرفت جو قریب ہی جانے دیں گے یا اگر دیر ہو جائے تو کسی کو بھیج کر منگالیں خط یہ ہے۔

''......چہل وپنجاہ روپیہ کہ برای مایحتاج درکاراست، اگر دریں نزدیکی عازم آنطرف شدند، می رساند واگر چندروز توقف شود خداوندگار باید فرستاد'' (۳۱۰)

سفر لاہور سے وابستہ مذکورہ بالا قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل اس وقت دہلی میں ناسازگار سے دوچار تھا اور اس ''دامگاہ افسردگی'' سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے لاہور جانے کیا۔

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ایزد بخش رسا کی تحریک پر، بیدل مولانا عزت سے غرض سے نیز کسی کی ممکن سرپرستی یا ذریعہ معاش کی امید میں، دہلی سے یکہ وتنہا لاہور کے لئے ۔ ور یہ کہ اس سے پہلے وہ ملازمت شاہزادہ سے سبکدوش ہو چکا تھا۔

اب ذرا اس بات پر غور کریں کہ شہزادہ اعظم شاہ اس زمانے میں کہاں تھا۔ صاحب مآثر عالمگیری شہزادہ موصوف ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء تک ''بارہ ہزاری سات ہزار''، ''پندرہ ہزاری نو ہزار سوار چکلہ سنبھل کے مختلف عہدوں پر فائز رہا اور اپنے والد کے ساتھ یا دہلی یا اکبرآباد میں زندگی ۱۰۸۶ ہجری میں ملتان کا صوبہ دار ہو کر وہاں گیا۔ اس کے بعد مختلف سالوں میں مختلف علاقوں رہا۔ بیدل، جس نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''چہار عنصر'' میں تقریباً ان تمام مقامات کا وہ گیا ہے بلکہ وہاں جو واقعات پیش آئے ہیں اُن کی جزئیات تک کا تذکرہ کیا ہے، ملتان تذکرہ نہیں کیا اور نہ تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے قیاس یہ بتاتا ہے کہ

لاہور کے سفر سے پہلے (تقریباً شوال یا رمضان ۱۰۸۵ھ ہی میں اس نے شہزادہ موصوف کی ملازمت سے استعفا دیدیا تھا۔ صاحب تذکرہ ''نشترِ عشق'' کا بیاں میرے قیاس کی تائید کرتا ہے لکھتا ہے:

''بعد از ترک رفاقت شاہزادہ ممدوح، بہ گلگشت سرزمین مغرب شتابد'' (۳۱۲)

یعنی شہزادہ ممدوح کی رفاقت ترک کرنے کے بعد بیدل مغربی علاقے (پنجاب) کی سیاحت کو روانہ ہوا۔

ملازمت سے استعفا کا قصہ:

کم و بیش پانچ سالہ خدمت کے بعد، بیدل اعظم شاہ کے دربار سے مستعفی ہوگیا۔ استعفا کا بیدل کی زندگی کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جس سے اس کی افتاد طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ بحث سے غور طلب ہے ایک یہ کہ استعفا کیوں دیا دوسرے یہ کہ کتنے دنوں کی ملازمت کے بعد دیا؟

خوشگو نے استعفا کا واقعہ اس انداز سے بیان کیا ہے کہ اس سے اس کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے۔ لکھتا ہے:

''بعد از آن چوں جذبہ در رسید، تمارض نمودہ از خدمت شاہی مستعفی گردید'' (۳۱۳)

یعنی اس کے بعد جب طبیعت کے خلاف کوئی امر پیش آیا تو بیماری کا بہانہ کر کے شاہی خدمت سے سبکدوش ہوگئے۔

یہ خلاف طبع امر جس نے بیدل کو ملازمت ترک کرنے پر آمادہ کیا پوری طرح واضح ہے۔ شیر خاں لودی نے اس کی اس طرح وضاحت کی ہے۔

''روزی در مجلس شاہزادہ ذکر شعرای عصر درمیان آمدہ یکی از مقربان بہ عرض رسانید کہ بالفعل در شاہجہان آباد، بلکہ در اکثری از سواد ہندوستان، بہتری از میرزا عبدالقادر بیدل، کہ در سلک ملازمان سرکار منسلک است، نخواہد بود۔ شاہزادہ فرمود بگوئید قصیدہ ای در مدح ما انشا کند۔ تا زور طبعش معلوم نمودہ باضافہ منصب و تقرب سرفراز فرمائیم۔ این خبر بمیرزا رسید فی الحال بخانہ بخشی سرکار رفتہ، استعفای منصب کرد، و ہر چند دوستان مصلحت وقت در آن دیدند کہ یک قصیدہ در مدح شاہزادہ توان گفت، قبول نکرد و ترک منصب نمود۔'' (۳۱۴)

ایک دن شہزادے کی محفل میں اس کے معاصر شاعروں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ ایک مقرب نے عرض کیا کہ اس وقت شاہجہان آباد (دہلی) بلکہ اکثر ہندستانی علاقوں میں مرزا عبدالقادر بیدل دربار سے وابستہ ملازمیں کے زمرے میں شامل ہیں، سے بہتر کوئی شاعر نہیں ہوگا۔ شہزادہ نے

اس سے ہماری تعریف میں ایک قصیدہ کہنے کی فرمایش کرو، تا کہ اس کا زور طبع معلوم کر کے اس کے منصب میں بھی اضافہ کردوں اور اپنے تقرب سے بھی نوازوں۔ یہ خبر جب مرزا کو ملی تو فوراً بخشی سرکار کے پاس جا کر اپنا استعفا نامہ پیش کیا اور اگرچہ دوستوں نے مصلحت اندیشی کے پیش نظر یہ مشورہ دیا کہ شہزادہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے، بیدل نے اسے نامنظور کردیا اور اپنے منصب کو خیرباد کہا۔ شیر خان لودی کے بیان سے درج ذیل نکتے سامنے آتے ہیں:

۱۔ بیدل اس وقت تک دہلی بلکہ اکثر علاقوں میں خاصا مشہور ہو چکا تھا۔

۲۔ اس دور کا ایک بہترین شاعر تصور کیا جاتا تھا۔

۳۔ وہ طبعی طور پر ایک خوددار آدمی تھا اور اپنی عزت نفس کا اتنا ہی زیادہ اسے پاس و لحاظ تھا کہ باوجود غیر معمولی شاعرانہ صلاحیت اور ذوق کے کسی بادشاہ یا امیر کی مدح سرائی سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

۴۔ مدح سرائی سے اجتناب کی خاطر اس نے ایک اچھے عہدے کو ہاتھ سے دیدیا اور دوستوں کے اصرار کے باوجود انتہائی استغنا اور بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ شیر خاں نے آگے لکھا ہے:

''اسی وجہ سے اس کے دیوان میں جو تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے، ایک شعر بھی مدح نہیں ہے'' (۳۱۵)

خود بیدل نے ارباب اقتدار کی مدح و ستایش کو شیطانی عمل قرار دیا ہے:

ایکہ تعریف سلاطیں کردہ ای　　　مشق تعلیم شیاطیں کردہ ای

اے وہ آدمی جس نے سلاطین کی تعریف کی ہے درحقیقت شیطانوں کی تعلیم کی مشق کی ہے۔

لیکن ارباب اقتدار کی تعریف سے تمام تر بے نیازی کے دعوی کے باوجود، بیدل کی کلیات میں ایک قصیدے اور تہنیت ناموں پر مشتمل ایسے قطعے ملتے ہیں جن میں مبالغے آرائی سے کام لیا گیا ہے اور مختلف مناسبتوں سے ان کی تعریف میں کہے گئے ہیں۔ اس موضوع پر ہم چوتھے باب میں بحث کریں گے۔ جہاں قصاید بیدل ہمارا اصل موضوع ہے۔ شہزادہ اعظم کی تعریف میں ایک قصیدہ بیدل نے کہا تھا جس کے بارے میں غلام حسن مجددی لکھتے ہیں:

''بیدل کے قصائد میں ایک بڑا زوردار قصیدہ شہزادہ اعظم شاہ کی تعریف میں ہے۔ یہ قصیدہ ایک ہی وزن کے دو اجزاء پر مشتمل ہے لیکن اس کے قافیے مختلف ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل شہزادے سے سرپرستی و حمایت کی امید تھی۔ شاعر اپنے حالات نہایت بلند انداز میں بیان کرتا ہے۔

صورت احوالم از طرز تخلص روشن است　　　بیدلیہا چیدہ ام بر خود ز وضع روزگار

میرے حالات و کیفیات میرے تخلص سے واضح ہیں۔ زمانے کی ستم ظریفی سے میں بیدل پریشانی سے دوچار ہوں۔

گر شود ابر عنایت آبیار مزرعم   خوشہ سان از پای تا سر جملہ دل آید ببار

عنایتوں کا ابر کرم اگر میرے کھیتوں کی آبیاری کرے تو خوشے کی طرح از سرتا پا سراسر دل بن کر سرسبز و شاداب ہو جاؤں۔

یہ قصیدہ شہزادہ کے حضور پیش ہوا یا نہیں، پتہ نہیں چلتا لیکن واضح ہے کہ شہزادہ موصوف کی خوبیوں کی تحلیل و تقدیر مخلصانہ طور پر اسمیں کی گئی ہے لیکن جب بیدل سے کہا گیا کہ پیشہ ور قصیدہ گو شاعروں کی طرح شہزادہ کی ستایش کی توقع اُن سے کی جاتی ہے تو فوراً انہوں نے اپنا استعفا پیش کردیا۔ ان کے احباب نے اصرار کیا کہ مطلوبہ انداز میں ایک قصیدہ کہہ دیں لیکن بیدل نے اپنے شاعرانہ ذوق کی اس طرح فروخت کو ناپسند کیا۔ اسی وجہ سے انہوں نے عہدے کو خیر باد کہا۔(۳۱۶)

مجددی کا یہ قیاس شیر خان لودی کے بیان سے، جو ایک معتبر اور مستند بیان ہے متصادم ہے۔

اس کے علاوہ پروفیسر میر حسن شاہ اور ڈاکٹر نورالحسن انصاری کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ "چراغان دہلی" نام سے اورنگ زیب کی مدح میں ہے۔(۳۱۷) یہ قصیدہ چونکہ کلیات میں موجود ہے اس لئے یہ مان لینے کے باوجود کہ شہزادہ کی مدح میں ہے، اس بات کا امکان ہے کہ اس وقت کہا ہو جب کہ شہزادے کی قربت یا اس کے دربار میں ملازمت حاصل کرنے کا ارادہ ان کا رہا ہو، تاکہ اس طرح مستقل ذریعہ معاش کا مسئلہ، جو اسی زمانے میں شادی کرنے کے بعد ان کے لئے دردسر بن گیا تھا، حل ہو جائے۔ ورنہ بیدل وہ ملازمت کے دوران اچھے عہدے پر فائز تھا، کیونکر ممکن ہے کہ شہزادے سے اپنی پریشاں حالی کا تذکرہ کر کے مالی امداد کا خواہاں ہو جیسا کہ اس قصیدے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر مان لیجئے ایسا ہی ہو تو شہزادہ نے جب اس سے مدح کی فرمایش کر کے اس کے منصب میں ترقی کا وعدہ کیا تھا، بیدل کو اپنے منصب کو ترک کرنے کے بجاے مدح کر کے منصب موعود کو حاصل کرنا چاہیئے تھا۔ اس کے علاوہ اس کی کلیات میں 'درمدح اعظم شاہ' کے نام سے ایک قصیدہ موجود ہے جسکا ایک شعر یوں ہے:

وارث صاحبقران سلطان محمد اعظم آن   کز گل مدحش زبان دارد چمن در آستین

(صاحبقران بادشاہ (اورنگ زیب) کا وارث سلطان محمد اعظم جس کی مدح و ستایش کے پھول کو چمن اپنی آستین میں سجائے ہوئے ہے۔

اس لئے یقینی طور پر پہلا قصیدہ اورنگ زیب کی ستایش میں ہوسکتا ہے۔

شاہ محمد شفیع وارد طہرانی نے استعفا کے سبب پر اور انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ لکھتا ہے:

"ایک دن بساط حکومت کے ایک مقرب شخص نے مرزا کے اشعار شاہ کو سنائے۔ شاہ نے پوچھا: کس کے اشعار ہیں؟ اس نے عرض کیا: بیدل کے۔ شاہ نے مرزا کا پوچھا کہ بیدل کی ہماری فوج میں جہاں سب دل و جگر والے نوجوان ہیں، کیا ضرورت ہے؟ یہ سنتے ہی مرزا نے رخت سفر باندھا۔ اور کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد متھرا میں دریائے جمنا کے کنارے بود و باش اختیار کرلی۔"(۳۱۸)

یہاں وارد نے استعفائے بیدل کا سبب شہزادے کی ظریفانہ گفتگو قرار دی ہے اور چونکہ بیدل نے بقول وارد، ڈیڑھ سال تک اس کے گھر میں قیام کیا ہے، اس لئے بظاہر اس کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن جس علت استعفا کا تذکرہ شیر خان لودی نے کیا ہے، چونکہ بیدل کی نظر سے وہ گزر چکی ہے اس لئے ہر تصدیق اسی پر ثبت ہوسکتی ہے۔

دوسرا مسئلہ اعظم شاہ کی خدمت میں بیدل کی مدت ملازمت کا ہے نیز یہ کہ استعفا کے وقت وہ کہاں تھا اور اس کے بعد کہاں گیا؟ اس سلسلے میں تذکرہ نگاروں میں زبردست اختلاف ہے، حتیٰ کہ دو تذکرہ نگار جو اس سے بہت قریب تھے، ان کے بیانات میں بھی نمایاں فرق ہے۔ شیر خاں کا بیان ہے:

"در اوائل شباب چند روز بنا پر مصلحتی، نوکری شاہزادہ عالیجاہ سلطان محمد اعظم کردہ بمنصب عمدہ سرفرازی یافتہ بود"(۳۱۹)

شروع جوانی میں بعض مصلحت کی بنا پر کچھ دنوں شہزادہ محمد اعظم کی نوکری کر کے نہایت اچھے عہدے پر فائز ہوا۔ خوشگو لکھتا ہے:

"بیست سال دریں شغل داشت ......از خدمت شاہی مستعفی گردید وبہندوستان رسید"۔(۳۲۰)

بیس سال تک اس عہدے پر کام کرتا رہا پھر شاہی ملازمت سے استعفا دے کر ہندوستان پہنچا۔

غلام علی آزاد لکھتے ہیں:

"ہمانساعت علاقہ نوکری قطع کردہ بدارالخلافہ شاہجہان آباد آمد"۔(۳۲۱)

اس وقت نوکری کو خیر باد کہہ کر دارالخلافہ دہلی چلا آیا محمد شفیع وارد لکھتا ہے:

"میرزا بمجرد استماع ایں فحوای خارج آہنگ از ان مقام قدم بوادی سفر گزاشت، پس از قطع منازل در بلدہ متھرا بر کنار دریای جمنا اقامت گزید۔ لعل محمد نامی حاکم آن مکان نائب حسن علی الہ وردی از قدوم میرزا اطلاع یافتہ در دلجوئی و خاطرداری کوشید۔ میرزا نیز دلدادہ صحبت اوشد"۔(۳۲۲)

اس بے ربط اور نامناسب مضمون کو سنتے ہی مرزا وہاں سے نکل کھڑا ہوا، کچھ منزلیں
کے بعد متھرا پہنچا اور دریائے جمنا کے کنارے قیام کیا۔ وہاں کے حاکم لعل محمد کو جو حسن علی خان
کا نایب تھا، جب مرزا کے ورود کی خبر ملی تو اس نے ان کی خاطر داری اور دلجوئی کی پوری کوشش
بھی اس کی صحبت کا دلدادہ ہوگیا۔ علی ابراھیم خان خلیل لکھتا ہے:

"بحیلہ چند ترک خدمت گفتہ، از ناحیہ دکن بدہلی آمدہ رحل اقامت افگند"۔ (۳۲۳)

کچھ حیلہ بہانہ کر کے ملازمت ترک کردی، دکن سے دہلی آیا اور یہیں بودو باش اختیار کر
حسین قلی خان لکھتا ہے:

"بعد از ترک رفاقت شاہزادہ ممدوح، بہ گلگشت سرزمین مغرب شتابد و چندی بہ اکبرآباد
سیاحت نمودہ متوجہ شاہجہان آباد گردد"۔ (۳۲۴)

شاہزادہ ممدوح کی رفاقت کو خیرباد کہنے کے بعد مغربی علاقے کی سیر و تفریح کے
پڑا، کچھ دنوں اکبرآباد میں گھوما پھرا، اس کے بعد شاہجہاں آباد (دہلی) کا رخ کیا۔

ایسا لگتا ہے کہ کسی تذکرہ نگار نے چھان بین کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ جو کچھ کسی
کہیں دیکھا من وعن اسی طرح اسے نقل کردیا حتی کہ خوشگو، جو بہ قول خود، ایک ہزار سے زیادہ دفعہ بیدل
کی صحبت سے فیضیاب ہوا ہے۔ مستند اور قابل اعتبار معلومات فراہم نہ کرسکا۔ علی ابراھیم کے بیان
ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل اس وقت دکن میں تھا اور شہزادہ اعظم شاہ ۱۰۹۲ ہجری ۱۶۸۱ء میں دکن کا
ہوکر وہاں گیا ہے جبکہ بیدل اس وقت بقول خود دہلی میں تھا شاد عظیم آبادی نے علی ابراھیم کے قول
تسلیم کیا۔ آزاد اور خوشگو کے بیان سے واضح نہیں ہوتا کہ بیدل اس وقت کہاں تھا۔ البتہ خوشگو کے
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیس سال تک وہ اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ رہا۔ اگر بیدل کی سال
کو اس کی شادی کا سال تسلیم کریں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو ملازمت کی ابتدا ۱۰۸۰ھ ۱۶۶۹
اس کا خاتمہ ۱۱۰۰ ہجری ۱۶۸۸ء میں ہوا۔ بیدل اور شہزادہ اعظم شاہ کے مختلف سالوں میں مختلف
پر قیام کا نقشہ ملاحظہ ہو:

سال (ہجری)	شہزادہ اعظم کا قیام	بیدل کا قیام	سال ہجری	شہزادہ اعظم شاہ کا قیام	بیدل کا قیام
۱۰۷۹	دہلی پندرہ ہزاری	متھرا	۱۰۸۶	ملتان کا صوبیدار	دہلی
۱۰۸۰	"	دہلی	۱۰۸۸	پٹنہ کا صوبیدار	پتہ نہیں چلتا
۱۰۸۱	چکلہ سنبھل کا فوجدار	اکبراباد	۱۰۸۹	اوڑیسہ کا صوبیدار	"
۱۰۸۲	پتہ نہیں چلتا	"	۱۰۹۰	بنگال کا صوبیدار	دہلی نزد درسام
۱۰۸۳	"	"	۱۰۹۱	پنجاب کا صوبیدار	"
۱۰۸۴	"	پتہ نہیں چلتا	۱۰۹۲	دکن کا صوبیدار	"
۱۰۸۵	"	لاہور	۱۰۹۴	بیجاپور کا صوبیدار	متھرا
"	"	"	۱۰۹۶	"	دہلی (مستقل قیام)

مآثر عالمگیری، چہار عنصر اور رقعات بیدل میں پھیلی ہوئی معلومات کی اساس پر تیار کیا گیا
سے معلوم ہوتا ہے کہ اعظم شاہ ۱۰۸۶ ہجری سے ۱۰۹۶ھ تک ملتان، پٹنہ، اوڑیسہ، بنگال
پور کے صوبیدار کے عہدے پر فائز رہا اور بیدل ان دس سالوں کے دوران یا دہلی یا متھرا
ہے اور شمالی ھند آنے کے بعد وہ پٹنہ یا بنگال واپس نہیں گیا ہے لہذا خوشگو کا یہ بیان کہ
کے بعد بیدل ہندوستان آیا اور اس کے بعد مشرقی علاقے کا رخ کیا اور اوڑیسہ اور بنگال
از شبہ نہیں ہے۔ بیدل کی ان مسافرتوں کے پیش نظر جس کا تذکرہ نقشے میں کیا گیا ہے
بیان کہ بیدل نے صرف چند دنوں اعظم شاہ کی ملازمت اختیار کی زیادہ صحیح نظر آتا ہے
خان کا بیان بھی اس خیال کی تائید کرتا ہے۔

بیدل اس وقت دہلی میں تھا اور چند سالہ ملازمت (جو ۱۰۸۰ ہجری سے ۱۰۸۴ ج تک کم
ہوسکتا ہے) استعفا دیا، اس کے بعد جب حالات ناساز گار ہوئے تو ایزد بخش رسا کے
یت ۱۰۸۵ ہجری میں لاہور روانہ ہوا۔

تذکرہ نگاروں کے بیانات کی تحلیل و تجزیہ اور دوسرے مآخذ سے ان کا مقابلہ کرنے کے علاوہ
دربار میں بیدل کی مدت ملازمت کی کمی کی دوسری دلیل اس کا وہ خط ہے جو قابل خان منشی
ہے۔ یہ خط راقم السطور کے دعوے کو بڑی حد تک صحیح ثابت کرتا ہے۔

پہلے یہ معلوم کریں کہ قابل خاں منشی کون شخص ہے؟ صاحب عالمگیر نامہ محمد کاظم اور صاحب
ی" محمد مستعد خان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل خاں منشی کا شمار عہد اورنگ زیب
امراء میں ہوتا تھا، جس پر اورنگ زیب کی خاص عنایتیں رہی ہیں۔ یہ واضح نہیں ہوتا ہے
سال شاہی خدمات سے وابستہ ہوا۔ مستعد خاں ۱۰۶۹ ہجری کے واقعات کے ضمن میں

"قابل خان منشی نے گوشہ نشینی (اور خدمت سے کنارہ کشی) کا ارادہ کیا۔ اسے پانچ ہزار
روپے سالانہ عطا کیا گیا"۔ (۳۲۶)

۱۰۷۳ ہجری کے واقعات کے ضمن میں محمد ناظم لکھتا ہے:

''بادشاہ سلامت کے حضور بیان کیا گیا کہ قابل خان منشی جس نے ایک گوشہ نشیں کی طرح لاہور میں ایک عرصہ زندگی گزاری ہے اس وقت شاہی طلبی پر حاضر خدمت ہے''۔(۳۲۷)

۱۰۹۱ھ کے واقعات کے ضمن میں مستعد خاں لکھتا ہے:

''قابل خاں منشی جو ابوالفتح خان ٹھٹھوی قدیمی والا شاہی کا بھائی ہے، اپنی قدامت ملازمت اور مزاج شناسی کی وجہ سے بادشاہ سلامت کا منظور نظر ہو گیا تھا، اس کی بدنصیبی اس کی راہ میں حائل ہوئی، نامناسب لغزشوں کی وجہ سے وہ بہک گیا ایک ہزار ستر سوار نیز خدمت تقریب فرزند اور قانونگوئی صوبہ ٹھٹھ کے عہدوں سے اپنے داماد عبدالواسع کے ساتھ برطرف کیا گیا۔ اس کی درخواست پر اسے دارالخلافہ جانے کی ہدایت ہوئی۔ وہاں پہنچنے کے بعد فولاد خاں کو حکم ہوا کہ اس کا گھر قرق کر لیا جائے۔ جب وہ گھر سے نکلے تو گھوڑے پر سوار کر کے اسے شہر بدر کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اپنے ڈھائی سالہ مدت تقرب میں اس نے بارہ لاکھ روپے نقد علاوہ جنس اور نو ساختہ حویلی کے اکٹھے کئے تھے۔ یہ سب ضبط ہوئے اور اس نے لاہور پہنچ کر اپنی زندگی کے کپڑے تہ کئے (مرگیا)۔(۳۲۸)

ان سب بیانات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل خان منشی۔

۱۔ ۱۰۶۹ ہجری میں لاہور میں گوشہ نشیں ہو گیا تھا۔

۲۔ ۱۰۷۲ھ میں دارالخلافہ دہلی بلایا گیا۔

۳۔ ۱۰۸۸ ہجری میں ایک ہزار ستر سوار، خدمت تقریب فرزند اور قانونگوئی صوبہ ٹھٹھ کے عہدوں پر فائز تھا۔

۴۔ ۱۰۹۱ھ میں کشیدگی کی وجہ سے معزول ہوا اور دارالخلافہ بھیج دیا گیا۔

پھر اس کے سارے سامان واسباب کو ضبط کر کے لاہور بھیج دیا گیا جہاں اسی سال اس کی وفات ہو گئی۔

اب بیدل کے خطوط کے مضامین پر توجہ کیجئے۔ ایک رقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل خاں نے بیدل سے واقعہ استعفا کا خلاصہ دریافت کیا تھا اور اس نے جواب میں لکھا:

اولیں شخص جس نے (استعفاء کے بعد) یاد آوری سے متعلق اعظم شاہ کا پیغام بیدل کو دیا، میر عتیق اللہ تھا۔ اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

'ہفت سال قبل ازیں میر عتیق اللہ گو کہ پیغام زبانی رسانید کہ شاہ دین پناہ بمقتضای فضل

ربوبیت، یادی از حال فراموشی مآل کردہ اند۔ اگر بوسیلہ نیاز نتیجہ افکار، ذخیرہ سعادت توان اندوخت مساعدت زمان فرصت از مغتنمات کلی است''۔(۳۲۹)

یعنی اب سے کوئی سات سال پہلے میر عتیق اللہ نے زبانی طور پر یہ پیغام دیا کہ شاہ دین پناہ (اعظم شاہ) نے از راہ تربیت وسرپرستی (جناب والا کے) حال فراموشی مال کو یاد کیا ہے۔ اگر کسی نتیجہ فکر کو بطور نیاز پیش کر کے حاضری کی سعادت حاصل کی جائے تو موقع ساز گار ہونے کے لحاظ سے انتہائی غنیمت ہے۔

بیدل کا دل چونکہ شاہی خدمات سے جس میں خوشامد اور تعلق کا پہلو بہت زیادہ شامل رہتا تھا، اُکتا چکا تھا اس لئے وہ دوبارہ یہ ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ تھا لیکن میر عتیق اللہ کے لگاتار اصرار کی وجہ سے اس نے ایک ''نثری نسخہ'' بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ لکھتا ہے:

''ہر چند بملاحظہ ناکسی وبی مقداری خود برایں وانموداں ہمہ ثبات یقینی نہ نمود۔ بحکم تاکید و ابرام استمال امداد طالع نسخہ نثری تحفہ تسلیم نمود''۔(۳۳۱)

یعنی اپنی ناکسی اور ہیچ مقداری کا ہر چند اس سے اظہار کیا پر اس نے کسی طرح مان کر نہ دیا۔ آخر اس کے اصرار و تاکید پر اپنی قسمت کی یاوری کے خیال سے ایک ''نسخہ نثر'' لکھ کر تحفۃً پیش کیا۔

غرضکہ میر عتیق اللہ نے دوسرے سال یہ خوشخبری لا کر سنائی کہ شاہ (اعظم) نے اس ''نسخہ نثر'' کی بڑی تعریف کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ بیدل اپنے حالات اور کوائف شاہ کے حضور پیش کرے۔

''سال دیگر معاودت میر موئی الیہ بمشر دہ این عنایت سربلندی بخشید کہ نیاز قطرہ در بارگاہ دریای رحمت بقبول منصب گوہر رسید۔ ورشحہ پاسخی سامعہ نواز حلقہ بگوشاں گردید کہ بایستی باشناس عرض احوال دریں حضرت، بار اقبال می جست، و چہرہ امید بعرق انفعال کاہل قلمی می شست''۔(۳۳۲)

یعنی واپسی کے دوسرے سال، میر موصوف نے اس عنایت کی خوشخبری سنا کر سربلندی بخشی کہ نیاز قطرہ دریائے رحمت کی بارگاہ میں منصب گوہر کے شرف سے نوازا گیا اور جواب کا رشحہ حلقہ بگوشوں کے لئے اس طرح سامعہ نواز ہوا کہ اسے بادشاہ کے حضور اپنے حالات وکوائف پیش کر کے اقبال کی باریابی حاصل کرنی اور امید کا چہرہ عرق شرم سے دھونا چاہئے۔

خوشگو نے شاہزادہ کا خط بیدل کے قلمداں میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جس پر اس کا اصل عکس تھا۔ یہ خط اس طرح ہے۔

''الحمد للہ والمنۃ کہ ہنوز قوای بدنی آن رفعت وشجاعت دستگاہ بحال خود است،

وباوجود برقراری حواس از خدمت عالی شاہ تقاعدورزیدن شرط ایفای حقوق اخلاص نیست۔ تاحال ہم ہیچ نرفتہ۔ آنچہ ضروریات رادر کار باشد، بہ بیوت دارالخلافہ امرانفاذ یافتہ، سرانجام کردہ خواہد شد۔ زود مستعد ملازمت گردد"۔ (۳۳۳)

یعنی الحمد اللہ کہ اس عالی مرتبہ بہادر سپاہی کی جسمانی قوت ہنوز بدستور باقی ہے او[illegible] حواس کی برقراری کے باوجود بادشاہ کی خدمت سے کترانا حقوق اخلاص کی ادائیگی کے خلاف اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ ضروریات زندگی کے لئے جتنی رقم درکار ہو دارالخلافہ کے خزانچی کو [illegible] ادا کیا جائے گا۔ جلد ملازمت کے لئے آمادہ ہو جائے۔

شاہزادہ کے خط سے واضح ہوتا ہے کہ:

۱۔ بیدل کے اندر بہادری اور دلیری کی وہ تمام خصوصیات تھیں جن کی ایک وفادار سپاہی سے [illegible] کی جاتی ہے۔

۲۔ انہی خوبیوں کی بنا پر شہزادہ نے اس سے ازسرنو ملازمت میں شمولیت کی خواہش ظاہر کی۔

۳۔ بیدل کی ملازمت میں واپسی کے لئے شہزادے کی خواہش اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی کہ وہ [illegible] اسے آنے کی دعوت دیتا ہے۔

۴۔ اس سلسلے میں اسے جتنے روپوں کی ضرورت ہے وہ بھی مہیا کرنے کو تیار ہے۔

اعظم شاہ کے تمام تر اشتیاق کے باوجود بیدل نہیں گیا۔ لگتا ہے کہ بیدل نے شاہی ملازمت سے کنارہ کشی کا تہیہ کر لیا تھا اور آزادی اور بے نیازی کو اپنا اصول زندگی بنالیا تھا۔

لیکن چونکہ رقعہ کا جواب دینا بھی ضروری تھا اس لئے اپنی ندامت اور سرافگندی کو دور کرنے کے لئے اس نے دعاء اور سلامتی پر مشتمل ایک رقعہ لکھ کر بھیجا چنانچہ قابل خان منشی کے نام خط میں اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

"برفع خجالت افسردگی، ناچار نقش جبینی بسجود تحریر آراست۔ وفضولی طبیعت را مقدمہ وضع نامرادی اندیشیدہ خیلی لشکر دعا خواست"۔ (۳۳۴)

یعنی شرم افسردگی کو دور کرنے کی خاطر مجبوراً نقش جبیں کو سجدہ تحریر سے آراستہ کیا اور فضو[illegible] آسا طبیعت کو وضع نامرادی و ناکامی کا پیش خیمہ تصور کر کے لشکر دعا کی درخواست خدا سے کی۔

شاید یہ وہی خط ہے جو رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور میں اعظم شاہ کے نام پایا جاتا ہے و[illegible] کے آخر میں "دعاء جمعیت منصب رضا" کا تذکرہ ہے۔ لکھتا ہے:

"خداوندا! اینقدر ذرہ بہوای آفتاب بال می افشاند، ائینہ ناکسیش در پیش نگذاری تا بیابان

[illegible] غبار انفعال نشود۔ ناتوان قطرہ بخیال محیط بی طاقت است، صورت موہومش نشان [illegible] تا بطوفان عرق شرم نرود..... عمریست دور از قدم سجدہ طرازان حضور، بدرد نارسائی می [illegible] و فریادرسی ندارد۔ و مدتہاست، جدا از رکاب سعادت پیمایان موکب اقبال، در غبار [illegible] فرو رفتہ و از ہیچ جا سر برنمی آرد۔ نگوں بخت سریکہ محروم خاکبوس آن درگاہ است، ہرگز [illegible]ت گریباں نشناختہ۔ وحرمان نصیب چشمیکہ بی بہرہ غبار آن آستانست، در خواب ہم بہ [illegible] مژگان نہ پرداختہ۔

[illegible]ی جوانی، کہ وسیلہ آبروی بندگیست بہ ضعف پیری انجامید واستقامت قوی کہ دلیل [illegible] مت گزاریست سر بجیب از پادر افتادگی کشید۔

[illegible] ہمیں دعا، دولت ابدی ہنوز ممنون بقای نفس است و بہوای پرافشانی گلزار حمد وثنا [illegible]۔

[illegible] شاہ خود انچہ ایں گدا می خواہد	جمعیت منصب رضا میخواہد
[illegible] ہمت فقر ننگ خواہش نکند	سر خیلی لشکر دعا میخواہد (۳۳۵)

[illegible] جہان پناہ! یہ معمولی ذرہ (بیدل) آفتاب (شاہ) کی خواہش (ملاقات) میں اپنے بازو [illegible] ہے۔ اس کی ناکسی کا آئینہ اپنے حضور نہ رکھیئے تاکہ گرد ندامت میں بیابان مرگی کا شکار نہ ہو۔ [illegible] ہ سمندر کے تصور میں ناتواں ہے، اس کی موہوم صورت کی نشاندہی نہ فرمایئے تاکہ عرق [illegible] ن کی نذر نہ ہو جائے۔ حضور کے سجدہ طرازوں کے قدم سے دور رہ کر ایک عرصہ سے [illegible] تکلیف میں آہ و نالے کرتا ہے پر کوئی اس کا فریادرس نہیں ہے اور سواری اقبال کے سعادت [illegible] کاب سے جدا رہ کر ایک مدت سے غبار گمنامی سے اٹا پڑا ہے اور کہیں سے سر اٹھانے کی [illegible] آتی۔ وہ سر بدنصیب ہے جو اس درگاہ کی خاکبوسی سے محروم ہے۔ اسے گریباں کی حلاوت کا [illegible]۔ اور وہ آنکھ بدقسمت ہے جو اس آشنا کی غبار سے بے بہرہ ہے خواب میں بھی پلکوں کی الفت [illegible] نہ ہوئی۔

[illegible] جوانی کی توانائی جو آبروئے بندگی کا وسیلہ ہے پیری کی ناتوانی پر منتہی ہوئی اور قوائے جسمانی [illegible] نے جو سعادت خدمت گذاری کی دلیل ہے روبزوال ہونے کے سبب اپنا سر گریباں میں [illegible]۔

[illegible] اللہ دولت ابدی کے لئے میری دعا ہنوز بقای نفس کا ممنون ہے اور باغ حمد وثنا کی پرافشانی [illegible] قفس کا مرہون ہے۔

شاہ سے اس گدا کو جو چیز مطلوب ہے وہ منصب رضا کی جمعیت (یعنی شاہ کی خوشنودی کا حصول) ہے۔ ہمت فقر تا کہ خواہش کے ننگ دعا سے دوچار نہ ہو لشکر دعا کی سرخیلی اور سرداری کی خواہاں ہے۔

اس کے دیوان میں ایک غزل ایسی ہے جو اعظم شاہ کے اصرار پر بیدل نے ملازمت دوبارہ واپسی کی معذوری سے متعلق کہی ہے۔

اس جواب کو شہزادہ کے اس تقاضا کے پس منظر میں دیکھنا چاہئے جو اس نے بیدل کی خدمت میں واپسی کے لئے کیا تھا ورنہ اس بات کا امکان ہے کہ آدمی بیدل کے بارے میں بدظنی کا شکار ہو جائے چنانچہ پروفیسر نورالحسن انصاری مرحوم اسی بدظنی کے شکار ہوگئے۔ لکھتے ہیں:

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بیدل شہزادہ اعظم کی سرکار میں پہنچنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں لیکن جب انہیں اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آتا تو وہ ایک حسین بہانہ کی آڑ لے کر استعفا دیدیتے ہیں شہزادہ کے نام ان کا یہ خط قابل غور ہے۔

''دور از قدم سجدہ از اں...... نشناختہ''۔(۳۳۶)

اس کے برعکس بیدل کے خط سے یہ واضح ہوتا ہے کہ:

۱۔ بیدل کی خدمت مین واپسی کے لئے شاہزادے کا تقاضا اول الذکر کے لئے موجب ندامت ہوا۔

۲۔ استعفا دینے کے بعد بیدل کی اقتصادی حالت خراب ہوگئی۔

۳۔ مالی مشکلات سے دوچار ہونے کے باوجود وہ اپنی روش بے نیازی و استغنا کو ہاتھ سے دینے تیار نہ تھا۔ بیدل کے درج ذیل اشعار بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

در مجلسی کہ عزت موقوف خود فروشی است — دیگر کسی چہ باشد گر میرزا بباشد
مخواہ ای مفلسی ذلت کش تسلیم دونانم — زمیں تا چند زیر پا نشاند آسمانم
آہ بر درِ دوناں التجا بردیم — تشنہ کام می مردیم آبرو میسر

۴۔ اس مقصد سے کہ ایک طرف بے نیازی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور دوسری طرف شہزادے کے تقاضے کا صریحا انکار بھی نہ کرے اس نے نہایت خوبصورتی سے شاہزادے کی خدمت میں یہ لکھا کہ۔

''خدمت کی انجام دہی کے لئے جسمانی طاقت شرط ہے اور وہ جوانی کے ساتھ رخصت ہو چکی ہے اس لئے اس میں معذور ہوں''۔

قابل خان منشی کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادے کا بیدل سے واپسی اور بیدل کی خدمت شاہی کو قبول کرنے سے انکار کا سلسلہ عرصے تک جاری رہا اور شہزادے کے دل کو زبردست اضطراب اور قلق پہنچتا رہا۔ جب قابل خان منشی کے توسط سے اس نے دوبارہ واپسی کا تقاضا کیا تو بیدل نے جواب میں لکھا: شہزادہ کی بندہ پروری اور ذرہ نوازی میں مجھے ذرہ برابر شبہ نہیں ہے۔ ورنہ میں اپنی زندگی کا کچھ حصہ اس کی خدمت میں قطعاً نہ گزارتا۔ لیکن جب سے میں اس خدمت سے کنارہ کش ہوا ہوں ''شیوہ فقر'' کو اپنا اصول زندگی بنالیا ہے اور ابتک اس پر قائم ہوں اور اس اصول سے انحراف کی نوبت نہیں آئی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مستقبل میں بھی اس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ امید ہے کہ جب کبھی آپ کو شہزادہ کی باریابی کا شرف حاصل ہو میرا یہ پیغام پہونچا دیں گے۔

''عدم تمثال ردوقبول مدتی خار خار آئینۂ انتظار بود۔ در ینولا ابرام حسرت بہ تجدید عرایض پرداخت و قرعۂ سجود بنام جبھہ اعتبار انداخت۔ اگر بر اخلاق ذرہ پروری ورافت ذاتی پادشاہان اعتقاد راسخ نمی بود پر افشانی مشت غبار در آن جناب معلیٰ چہ امکان داشت و گستاخی سایہ نامہ سیاہ در طبقہ انوار قدس چہ طاقت می انگاشت۔ در مدت اختیار فقر، خاکساری این غبار موہوم باشکستگی در نساختہ کہ ہرگاہ بر پستی اقتدار خود نظر اندازد، بی اختیار بہائی وضع زمانہ غنیمت اعتبار نشمارد۔ بہمہ حال، متوقع این توجہ است کہ ہرگاہ تقریبی بظہور پیوندد استعفای جرایم زمین گیری ہمیں قدر معروض دارند و دعا گورا مرہون احسانہا شارند''۔(۳۳۷)

راقم السطور کو ایک عرصے تک ان خطوط کی تلاش رہی جن کی طرف قابل خاں منشی کے نام خط میں بیدل نے اشارہ کیا ہے رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور و مطبوعہ صفدری بمبئی و مطبوعہ کابل کو شروع سے آخر تک بغور پڑھ گیا لیکن سوائے ایک خط کے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کوئی اور خط نظر نہیں آیا۔ ایک دن لکھنؤ کے نخاس بازار میں قیمتی کتابوں کی تلاش میں گھوم رہا تھا کہ ''مجمع الانشا'' نام کی ایک کتاب ملی جس کے مولف محمد امین عرفان ہیں۔ رقعات بیدل میں ایک خط بیدل کا محمد امین عرفان کے نام دیکھا تھا اس لئے خیال ہوا کہ مولف منجملہ دوستاں بیدل ہے اسے خرید کر شروع سے آخر تک مطالعہ کیا تو اس میں اعظم شاہ کے نام بیدل کے چار خطوط ملے۔ انہیں غور سے پڑھا تو پتہ چلا کہ یہ سارے خطوط اسی استعفا اور ملازمت میں واپسی کے مضامین سے وابستہ ہیں۔ تب سمجھ میں آیا بیدل کے اس جملے: ''عدم تمثال ردوقبول مدتی خار خار آئینۂ انتظار بود'' کا مطلب۔ یہ خطوط ترجمہ کے ساتھ حاشیے میں دیئے جاتے ہیں۔(۳۳۸)

ان خطوط کے علاوہ دیوان غزلیات میں بیدل کی ایک ایسی غزل موجود ہے جس کی طرف

محققین کی نظر شاید نہیں گئی۔ غزل سراسر ماجرائے استعفا کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کی نما[ئندگی]
ہے یہ ذیل میں ترجمہ کے ساتھ حاضر ہے۔

جنس موہوم دکان ابروی چیدہ است   ہیچ ہم در عالم امید می ارزیدہ است

میرے موہوم جنس نے دوکان آبرو کھولی اور لگا رکھی ہے۔ عالم امید میں بے وقعت اور
اشیا کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔

درجناب حضرت شاہ سلیمان بارگاہ   ناتواں موری خیال عرضی اندیشیدہ است

حضرت شاہ سلیمان جیسی بارگاہ میں ایک ناتوان چیونٹی نے اپنی عرضداشت پیش کرنے کا [خیال]
کیا ہے۔

زیں سطور چند کز تسلیم دارد افتخار   معنی رازم جبینہا برزمیں مالیدہ است

یہ چند سطر جن کو شیوہ تسلیم کا فخر حاصل ہے ان کے ذریعہ میرے معنیٔ راز نے زمین پر [اپنی]
پیشانی ٹیکی ہے۔

تا برنگش وا رسی از نقش ما غافل مباش   بحر در جیب حباب اینجا نفس دزدیدہ است

کہ جب اس کے رنگ مضمون پر غور کریں تو ہمارے نقوش خلوص سے غفلت نہ برتیں، [سمندر]
یہاں بلبلے کے دامن میں خاموش ہے۔

ہمچو شبنم در تمنای نثار نو گلی   داشتم اشکی نمی دانم کجا غلطیدہ است

تازہ پھول کو آپ پر نچھاور کرنے کی تمنا میں ہم شبنم کی طرح آنسو بہا رہے تھے، پتہ نہیں
کہاں ٹپک پڑا۔

طبع آزاد از خروش جسم دارد انبساط   زخمہ تا بر تار می آید صدا بالیدہ است

آزاد طبع کو جسم کے جوش و خروش سے انبساط و خوشی حاصل ہوتی ہے زخمہ جب تار پر پڑ[تا ہے]
فطری طور پر آواز بلند ہوتی ہے۔

نقد انفاسم نہ تنہا صرف آہنگ دعاست   گر ہمہ رنگست با من گرد او گردیدہ است

میرے سانس کی کل نقد پونجی نہ صرف دعاؤں میں مصروف ہے۔ اگر یہ سب سانس [رنگ]
ہے تو میرے ساتھ ساتھ وہ بھی گردش کرتے رہے ہیں۔

در غبار خط نفس دزدیدہ آہی می کشم   سرمہ گردیدہ است دل تا ایں صدا بالیدہ است

خطوط کی گرد میں اپنی سانس روک کر آہیں بھرتا ہوں، دل نے سرمے کی شکل اختیار کر لی ہے
تب یہ آواز بلند ہوتی ہے۔

[بسکہ] کز پیشانیم بست است نقش   خط چہ معنی دارد اینجا سجدہ ہم لغزیدہ است

[...] کی قوت نے جو میری پیشانی کی نقش بندی کی ہے، خط کی کیا حقیقت ہے یہاں تو سجدہ سے
[بھی لغزش] ہو جاتی ہے۔

[خام]وشی از بسکہ نازک می سراید در دلم   جز خیال شاہ فریادم کسی نشنیدہ است

خاموشی میرے دل میں کہیں زیادہ نزاکت سے نغمہ سرائی کرتی ہے۔ شاہ کے تصور کے سوا کسی
[نے میری] فریاد نہیں سنی ہے۔

[...] ام پیروز حق نعمت دیرینہ اش   ہمچنان در ہر بن مویم نمک خوابیدہ است

میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور اس کے نعمت دیرینہ کے حقوق کا نمک میرے ہر بن مو میں محو
[خو]اب ہے۔

[غیر و]حشت باغ امکانرا نمی باشد گلی   چرخ ہم اینجا ز جیب صبح دامن چیدہ است

باغ امکان (کائنات) میں "وحشت" کے سوا کسی اور چیز کا پھول نہیں کھلا ہے، آسمان نے بھی
[یہاں صبح] سے اپنا دامن سمیٹ لیا ہے۔

[...]دہ ام بیدل دعاے دولتش   جوش آمین از زمیں تا آسماں پیچیدہ است

بیدل جب بھی جہاں بھی ہے میں نے اس کے اقبال و سربلندی کی دعا کی ہے۔ زمین سے
[لے کر] آسمان تک آمین کا شور بلند ہوا ہے۔

بہرحال خط کشیدہ حصے کو غور سے پڑھئے خصوصاً جملہ "متوقع این توجہ است کہ ہرگاہ تقریبی
[...]ند در استعفای جرایم زمیں گیری ہمیں قدر معروض دارند"۔ کو قابل خان منشی کے زمانہ ملازمت
۱۰۹۹ھ سے ۱۰۹۱ھ تک ہے سے مربوط سمجھنا چاہئے پھر اگر "خدمت تقریب فرزند" کی ترکیب پر
غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شہزادہ اعظم پنجاب کا صوبیدار تھا ٹھٹھ اسی صوبہ کے قریب واقع
ہے اگر بیدل کے بیان کے مطابق تاریخ یعنی ۱۰۹۱ھ سے سات سال قبل مانا جائے تو ۱۰۸۴ھ سال
استعفا قرار پاتا ہے۔

راقم السطور کے خیال میں یہ ایک مدلل اور مبرہن قیاس ہے جو ہمارے دعوے کو ثابت
کرتا ہے۔ البتہ محمد شفیع وآزاد، شیر خان لودی اور محمد ساقی مستعد خان اور خود بیدل کے مجموعی بیانات کی
روشنی میں اعظم شاہ کے دربار میں بیدل کی مدت ملازمت چند روز سے زیادہ نہیں نظر آتی۔ محمد شفیع کا
بیان ہے:

"استعفا دینے کے بعد بیدل وہاں سے سفر پر روانہ ہوا، چند منزلیں طے کرنے کے بعد

متھرا میں دریائے جمنا کے کنارے اس نے قیام کیا وہاں کے حاکم لعل محمد نے جو حسن علی خاں اللہ وردی کا نائب تھا، مرزا کے ورود کی خبر سن کر اس کی دلجوئی اور خاطر داری کی کوشش کی۔ مرزا بھی اس کی صحبت کا شیدا ہو گیا تھا۔ اتفاق سے سلطان عالمگیر جو اس وقت دکن میں تھا لعل محمد کو اپنے پاس طلب کیا۔ لعل محمد نے حسب حکم بادشاہ جبراً و قہراً دکن کا سفر کیا اور راستے ہی میں اس کی عزیمت کا گھوڑا راہی ملک عدم ہوا۔'' (۳۳۹)

۲۔ محمد ساقی صاحب مآثر عالمگیری کے مطابق حسن علی خان اللہ وردی ۳۰ رجب ۱۰۸۰ھ کو متھرا کا فوجدار مقرر ہوا (ص ۹۲-۹۳) شعبان ۱۰۸۰ھ میں متھرا کا نام اسلام آباد پڑا، (ص ۹۵-۹۶)
۳۔ ذی الحجہ ۱۰۸۰ھ میں حسن علی خاں نے متھرا کے باغیوں کی بغاوت کو کچلا (ص ۱۰۰)
۴۔ لعل محمد اور دیگر ۵ زمینداروں کو متھرا میں متعلقہ جگہ پر بدستور رکھ کر حسن علی خاں کو بادشاہ نے اپنے پاس بلایا اور احکام دیا۔ (ص ۱۰۰) ۵۔ ۱۰۹۲ھ میں حسن علی خاں اس روانہ ہوا (۲۱۵) ۶۔ ۱۰۹۳ھ میں اورنگ زیب دکن روانہ ہوا۔ (۲۱۷)

۳۔ بیدل کے دو خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۔ لعل محمد اس کے مخلص احباب میں تھا ۲۔ اس کو بیدل محفل اخلاق کے لقب سے یاد کرتا تھا۔ ۳۔ لعل محمد نے پست لوگوں کی ماتحتی کی ذلت سے تنگ آ کر خودکشی کر لی اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ (چہار عنصر ص ۱۲۷، ۱۵۳)

۴۔ شیر خان کا بیان ہے کہ ''در اوائل شباب چندروز بنا بر مصلحتی نوکری شاہزادہ عالی جاہ سلطان اعظم خاں اختیار کردہ'' ابتدائی جوانی میں کسی مصلحت کی بنا پر شاہزادہ اعظم شاہ کی چند دن ملازمت کی۔

ان سب تاریخی حقائق اور محمد شفیع، شیر خان اور بیدل کے کے بیانات کو پیش نظر رکھ کر ذیل نتیجہ نکلتا ہے کہ بیدل نے:

۱۔ ۱۰۸۰ھ کے آس پاس ملازمت کی۔
۲۔ پھر چند دنوں ملازمت کر کے اسی سال استعفادیا۔
۳۔ استعفا کے بعد سیدھے متھرا آیا۔
۴۔ متھرا میں لعل محمد نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور سرپرستی کی۔
۵۔ یہ سلسلہ ۹۴-۱۰۹۳ھ تک برقرار رہا۔
۶۔ ۱۰۹۴ھ میں جب متھرا میں فساد ہوا اور اللہ وردی خاں کے دکن چلے جانے کے بعد لعل محمد پر کنٹرول نہ کر سکا تو بادشاہ نے اسے دکن سے طلب کیا۔

احساس ذلت کی وجہ سے اس نے راستے ہی میں خودکشی کر لی۔
اور بیدل دو سال تک پریشان حالی جھیلنے کے بعد ۲۷ر جمادی الثانی ۱۰۹۶ھ کو دہلی چلا گیا۔
اس طرح اس کی ملازمت کا حال سال بھر یا اس سے بھی کم رہتا ہے۔
اس پر تفصیلی بحث کی ضرورت اس لئے پڑی کہ خوشگو کے بیان کی بنیاد پر بہت سے مصنفوں اور محققوں سے غلط فہمی ہوئی ہے اور ایسے لوگ اب بھی ہیں جو بیدل سے زیادہ قربت کی وجہ سے خوشگو کے بیان کو مستند اور یقینی سمجھتے ہیں جیسے قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر سید علی رضا نقوی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے:

''چونکہ مولف اکثر بیدل کی خدمت میں رہا ہے اس لئے بیدل کے بارے میں اس کے بیانات دوسرے تذکرہ نگاروں کے بیانات سے زیادہ قابل اعتبار ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ بیدل کے بارے میں اس کی تالیفات کو چھوڑ کر اس کتاب سفینہ خوشگو سے زیادہ کوئی معتبر نہیں۔'' (۳۴۰)

پروفیسر میر حسن شاہ ''ریاض الوداد'' اور ''سفینۂ خوشگو'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''۱۰۸۵ھ اپریل ۱۶۷۴ء میں جب فوج حسن ابدال روانہ ہوئی تو بیدل اس کے ساتھ تھا اور ربیع الاول ۱۰۸۶ھ/مئی ۱۶۷۵ء تک اسی جگہ قیام پذیر تھا یہ بات ''ریاض الوداد'' میں ایزد بخش رسا کے ایک خط سے معلوم ہوتی ہے (ورق ۲۸) اور یہیں سے شاہزادہ کی رفاقت میں اس نے گجرات کا سفر کیا۔ اتفاق سے اس وقت شہزادہ کی خدمت میں راسخ ہندی، حکیم شہرت، اسلم کشمیری، ایجاد اور دوسرے شعرا بھی تھے اور بیدل ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا۔'' (۳۴۱)

پروفیسر نورالحسن انصاری کی کتاب ''فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب'' میں بھی اسی کا تذکرہ ہے (۳۴۲) دونوں کے ملانے سے پتہ چلا کہ پروفیسر میر حسن نے اسی کا ترجمہ فارسی میں کر کے شائع کیا اس لئے سمجھنا چاہئے کہ یہ انصاری مرحوم کی رائے ہے۔
یہ بات کہ بیدل ۱۰۸۶ ہجری تک حسن ابدال میں تھا خود بیدل کے بیان سے اس کی تردید ہوتی ہے چنانچہ نواب کرم اللہ خاں کے نام ایک رقعہ میں بیدل لاہور سے دہلی کی واپسی کی تاریخ کا مادہ اس مصرع سے نکالا ہے۔ ہمدم بزم کرم اللہ خان (۱۰۸۶ھ)۔ (۳۴۳)
جہاں تک گجرات میں اعظم شاہ کے دربار میں مندرجہ بالا شاعروں کے ساتھ بیدل کے قیام کی بات ہے سراسر غلط ہے کیونکہ اعظم شاہ جیسا کہ نقشے میں اس سے پہلے ظاہر کیا ۱۱۱۳ ہجری/۱۷۰۱ء میں

احمد آباد کا صوبیدار ہو کر گجرات گیا ہے اور بیدل اس سے بہت پہلے ملازمت ترک کر چکا ہے
۱۰۹۶ھ سے اس نے مستقل دہلی میں نواب شکر اللہ خان اور ان کے خاندان کی سرپرستی میں
گزارنی شروع کی ہے۔

اسی طرح شاہزادہ کی ملازمت سے بیدل کی کنارہ کشی کے حال کا تذکرہ کرتے ہوئے
غلام حسن مجددی لکھتے ہیں:

"یہ واقعہ ۱۰۹۶ ہجری ۸۵-۱۶۸۴ کے آس پاس رونما ہوا اور یہ بات چہار عنصر کی ایک عبارت نیز بیدل کے ایک خط سے جو شکر اللہ خان کے نام ہے، معلوم ہوتی ہے۔ بیدل نے اس خط میں شکر اللہ خان سے درخواست کی ہے کہ اس کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کریں۔ اور اگر ایسی کوئی جگہ دستیاب ہوتی ہے۔ تو اپنی بقیہ عمر سکون خاطر کے ساتھ وہاں گزاردونگا"۔ (۳۴۴)

ڈاکٹر انصاری مرحوم نے بھی یہی لکھا ہے۔

شیر خان لودی کے بیان اور قابل خاں منشی کے نام بیدل کے ایک خط کے علاوہ جس کی رو سے
راقم السطور نے ثابت کیا ہے کہ بیدل نے ۱۰۸۴ھ کے آس پاس ملازمت ترک کر دی تھی۔ پر میر
میر حسن شاہ اور ڈاکٹر انصاری نے جس خط کا حوالہ اپنے دعوی کے ثبوت میں دیا ہے وہ بیدل کے
اسے دہلی کے سفر سے وابستہ ہے جو اس علاقے میں بدامنی پھیل جانے کے سبب وہاں کے دوسرے
کہ بعد پیش آیا۔ بیدل اس وقت ۲۷ر جمادی الاول ۱۰۹۶ھ کو دہلی پہونچا اور فوراً ہی مذکورہ
نے شکر اللہ خان کو لکھا اس خط اور اس کے مضامین کا تذکرہ اپنی جگہ پر ہوگا۔

بیدل نے جیسا کہ چہار عنصر سے واضح ہوتا ہے ۱۰۸۱ ہجری ۱۶۷۱ء سے ۱۰۸۲ ہجری ۷۲
اکبراباد (آگرہ) میں زندگی گزاری ہے اور نسبتہً خوشحال اور فراغبال رہا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے
اعظم شاہ کے دربار سے وابستگی کے دوران وہ وہیں رہا ہے لیکن شیر خان لودی صاحب مرآۃ الخیال
بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ استعفا کا واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ ان دونوں اسناد کو سامنے رکھ کر قیاس کیا جا سکتا ہے
کہ اعظم شاہ کے ساتھ وہ ۱۰۸۱ھ سے ۱۰۸۳ ہجری تک اکبراباد میں رہا پھر اس کی رفاقت میں دہلی آیا۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا واقعہ:

اکبرآباد کے قیام کے دوران ۱۰۸۱ ہجری ۱۶۷۰ء میں بیدل کو عالم رویا میں جناب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ واقعہ دو لحاظ سے قابل غور ہے: اول اس کے

اسلامی احکام و شرائع سے اس کی وابستگی کے لحاظ سے دوسرے اس کے افکار و خیالات کے
لحاظ سے۔

اس وقت بیدل اکبراباد میں اپنے قیام کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے جیسے اسے خاص کیف و سرور
اور روزانہ صبح و شام تحت الشعور میں اس کا احساس کرتا ہو۔ پر اس کے سبب کا پتہ نہیں
چلتا ہے۔

"سعادت حصول از منہ کہ در بلدہ اکبرآباد، بساط توقف می گسترانید۔ و فردوس آئین بسیر این گلزمین سپری می گردید۔ صبحی روی نمی نمود کہ جلای کیفیت افعال و آثار نور حضوری از مرأت حیرت شہودم، بری می گیرد، و شامی گیسونمی کشود، کہ روائح سنبلستان اسرار، اہتزازی، بر دماغ مستی سراغ ریزد۔" (۳۴۶)

یعنی وہ زمانہ جب شہر اکبرآباد میں قیام کی بساط بچھا رہا تھا سعادت حصول (سعادت آمیز) تھا
جو اس گُل زمیں کی سیر و سیاحت میں گزار رہے تھے فردوس آئین (بہشت صفت) تھے۔
کوئی صبح نمودار نہیں ہوتی تھی جو "نور حضوری" کے آثار کی جلا میرے حیرت مشہود کے آئینے سے
نہ کرتی ہو اور ایسی کوئی شام گیسو کشائی نہیں کرتی تھی جب اسرار و رموز کے سنبلستان کی خوشبو کیف
دماغ مستی سراغ پر نہ چڑھاتی ہو۔

غرض ایک رات جبکہ افتاب طلوع ہوا ہی چاہتا تھا اس پر اونگھ سی طاری ہوگئی اور جونہی پلکوں کا
وصال ہوا ایک عالم نظر آیا جو اس عالم آب وگل سے مختلف تھا۔ کچھ دیر تک خود کو اس عالم کی آغوش
کامل اور خود سپردگی کی کیفیت سے دوچار پایا۔ اس حالت میں جب غور سے دیکھا تو پتہ چلا۔
گردش رنگ شیونات داشتم تجدد نگار صور حقایق اشیا"۔
انواع واقسام کے شیون و کیفیات کا دور حقایق اشیاء کی تازہ بہ تازہ صورتوں کے جلوے دکھا
رہا تھا۔

عالم مثال کی مختلف کیفیات سے گزرنے کے بعد وہ دیکھتا کیا ہے کہ:

"شخصی دیدم چوں چراغ بر بالینم نشستہ۔ و تارک سرم بہ آئینہ زانویش نقش اتصال بست۔ فتیلہ دماغ اقتباس نور از گرمی آن زانو داشت و نقاش آن فطرت بلمعہ پرتوش رموز دقایق می نگاشت۔ چوں وارسیدم، جوہر ایجاد عالم و آدم بود یعنی رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (۳۴۷)

ایک آدمی چراغ کی طرح میرے سرہانے بیٹھا ہے اور میرے سر کی مانگ اس کے آئینہ

زانو سے لگی یا اسی پر رکھی ہوئی ہے۔ دماغ کی بتی اس کے زانو کی گرمی سے روشنی حاصل کر رہی ہے۔ نقاش فطرت اس کے پرتو کی چمک سے حقایق و دقایق کے رموز لکھ رہا ہے۔ غور سے جو دیکھا تو جو ایجاد عالم و آدم یعنی جناب رسول خدا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ سلم ہیں۔

بیدل نے جب محسوس کیا کہ سرور کائنات ﷺ کی ذات گرامی تشریف فرما ہیں تو اس نے زانو سے سر اٹھانا چاہا مگر پاس ادب نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ لیکن اسی کے ساتھ شرم و پشیمانی نے اسے پانی پانی کر رکھا تھا۔ آخر اس دامن میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ اسے نظر نہ آیا۔ اسی حالت میں اس نے اپنے دل میں ایک عجیب کیف و سرور اور سرخوشی و سرمستی کی کیفیت محسوس کی پھر اس نے قدم آگے بڑھایا عالم مثال کی ایک اور دنیا اسے نظر آئی جہاں دیکھتا کیا ہے کہ۔

"شیری با مہابت دراں ایوان مستقبل قبلہ نشستہ و جمیع جہات تعین احرام نگاہ غیرت پناہش بستہ۔ سروش اسرار یقین گوش تاملم باین آہنگ کشود و ملہم روز تحقیق آئینہ آگاہیم باین صیقل زدود کہ جناب ولایت مآب علی مرتضی است متمکن بساط کبریا"۔ (۳۴۸)

ایک خوفناک شیر اس محل میں قبلہ رو بیٹھا ہے اور "تعین" کی تمام جہات نے اس کی نگاہ غیرت پناہ کا احرام باندھ رکھا ہے (دنیا کی ساری چیزوں کی توجہ اس کی ذات والا صفات پر مرکوز ہے) اسرار یقین کے فرشتے نے میرے گوش تامل کی اس آواز کے ساتھ نوازش کی اور ملہم روز تحقیق نے میرے آئینہ آگاہی و ادراک کی اس طرح صیقل گری کی کہ جناب ولایت مآب حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ بساط کبریا پر براجمان ہیں۔

گویا اس عالم میں اس کی ملاقات حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہوتی ہے۔ بیدل قریب جا کر تعظیم و تکریم کے مراسم ادا کرنا چاہتا ہے لیکن ان کا رعب کچھ اس طرح اس پر طاری ہوتا ہے کہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا ہے ایک عجیب کشمکش سے دوچار ہے اور بیدل کے الفاظ میں:

"نہ طاقت بازگشتن کہ اگر برگردم بیروں آن شش جہت مسدود می دیدم نہ یارای پیش رفتن کہ بی دعوت قبولش دستگاہ اقبال مفقود می اندیشدم"۔ (۳۴۹)

کہ نہ واپسی کی صلاحیت تھی اگر واپس بھی ہوں تو باہر سارے دروازے بند تھے اور نہ آگے بڑھنے کی لیاقت کہ ان کی قبولیت کی دعوت کے بغیر آگے بڑھنے کی توانائی مفقود نظر آتی تھی۔ اچانک شیر خدا نے بیدل کو مخاطب کر کے فرمایا:

"نزدیک تر آ تا بزیارت این جناب مقدس، غبار توہم، از آئینہ تخیل برداری و بوسیلہ این تقرب اتفاقی، دامن جمعیت دوام، از دست نگذاری"۔ (۳۵۰)

و نزدیک آ کہ تو اس مقدس حضرت کی زیارت کر کے اپنے آئینہ تخیل سے غبار توہم کو صاف کر دے اور آپ کے اس اتفاقیہ تقرب کے ذریعہ دائمی جمعیت اور سکون خاطر کا دامن ہاتھ سے نہ دے۔

تب بیدل نے دیوانہ وار قدم بڑھایا اور اتنا قریب ہو گیا کہ دونوں کے پہلو آپس میں مل گئے اور کوئی اوٹ بیچ میں نہ رہی پھر یوں لب کشائی کی کہ:

"امشب رسول خدا را صلی اللہ علیہ وسلم بخواب دیدہ ام و فرق نیاز بزانوی ربوبیت پناہش بساید۔ لیکن اندیشۂ تعبیرش آتش در بنای تصورم می اندازد و عبرت ایں رویا بہ برق ہزار رنگ ندامتم می گذارد۔ یعنی انوار آفتاب ازل بدین ویرانہ تافت و سایہ تیرہ روزمن ہمچناں زمین گیر نگون فطرتی ماند۔ و بآن گرمیہای آغوش رحمت بے حسی طینتم پہلوی افسردگی بر نگرداند۔ بایں صورتم گریستن دارد و بایں محرومی دیدنم بدیدہ نم می آرد"۔ (۳۵۱)

آج رات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی اور اپنی جبین نیاز آپ کے زانوے مبارک اور ربوبیت پناہ پر ملا لیکن اس خواب کی تعبیر کے خیال نے میرے بنائے تصور کو نذر آتش کر دیا ہے اور ہزاروں قسم کی ندامتوں سے میرا واسطہ کرا دیا ہے یعنی آفتاب ازل (جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کے انوار اس ویرانہ (بیدل) پر چمکے پھر بھی میرے روز سیاہ کا سایہ بدستور نگوں فطرتی کا زمین گیر رہا (اپنی پست فطرتی پر قائم رہا) اور اس آغوش کی حرارت اور گرمی سے میری طبیعت کی بے حسی نے افسردگی کا پہلو نہیں بدلا (یعنی طبیعت کی افسردگی ختم ہو کر اس میں گرمی نہیں پیدا ہوئی) اس صورت حال پر مجھے رونا آتا ہے اور اس محرومی دیدار پر آنکھیں اشکبار ہیں۔

بیدل کی بے کلی اور بے قراری کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف جناب رسول خدا ﷺ نے اس پر اتنی نوازشیں کیں کہ اس کے سر کو اپنے زانوے مبارک پر جگہ دی ہے تا کہ اس بینارہ نور سے ہر طرح کسب نور کر سکے دوسری جانب اس کی طبیعت اتنی منجمد واقع ہوئی تھی کہ اس بینارہ نور سے کسب نور تو دور رہا طبیعت کی افسردگی اور خمودگی بھی دور نہ ہو سکی اسی کشمکش میں تھا کہ شیر خدا نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی:

"تعبیر خواب اینست کہ حقیقت محمد یہ ہمہ وقت سایہ فگن احوال تست با آنکہ غفلت چشمت مکشاید۔ و باطن نبوت ہیچگاہ دامن تربیت از سر برنمی گیرد ہر چند آداب ظاہر از تو بجا نمی آید"۔ (۳۵۲)

یعنی خواب کی تعبیر یہ ہے کہ "حقیقت محمدیہ" سدا تیرے حال پر سایہ فگن ہے اگرچہ غفلت تیری آنکھیں کھولنے دیتی ہے اور "باطن نبوت" کسی وقت بھی دامن تربیت تجھ سے نہیں سمیٹتا اگرچہ آداب ظاہر تجھ سے انجام نہیں پا رہے ہیں۔

کہتے ہیں کسی کا خواب دوسرے کے لئے حجت نہیں ہوتا ہے خواب کا مسئلہ دو لحاظ سے قابل
طلب ہے: اسلامی شریعت کے لحاظ سے اور نفسیاتی جائزے کے لحاظ سے۔
جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے رویائے صادقہ کو نبوت کا ایک شعبہ یا شاخ بتایا گیا ہے
لیکن ''رویائے صادقہ'' کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کے تقاضوں کے خلاف نہ ہو ورنہ
میں شیطان کا دخل ضرور ہوگا۔ راقم السطور چونکہ مفتی نہیں ہے اس لئے بیدل کے خواب کے بارے میں
اس حیثیت سے کوئی بات لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ویسے بخاری شریف کی ایک حدیث ہے کہ من
رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی، جس نے خواب میں مجھے
دیکھا اس نے یقیناً مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ (بخاری مترجم ص ۱۰۳)
جہاں تک نفسیاتی تحلیل کا تعلق ہے تو اس موضوع پر ہم باب ''بیدل کے افکار و خیالات'' کے
ضمن میں بحث کریں گے۔

اب اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ تسلیم کرلیں کہ بیدل کو خواب میں واقعی حضور ﷺ اور حضرت
علی کی زیارت ہوئی اور حضرت علی نے خواب کی تعبیر بتائی تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ تعبیر خواب اس کے ظاہری
وضع قطع اور باطنی میلان و رجحان کی نشاندہی کرتی ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہم پڑھیں گے بیدل
نے ظاہری احکام سے کچھ بے اعتنائی کا اظہار کیا ہے حتیٰ کہ بعض اسلامی شعار مثلاً داڑھی وغیرہ کا مذاق
تک اڑایا ہے اور زہد و تقوی پر طنز کیا ہے اور علم عقائد کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر احکام و شرائع پر آدمی عمل
نہیں کرتا ہے تو وہ بدعمل ہے لیکن اگر ان کا مذاق اڑاتا ہے تو کفر کے دائرے میں داخل ہوجاتا ہے۔ بیدل:

اینقدر ریش چہ معنی دارد — غیر تشویش چہ معنی دارد
آدمی خرس چہ ظلم است آخر — مردحق میش چہ معنی دارد
حذر از زاہد مسواک بسر — عقرب و نیش چہ معنی دارد
زاہدی نمی دانم تقوِیی نمی خواہم — سینہ صافی دارم نذر درد نوشیہا

شاید بیدل کو دینی امور میں اپنی کوتاہی کا احساس بلکہ اعتراف تھا چنانچہ کہتا ہے:

بامید فضل تو نازنیں ہمہ را نیاز دل است و دین — من بیدل و عرق جبین کہ چہ در طبق کم

اے خدا! تیرے فضل و کرم کی امید پر لوگ دین و دل بطور نیاز پیش کرتے ہیں میں تو بیدل
ہوں، میرے پاس دل ہے نہ دین ہے میں ہوں اور تہیدستی کی وجہ سے پیشانی کا عرق ہے شرم آتی ہے
کہ اس کو طبق میں رکھ کر تیرے حضور کیسے پیش کروں۔
اس لئے گمان نہیں ہوتا کہ اس طرح کے بہت سے اشعار میں اس نے زہد و تقوی اور ریش و دستار

کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، بلکہ درحقیقت ان لوگوں کو اپنی تعریض کا نشانہ بنایا ہے جو اس کی آڑ میں غلط
کاروبار کرتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں جو فروشی اور گندم نمائی کرتے ہیں۔ بہرحال اسی کے دوش بدوش
اس نے وحدت الوجود، معرفت، عشق، حیرت، صلح کل، فقر و غنا، تسلیم و رضا، خودی بیخودی، عزم و ہمت،
ذوق و شوق، جد و جہد، وارستگی و سرخوشی، غرض بہت سے عارفانہ اور اخلاقی مضامین بھی اپنے کلام میں
بیان کئے ہیں اور اپنی تمام تر شاعرانہ صلاحیت اور لیاقت کو ان کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و ترویج پر لگا دیا
ہے۔ گویا یہی وہ موضوعات ہیں جن کو ہم اس کے الفاظ میں ''حقیقت دین محمدی'' سے تعبیر کرسکتے ہیں۔
بہرصورت خواب کی اس تعبیر کو سن کر بیدل کے دل میں کیا کیفیت پیدا ہوئی اس کے الفاظ میں
ملاحظہ ہو:

''بمجر داستماع، اہتزاز پیکرم، خروش قیامت انگیخت۔ وشیرازہ حواس قوایم بحرکت مژگاں،
رشتہ ربط گسیخت۔ سواد اگاہی کہ موقوف زمان خواب بود، ورق روشنی برگرداند و معنی تعبیر
یک درس سعادت یک عالم بیداری داشت مضمر نسخہ خیال نماند''۔ (۳۵۴)

یہ سنتے ہی میرے پیکر میں اہتزاز نفس (خوشی سے جھومنے) کا یہ عالم تھا کہ اس نے ایک
قیامت کا ہنگامہ کھڑا کردیا اور میرے قوی حواس کا شیرازہ پلکوں کی حرکت سے بکھر گیا۔ علم و آگاہی کی
سیاہی نے جو خواب کے زمانے پر موقوف تھی روشنی کے ورق پلٹے اور ایک درس کی تعبیر کا مفہوم جو عالم
بیداری کی سعادت کا حامل تھا ''نسخہ خیال'' میں پوشیدہ نہ رہ سکا۔
اپنے ان تأثرات کے ذریعہ بیدل نے گویا ہمیں یہ بتانا چاہا ہے کہ جن افکار و خیالات کو اس
نے اپنی شاعری کا موضوع قرار دیا ہے ان کا تعلق اسی ''حقیقت محمدیہ'' یا ''روح دین اسلام'' سے ہے۔
اس طرح اس خواب نے اس کے عارفانہ خیالات کی توثیق و تائید میں اہم رول ادا کیا ہے اور اس کے
روحانی اور فکری ارتقا کے مطالعہ میں اس نکتہ کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔
۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء میں بیدل نے ''سواد اعظم'' کے عنوان سے ایک قصیدہ کہا جو نام کے ساتھ اس
کا تاریخی مادہ بھی ہے۔ (۳۵۵)

ادبی مقابلے کا قصہ:

اکبرآباد میں قیام کے دوران ایک ادبی مقابلہ پیش آیا۔ یہ مقابلہ بڑی حد تک بیدل کی شاعرانہ
صلاحیت و لیاقت، ہوش و گوش اور نثر و نظم پر اس کی یکساں اور بےساختہ قدرت و توانائی کی دلیل ہے۔
ایک دن وہ اکبرآباد میں شاعروں کی محفل میں شریک تھا، حاضرین میں مرزا جعفر خان کا بیٹا

میر کامگار بھی جو بااثر اور بارسوخ امراء میں تھا، موجود تھا اور بیدل کے بقول درویشوں سے
ارادت تھی۔ بیدل کو بھی منجملہ درویشوں کے تصور کرتا تھا۔ ان دونوں میں بڑے خوشگوار
اس محفل میں جو دوسرے شعرا شریک تھے بیدل نے ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ لیکن ان
نشانہ بناتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی سب سے بڑی خامی اور نقص یہ تھی کہ اپنے مقابلے پر بڑ
شاعروں مثلاً خاقانی اور امیر خسرو کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، سست غزلیں کہتے اور اپنے
ان پر فخر کرتے اور سامعین سے داد و تحسین کے منتظر رہتے تھے۔ بیدل کو ان کا یہ انداز پسند
لئے کہتا ہے کہ گو میں شاعری کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن اسلاف کی توہین کا یہ انداز میری کدورت
سبب بنا ہوا تھا۔ دیوان میں ایک غزل ہے جو غالباً اسی موقع کی مناسبت سے کہی گئی ہے۔

امروز ناقصان بکمالی رسیده اند کز خود سری بحرف سلف خط

آج ناقص اور پست ذہن لوگ اس درجہ اوج کمال کو پہنچے ہوئے ہیں کہ خودسری سے
کلام پر خط کشی کرتے اور اس میں خامیاں نکالتے ہیں۔

انکار کاملاں ہمہ را نقل مجلس است ناکس گماں برد کہ بمعنی

کاملوں کی صلاحیت کا انکار مجلس میں ان کی گفتگو کا موضوع ہے، نا اہل اس گمان
نکتے کی بات کہہ گئے ہیں۔

این امت مسیلمہ از افسون یکدو لفظ در عرصہ شکست نبوت دویده

مسیلمہ کی یہ امت ایک دو لفظ کے جادو سے نبوت کو شکست دینے کے لئے میدان
رہی ہے۔

از صنعت محاورہ لولیان فارس ہندوستانیان بہ تمغل خزیده

لولیاں فارس (فارس کی بازاری اور بے حیا عورتوں) کے محاورات کو استعمال کر
ہندوستانیوں نے تمغل (چغلخوری) سے کام لیا ہے۔

ازحرف شان تری نتراود چہ ممکن است دوں فطرتاں سفال نو آب دیده

کب ممکن ہے ان کے کلام سے ندامت و پشیمانی نہ ٹپکے، پست فطرت لوگوں کو پانی
نظر آتا ہے۔

ہرگاہ وارسی بعروج دماغ شاں در زیر پا چو ابلہ بر خویش چید

ان کے دماغ کی بلند پروازی پر اگر غور کیجئے تو زیر قدم آبلہ کی طرح خود آپ اپنی ذات
پھول رہے ہیں۔

ایں گروه بجکم وداع شرم بی شبنم عرق ہمہ صبح دمیده اند

اس گروہ کے سرخیل چونکہ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ چکے ہیں اس لئے ان کی حیثیت ایسی صبح
ہوئی ہے جس میں شبنم نہیں گری ہو۔

ادب مجو ز جوانان کہ یکقلم از تحت و فوق چشم و دبرہا دریده اند

ان جوانوں سے قطعاً امید نہ رکھئے کہ ادب کا پاس و لحاظ کریں گے انہوں نے زیر و بالا سے اپنی
میں شگاف ڈال رکھی ہے۔

مکان ز ادب دم زدن خطا است شرمی کہ لولیان ہمہ تنبک خریده اند

یہاں ادب کا ذکر کرنا ہی غلط ہے، شرم شرم کہ بازاری عورتوں نے تنبک (چھوٹا نقارہ،
) کا خرید لیا ہے۔

ان لوگوں نے بیدل کے متعلق اس خیال کا اظہار کیا کہ اپنے مخصوص افکار و خیالات کی بنیاد پر
ایک شعر یا مصرع کہہ کر ہمارا تقرب حاصل کر سکتا ہے۔ بیدل کو ان کے انداز گفتگو سے عجب و خود
نظر آئی۔ تب سے وہ موقعہ کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح ان کو زیر کیا جائے اور ان کے
کر رکھ دیا جائے۔ اتفاق سے ایک دن اکبرآباد میں ''دہرہ'' کے مقام پر ایک مجلس برپا تھی
تمام شعراء موجود تھے۔ وہاں ایک بہت ہی خوبصورت باغ تھا جس کی آب و ہوا نہایت
ماحول نہایت صاف ستھرا تھا اور مجموعی طور پر بڑے دلکش فطری مناظر وہاں تھے جس کا ایک
ذوق شاعر کی طبیعت پر بہت گہرا اثر طاری ہو سکتا تھا اور شاعری کے لئے ان میں غیر معمولی
کر سکتی تھی۔ اس مجلس میں میر کامگار نے کہا۔

''اہل معنی در مدح و ذم ہر شئی کمین گر بہانہ اند۔ اگر در مادۂ ''غبار'' نظم، نثری بگوش خورده
باشد، سرمہ داری نصیب چشم تامل باید رسانید یعنی ایجاد این کیفیت دامن تردی باید
افشاند۔ ہرچند در پردۂ خیال غبار انگیختن بی ملالی نیست امافی الحقیقت مقام طبیعت آزمائی
است و معرض قدرت رسائی''۔ (۳۵۶)

یعنی اہل معنی کو کسی چیز کی تعریف یا تنقیص کرنے کے لئے صرف ایک بہانہ درکار ہے۔ اگر
''غبار'' کے موضوع پر کوئی نظم و نثر ہمارے کانوں سے ہم آغوش ہو تو چشم تامل کی نصیب میں سرمہ داری
کی کیفیت ضرور پہونچائی جائے یعنی اس کیفیت کی پیدائش پر دامن تردد کو جھاڑا جائے (اپنی
ملاحیت کام میں لائی جائے) گو پردۂ خیال میں بغیر زحمت اُٹھائے ''غبار انگیزی'' ممکن نہیں پر
درحقیقت یہ طبع آزمائی کا مقام ہے۔

میر کامگار کا مقصد تھا کہ مجلس میں شرکت کرنے والوں میں سے ہر ایک کی فکری رسائی
واز اور شاعرانہ صلاحیت کی جانچ کی جائے۔ دیکھا جائے تو یہ ایک بڑی آزمائش اس معنی میں تھی
انتہائی معمولی اور ادنی چیز ''گرد وغبار'' کی اہمیت پر نظم ونثر پر مشتمل چند صفحات لکھے جائیں۔
اس میدان میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ بھلا بیدل جیسا عزت نفس کا حامل کس طرح ادبی مقابلے
میں دوسروں سے پیچھے رہ سکتا تھا۔ اس نے لکھا:

''درآنحالت برق آہنگی شوق، بتنگ افسردگی نہ پسندید وطوفان نوای ساز بیان بساط تغافل برنچید .... پیش از آنکہ این ہرزہ تازان، غبار وہمی برانگیزند، سبک عنانی خامہ بیدل بمنزل آرمیدہ بود۔ وقبل از آنکہ آن تیرہ درونان، داغ سودائی بسوزند، پرتو این چراغ از خلوت بانجمن رسیدہ۔ اگرچہ ازان عالم معنیٰ نداشت کہ معنی طرازان را، مصدع توجہی تواند گردید۔ اما بزبان بندی مجہولی چند، افسون قدرتی بآخر رسانید۔ اگر توجہ طبیعت، اندکی بدرازنفسی می پرداخت، ازجنس این عبارات طومار ہامہیا می باخت۔ (۳۵۷)

یعنی اس صورت حال میں شوق کی برق آہنگی کو افسردگی کا تنگ اچھا نہ لگا اور ساز بیان کے
طوفان صفت نوانے فرش تغافل نہیں بچھانا چاہا۔ اس سے پہلے کہ یہ بیہودہ دوڑ لگانے والے
(شاعر) غبار وہم اُڑائیں خامہ بیدل کی سبک عنانی اور برق رفتاری منزل پر پہنچ چکی تھی اور اس سے
پہلے کہ یہ بدباطن داغ سودا کو نذر آتش کریں اس چراغ کا پرتو خلوت سے انجمن میں پہنچ چکا تھا۔ اگرچہ
اس مقابلے سے میرا مقصود یہ نہ تھا کہ معنی طراز (اچھے شاعروں) کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائیں
چند مجہول (شاعری کے جھوٹے دعویدار اور بہ خیال خود عظیم شاعروں) کی زبان بندی کی خاطر اپنا ہنر
پوری طرح دکھایا۔ اگر میلان طبع معمولی درازنفسی سے کام لے تو اس قسم کی عبارتوں کے انبار لگا دیں۔
غرض بیدل اس ادبی مقابلے میں گوئے سبقت لے گیا اور شاعری اور نثر نگاری کے تمام
ار کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا اور یہ سب محض اس بنا پر تھا کہ وہ شعرا عجب وخود پسندی اور خودستائی میں
تھے جو بیدل کے غیرتمند مزاج سے لگا نہیں کھاتی تھی ورنہ ذرا درازنفسی سے کام لیتا تو اس طرح کے
مقالوں کا انبار لگا دینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا۔
''سرمہ اعتبار'' کے عنواں سے بیدل نے جو مقالہ چوتھے عنصر میں شامل کیا ہے وہی مقالہ ہے
جسے میر کامگار کے حسب فرمائش ''باغ دہرہ'' میں اس نے برجستہ اور قلم برداشتہ لکھا تھا یہ مقالہ دلکش
نظم پر مشتمل ہے اور کوئی چھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور درحقیقت بیدل کی اظہار مافی الضمیر پر غیر معمولی
قدرت کی دلیل ہے۔ اس مقالے کے آخر میں بیدل نے ایک غزل لکھی ہے جس میں ان

کے لئے اصل محرک کیا تھا اس کا تذکرہ کیا ہے۔

جلوہ فرماشد بچندیں اقتدار　　شوخی گردی ز راہ میرزای کامگار

راہ سے گرد کی شوخی بڑے کروفر سے میری نگاہوں کے سامنے جلوہ آرا ہوئی۔

عنقا، مخدوم ارباب وفا　　ناظر حسن ازل، منظور فضل کردگار

مرزا کامگار جو صوفیوں اور درویشوں کا خادم، ارباب وفا کا مخدوم، حسن ازل کا ناظر اور فضل
کا منظور ہے۔

اندیشہ عرض تمنا پیش او　　تانفس بردل رسائی رفتہ گیر از دل غبار

جس کے سامنے عرض تمنا کی فکر میں نفس جب تک دل تک رسائی حاصل کرے دل سے غبار
جاتا ہے۔

نظم و نثری داشت طبع روشنش　　شوق گر دانگیخت تا ایں جلوہ ہا شد آشکار

اس کے طبع روشن میں نظم ونثر کی خواہش پیدا ہوئی تو شوق نے اس حد تک گردانگیزی کی کہ یہ
جلوہ ''مقالہ'' آشکار ہو کر سامنے آ گیا۔

عالم موہوم پیہم شوخی نیرنگ نیست　　می دہد اینجانفس صبح قیامت در کنار

''عالم موہوم'' سدا شوخی نیرنگ نہیں ہوتا ہے یہاں نفس اپنے پہلو میں صبح قیامت کو بھی جنم
دیتا ہے۔

ذرہ ہا از پر زدن خورشید انشا کردہ اند　　سخت سامان چراغان داشت این مشت شرار

ذرے پر مار مار کر آفتاب کو جنم دیتے ہیں۔ اس مٹھی بھر چنگاری (انسان) کے پاس چراغاں
کے بہت سے ساز وسامان ہیں۔

مدعا این بود کز گرد خیال انگیختن　　دیدۂ غفلت نگاہ چند گردد سرمہ وار

مقصد یہ تھا کہ خیال انگیزی کی گرد سے چند دیدہ غفلت نگاہ کو کچھ سرمہ پہنچے۔

دوستان را خواب گل زین گرد مژگاں پروراست　　حاسد اینجا سویش الماس گو در دیدہ کار

اس گرد سے دوستوں کا خواب گل مژگاں پرور ہے (یعنی گرد پر لکھے گئے اس مقالے سے دوستوں
کو وہ لطف آتا ہے کہ انہیں نیند آجاتی ہے) حاسدوں کو کہہ دو کہ ان کی آنکھوں میں ہیرا اپنا رنگ دکھائے۔

این غبار چند کز داماں گل افشاندہ ایم　　چشم اگر باشد بسامانست یک عالم بہار

دامن گل سے جو یہ چند گرد وغبار جھاڑے ہیں آنکھ اگر وا ہو تو اسمیں ایک مکمل عالم بہار کا سامان
موجود نظر آئے گا۔

مقالہ ''سرمہ اعتبار'' لکھنے کہ پیچھے کون سی چیز محرک تھی ان شعار سے یہ تو معلوم ہو
اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل نے اس وقت تک شاعری میں اتنی ترقی اور شہرت حاصل کر
تھی کہ اکبر آباد کے بعض شاعر اس سے جلتے تھے۔ اس پس منظر میں ہم شیر خان لودی کے
یقین کر سکتے ہیں جس میں وہ اسے اپنے عہد کا سب سے بڑا اور مشہور شاعر قرار دیتا ہے۔ نا
ہوگا اگر یہاں اکبر آباد کے بعض شاعروں کے بیدل سے حسد رکھنے کے ایک دو ماجرا کا تذکرہ
جن کو خوشگو نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔

بیدل داڑھی مونچھ بالکل صاف کر دیا کرتے تھے ایک دن اکبر آباد کے ایک شاعر
عبدالرحیم تھا، نے درج ذیل شعر لکھ کر اس کی پالکی میں ڈال دیا۔

چہ خطا در خط استاد ازل دید آیا   کہ بہ اصلاح خط و ریش نیاز افتادت

استاد ازل یعنی خدائے تعالے کی تحریر اور انسانی ساخت کی بناوٹ میں آخر کون
غلطی نظر آئی کہ آپ کو اپنے خط اور داڑھی کی اصلاح کی ضرورت پڑ گئی۔

بیدل نے فوراً اور بے ساختہ اس کا جواب دیا:

مختصر کن بہ تغافل ہوس جنگ وجدل   مدسر رشتہ تحقیق دراز افتادست

بحث و مباحثہ اور لڑائی دنگے کی خواہش پر کنٹرول کرو۔ رشتہ تحقیق کا سرا بہت لمبا واقع
شاید بیدل کا مطلب یہ تھا کہ دین و مذہب پر تحقیق و تدقیق کا سلسلہ بہت دراز ہے اور
تقاضے طویل ہیں وہ صرف داڑھی مونچھ میں ہی سمٹ کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ اصل چیز اسلامی رو
مزاج ہے جسے وہ ''حقیقت محمدیہ'' سے تعبیر کرتا ہے۔ ظاہری حالات اور وضع قطع کا نام دین نہیں ہے۔

شاہ قاسم ہواللّٰہی کے انتقال کا واقعہ:

۱۰۸۳ ہجری ۱۶۷۲ء میں عالم رویا میں حضرت شاہ قاسم ہواللّٰہی کی وفات کی خبر بیدل
پر منکشف ہوئی۔ اس خواب کی اس لحاظ سے بڑی اہمیت ہے کہ اس سے ''کشف قلوب'' کے
روشنی پڑتی ہے۔

واقعہ اختصار کے ساتھ اس طرح ہے کہ ایک دن بیدل عالم رویا میں خود کو حسب معمول شاہ
صاحب کی صحبت میں، جو اس وقت اڑیسہ میں تھے، دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ ہے وہ
پیالے کا پانی پینا چاہتا ہے کہ ادب اور شرم دونوں آڑے آتے ہیں۔ آخر اس نے پیالہ شاہ صاحب
پیش کیا۔ شاہ صاحب نے سارا پانی پیالے کا پی لیا مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے انہوں نے سرے سے پیا

ہو اور ان کی تشنگی بدستور قائم ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر بیدل کو حیرت ہوئی۔
یہ تو رات کی روئیداد تھی۔ دوسری رات کیا دیکھتا ہے کہ شاہ صاحب جام بدست و شیشہ در بغل
تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے شیشہ اور ساغر بیدل کے حوالے کیا بالکل اسی طرح جس طرح شرابی لوگ
آپس میں ساغر کا دور چلاتے ہیں۔ بیدل کو خیال آیا کہ شاہ صاحب کی محفل اس قسم کی شراب اور ساغر
سے خالی رہا کی ہے اس لئے لامحالہ اس بادہ و ساغر میں کوئی راز مضمر ہے۔ غرض شاہ صاحب کے حسب
حکم اس نے پیالہ بھر کر شراب پی۔ تب شاہ صاحب نے فرمایا:

''دور پیانہ خود دیشب بانجام رسانیدیم۔ لہٰذا حسن قسمت تو بود کہ بتو عاید
گردانیدیم۔ بعدازین سرخوش قدح پیمائی شوق می باش و دماغ اندیشہ بہ خارہای
کدورت مخراش''۔ (۳۶۰)

ہم نے اپنے پیمانے کا دور شب گزشتہ پایۂ تکمیل کو پہونچایا اتنی شراب تیری حسن قسمت میں تھی
جو تجھے بخشی۔ اس کے بعد مئے شوق کی قدح پیمائی سے مست و سرخوش رہ اور دماغ فکر کو خار کدورت
سے خراش مت لگا۔

شاہ صاحب کے حسب حکم بیدل نے چند گلاس نوش کئے پھر محسوس کیا کہ اس کا دماغ ہر قسم کی
کدورات یا وہم کی کرشمہ سازی سے نجات پا چکا ہے۔ اس حالت میں وہ خود کو ''محیط عالم آب'' تصور
کرتا ہے اور شرابیوں کی طرح اس کے پیر لڑکھڑاتے ہیں۔ جب خواب سے بیدار ہوا دل پر وہی مستی کی
کیفیت طاری تھی۔ بیدل کو یقین ہو گیا کہ شاہ صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔

تیسری رات کو خواب مین کیا دیکھتا ہے کہ کچھ صوفی اور مجذوب قسم کے لوگ ایک جگہ جمع
ہیں۔ جونہی اس نے اس محفل میں قدم رکھا ان حضرات نے اس سے درخواست کی۔

''اگر تاریخی درواقعہ رحلت حضرت شاہ بزبان قلم آوردہ باشی آرزو سراپا گوش است وشنیدن
سراسر آغوش''۔

حضرت شاہ صاحب کے سانحہ وفات سے متعلق کوئی تاریخ کہو کہ اشتیاق اس کے سننے کے
لئے سراپا گوش بنا ہوا ہے بیدل نے برجستہ یہ مصرع کہا۔

''زبی تعینی ذات رفت نام صفت''

یعنی نام صفت (شاہ صاحب) ذات (خداوندی) کی بے تعینی کے حدود سے نکل گیا۔
اس مصرع کو سن کر ان پر کیف و سرور کا عالم طاری ہو گیا اور تعریف کرتے ہوئے کہا۔
''الحق تاریخی باین لطافت نمی توان گفت و گوہری باین نزاہت نمی تواں سفت''۔

سچی بات یہ ہے کہ ایسی لطیف تاریخ نہیں کہی جاسکتی اور ایسا پاک وصاف موتی لڑی میں نہیں جاسکتا۔

جب خواب سے بیدار ہوا تو وہی مصرع اس کے ذہن ودماغ پر ثبت تھا۔ اس کے عددشماری سے اس واقعہ کی تاریخ نکالنا ممکن نہ تھا لیکن کافی غور وخوض کے بعد معنی کا سرا ملتا شاہ صاحب کے سال وفات کے مطابق پایا جاسکتا تھا۔ یقین ہوگیا کہ ایک لمبے عرصے تک درمیان چونکہ قلبی تعلق قائم تھا اس لئے اگر اس قسم کے معانی اس کے قلب پر الہام ہوتے بعید نہیں کہ ایسا ہی واقعہ رونما ہوا ہو۔

اس کے باوجود چھٹے مہینے تک محض اس خیال سے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ کہیں یہ قوت اختراع نہ ہو آخر اس کے کچھ دوست اڑیسہ سے اس کے پاس آئے۔ انہوں نے اسی تاریخ صاحب کی وفات کا تذکرہ کیا جو تاریخی مصرع سے نکلتا تھا۔ بیدل کو اس پر حیرت ہوئی مزید اشعار کہہ کر اسے ایک قطعہ کی شکل دیدی۔

شدہ سریر یقین قاسم ہواللہی — کہ داشت ذات حقش ملک انتظام صفت
مرغ ہمت عنقائیش رسائی کرد — پری فشاند، ز آشوبگاہ دام صفت
حضور ذات می شوق و حدتش پیمود — تغافلی زد و بر ہم شکست، جام صفت
بعافیت کدہ غیب بُرد شمع شہودش — رساند تا احدیت پی خرام صفت
ز سال واقعہ اش بیخودی بگوشم گفت — ز بی تعینی ذات، رفت نام صفت

ترجمہ:

شاہ قاسم ہواللہی سریر آرائے تخت یقین ہوئے ان کی ذات حق ایک ملک انتظام صفت کی مالک تھی۔

ان کے عنقا صفت مرغ ہمت نے ایک اڑان بھری اور دام صفت آشوبگاہ (دنیا) سے پرواز کر گیا۔

ان کے حضور ذات نے "شوق وحدت" کی شراب نوش کی، تغافل برتی اور جام کی طرح برہم ہوگیا۔

ان کے شمع "شہود" نے انہیں غیب کے عافیت کدے میں اور خرام صفت پاؤں نے "احدیت" تک پہونچا دیا۔

عالم بیخودی نے اس واقعہ کے سال کی بابت میرے کان میں کہا، وہ نام صفت ذات کی بے سے آگے بڑھ گیا۔

اور یہ اس طرح ہے کہ "زبی تعینی ذات" کے اعداد ۱۶۵۳ ہوتے ہیں اس سے "رفت نام صفت" نکال دیجئے جو ۵۷۰ ہوتے ہیں تو ۱۰۸۳ ہجری نکل آئے گا۔

اس واقعہ کے بعد بیدل نے کشف قلوب کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ راقم السطور نے اس سے باب "بیدل کے افکار وخیالات" کے ضمن میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۸۳ ہجری ۱۶۷۳ء میں بیدل کہاں تھا؟ اس کی کتاب سے واضح نہیں ہوتا لیکن جیسا کہ اس یہی وہ سال ہے جب بیدل نے اعظم شاہ کی ملازمت سے کنارہ کشی کی ہے۔

بیدل کا سفر لاہور وحسن ابدال وکشمیر:

دماغ آشفتہ خاصیت پنجاب و کشمیرم
کہ بوی ہر گل آنجا باپیاز و سیر می جوشد

پنجاب وکشمیر کی جغرافیائی یا اجتماعی خصوصیات کی وجہ سے جہاں ہر پھول کی خوشبو پیاز ولہسن میں پھیلتی ہے، میرا دماغ آشفتہ رہتا ہے۔

۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں بیدل دہلی میں تھا اور وہاں سے جیسا کہ لکھا گیا لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے ایک قطعہ بھی کہا ہے اور چہار عنصر میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شوق را از عزیمت لاہور — تازگیہای مژدہ شادیست

لاہور کے لئے عزم سفر کے سبب شوق کو نوید مسرت کی تازگی نصیب ہوئی۔

یعنی از دامگاہ افسردن — چند گاہم نوید آزادیست

یعنی دامگاہ افسردگی (افسردہ دلی کے جال پرونے کی جگہ یعنی دہلی) سے کچھ دنوں کے لئے آزادی کا نوید ملا ہے۔

سال تاریخ این عزیمت شوق — بی تکلف شنو "خداہادیست" (۳۶۳)

اس عزیمت شوق کے لئے بے ساختہ سال تاریخ سنو: "خداہادیست" (۱۰۸۵) ہے۔

اس سفر کی اگر وہ ترتیب پیش نظر رکھیں جس کو بیدل نے چہار عنصر اور رقعات میں بیان کیا ہے ساتھ محمد ساقی مستعد خان اور غلام علی آزاد بلگرامی کے بیانات بھی مدنظر رہیں تو ہم حقیقت سے قریب ایک نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔

لگتا ہے کہ واقعہ استعفا کے بعد بیدل نواب شکر اللہ خاں سے زیادہ قریب ہوگیا۔ بیدل، محمد ساقی مستعد خان اور آزاد کے مجموعی بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ خان موصوف اس وقت (۱۰۸۵) میں

سہارنپور میں صوبیدار کے عہد پر فائز تھا۔ اور وہاں سے تحفے میں آم اور خربوزہ وغیرہ بیدل کو بھیجا کرتا تھا۔ جن مختلف عہدوں پر خان موصوف سرفراز رہے مستعد خان کے مطابق وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ فوجدار سہرند (سرہند) ۱۰۹۲ ہجری ۱۶۸۱ء سے پہلے۔
۲۔ فوجدار شاہجہاں آباد یکم جمادی الاول ۱۰۹۲ھ تا ۶ رشوال ۱۰۹۴ھ۔
۳۔ فوجدار سکندر آباد ۶ رشوال ۱۰۹۴ھ تا ۱۰۹۸ھ
۴۔ فوجدار نواحی جہاں آباد ۱۰۹۸ھ تا ۱۱۰۸ھ (۳۶۴)

غلام علی آزاد لکھتے ہیں:

''بحکومت سہرند، سہارنپور و میوات سرفرازی یافتہ''۔ (۳۶۵)

وہ سہرند، سہارنپور اور میوات کے صوبیدار رہے لیکن مستعد خان سہارنپور کی صوبہ داری کا ذکر تذکرہ نہیں کرتا اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ سہرند سے پہلے وہ سہارنپور کے فوجدار رہے۔ بیدل نے شکر اللہ خان کے منصب میں ترقی کی مناسبت سے ایک خط اس کو لکھا جس میں مادہ تاریخ بھی درج ہے جس سے ۱۰۹۰ ہجری ۱۶۷۹ء نکلتا ہے۔

''تاریخ او مراتب تائید ایزدیست''۔ (۳۶۶)

مستعد خان کے بیان اور بیدل کے اس مادہ تاریخ کو سامنے رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ شکراللہ خان ۱۰۹۰ ہجری میں سہرند کی فوجداری پر مامور تھا اس لئے یقیناً اس سال سے پہلے سہارنپور کی فوجداری اس کے سپرد تھی۔ شکراللہ خان کے بیٹے عنایت خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سہارنپور میں خان موصوف کے قیام کے دوران بیدل وہاں گیا اور نواب صاحب موصوف کی اس پر بڑی عنایتیں اور مہربانیاں ہوئیں۔

''مہربانیہای خانصاحب الطاف مناصب والتفاتہای میر صاحب کرم مناقب از عالم تقریر بیرونست۔ گاہی بمقتضای بی اختیاری سری بہ سہارنپوری کشد و بیاد گرامی صحبت خود را در خدمت فیض منقبت ایشان دلی دہد۔ باطفای شعلہ ہای بیکسی، اگر آبی ہست در آنجا جلوگر ست، و بہ تسکین جراحتہای بیدلی اگر مرہمیست ہمانجا در نظر''۔ (۳۶۷)

خانصاحب الطاف مناصب کی مہربانیاں اور میر صاحب کرم مناقب کی عنایتیں بیان سے باہر ہیں۔ کبھی عالم بیخودی میں سہارنپور کا خیال کرتا ہوں اور صحبت گرامی کی یاد میں خدمت فیض منقبت میں اپنا دل بہلاتا ہوں۔ بیکسی کے شعلوں کو بجھانے کے لئے اگر کہیں کوئی پانی ہے تو وہ وہیں نظر آتا ہے بیدل کے زخموں کو بھرنے کے لئے اگر کہیں کوئی مرہم ہے تو وہ بھی وہیں دکھائی دیتا ہے۔

یہ خط کب لکھا گیا واضح نہیں ہوتا لیکن وہ دو دوسرے خطوط کو سامنے رکھنے سے جن میں سہارنپور کا ذکر آیا ہے۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ خط ۱۰۸۵ ہجری سے قبل لکھا گیا ہے۔ پہلے خط کا عنوان ہے۔

''فقیر بسبب بارش از راہ سہارنپور بدہلی باز گردیدہ''۔ (۳۶۸)

(جس زمانے میں خاکسار بارش کے سبب سہارنپور کے راستے دہلی واپس ہوا)

اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا بیدل ۱۰۸۵ھ میں لاہور گیا تھا اور اسی سال وہاں سے واپس ہوا ممکن ہے واپسی سہارنپور کے راستے ہوئی۔ دوسرے خط کا عنوان ہے۔

''[illegible] سال دالی انبہ'' اس میں ایک جگہ لکھتا ہے۔

[illegible] گر در سہارنپور بالد بدہلی بایدش محمل کشیدن (۳۶۹)

یعنی آم سارے اگر سہارنپور میں پیدا ہوتے ہیں تو انکا کجاوہ دہلی تک کھینچ لانا چاہئے۔

ان خطوط اور مذکورہ بالا قطعے کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بیدل کو استعفا کے بعد جب [illegible] سے سابقہ پڑا اور اس کی طبیعت افسردہ رہنے لگی تو اس کی ملاقات ایزدبخش رسا سے ہوئی جیسا کہ اس سے پہلے اس کے خطوط سے واضح ہوتا ہے اور اس کے حسب دستور مولانا عبدالعزیز عزت سے ملاقات کی غرض سے اس نے لاہور کا عزم کیا کہ اس طرح شاید ''دامگاہ افسردن'' سے رہائی اور ''مژدہ شادی'' کے حصول کی صورت نکل آئے۔ بلکہ ترکیب ''مژدہ شادی'' بتاتی کہ بیدل کے لئے [illegible] کسی ذریعہ آمدنی کی خوشخبری دی گئی ہوگی ورنہ اتنے لمبے سفر کے لئے زحمت اٹھانے کا کوئی [illegible] نہیں آتا ہے۔

ایزدبخش رسا لکھتا ہے:

''چہارم شہر رمضان ۱۰۸۵ ہجری ...... انشاء اللہ العزیز میرزا عبدالقادر بیدل کہ سراپا دلست بتقریب بملازمت سعادت اندوزد''۔ (۳۷۰)

[illegible] رمضان ۱۰۸۵ھ انشاء اللہ مرزا عبدالقادر بیدل جو سراپا دل ہیں جلد ہی خدمت میں حاضر ہو کر سعادت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اس سفر میں وہ پہلے شکراللہ خان کے پاس سہارنپور گیا جہاں خان موصوف نے اس پر غیر معمولی عنایتیں کیں۔

مذکورہ بالا قطعے کے علاوہ چہار عنصر میں درج بیدل کے بیان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ اس وقت دہلی میں ناسازگار حالات سے دوچار تھا:

''غبار قافلہ تجردم، از ساحت عرصہ دہلی، بسیر پنجاب دامن عزم شکست۔ وورای محمل خیال پیش آہنگی سفر لاہور کمر شوق بر بست۔ گرد تنہائی لشکری بود ہزار علم فتح در رکاب شکستہ

بالی۔ و رنگ بیکسی عالمی داشت چندیں بہار جمعیت در غبار آشفتہ حالی۔ اقبال بی سروپائی کلاہ سرگشتگی، از جنبیت کشان فلک دوار می ربود۔ شکوہ عریان تنی، مقابل نیزہ داران خورشید، آئینہ عرض اقتدار می نمود۔ بآئین مجاذیب، سنگ و خشت پیش پا افتادہ را، تعلیم گلبازی پرواز می کردم و خاک و گل براہ نشستہ را، پرکشا سعی ہوا، برمی آوردم۔ ہر کجا از پا می نشستم، آسودگی، چون نقش قدم، بساط عافیت می پرداخت۔ و ہرگاہ، براہ می افتادم وارستگی چون نسیم، پیشم می تاخت۔ (۳۷۱)

یعنی جس وقت میرے قافلہ تنہائی کے غبار نے پنجاب کی سیاحت کی خاطر ساحت دہلی سے دامن عزم توڑا (پنجاب کی سیاحت کے لئے اکیلا روانہ ہوا) اور درائے محمل خیال نے سفر لاہور کی آہنگی کے لئے اپنے شوق کا کمر کسا (لاہور کے سفر کا عزم کیا) گرد تنہائی ایک ایسی فوج تھی جو [illegible] ہزاروں علم شکستہ بالی کے رکاب میں تھامے ہوئے تھی اور رنگ بیکسی کا یہ عالم تھا کہ قلبی سکون کی بہاریں پراگندہ حالی کے غبار میں گرفتار تھیں۔ ''بے سروسامانی'' کا اقبال کلاہ حیرانی کو فلک چرخ [illegible] جنبیت کشوں سے اچک رہا تھا اور ''عریاں تنی'' کا شکوہ خورشید کے نیزہ داروں کے مقابلے پر [illegible] اقتدار کا آئینہ دکھا رہا تھا۔ (یعنی انتہائی بے کسی، بے سروسامانی اور عریاں تنی سے دوچار تھا) نیز [illegible] پڑے پتھروں اور ٹھیکروں کو مجذوبوں کی طرح گلبازی پرواز کی تعلیم دے رہا تھا (بے دلی سے [illegible] ٹھوکریں مارتا جا رہا تھا) اور راستے میں بیٹھی خاک اور دھول کو سعی ہوا سے پرکشا بنا کر نکال رہا تھا (دھول اڑاتا جا رہا تھا) جہاں کہیں تھک کر بیٹھ جاتا آسودگی نقش قدم کی طرح عافیت کی بساط بچھاتی تھی اور جب کبھی راستے پر چل پڑتا وارستگی بادنسیم کی طرح میری اگوانی کرتی تھی۔

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ بیدل پنجاب کے سفر میں شروع میں اکیلا تھا اور اپنے [illegible] مالی حالات سے وہ اتنا پریشان اور پراگندہ خاطر تھا کہ یہ راستہ بھی انتہائی بیدلی سے طے کر رہا تھا [illegible] سنگریزے راستے میں پڑے ملتے تھے پاگلوں کی طرح ان کو اچھالتا اور دھول اڑاتا چلا جا رہا تھا۔

یٰسین خاں نیازی نے اپنے ایک مضمون ''مرزا بیدل کے تعلقات'' میں لکھا ہے کہ [illegible] سے متعلق بیدل کا مذکورہ بالا بیان اس واقعہ سے متعلق ہے جو ۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء میں پیش آیا تھا۔ [illegible] رباعی کی بنیاد پر جو بیدل نے سادات بارہہ کی نمک حرامی پر کہی تھی حسین علی خاں کی ایذا رسانی کے واہمہ سے وہ لاہور بھاگ گیا تھا (۳۷۲) جب کہ بیدل نے چہار عنصر ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۴ء میں مکمل کر لی تھی اس لئے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا عبارت بیدل کے اس سفر لاہور سے متعلق ہے جو ۱۰۸۵ھ میں اس نے کیا تھا۔

اسی طرح پروفیسر نورالحسن انصاری اور ان کے فارسی مترجم پروفیسر میر حسن شاہ نے لکھا ہے کہ:

''جب ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء میں اورنگ زیب کی فوج حسن ابدال گئی تو بیدل بھی اس کے ساتھ تھا اور ربیع الاول ۱۰۸۶ھ تک وہیں قیام پذیر رہا اور یہ بات ایزد بخش رسا کے ایک خط سے جو اس کے مجموعہ خطوط ''ریاض الوداد'' میں شامل ہے معلوم ہوتی ہے''۔ (۳۷۳)

بیدل کے بیان سے ان حضرات کی غلط فہمی یا غلط نتیجے پر رسائی پوری طرح واضح ہے کیونکہ ''گرد تنہائی'' اور ''رنگ بیکسی'' وغیرہ کی تراکیب میرے خیال کی تائید کرتی ہیں۔ نیز یہ کہ اورنگ زیب کی فوج ۱۱ محرم ۱۰۸۵ھ کو حسن ابدال کے لئے روانہ ہوئی (۳۷۴) جبکہ ایزد بخش رسا کے [illegible] رمضان کے اواخر یا شوال کے اوائل یعنی نو یا دس مہینے بعد بیدل لاہور کے لئے روانہ ہوا ہے۔ [illegible] بیدل نے خود ہی اعتراف کیا ہے۔

''و در [illegible] با حسن ابدال یکی از براہمہ بافقیر بیدل اتفاق رفاقت داشت''۔ (۳۷۶)

یا حسن ابدال کے سفر میں ایک برہمن کو خاکسار بیدل کی رفاقت حاصل رہی۔

ایسا لگتا ہے کہ شروع میں وہ اکیلے ہی روانہ ہوا پھر سفر کے دوران اس کی ملاقات ایک برہمن سے ہوئی اور وہ آخر تک ساتھ رہا۔

ایک قلم تراش کا قصہ:

اس سفر میں بیدل کے پاس ایک چاقو تھا جس سے وہ قلم تراشا کرتا تھا لیکن وہ ایسی بھدی شکل کا تھا [illegible] طبع موزوں پر گراں گزرتا تھا اور کانٹے کی طرح اس کی آنکھوں میں کھٹکتا رہتا تھا جب وہ [illegible] سرائے نیکودر'' پہونچا تو اسے وہاں کچھ لوہار نظر آئے ان سے پوچھا:

''کیست پا بر شکستگی این کارد زخمی گمارد و نیک و بد اندامی از بنیاد این ترکیب بردارد''۔ (۳۷۷)

یعنی اس زخمی چاقو کی شکستگی پر پاؤں رکھنے اور اس کی بدشکلی کو دور کرنے کے لئے کون تیار ہے۔

ہر لوہار اس کام کی انجام دہی کے لئے اپنی خدمت پیش کرنے کو آگے بڑھا۔ ایک ماہر لوہار نے [illegible] ہاتھ سے چاقو لے کر اس کو موزوں شکل و صورت دیدی۔ بیدل نے اسے اجرت دینا چاہا لیکن [illegible] سے انکار کرتے ہوئے کہا:

''اتنے ذرا سے کام کے لئے اجرت کی امید رکھنے کا کیا موقع ہے۔ آخر ہم بھی تو اس گوشے میں نزول رحمت کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور اس ویرانے میں نوید سعادت کے لئے چشم براہ ہیں''۔

بیدل اس کی اس دلکش اور منطقیانہ گفتگو سے کتنا متاثر ہوا اس کا اندازہ اس کے بیان سے کیا جاسکتا ہے:

''بی تکلف لطف کلامی معانیہ کردم کہ قلقل ہزار خمکدہ مینا بہ غشاء سماعش نفس در کام وزدید۔ کیفیت نگاہی مشاہدہ کردم کہ موج ہزار سخن ساغر در مقابل ادایش خط بر زمین کشید۔ انداز آن گفتگو از عالم ظہور حرف وصوت نبود۔ سحر پردازی آن تبسم، غیراز درہای اعجازنی کشود۔'' (۳۷۸)

انداز گفتگو کا وہ لطف ملا کہ ہزاروں خمکدہ مینا کے قلقل (شیشہ یا صراحی سے شراب کے گرنے کی آواز) کی سانس اسے سن کر حلق میں اٹک کر رہ گئی اور نگاہ کی وہ کیفیت نظر آئی کہ ساغر کی ہزاروں لہریں اس کی ادا کے مقابلے پر زمین پر خط کشی کرنے لگیں (شرمانے لگیں)۔ اس گفتگو کا انداز حرف و صوت کے اس عالم ظہور سے لگا نہیں کھاتا اور اس مسکراہٹ کی سحر پردازی در اعجاز کے سوا کسی اور در کو نہیں کھولتی تھی۔

بیدل کی ایک برہمن سے ملاقات اور مسئلہ قیامت پر بحث:

یہ کہنا مشکل ہے کہ سرائے نیکودر بابا حسن ابدال سے پہلے ہے یا بعد میں لیکن بیدل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دہلی سے اول تنہا پنجاب روانہ ہوا اور سرائے نیکودر تک اکیلا رہا اور جب حسن ابدال کی طرف بڑھا تو راستے میں ایک برہمن کی رفاقت اسے حاصل ہوئی۔ لکھتا ہے:

''در سفر راہ بابا حسن ابدال یکی از براہمہ بافقیر بیدل اتفاق رفاقت داشت''۔ (۳۷۹)

بابا حسن ابدال کے راستے میں خاکسار بیدل کو ایک برہمن کی رفاقت حاصل ہوئی۔ بابا حسن ابدال صوبہ اٹک کا ایک شہر ہے جو کمبل پور سے پورب کی طرف پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مسلمانوں، بدھوں اور سکھوں کی زیارتگاہ ہے۔ (۳۸۰)

برہمن سے بیدل کی بحث کا موضوع یہ تھا کہ ''پلک جھپکتے میں قیامت کا مرحلہ کیسے طے ہو جائے گا'' یہ واقعہ اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ ایک طرف بیدل کے وسیع مطالعہ حتیٰ کہ ہندوؤں کی مذہبی اور فلسفیانہ کتابوں کے مطالعہ تک کی نشاندہی کرتا ہے دوسری طرف اس کے علمی منطقیانہ مناظرے کی صلاحیت کو واضح کرتا ہے۔ علاوہ ازیں قیامت کے بابت اس کے حقیقی افکار وخیالات کیا تھے یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ کچھ لوگوں جیسے نیاز فتحپوری اور جان ریکا ڈیمی نے اس کے بعض اشعار کے ظاہری مفہوم کی بنیاد پر اسے ''قیامت کا منکر'' قرار دیا ہے۔

دوران سفر ایک دن برہمن نے جو بیدل کی نمایاں اور بھاری بھر کم علمی شخصیت سے کسی حد تک مرعوب معلوم ہوتا تھا محض اپنی تسلی خاطر کے لئے قیام قیامت کے زمانے کے متعلق دریافت کیا:

''شنیدہ ایم جمعی از جناب افصح دبستان کائنات رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم مسئلت نمودند: مشاہدہ استقبال نتائج حال ومکاشفہ وقوع پاداش اعمال، یعنی بی پردگی آشوب قیامت بکدام ساعت صورت خواہد بست ودر چند مدت بظہور خواہد پیوست؟ فرمود: در یک مژہ برہم زدن ان نقاب مرتفع است''۔ (۳۸۱)

یعنی ہم نے سنا ہے کہ افصح دبستان کائنات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی ایک جماعت نے دریافت کیا: ''نتائج حال'' کا مستقبل میں مشاہدہ اور پاداش اعمال کے وقوع کا مکاشفہ یعنی آشوب قیامت کی بے پردگی کب صورت پذیر ہوگی اور کتنی دیر میں منصۂ شہود پر آئے گی فرمایا: ایک مژہ کے پلک جھپکنے میں وہ نقاب اُٹھ جائے گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر برہمن کے اعتراض کا مطلب یہ تھا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب ہزاروں دفعہ پلک نہ جھپکاتے ہوں لیکن قیامت کا ہنوز کہیں کوئی نشان پتہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا جن تبدیلیوں اور انقلابات سے گزر رہی ہے وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ چمن کے پھول ہر آن بدلا کرتے ہیں اور کسی ایک مستقل اور پایدار شکل میں نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہماری سرگرمیاں جو ''زمان حال'' میں ہم انجام دیتے ہیں ان کے نتائج مستقبل میں کتنی دیر میں ہمیں نظر آئیں گے۔ ان سوال کرنے والوں نے ''مستقبل'' کے بابت کچھ نہیں پڑھا ہے۔ یہ لوگ جو موجودہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں وہ ''مستقبل'' کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں اس لئے جواب میں صرف اس نکتے پر اکتفا کرنا کہ دنیا کے سارے معاملے مستقبل میں ایک چشم زدن میں حل ہو جائیں گے۔ سوال کے مطابق کیونکر ہوسکتا ہے؟ اگر قیام قیامت سے حضور کا مقصد ''تجدد امثال'' ہے تو پھر اس کے لئے اس سے زیادہ واضح اور غیر مبہم تعبیر استعمال کرنی چاہیئے تھی تا کہ سوال کرنے والے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ اسلامی فسلفہ کے برعکس ہندوؤں کے فلسفے میں قیام قیامت کے لئے ایک مخصوص اور معین وقت ہے جو ہندوؤں کی اصطلاح میں ''جگ'' کہلاتا ہے یہ جگ جب ہزار بار گردش کرے گا تو وہ برہما کے ایک دن کے برابر ہوگا اور جب اسی طرح سو سال گزر جائیں گے تو برہما کا خاتمہ ہو جائے گا اور دارو گیر کا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔

بیدل کا جواب اول بعینہ اس طرح نقل کیا جاتا ہے بعد میں اس کی وضاحت کی جائے گی کیونکہ یہاں پر اس کے بیان میں فلسفیانہ رنگ پوری طرح چھایا ہوا ہے۔

''این کلام تقدس مقام از معجزات خیر الانام است صافی عبارتش، نقاب شبہہ از روی جزئیات امکانی بر داشتہ، و عروج معنیش علم ادراک الٰہی کلی بر داشتہ۔ بجذب جمعیت لطایف، نہ وحشی مرغزار ''حال'' را از احاطہ کمندش، یارای بدر رمیدن۔ ونہ نخچیر صیدگاہ ''استقبال'' را از آغوش صفیرش امکان برون طپیدن۔ اینجا ہم معنی ''الاعــراض لایبقی زمانین'' سر بر خط تسلیم اشارت است۔ وہم مضمون ''یوم ینفخ فی الصور'' از مقیمان پردہ عبارت۔ اثر این لفظ قدرت شامل اسرار مرکب و بسیط است۔ یعنی از چشمک ذرات کون تا مژگان برہم زدن ''بشن'' محیط۔ براہمہ ''مرتبہ وجوب'' را ''بشن'' می خوانند و عقل کل را ''برہما'' می دانند۔ اصل معتقدات شان اینست کہ می گویند: ''طومار عمر برہما'' با آنہمہ درازی در فرصت یک چشم زدن ''بشن سیاہ'' است، و افسانہ رشتہ ہای امانش بفراہم آوردن این یک گرہ کوتاہ۔ تا مژہ او خط کشیدہ است صفحہ این برقم نیستی رسیدہ۔ و تا خامہ اوشق و لرزیدہ است خطوط این نقطہ موہومی انجامیدہ۔ زیرا کہ عقل کل آئینہ ایست امکانی بسبب تقابل نیرنگ وجوب نقشبند صور و اشکال موجودات۔ و بواسطہ تنزل خیالات الوہیت، چہرہ پرداز احوال و امثال کاینات۔ ہرگاہ واجب نقوش بی توجہی گمارد باغماض این تماشا مژہ برہم فشارد۔ ممکن کہ آثار بہارش گر دیست بعالمی موہومی پیوستہ، و مینای اعتبارش رنگی در عین درشتی شکستہ، فرصت کمین بہانہ ایست تا بمحیط ناپیدائی غوطہ زند۔ و زورق توہم بگرداب معدومی مطلق افگند۔ اغماض بہار جز پیچیدن بساط رنگ و بو در بار ندارد و تغافل سحاب، غیر از خشکی آثار نشو و نمانمی کار رد۔ بینوائیہای بہ نفس دز دیدن مطرب وابستہ، و نارسائیہای آہنگ بگسیختن رشتہ ساز پیوستہ''۔ (۳۸۲)

یہ تقدس مآب کلام درحقیقت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزانہ ارشاد ہے۔ اس کی شستگی عبارت نے جزئیات امکانی کے چہرے سے شبہے کا نقاب ہٹا دیا ہے اور اس کی بلندی ادراک الٰہی کلی کا پرچم لہرا دیا ہے۔ ''مجموعہ لطایف'' ہونے کی کشش کے باعث مرغزار ''حال'' کے وحشی کو اس کے حلقہ کمند سے باہر بھاگنے کا یارا ہے نہ شکارگاہ ''استقبال'' کے شکار کو آغوش صفر (پرندوں کی آواز) سے سرگرمی دکھانے کا امکان۔ (یعنی آپ ﷺ کا ارشاد حال و مستقبل دونوں زمانوں کے تقاضوں اور خصوصیات کا حامل ہے) یہاں الاعراض لایبقی زمانین (اعراض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتے ہیں) کا مفہوم خط ''تسلیم'' کی طرف اشارہ ہے (شیوہ تسلیم و رضا کو بتاتا ہے) اور یــوم ینفخ فی الـصـور فتـاتـون افـواجا۔ (نبا ۱۸) (جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم سب فوج در فوج آؤ گے)

''پردۂ عبارت'' میں پوشیدہ ہے اس لفظ قدرت صفت کا اثر کیا مرکب اور کیا بسیط سب کے شامل ہے یعنی عالم ''کون'' کے ذرات سے لے کر ''بشن'' کے پلک جھپکنے تک سب کو اپنی آغوش ہوئے ہے۔ برہمن لوگ مرتبہ وجوب کو ''بشن'' کہتے ہیں اور مرتبہ ''عقل کل'' کو ''برہما'' سمجھتے انکا عقیدہ ہے کہ برہما کی مدت حیات اپنی تمام تر درازی کے باوجود بشن سیاہ کے ایک بار کی مہلت کے برابر ہے اور اس کے رشتہ اماں کے افسانے اس ایک گرہ کوتاہ کی فراہمی سے ۔ جب تک جب تک اس کی پلک خط کشی کرے (کھولے) اس کا صفحہ، عدم کی رقم تک پہنچ چکا (راہی عدم ہو چکا ہوتا ہے) اور جب تک اس کا قلم شق ہو اور اس میں حرکت آئے اس کے ''نقطہ موہوم'' تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اس لئے ''عقل کل'' ایک ایسا ''آئینہ امکانی'' ''نیرنگ وجوب'' کے مقابلے پر موجودات کی شکل وصورت کے نقوش بناتا ہے اور ''خیالات'' سے تنزل کے سبب کائنات کے احوال و امثال کے چہرے کی غازہ اکرتے ہیں۔ جب کبھی نقوش سے بے توجہی برتتا ہے تو اس تماشا کی طرف سے چشم پوشی کی خاطر پلک جھپکاتا ہے۔ جس کے آثار بہار عالم موہوم سے وابستہ ایک گرد کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا مینائے اعتبار سختی میں ایک شکستہ رنگ رکھتا ہے، صرف ایک بہانہ کی تاک میں لگا رہتا ہے تا کہ عدم کے سمندر ئے اور توہم کی ڈینگی کو ''معدومی مطلق'' کے بھنور میں ڈال دے۔ بہار کی چشم پوشی میں رنگ ط چینی کے سوا کوئی چیز اس کے پلے نہیں ہے۔ اور بادل کے تغافل میں خشکی کے سوا نشو و نما کے آثار نمایاں نہیں ہیں۔ بانسری کی بینوائی مطرب کے تنفس سے وابستہ ہے اور آہنگ کی نارسائی کے ٹوٹنے سے جڑا ہے۔

بیدل استعارات وکنایات کے استعمال میں کبھی اس قدر افراط سے کام لیتا ہے کہ اس کے اور مقصد تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے جو کچھ اس راقم السطور کے فہم ناقص میں آتا ہے وہ ذیل ہے۔

قیامت کے برپا ہونے کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے علاوہ خود اللہ اپنی مقدس کتاب میں فرمایا ہے وما امر الساعة الا کلمح البصر او هو اقرب) اور قیامت کا کام تو بس ایسا ہے جیسے لپک نگاہ کی یا اس سے بھی قریب۔ مطلب یہ ہے کہ عام کے محسوسات کے موافق تو اس کی سرعت کو آنکھ جھپکنے سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن واقع میں اس سے میں قیامت قائم ہوگی کیونکہ لمح بصر بہر حال زمانی چیز ہے اور ارادہ خداوندی پر مراد کا ترتب آنی حال آپ کا ارشاد درحقیقت آپ کے منجملہ معجزانہ ارشادات میں ہے۔ آپ کے الفاظ اتنے

جامع و مانع ہوتے ہیں کہ حال و مستقبل سے وابستہ چاہے کوئی زمانہ ہو اس کے دائرے سے باہر نہیں ہو
سکتا۔ آپ کا ارشاد گرامی مشہو اصول "الاعراض لایبقی زمانین" '' (اعراض دوزمانوں میں برقرار
نہیں رہ سکتے) کے مفہوم کو بھی شامل ہے اور "یوم ینفخ فی الصور" کے تقاضے کو بھی شامل ہے
اصل کہ ''اعراض'' دوزمانوں میں قائم نہیں رہتے، بظاہر حضور کے ارشاد سے متصادم نظر آتا ہے کیونکہ
موجودات میں ہمیشہ تبدیلی آتی رہتی ہے لہذا جو چیز اس وقت زمان حال میں موجود ہے وہ مستقبل میں
نہیں ہے۔ لہٰذا کس طرح ممکن ہوگا کہ جو حال سے وابستہ موجودات ہیں مستقبل میں بھی برقرار
بیدل کہتا ہے کہ حضور کے ارشاد اور اس اصل کے بیچ کسی قسم کا تعارض نہیں ہے ''قیامت کے چشم
میں برپا ہونے'' کی تعبیر بہت ہی برجستہ اور موزوں ہے جس میں ہر قسم کی بسیط و مرکب اشیاء شامل
ہوجاتی ہیں کیونکہ اشیا ان دو حالات سے خالی نہیں ہونگیں۔ جہاںتک آیت کریمہ کہ ''جب قیامت
ہوگی تم لوگ جوق در جوق اکٹھے ہونے لگو گے'' کا تعلق ہے حضور کے ارشاد کے عین مطابق ہے۔

بیدل کا خیال تھا کہ جواب سوال کرنے والے کی فہم کے مطابق ہو اس لئے اس نکتے کی
ضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ برہمنوں کے عقائد کے مطابق مرتبہ 'وجوب' کو ہم 'وشنو' اور عقل کل
'برہما' کے مساوی قرار دے سکتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ برہما کی زندگی اپنی تمام تر درازی کے
وشنو کے ایک پلک جھپکنے کے برابر ہے، جب کبھی وشنو پلک جھپکا تا ہے برہما کا وجود
جاتا ہے۔ عقل کل جو برہما کے مساوی ہے وجوب کی بہ نسبت جو وشنو کا مساوی ہے، ایک آئینے کی طرح
ہے جس میں موجودات کے نقوش ثبت ہوتے ہیں۔ جب واجب ان نقوش سے بے اعتنائی برتتا ہے
یہ نقوش، جو در حقیقت ممکنات کا نام ہے، واجب کے مقابلے پر ایک گرد سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے
موہوم سے وابستہ ہوجاتے ہیں اور اپنے وجود سے عاری ہوکر عدم کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں۔

پس یہ پلک جھپکنا ذرات کون کی چشمک بازی اور وشنو کے پلک جھپکنے کو شامل ہے۔ یہ حقائق
چونکہ بہت ہی دقیق اور عمیق ہیں اس لئے کم فہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے ''چشم زدن'' سے تشبیہ دینے کی
ضرورت پڑی۔ ورنہ دریا کے اسرار و رموز کو گوش گرداب کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح
وغیرہ اگرچہ دریا کی سطح پر شناوری کرتے ہیں پر وہ دریا کی لہرون کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔

چہ دانی رمز دریا چوں نداری گوش گردابی — کہ کار خار و خس نبود زبان موج فہمیدن

اگر تمہارے پاس گرداب کے کان نہیں ہیں تو تم دریا کے راز کو کیا سمجھو گے کیونکہ لہروں کی
زبان کا سمجھنا خار و خس کے بس کی بات نہیں ہے۔

نیاید راست ہرگز صحبت زنگ و صفا باہم — چہ حاصل سایہ را از خانہ خورشید پرسیدن

زنگ و صفا (اچھے برے) کی صحبت باہم راس نہیں آتی ہے سایہ سے خانہ خورشید کے بابت پو
چھنے کا کیا حاصل۔

محرم او گر ہمہ از خود برون آئی — نہ چیند خاک پایاں سپہر از سعی بالیدن (۳۸۴)

اگر تم اپنی ذات سے پوری طرح باہر بھی آجاؤ تو بھی اس کے محرم نہیں ہو سکتے خاک، جولانی
آسمان کا سرا نہیں پا سکتی ہے۔

بیدل کہتا ہے ہر آدمی اپنے مخصوص انداز سے عارفانہ مسائل کی توضیح کرتا ہے لیکن جو نکتہ سدا
یاد رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جواب سوال کرنے والے کے عقائد اور اس کی فہم کی سطح کے مطابق ہونا
چاہئے۔ جب قیامت کے مسئلے پر سوال و جواب میں مکمل مطابقت ہوگئی تو اس کا اعتراض پادر ہوا
ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

''چون صورت جواب سایل ہم از پردۂ اعتقادش معرض بیان پیوست رنگ شعلہ اعتراض
ناچار بخاک سکوت شکست۔ در صحبتی چند زنگار شکوک اوہام بصفای معنی یقین تبدیل یافت و
حسن حقیقت اسلام از آئینہ باطنش نقاب تغافل شکست''۔ (۳۸۵)

(سائل کے جواب کی شکل جب اس کے پردۂ اعتقاد کے مطابق عرض بیان سے پیوستہ ہوئی
(جواب عقاید کے مطابق بیان ہوا) تو شعلہ اعتراض کا رنگ لامحالہ خاک سکوت سے ٹکرایا (اعتراض
ختم ہوا) چند صحبتوں میں اس کے شکوک اوہام کا مورچہ یقین کی صفائی میں بدل گیا (اسے یقین ہوگیا)
حقیقت اسلام کے حسن نے اس کے آئینہ باطن سے نقاب تغافل سرکایا (اسلام قبول کرلیا)۔

اس واقعہ بلکہ مناظرہ سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بیدل نے اسلام اور ہندوؤں کے فلسفے کا
تقابلی مطالعہ کیا تھا۔ خوشگو کا بیان اس خیال کی تائید کرتا ہے۔

''تمام قصہ مہابھارت کہ در ہندیان از ان معتبر کتابی نیست بیاد داشت''۔ (۳۸۶)

مہابھارت جس سے زیادہ معتبر کوئی کتاب ہندوؤں میں نہیں ہے بیدل کو اس کے سارے قصے
ازبر تھے۔

رہی یہ بات کہ بیدل لاہور پہونچا یا نہیں! یا پہونچا تو کتنی مدت تک وہاں رہا؟ یہ مسئلہ بھی
مختلف فیہ ہے۔ غلام حسن مجددی لکھتے ہیں:

''لاہور میں بیدل کے قیام کے سلسلے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں لیکن اتنا پتہ چلتا ہے
کہ وہ حسن ابدال تک گیا ہے''۔ (۳۸۷)

یہ خیال درست نہیں ہے شکر اللہ خان کے بیٹے کرم اللہ خان کے نام بیدل کے ایک خط سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ لاہور تک گیا اور اسی سال وہاں سے دہلی واپس آگیا اور لاہور میں
چند مہینوں سے زیادہ نہیں رہا لکھتا ہے۔

''بتائید اتفاق ازلی، بساط سلسلہ وفاق از لاہور تا دہلی آراست ...... تفصیل آن از مکاتیب
خان کرم عنواں مکشوف رای معنی ضیا خواہد بود۔ کلک آرزو سلک بعرض ایں مطلع میمنت
رتاریخ زمان وروداست۔

جنت عیش و طرب خادماں　　　ہمدم بزم کرم اللہ خاں (۳۸۸

ازلی اتفاق (خدائے تعالیٰ) کی تائید سے سلسلہ وفاق کی بساط لاہور سے دہلی تک
خان کرم عنوان کے مکاتیب سے اس کی تفصیلات معلوم ہوگی۔ درج ذیل مطلع کے ذریعہ
آرزو سلک نے زمانہ ورود کی تاریخ نکالی ہے۔

جنت عیش وطرب خادماں　　　ہمدم بزم کرم اللہ خاں (۱۰۸۵ھ) (۳۸۹)

ہمیں معلوم ہے کہ ۱۰۸۵ھ کے اواخر رمضان یا اوائل شوال میں بیدل لاہور روانہ ہوا
اسی سال وہ واپس ہوا اس لئے یقینی طور پر چند مہینے ہی وہ وہاں ٹھہرا۔

لاہور سے بیدل کی واپسی اور اس کی تفصیلات سے متعلق اس خط میں 'خان کرم عنوان' کے
خطوط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ خان کرم عنوان سے بیدل کی مراد کیا ہے واضح نہیں ہوتا۔ مگر
رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خان کرم عنوان سے مقصد شکر اللہ خان ہے کیونکہ ان کے نام
ایک خط میں واپسی کے وقت پیش آنے والے اپنے بعض حالات کا تذکرہ بیدل نے کیا ہے۔ یہ خط اس
عنوان کے تحت ہے۔

''بشکر اللہ خان زمانیکہ فقیر بسبب بارش از راہ سہارنپور بدہلی باز گردیدہ''۔

امید گاہا! حالتیکہ از سبکروی ہای ابر بہار مشاہدہ نمودم کہ دردم شمشیر آبدار متصور نبود۔ از مقام
''لونی'' تا ''شیخ پورہ'' قصد راہ جز بہ سعی شنا میسر نیامد۔ ہر چند نفس تردد سوخت، غیر از عرق
خجلت چراغ راہی نیفروخت''۔ (۳۹۰)

امید گاہا! ابر بہار کی سبکروی سے جو حالت میں نے مشاہد کی اس کا تصور آبدار شمشیر کے
میں بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ''لونی''، سے ''شیخ پورہ'' تک کا راستہ تیر کر ہی طے کرنا پڑا۔ نفس تردد اس نے
ہر چند عرق خجلت کے سوا کوئی اور چراغ روشن نہیں کیا۔

لونی، دہلی سے تقریباً پندرہ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا جو اب دہلی میں شامل ہو گیا ہے
شیخ پورہ پنجاب میں ہے۔ بیدل، برسات کی وجہ سے بجائے اس کے کہ لاہور سے براہ راست دہلی

ئے۔ سہارنپور کے راستے لوٹا۔ پھر بھی شیخ پورہ سے لونی تک اس کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور
سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اس سفر میں واحد شکوہ اس کو اپنی بیدلی کا تھا ورنہ دریا وصحرا اور سیلاب
ی مناظر ایسے تھے جس کی وجہ سے عرصے تک اس کے خیال اور تصور میں ساغر تحیر لنڈھایا

''بی تکلف اگر شکوہ ای ہست از بیدلی است۔ وگرنہ دریں مسافرت سیر عالم آبی و کیفیت
شت ووادی بمعاینہ نرسید کہ می باید عمرہا بخیالش ساغر تحیر کشید۔'' (۳۹۱)

دہلی واپس آنے کے بعد بیدل کہاں گیا اس کے بیاں سے واضح نہیں ہوتا۔ ریاض الوداد میں
نام ایزد بخش رسا کا ایک خط پایا جاتا ہے اس سے ہم ایک نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔

بیست و یکم شہر رجب ۱۰۸۶ھ۔

بخلاصہ آب وگل میرزا عبدالقادر بیدل صاحبا ومخدوما! اظہار اشتیاقیکہ در یک شہر، علت
حصول ملاقات نباشد، مقتضی تکلیف است ولب از آں مقولہ بربستن بر خلاف نفس الامر۔

لمولفہ۔

ز آہ شعلہ سیما درد پیداست　　　زبان مضراب طنبور دل ماست

بہمہ حال مشتاقیم، واشتیاق بر موعود زیادہ از حد داریم مترصد کہ اخیر اًبا خبر کوچ صاحبی میرزا کا
مگار بفرستند والدعاء''۔ (۳۹۲)

۲۱ رجب ۱۰۸۶ھ

خلاصہ آب وگل مرزا عبدالقادر بیدل کے نام۔ مخدومی! اس اشتیاق کا اظہار، جو مہینے بھر
ملاقات کے حصول کا سبب نہ ہو تکلیف دہ ہے اور اس گفتگو سے لب بندی نفس الامر کے خلاف ہے۔
شعلہ صفت آہ سے درد نمایاں ہے۔ زبان ہمارے طنبورۂ دل کا مضراب ہے۔ بہر حال ہم مشتاق ہیں
موعودہ وعدہ نیم ملاقات پر اشتیاق کا عالم بیان سے باہر ہے۔ امید کہ حال میں جناب عالی کے کوچ کی
خبر مرزا کامگار کو بھیج دیں گے والدعا۔

رسا اورنگ زیب کی حکومت میں ''داروغہ بیوتات'' کے عہدے پر اکبرآباد (آگرہ) میں فائز
تھے (۳۹۳) اور اپنے خط مؤرخہ ۵ رجب ۱۰۹۶ھ (۲۸ مئی ۱۶۸۵ء) میں اورنگ زیب کو لکھا ہے کہ تیس
سال سے میں شاہی داروغہ کے عہدے پر مامور ہو کر اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں اور اس اثناء میں
دو کرور سے کم روپے شاہی خزانے میں جمع نہیں کئے ہیں (۳۹۴) جس وقت اورنگ زیب آفریدوں کی
سرکوبی کے لئے ۱۰۸۶ھ (۷۶-۱۶۷۵) میں حسن ابدال روانہ ہوا، رسا اس کے ہمراہ تھا اور کم از کم

رجب ۱۰۸۸ھ تک (ستمبر ۱۶۷۷ء) تک وہیں رہا کیونکہ جو خط اس نے وہاں سے ناصر علی سرہندی کو لکھا ہے اس پر پہلی تاریخ درج ہے)۔ (۳۹۵)

اب رسا کے اس خط کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ خط ۲۱ رجب ۱۰۸۶ھ کو لکھا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس نے اسے حسن ابدال سے بیدل کو لکھا ہے۔ اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ بیدل کی رسا کی نظر میں کیا عزت اور وقعت تھی، نیز ان دونوں کے درمیان کیسے انتہائی مخلصانہ روابط تھے یہاں تک کہ خط و کتابت میں تاخیر رسا کے لئے شکایت کا سبب ثابت ہوا۔ مرزا ایزد بخش کا کوئی دوست وہاں سے کوچ کیا ہے اس نے بیدل سے درخواست کی ہے کہ مرزا کامگار کو اس کی اطلاع کریں۔

اس خط میں لفظ ''کوچ صاحبی'' غور طلب ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایزد بخش رسا کو مولانا عبدالعزیز عزت سے شاگردی کی نسبت کے علاوہ غیر معمولی ارادت بھی تھی۔ مولانا عزت اور اورنگ زیب میں اختلاف پیدا ہونے کے سبب مولانا نے ۱۰۸۵ھ میں سرہند کی فوجداری کا عہدہ تیاگ دیا اور لاہور چلے گئے تھے۔ مرزا کامگار، بقول ساقی مستعد خان، اس وقت اکبر آباد میں پانچ سو دو ہزار سوار کے عہدے پر فائز تھا اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ بیدل ۱۰۸۶ ہجری ۱۶۷۵ء میں اکبر آباد یعنی آگرہ میں تھا اور ایزد بخش کا خط حسن ابدال سے اکبر آباد بیدل کو روانہ کیا گیا ہے تا کہ وہ سرہند سے مولانا عبدالعزیز عزت کی لاہور کی طرف کوچ کی خبر مرزا کامگار کو پہونچا دیں۔

تفصیلی بحث کی ضرورت اس لئے پڑی کہ پروفیسر میر حسن شاہ اور ڈاکٹر نورالحسن انصاری دونوں کا خیال ہے کہ بیدل ۱۰۸۶ھ ربیع الاول تک حسن ابدال میں رہا۔ لکھتے ہیں:

''جب ۱۰۸۵ھ / اپریل ۱۶۷۴ء میں فوج حسن ابدال گئی تو بیدل ان کے ساتھ تھا۔ یہ بات ایزد بخش رسا کے ایک خط سے معلوم ہوتی ہے''۔ (۳۹۶)

پہلے خیال کی غلطی ثابت کر چکے ہیں دوسرا خیال بھی جس طرح کہ بحث کی گئی صحیح نظر نہیں آتا ہے کیونکہ رسا کے جس خط کا حوالہ پروفیسر میر حسن شاہ نے اپنے دعوی کے ثبوت میں دیا ہے۔ بیدل کے بیان سے متصادم ہے دوسرے یہ کہ ریاض الوداد مخطوطہ محفوظہ خدا بخش لائبریری پٹنہ کا از اول تا آخر مطالعہ کر ڈالا لیکن سوائے اس خط کے جس کا تذکرہ اوپر ہوا بیدل کے نام اور کوئی خط نہیں ملا۔ پروفیسر میر حسن کا بیان ملاحظہ ہو:

''یہاں (حسن ابدال) سے شہزادہ اعظم شاہ کی رفاقت میں بیدل نے گجرات کا سفر کیا۔ اتفاق سے اس وقت شہزادہ کے دربار میں حکیم شہرت، راسخ سرہندی، اسلم کشمیری، ایجاد اور دیگر شعرا بھی تھے اور بیدل بھی ان کے ساتھ تھا۔'' (۳۹۷)

پروفیسر میر حسن کے بیان پر ہم بیدل کی ملازمت کے سلسلے میں پہلے بحث کر چکے ہیں لیکن ہم ان کے بیان کی اساس پر تفصیلی بحث کریں گے۔ ان کا بیان خوشگو کے بیان پر مبنی ہے اس لئے پہلے خوشگو کے بیان کو بعینہ اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ میر محمد احسن ایجاد کے تذکرے کے ضمن میں خوشگو لکھتا ہے:

''کچھ دنوں نوازش خاں طالع کی رفاقت میں وہ گجرات گیا اور شہزادہ عالیجاہ محمد اعظم کی فوج میں رہا۔ وہاں مرزا بیدل حاجی اسلم سالم اور شاہ گلشن کے ساتھ اس کی صحبتیں رہیں''۔ (۳۹۸)

اعظم شاہ کے بارے میں لکھتا ہے:

''مرزا بیدل، میر محمد زمان راسخ، حاجی اسلم سالم اور حکیم شیخ حسین شہرت اس کے دربار کے شعرا ہیں''۔ (۳۹۹)

خوشگو کے بیان سے معلوم ہوتا کہ مرزا بیدل شہزادہ کی رفاقت میں حسن ابدال سے گجرات گیا پروفیسر میر حسن شاہ اور ڈاکٹر نورالحسن انصاری کا یہ دعوی صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اعظم شاہ کے ساتھ گجرات میں تھا اس نقشے کو پیش نظر رکھ کر جو اس سے پہلے دیا گیا ہے اور اعظم شاہ کے دربار میں اس کی مدت ملازمت کو دیکھتے ہوئے جس کو پچھلے صفحات میں ثابت کیا گیا، درست نظر نہیں آتا ہے۔ کیونکہ ۱۱۱۳ھ ۱۷۰۱ء میں شہزادہ موصوف احمد آباد (گجرات) کا صوبیدار ہو کر وہاں گیا ہے جبکہ بیدل نے اس سے بہت پہلے ملازمت سے استعفا دیدیا تھا اور میر حسن شاہ کے بہ قول ۱۰۹۶ھ میں اس سے دست بردار ہو کر دہلی میں گوشہ نشیں ہو گیا تھا۔ البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شعراء مذکورہ بیدل کے ساتھ کبھی اعظم شاہ کی خدمت میں رہے ہیں۔ کیونکہ شیر خان لودی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ شاعروں کی ایک تعداد جو اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ تھی۔ بیدل کی استادی کی قائل تھی۔

بیدل کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نہ صرف پنجاب بلکہ کشمیر کا بھی سفر کیا ہے۔

دماغ آشفتہ خاصیت پنجاب و کشمیرم — کہ بوی ہر گل آنجا با پیاز و سیر می جوشد

پنجاب اور کشمیر کی خاصیت سے میرا دل دماغ آشفتہ و پریشان ہے جہاں ہر پھول کی خوشبو پیاز و لہسن کی بو سے آمیختہ معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کے لوگ پیاز و لہسن کھانے کے بڑے عادی ہیں۔

بیدل جنوبی ہند میں:

پروفیسر میر حسن شاہ لکھتے ہیں:

''ایسی روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بیدل جنوبی ہند بھی گیا ہے''۔(۴۰۰)

راقم السطور کو اس بات کی تلاش تھی کہ ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء کے بعد بیدل کہاں گیا۔ بیدل کی مسافرت اور قیام کی ترتیب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ ۱۰۸۷ھ تا ۱۰۸۹ھ (۱۶۷۶ء-۱۶۷۸ء) کا درمیانی زمانہ اس نے کہاں گذارا۔ پروفیسر موصوف نے صرف اس کا اشارہ کیا مگر کوئی حوالہ نہیں دیا آخر مثنوی عرفان کے مطالعہ سے یہ گتھی سلجھی۔ اس کے دو شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ اس نے جنوب میں گذارا ہے۔

در سواد جنوب ہندوئی — داشت از رنگ آگہی بوئی
مدتی بادل وفا شامل — بود مانوس صحبت بیدل

جنوبی ہند میں ایک ہندو پنڈت جو صاحب علم و دانش تھا ایک عرصہ تک دل وفا شامل کے ساتھ بیدل کی صحبت سے مانوس رہا۔

لفظ ''مدتی'' بتاتا ہے کہ خاصے وقت تک وہ وہاں رہا ہے بیدل کے ایک ہندو دوست نے جو اس کی صحبت سے مانوس تھا مسئلہ تناسخ سے متعلق اپنے والد کا ایک واقعہ بیان کیا۔ بیدل نے مسئلہ تناسخ پر بحث کے دوران مثنوی عرفان میں اس واقعہ کا حوالہ دیا ہے جس کا تذکرہ اپنی جگہ پر ہوگا۔

جناب غلام حسن مجددی لکھتے ہیں کہ بیدل نے ۱۰۸۷ تا ۱۰۸۹ھ کا وقفہ متھرا میں بسر کیا

''بیدل پنجاب سے کب لوٹا یا لوٹنے کے بعد کہاں ٹھہرا پتہ نہیں چلتا ہے۔ اس کے باوجود چہار عنصر میں اس نے لکھا ہے کہ لگاتار تین سال متھرا میں رہا ہے۔ اگر اس کے گذشتہ و آیندہ حالات کو پیش نظر رکھیں تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ دوبار اور وہ متھرا میں رہا ہے لیکن اتنے لمبے عرصے تک نہیں رہا ہے۔ اس بار ایسا لگتا ہے کہ ۱۰۸۷ھ سے ۱۰۸۹ھ تک کا زمانہ اس نے وہیں قیام کیا ہے۔(۴۰۲)

جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا بیدل ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں لاہور روانہ ہوا، چند مہینے قیام کے بعد اسی سال وہ دہلی واپس آیا پھر ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء میں وہ اکبرآباد گیا اس لئے مجددی کا بیان درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ ۱۰۸۷ھ تا ۱۰۸۹ھ کا درمیانی وقفہ اس وجہ سے متھرا میں گزرا کہ اس کے بقول لگاتار تین سال وہاں گزارے ہیں، شبہے سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اس کا پہلا قیام بھی تین سال (۱۰۷۷ھ تا ۱۰۷۹ھ) کا رہا ہے جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد شفیع صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

''جب شاہزادہ موصوف ۱۰۸۸ھ میں بنگال کا صوبہ دار تھا اور تین سال تک وہاں رہا مرزا بیدل شاہ شجاع کے بعد شہزادہ کی ملازمت میں رہا''۔(۴۰۳)

بیدل کی ملازمت اور واقعہ استعفا پر بحث کے دوران اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے اس لئے محمد شفیع کے بیان کی تغلیط کی چنداں ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اس مسئلے پر ان کی غلط فہمی پوری طرح واضح ہے۔

غلام حسن مجددی مزید لکھتے ہیں:

''۱۰۸۸ھ میں جبکہ بیدل شاید متھرا میں تھا اس کے استاد عبدالعزیز عزت ۴۸ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بیدل نے دو قطعے کے ذریعہ اس واقع پر اپنے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور دو مادہ تاریخ اپنے محبوب استاد کی وفات کی مناسبت سے کہا جو یوں ہے۔

''بُردند نور راز چراغ عالم'' ''چہل و ہشت سالہ مرد''۔(۴۰۴)

لیکن محمد ساقی مستعد خان صاحب مآثر عالمگیری نے مولانا عبدالعزیز عزت کی وفات ۱۰۸۸ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھا ہے:

''۱۰۸۸ھ ششم ربیع الاول شیخ عبدالعزیز رو بخلوتکدہ بقا آورد''۔(۴۰۵)

اس لئے مجددی کا قیاس شبہے سے خالی نہیں ہے۔

بیدل کی تصویر:

بیدل ۱۰۹۰ ہجری ۱۶۷۹ء میں دہلی میں نظر آتا ہے جہاں وہ مشہور مصور انوپ چترا کے سامنے اپنی تصویر کھنچواتا دکھائی دیتا ہے۔ بقول بیدل انوپ چترا عہد اورنگ زیب کا ایک بہت ہی مشاق مصور تھا اور اس کا درجہ مانی اور بہزاد سے کسی طرح کم نہ تھا لکھتا ہے:

''روح مانی بکسوت غبار رنگ گرد قلمش گردیدو فطرت بہزاد در پردۂ ناموس خاک انفعال تر دستی ہای شید''۔(۴۰۶)

یعنی مانی کی روح غبار رنگ کی پوشاک میں اس کے قلم کے گرد گھومتی تھی اور بہزاد کی فطرت ناموس خاک کے پردے میں اس کی مشاقی اور فنکاری سے شرمندہ ہو رہی تھی۔ شاید یہ وہی مصور ہے جس نے ڈاکٹر نورالحسن انصاری کے بہ قول دربار اورنگ زیب کے ایک منظر کی تصویر بنائی تھی۔ انوپ کو بیدل سے ارادت تھی اس لئے اس نے بار بار بیدل سے درخواست کی کہ اجازت دیجئے آپ کی

ایک یادگار تصویر بناؤں۔ بیدل چونکہ اس قسم کے امور کو تفریح سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا اس لئے اس
پر توجہ نہیں کرتا تھا۔ آخر ایک دن بڑے اصرار کے ساتھ اس نے عرض کیا۔

"گردشِ رنگ ہم صنعتی دارد اگر ساغر قبول پیماید"۔

اگر آپ میری درخواست قبول کریں تو دیکھیں گے کہ رنگ آمیزی یا گلکاری بھی ایک فن ہے۔
بیدل نے اجازت دیدی۔ انوپ چترا نے جو تصویر بیدل کی بنائی اسے خود بیدل دیکھ کر حیران
رہ گیا کہ آیا یہ وہی ہے یا اس کی تمثال ہے۔

"کیفیتی منظور تماشا گردید کہ تحقیق در برابرش شبہ می پیمود و آئینہ در مقابلش عکس می نمود۔
بہ تفتیش تفاوت امتحانی شعور ہر چند تأمل می پرداختم شخص خودرا از ان تمثال باز نمی
شناختم"۔ (۴۰۷)

ایک ایسی کیفیت نظر آئی کہ تحقیق اس کے سامنے شبہ پیمائی اور آئینہ اس کے مقابلے پر عکس نمائی
کرنے لگا۔ شعور کے امتحانی تفاوت کی جانچ پر جس قدر غور کرتا اپنی شخصیت اور اس تصویر میں کچھ
فرق نظر نہیں آتا۔

بیدل نے اس تصویر کو ایک کتاب میں حفاظت سے رکھ دیا۔ دس سال تک اسے دیکھ کر
لطف لیتا رہا۔ ۱۱۰۰ ہجری ۱۶۷۸ء میں اس کو ایک ایسا مرض لاحق ہوا جس میں وہ موت کے دہانے تک
پہنچ گیا۔ اس کے احباب اس کی زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے۔ اسی حالت میں اس کا ایک دوست
کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ اس تصویر پر پڑی، اس نے افسوس کے ساتھ
خیال ظاہر کیا: لگتا ہے اسے چشم بد لگ گئی ہے، ۔جیسے کسی بچے نے نم آلود ہاتھ سے اسے پکڑا ہو جس کی
وجہ سے اس کا رنگ اڑ گیا ہے۔ جو لوگ وہاں موجود تھے سب اس پر افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ جب
خود بیدل نے اسے دیکھا تو حقیقت میں وہ اس کی بیماری والی حالت کی طرح رنگ پریدہ نظر آئی۔
دنوں کے بعد جب بیدل صحت یاب ہوا اور مکمل طور پر تندرست ہو گیا اور اس کی نظر اپنی تصویر پر پڑی
اس میں پھر وہی سابقہ تازگی، شوخی اور شگفتگی نظر آئی، اس کے احباب بھی تصویر کی اس تبدیلی پر
حیرت زدہ تھے۔ لیکن بیدل کی حیرت اس کی بیہوشی کا سبب ثابت ہوئی جب اسے ہوش آیا تو
دیکھنے کا یارا اس میں نہ رہا۔ کتاب سے نکال کر اسے سپرد خاک کر دیا۔ بیدل اس واقعہ سے
عادت ایک نتیجہ نکالتا ہے۔

"بی پردگی این نیرنگ، از غرائب قدرتہای بیچونی است کہ فہم انسانی، بہیچ تاملی معمای تحقیق
آن نکشاید و غیر از ہماں عالم غیب آئینہ رموز کیفیتش نہ زداید...... پس آدمی در جمیع امور مجبو

است و در ہمہ افعال و اعمال معذور۔ از ینجا بر عجز احوال خود پی بردن و مراتب بی اختیاری وا
شمردن۔" (۴۰۸)

اس نیرنگ کے رازہائے سربستہ کا فاش ہونا خداوندی قدرت کا ایک انوکھا کرشمہ ہے کہ
فہم انسانی کسی طرح اس کی تحقیق کا معمہ سلجھا نہیں سکتی اور عالم غیب کے سوا کوئی اس کی کیفیت کے رموز
کی صیقل گری نہیں کر سکتا ہے۔ انسانی فطرت اگر اس قسم کے اسرار کو پیش کرنے کا جو ہر رکھتی تو
پر عجز کے معانی کے نقوش ثبت نہ کرتی۔ باوجودیکہ ہر صاحب ہوش میں قدرت اظہار کی تلاش
ہے اور ہر فرد کے دماغ میں ندرت آثار کا سودائی خیال پایا جاتا ہے۔ اگر زمین میں قدرت پرواز
ہوتی تو وہ آسمانی وضع اختیار کر لیتی تاکہ پستی اور پامالی کا رنج نہ اٹھاتی اور اگر ذرہ کو دستگاہ قدرت کا اختیار
ہوتا تو آفتاب بن کر ابھرتا تاکہ وہ خفت و رسوائی اور ذلت و خواری کی تہمت سے بچ جاتا۔ لہذا آدمی تمام
امور میں مجبور ہے اور تمام افعال و اعمال میں معذور ہے۔ یہاں سے اپنے حالات و کیفیات میں "عجز
و بے بسی" کا سراغ ملتا ہے۔ اور "بے اختیاری" کے درجات اور مراتب کا شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بیدل رفتہ رفتہ جبریہ فرقے کے قریب آتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ
اس واقعہ کا اس کے افکار و خیالات پر گہرا اثر ہے ہمیں اس ماجرا کو سدا پیش نظر رکھنا چاہئے۔

ہمہ مجبور حکم تقدیریم   کرد و ناکرد اختیاری نیست

دوسری طرف یہ واقعہ بیدل کے سماج میں ایک مقبول اور محبوب فرد اور انوپ چترا کے ایک
غیر معمولی نقاش ہونے کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔

بیدل دہلی میں شکر اللہ خان کی معیت میں:

جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا، بیدل نے عاقل خاں رازی کی خدمت میں اپنی مثنوی "محیط
اعظم اور "طلسم حیرت"" بھیج کر ان کی توجہات کریمانہ اور حمایت امیرانہ حاصل کرنی چاہی تھی اور وہ
اس مقصد میں کامیاب بھی ہوا جیسا کہ اس کے درج ذیل شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

صد شکر کہ بردنامہ ام رنگ قبول   بیدل بودم، ہزار دل گردیدم (۴۰۹)

(میرا خط شرف قبول سے نوازا گیا اس کے لئے میں بے انتہا شکر گزار ہوں میں تو بیدل اور
پریشان حال تھا اب ہزار دل اور (خوشحال) ہوں اس لئے پروفیسر غلام حسن مجددی کا یہ کہنا کہ۔

"اگر چہ بیدل کی عاقل خاں رازی کی نگاہ میں وقعت و عزت تھی لیکن ایسا لگتا ہے کہ
حسب خواہش ان سے اس کا دوستانہ اور مخلصانہ تعلق قائم نہ ہو سکا۔ اس وقت بیدل کو خیال

آیا کہ عاقل خاں کے داماد شکر اللہ خاں اس مقصد کے لئے زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں''۔(۴۱۰)

بالکل بے اساس ہے۔ اس کے برعکس شعر مذکور یہ واضح کرتا ہے کہ عاقل خاں رازی سے بیدل کے اس کے گہرے مخلصانہ روابط تھے چنانچہ اسی خاں موصوف کے نام اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

''مراتب عبودیت کہ تانفس باقیست ازگردن عقیدت ساقط نیست''۔(۴۱۱)

جب تک سانس چل رہی ہے مراتب بندگی گردن عقیدت سے ساقط نہیں ہو سکتے۔

بلکہ عاقل خاں سے آگے بڑھ کر اس کے تمام افراد خاندان تک اس کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا جیسا کہ عاقل خاں کے بیٹے قیوم خاں کے نام ایک خط میں اشارہ کرتا ہے۔

''للہ الحمد از تہذیب اخلاق کہ شایستہ این خاندان کرم آستان است آنچہ می شنود گوش محامد نیوش ذخیرہ سعادت می انبارد واز حسن اطوار یکہ خاصہ ایں سلسلہ جہان تسخیر ست ہرچہ بسمع می رسد، امید جمعیت نوید، نصیبہ میمنت برمی دارد۔''(۴۱۲)

اس خاندان کرم آستان کے شایان شان اخلاق واطوار کے بابت جو کچھ سنا کرتا تھا اللہ کا شکر ہے کہ محامد نیوش اس سے اپنے لئے ذخیرہ سعادت اکٹھا کر رہا ہے۔ اور اس سلسلہ جہاں تسخیر کے حسن اطوار کی جو خبر کانوں میں پہنچ رہی تھی امید جمعیت نوید کو میمنت نصیب ہو رہی ہے۔

منجملہ ان کے عاقل خان کے داماد شکر اللہ خان تھے جن سے ذوقی ہم آہنگی کی بنا پر بیدل کے روابط دوسرے افراد خاندان کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھے۔ عاقل خاں کے نام بیدل کے ایک خط میں جس میں شکر اللہ خاں کے اعلی اخلاق کا تذکرہ اس نے کیا ہے۔ نیز محمد ساقی مستعد خاں اور آزاد بلگرامی کے بیانات سے جن کا تذکرہ پچھلے صفحات میں آچکا ہے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۱ء میں شاہجہان آباد (دہلی) کے فوجدار مقرر ہونے کے بعد شکر اللہ خان نے وہاں سکونت اختیار کی، بیدل نے جس پر بہت پہلے سے خان موصوف کی نظر عنایت اور مراحم خسروانہ رہی تھی، اب خواہ اپنی درخواست پر یا شکر اللہ خاں کے التماس پر ان کی رفاقت میں زندگی گزارنی شروع کی۔ شکر اللہ خان نے ایک مخصوص کمرہ اس کو دے رکھا تھا اور اس کی ضروریات کی کفالت بھی اپنے سر لی تھی۔ بیدل جو بہت سیر و سیاحت میں زندگی گزارتا رہا تھا، اب سکون خاطر اور دلجمعی کے ساتھ زندگی گزارتا دکھائی دیتا ہے نیز خان موصوف کی صحبت کو زندگی کے مغتنم لمحات میں شمار کرتا ہے۔

''عاجز نوازا! عاطفتیکہ ہمہ جاشامل حال فقراست، توجہ خانصاحب اخلاص مناقب، مقناطیس دل شکر منزل گردید ورشتہ الفت بی اختیاری بر طبیعت وحشت پیچیدہ۔ در عالم تسلیم

بی پر وبالی، آشیان جمعیتی مقرر است۔ ودر گوشہ عجز بی تر ددی، آب ودانہ میسر۔ فیض صحبتہا از مغتنمات زندگی مشاہدہ می نماید''۔(۴۱۳)

دہلی میں شکر اللہ خان کے دولت کدے پر قیام کے دوران، خان موصوف سے بیدل کی روز مرہ کی ملاقات اور صحبت کے علاوہ دونوں کے درمیان افادہ اور استفادہ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس کے ایک یہ ہے کہ مثنوی ''طلسم حیرت'' کے شکر اللہ خان نے مختلف عناوین قائم کئے۔ اسی انداز میں بیدل عاقل خاں کو لکھتا ہے کہ جب کبھی جناب عالی کی طبیعت اس کے مطالعہ کی طرف راغب ہو تو ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔

''درین ایام خان سعادت عنوان بانکشاف مطالب ''طلسم حیرت'' عنوانہا مقرر نمودہ اند مرآتی کہ خلاصہ مدعای آں نسخہ است بہ صیقل تحریر زدودہ۔ حاصل توجہ آنکہ ہرگاہ نگاہ معنی پناہ میل مطالعہ فرماید، بی تامل نقاب آرزوی مطلب کشاید، از نظر میمنت اثر خواھد گزشت''۔(۴۱۴)

متھرا کے قیام کے دوران چہار عنصر اور مثنوی عرفان کی تصنیف:

۱۰۹۳ ہجری ۱۶۸۲ء تک شکر اللہ خاں اسی منصب پر سرفراز رہے پھر جب سکندر آباد کے فوجدار کے منصب پر فائز ہو کر وہاں منتقل ہوئے تو بیدل نے متھرا کا رخ کیا جہاں ۱۰۹۵ ہجری/۱۶۸۳ء میں اس نے چہار عنصر اور مثنوی عرفان لکھنا شروع کے۔ چہار عنصر کے شروع میں لکھتا ہے:

''ازآن ہنگام تا حال، کہ نفس شماری عمر مقارن سال چہل ویکم است''(۴۱۵)

یعنی تب سے ابتک جبکہ زندگی کی نفس شماری اکتالیسویں سال سے ہمآہنگ ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۰۹۵ ہجری میں چہار عنصر کی تصنیف کا کام شروع ہوا اور شکر اللہ خاں کے نام ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

''درین ایام بمقتضای غنیمت شناسیہای فرصت، فکر نظم عرفان ونثر چار عنصر در پیش دارد ونفسی چند بوسیلہ این تخیلات می شمارد''(۴۱۶)

اس زمانے میں فرصت کو غنیمت سمجھ کر مثنوی 'عرفان' کو نظم کرنے اور 'چہار عنصر' کی نثر لکھنے کی فکر میں لگا ہے اور ان مصروفیتوں کے ذریعہ کچھ دیر نفس شماری کر رہا ہے۔

ان دونوں اقتباسات کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ متھرا میں قیام کے دوران ان دونوں تصانیف کو لکھنا شروع کیا۔

متھرا کے گرد بدامنی اور بیدل کی دہلی روانگی:

متھرا میں قیام کے دوران بیدل کو ناساز گار حالات اور بدامنی سے سابقہ پڑا۔۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء میں اورنگ زیب نے دکن اور بیجاپور کی تسخیر کے لئے وہاں کا رخ کیا۔ اعلی سرکاری حکام جو دہلی اور اکبرآباد میں مامور تھے اورنگ زیب کی عدم موجودگی میں امن وامان برقرار رکھنے سے متعلق اپنے فرایض بہتر طریقے سے انجام نہ دے سکے اس کے نتیجے میں اس علاقے میں زبردست بدامنی پھیل گئی۔ عوام نے اورنگ زیب کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ خصوصاً میوات و متھرا کے علاقے کا حال سب سے بدتر تھا۔ قتل اور غارتگری کا بازار گرم تھا اور شریفوں کی عزت خاک میں مل رہی تھی۔ اورنگ زیب دکن سے بغاوت کو فرو کرنے اور امن وآشتی قائم کرنے کے لئے ایک حاکم بھیجتا لیکن جونہی وہ وہاں پہنچتا بے اثر اور نااہل ثابت ہوتا۔ غرض کہ سیاسی حالات نہایت خراب ہو چکے تھے۔ بیدل نے چہار عنصر میں ان حالات کا تذکرہ تفصیل سے اور رقعات میں اجمال کے ساتھ کیا ہے۔ شکراللہ خاں کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

بحسب انقلاب احوال عالم، خاصہ تہلکہ نواح اسلام اباد کہ دریں ایام، ناموس صاحب قدر تاں، ہم در آں سرزمین بی تعذری نیست تابہ غربای بی دست وپا چہ رسد"۔(۴۱۷)

گردش روزگار خصوصاً نواحی اسلام آباد (متھرا) کی بدامنی کے سبب کہ اس وقت بااثر لوگوں کی عزت وآبرو بھی اس علاقے میں محفوظ نہیں ہے ہم غریب اور بے کس لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔

ایسے آشفتہ اور ناگفتہ بہ حالات میں دولتمند لوگ تو بندوق سے مسلح ہو کر فسادیوں سے نمٹنے کے لئے سرراہ تیار بیٹھے رہتے تھے اور غریب ونادار لوگ خدا پر بھروسہ کر کے گھر خالی کر دیتے اور ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لئے گھر کی دہلیز پر بیٹھے رہتے تھے۔ بیدل کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے تھا۔ اس کے اضطراب کی بڑی وجہ کچھ معذور "بی دست وپا" کی موجودگی تھی جن سے مراد شاید بیوی اور دو معذور خادم تھے جن کی کفالت کی ذمہ داری اس کے سر تھی۔

"ازانجملہ فقیر بیدل راتشویش طبایع بیدست وپای چند کہ بحکم اتفاق، بار تعلق شان بردہ، خیال افتادہ بود۔ ہر ساعت غبار دیگر از بنیاد حال برمی انگیخت وکشاکشہای تردد احوال شان، ہر نفس، رشتہ واری از ساز جمعیت می گسیخت۔ تکاوسہ اضطرار بر چہرہ اوضاع واطوار ہم غبار دامن صحرامی افشاند"۔(۴۱۸)

انہیں لوگوں میں فقیر بیدل بھی تھا جس کو کچھ "بی دست وپا" (شاید بیوی اور دو معذور خادم) کی، جن کا بار تعلق اتفاق سے میرے کاندھوں پر تھا، تشویش خاطر کا خیال دامنگیر رہتا تھا جو ہر

حال سے ایک نیا غبار اڑاتی تھی اور جن کے تردد احوال کی کشاکش ہر نفس ساز جمعیت کے تار توڑا کرتی تھی۔ چہرہ احوال پر لاچاری اور بیکلی کا عالم یہ تھا کہ دامن صحرا پر جمی گرد کو بھی اڑائے دے رہی تھی۔

دو سال انہیں خطرناک حالات میں بیت گئے۔ آخر ۱۰۹۶ ہجری ۱۶۸۴ عیسوی میں اس نے پختہ عزم کیا کہ ہر قیمت پر مجھے متھرا سے دہلی روانہ ہو جانا ہے۔ پروانے کی طرح خود کو دفعۃً نذر آتش کر دینا اس سے بہتر ہے کہ ہر لحہ ایک نئی سوزش کا سامنا کیا جائے۔

"پروانہ وار بیک بارہ بر آتش زدن محفوظ تر از آنست کہ ہر ساعت رنج سوختن تازہ کشیدن"۔(۴۱۹)

جو لوگ بیدل کی مدد کر سکتے تھے انہوں نے اس کو اس سفر کے خیال سے باز آنے کا مشورہ دیا اور جو حباب ہر وقت دوستی کا دم بھرا کرتے تھے وہ بیگانوں کی طرح سامنے آئے اور مذاق کے طور پر ہنسنے لگے۔

"تصمیم ایں عزم اگر باعتماد خوارق است پس از امتحان سلامت ایمان آوردنی است واگر بتدابیر شجاعت متعلق پس از وقوع فتح، مبارکباد ادا کردنی"۔(۴۲۰)

اس عزم کی بنیاد اگر خوارق اور کرامات پر ہے تو اگر اس آزمایش سے صحیح سالم نکل گئے تو اس پر ایمان لاتے ہی بنے گی اور اگر اپنی شجاعت و دلیری پر ہے تو فتح و کامرانی کے بعد مبارک باد دینا ہوگا۔

بیدل نے چونکہ پختہ ارادہ کر لیا تھا اس لئے تمام تر بے سروسامانی کے باوجود چند بہلیاں کرائے پر لیں اور دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ پہلے دن متھرا کے نزدیک واقع ایک مقام "عظیم آباد" پہونچا۔ وہاں اسے پچاس بہلیاں نظر آئیں جن کے مسافر ایک ماہ سے (راستہ بتانے والے) راہبر کے انتظار میں تھے لیکن کوئی مسلح سوار یا پیادہ ایسا سامنے نہیں آیا جو اس خطرناک فریضے کو انجام دینے کے لئے تیار ہو۔ دوسرے دن بیدل اپنے عزم جزم کی بنا پر آگے بڑھا۔ سارے لوگ اس کے پیچھے ہو لئے لیکن اس علاقے کے لوگوں نے ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر انہیں اس عزم سے باز رکھا۔ اس وقت بیدل کے ہمراہ دو خادم تھے جن میں سے ایک طویل بیماری سے دوچار تھا اور خادم سے مخدوم بن کر رہ گیا تھا دوسرا اپنی ناتوانی کی وجہ سے ہر خدمت سے آزاد تھا۔ ناسازگار حالات کے باوجود اس نے توکل کو اپنا راہبر بنایا۔ ابھی چند قدم اس نے بڑھائے ایک فقیر سامنے آیا جس کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا پنجرے میں ایک طوطا تھا، اس نے کمال اشتیاق کے ساتھ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔

"آفتاب عالم اقبال ہمسفر ماست بملا خطہ ظلمت اوہام نباید گرداند"۔(۴۲۱)

عالم اقبال کا آفتاب ہمارا ہم سفر ہے 'وہم وخیال' کی تاریکی دیکھ کر واپس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس پیشین گوئی کو سن کر پورا قافلہ جس نے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اب چلنے کو تیار ہو گیا اور قسم کے انجام سے بے نیاز ہو کر راستے پر چل پڑا، حتی کہ دھوپ کی تمازت اور تشنگی کی شدت بھی انہیں راہ سے باز نہ رکھ سکی۔ دو کوس چلنے کے بعد انتہائی مرطوب مقام پر وہ لوگ پہنچے جہاں پھسل کر گرنے کا احتمال تھا۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں بیدل کی بہلی کا دھرا ٹوٹ گیا۔ جو لوگ سوار تھے مع اسباب وساماں کے زمین پر آ رہے۔ بیل بھی زخمی ہو گیا تھا۔ قافلے والے اتنے سرد مہر ہوئے تھے کہ اس مشکل میں بجائے اس کے کہ بیدل کی کچھ مدد کرتے، اسے اپنی جگہ چھوڑ کر آگے گئے۔ بیدل کو اپنے معذور خادموں کے ساتھ بیاباں مرگی کا اندیشہ لاحق ہوا اور تن بتقدیر تھا کہ غور وخوض سے دیکھنے پر تانبے کی کیل کا نیم جو حصہ نمودار ہوا۔ بیدل نے کہا کہ اس تانبے کو دھرے میں جوڑ دیا جائے شاید اس طرح وہ کام کرنے لگے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو پھر سارے ساز وسامان کو چھوڑ کر اس خطرے سے اپنی جان ہی بچا لے جانا غنیمت ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور اس وقت تک بیل بھی ستا کر چلنے کے لائق ہو گئے تھے۔ چند دیہاتوں سے گزر کر "شیر گڑھ" نام کے ایک موضع پہنچے۔ شاید یہ طے ہوا تھا کہ وہاں سے دوسری بہلی کرائے پر لے لی جائے گی لیکن جب یہ دستیاب نہ ہوئی تو اپنے معذور ملازموں کی خاطر اسی بہلی کو کرائے پر لیا۔ بہلوان نئی شرح کرائے پر لے جانے پر تیار ہوئے۔ رات کے وقت ساحل دریا پر ہی قیام کیا، اس اندھیری رات میں بہلوانوں نے شور مچایا کہ قافلہ سفر کے لئے تیار ہے اس لئے قافلے کی رفاقت کے لئے اسی وقت روانہ ہونا ضروری ہے، تاکہ دوسری منزل پر اس سے جا ملیں۔ اسی وقت رخت سفر باندھ کر قلعہ کے پاس پہونچے جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں سے ایک کوس کے فاصلے پر ایک دیہات نظر آیا اور پتہ چلا کہ اس موضع کے باشندے ڈاکو ہیں جو روزانہ لوٹ مار کا بازار گرم کئے رہتے ہیں حتی کہ قلعہ کے اہالی بھی ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔ یہ بہلوان اُن کے عزیز واقارب تھے اور لوگوں کو دھوکہ دے کر چاہتے تھے کہ ان کے ہاتھوں یہ قتل کئے اور ان کے مال واسباب لوٹے جائیں تاکہ ان کو بھی اس میں سے حصہ مل سکے۔ بیدل کا بیان ہے کہ ساحل دریا پر قیام کے دوران کچھ ہم سفر حضرات کو بہلوانوں کے بارے میں شک ہوا۔ ان کے چہرے بشرہ سے ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ اہل قافلہ میں ان چند آدمیوں کو جو بیکسی ولاچاری میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا، اپنا شکار بنائیں۔ اور بیدل کے الفاظ میں "حلوای بے دودی بسہولت بدست نمی تواں آورد ولقمہ بی استخوانی باین آسانی

حاصل نمی تواں کرد"، یعنی یہ لقمہ تر اتنی آسانی سے پھر دستیاب نہ ہوگا۔ کیا خوب کہا ہے بیدل نے۔

بیدل! بر خلق کسر شاں تنمائی ... تا تیر تواں شدن کمان تنمائی
خاصیت ایں معرکہ عاجز کشی است ... اینجا زنہار ناتوان تنمائی

بیدل! عوام کے سامنے کسر شان سے کام نہ لینا جب تک تیر کی طرح سیدھے رہ سکتے ہو کمان کی طرح خود کو جھکا ہوا ظاہر مت کرو۔ اس معرکہ دنیا کی خاصیت "عاجز کشی" یعنی جو کمزور پڑے اس پر ... ہے۔ اس لئے یہاں کبھی خود کو ناتواں اور کمزور مت ظاہر کرنا۔

غرض اسی بنا پر انہوں نے قافلے کا عام راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اسی حالت میں رات ختم ہوئی اور صبح نمودار ہوئی لیکن قافلے کا دور دور تک کوئی نشان پتہ نہ تھا۔ بیدل نے ان سے دریافت کیا کہ اس دوڑ بھاگ میں کہیں ایسا تو نہیں کہ قافلے کو ہم نے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہو ورنہ آخر کوئی نشاں کیوں نہیں ملتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ قریب کے راستے میں چونکہ پستی وبلندی وخم زیادہ تھے اس لئے اسے ترک کر کے ہموار راستہ اختیار کیا۔ اس طرح بیدل کو وہ جھوٹی تسلی دیتے رہے۔ اچانک سامنے ایک گاؤں نظر آیا جو بہ قول بیدل "زورق مقابل کام نہنگ گردید" یعنی کشتی گھڑیال کے منہ کے بالکل سامنے آ کے لگ گئی تھی۔ اس نے بڑی منت سماجت کے ساتھ وہاں سے واپس ہونے کی درخواست کی مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہ آئے اور کاروان سے جا ملنے کے بہانے اس گاؤں کی طرف بڑھتے رہے۔ اچانک سواروں کا ایک دستہ نمودار ہوا جو اس گاؤں کے باہر اپنے گھوڑے دوڑا رہے تھے لیکن اپنی تگ ودو کے دوران وہ بیدل کو نہ دیکھ سکے۔ ان حالات میں بیدل ... کشمکش سے دوچار تھا اور "نہ پائی رفتن ونہ جائی ماندن" کی صورت پیدا ہو گئی تھی، اس کے رفقائے سفر بھی حواس باختہ تھے۔ اس حالت میں پیلے رنگ کے گھوڑے پر ایک مسلح سوار اس کے سامنے نمودار ہوا جو اسی دستہ سے نکل کر ان کے سامنے آیا تھا۔ جب قریب آیا تو چہرے بشرے سے وہ مسلمان معلوم ہوا۔ اس نے بہلوانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے بد بختان! کدام کوری خاک، در دیدہ شما انباشت کہ با محبوبان سرادق رضا، راہ بی ادبی سر کردید؟ وچہ کفران قساوت بر دلہای شما گماشت کہ با مقبولان جناب تسلیم آئین، بیباکی بجا آوردید؟ ندانستید کہ افسون ظلمت بر آفتاب چیرہ نمی شود ومکر باطل باحق پیش نمی رود"۔ (۴۲۲)

یعنی اے کمبختو! کس اندھے نے تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک دی کہ سرادق رضا کے ... کے ساتھ بے ادبی سے پیش آئے اور کس قدر قساوت تمہارے دلوں میں پیدا کر دی کہ جناب

تسلیم آئین گے مقبول بندوں کے ساتھ گستاخی کر بیٹھے۔ یہ نہ سمجھا کہ تاریکی کا جادو آفتاب پرنہیں چلتا اور باطل کا مکر حق کے سامنے نہیں ٹکتا۔

یہ سن کر وہ لوگ کانپ گئے اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ رات کے اندھیرے میں راستہ بھٹک کر یہاں پہنچ گئے اور صحیح راستے کا پتہ لگانے کے لئے اس گاؤں کے لوگوں سے پوچھنا چاہتا تھا۔ اب آپ جس راستے پر چلنے کو کہیں ہم چلنے کو تیار ہیں۔ اس مسلمان سوار نے تھوڑی دیر بیدل اور اس کے رفقا کے حال پر افسوس کا اظہار کیا اور بہلوانوں کو بہت برا بھلا کہا اس کے بعد خود اپنی رہبری میں اسے قافلے کا راستہ دکھایا چنانچہ تھوڑی دیر میں ہم لوگ قافلے سے جاملے۔

اس واقعہ کو بیدل نے چہار عنصر میں ''عجائب وغرایب'' کے تحت قلم بند کیا ہے، جس کی توجیہ خود بھی نہیں کر سکا ہے۔ مجموعی طور پر اس واقعہ سے دو اہم نکتے سامنے آتے ہیں، اول یہ کہ وہ عزم وارادے کا پکا تھا جس چیز کا قصد کر لیتا تھا پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا تھا۔ اور ہر قسم کے انجام اور خطرے سے بے نیاز ہو کر مقصد کی طرف رواں دواں رہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس واقعہ کو اگر ہم درست فرض کریں تو اس کا شمار شیوۂ ''تسلیم ورضا'' پر چلنے والے محبوب ومقبول شخصیتوں میں ہوتا ہے۔

قرآن پاک کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی پر اللہ نے اس کی حفاظت کے لئے کچھ فرشتے مقرر کر دیئے ہیں۔ جن کو قرآنی تعبیر میں 'حفظۃ کہا جاتا ہے'' وھو القاھر فوق عبادہ و یرسل علیکم حفظة حتی اذا جاء احدکم الموت توفته رسلنا وھم لایفرطون۔ (انعام ۶۱) اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں اسکو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے)۔ جب تک اس کی زندگی منظور ہے تمام آفتوں سے اس کی حفاظت رہتی ہے اور جب موت کا وقت قریب آ جاتا ہے تو معمولی سی بات اس کی موت کا بہانہ بن جاتی ہے۔ اس طرح کے واقعات ہر شخص بلکہ خود اس راقم السطور کی زندگی میں پیش آئے ہیں اور میں حیرت میں رہ گیا کہ موت کے منہ میں پہنچ کر کس طرح اس سے بچ نکلا۔

ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

''قراین سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے متھرا میں مستقل قیام کی غرض سے قیام کیا تھا اور بدامنی کی وجہ سے دارالخلافہ دہلی جانے پر مجبور ہوا''۔ (۴۲۴)

راقم السطور کو ان قرائن کا پتہ نہ چل سکا۔ ڈاکٹر موصوف کا مقصد قرائن سے شاید بیدل کی بیوی اور دو خادم ہیں جو اس کے ساتھ وہاں زندگی گزار رہے تھے لیکن یہ ایسی بات نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے

متھرا میں مستقل قیام کا دعوی کیا جا سکے۔ اس کے برعکس ایسا قرینہ موجود ہے جو یہ بتاتا ہے کہ سیاحت میں زندگی گزارتا تھا اور اب جبکہ وہ خانہ بدوشی کی زندگی سے عاجز آ چکا تھا دہلی پہنچ اللہ خان سے دہلی میں مستقل قیام کے لئے مناسب جگہ کی درخواست کرتا ہے۔ چنانچہ ف کے نام اسی خط میں لکھتا ہے:

بیدل بہ حیرانی گزشت ۔۔۔ گوشہ چشمی نہ شد پیدا کہ جاپیدا کنم

ہے زندگی مری آوارگی میں یاں ۔۔۔ پایا نہ کوئی گوشہ کہ جا کر رہوں وہاں]

مپرس کہ بو در کجا وطن دارد ۔۔۔ نیافت مسکن ما ہم سراغ مسکن ما

سے مت پوچھو کہ خوشبو کا وطن کہاں ہے ہمارا مسکن خود ہمارے مسکن کا سراغ نہ

خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل اس خطرناک سفر سے بخیر و عافیت ۲۷/ جمادی الآخر

پہونچا۔

''باپاشکستہ چند کہ بار گردن زندگی اند رخت سلامتی بیروں کشید وبیست وہفتم جمادی الآخر داخل دارالخلافہ گردید''۔ (۴۲۵)

''پاشکستہ'' مجبور یا معذور افراد کے ساتھ جو بار گردن زندگی ہیں بخیر و عافیت پہونچا اور الآخر ۱۰۹۶ھ کو دارالخلافہ دہلی میں داخل ہوا۔

ڈاکٹر عبدالغنی صاحب لکھتے ہیں:

''بیدل اپنی بیویوں کے ساتھ دارالسلطنت میں داخل ہوا''۔ (۴۲۶)

رقعات میں لفظ ''پاشکستہ چند'' اور چہار عنصر میں لفظ ''بیدست وپای چند'' سے شاید ڈاکٹر موصوف نے ''بیدل کی عورتیں'' مرادلی ہیں لیکن جیسا کہ مفصل واقعہ بتاتا ہے خود بیدل نے کیا ہے کہ:

''فقیر با دو خادم کہ یکی را امتداد بیماری بناز مخدومی پرورده بود ودیگری را عذر ناتوانی از سلسلہ تکلیف خدمت آزاد کرده فسخ عزیمت جائز نداشت''۔ (۴۲۷)

فقیر نے اپنے دو خادموں کے ساتھ جن میں سے ایک کی طویل علالت نے اسے خادم سے دیا تھا اور دوسرے کو اس کی ناتوانی نے سلسلہ تکلیف سے یکسر آزاد کر دیا تھا، فسخ ارادہ سفر نہ سمجھا۔

بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے ہمراہ اس کی شریک حیات بھی رہی ہو البتہ

لفظ ''عورتیں''، جس کا استعمال ڈاکٹر غنی صاحب نے کیا ہے اور جس کا مطلب یہ ہوا کہ [illegible]
تھیں، خالی از بحث نہیں ہے۔

بیدل کی دہلی میں مستقل سکونت:

دہلی میں قدم رکھنے کے ساتھ بیدل نے جو پہلا کام انجام دیا وہ تھا نواب عاقل خان رازی [illegible]
شرف نیاز حاصل کرنا۔ رازی ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء سے دہلی میں ناظم دارالخلافہ کے عہدے پر فائز تھے
دونوں کے درمیاں یہ طے پایا کہ ہفتے میں ایک بار ملاقات ہوا کرے گی۔ اس کے بعد اس نے ایک
کے ذریعہ شکر اللہ خان کو اپنی دہلی آمد، نواب عاقل خان سے ملاقات اور ہفتہ وار ملاقات کے وعدے
خبر دی۔ پھر اس سے درخواست کی کہ اگر چہ قسمت کی لکھی روزی ہر جگہ ہر حال میں پہنچ کر رہے گی
لگاتار سیر و سیاحت کے بعد قلبی سکون اور جمعیت خاطر درہم برہم ہوگئی ہے اس لئے دریائے جمنا
کنارے یا شہر کے باہر کوئی گھر یا تکیہ فراہم کر دیں تو اپنی بقیہ زندگی سکون سے وہاں گزار دیں اور
خانہ بدوشی کی زندگی سے نجات پائیں:

''شکر اللہ خان ہنگامیکہ فقیر از متھورا بدہلی رسید و نواب عاقلخاں را دید...... باری سعادت
زیارت کعبہ تحقیق بفریاد سرگشتگیہای وادی نحوست رسید و بساعدت زمان فرصت، در ہفتہ
یک روز موعود تحصیل سعادت است۔ و منظور الطاف و مرحمت رسائیہای سررشتۂ آمال کہ
انفاس موہومہ را بابیچ و تابش بی اختیاری ست بہ حل عقدۂ ایں بی سواد کشیدہ کہ ہرچند رزق
مقدر در ہمہ حال و ہمہ جا معین و مقرر است اما آشیان جمعیت پریشانی مفقود و نا میسر۔ اگر
دریں سواد موضعی کنار دریا یا لب شہر بسہولت در اتفاق کشاید یا تکیہ اختیار نماید ما بقی مدت
مہلتی کہ از نظر یقین مختفی است، بی تشویش تغیر مکان بسر برد۔ اگر احیاناً طالع بیدلی
از دور اصلی برنگردد، دامن ارض اللہ واسعۃ، زنجیر پای ہرزہ جولانی نیست۔

مدعمرم چون نگہ بیدل بہ حیرانی گزشت　گوشہ چشمی نہ شد پیدا کہ جا پیدا کنم (۴۲۸)

یعنی کعبہ تحقیق (عاقل خان رازی) کی زیارت کی سعادت خدا خدا کر کے وادی نحوست کی
آوارگی کے فریاد کو پہونچی اور زمان فرصت کی سازگاری سے ہفتہ وار ملاقات کی سعادت کا وعدہ مقرر
ہوا۔ سررشتۂ 'امال' کی مرحمت رسائی کے مقصد نے، جس کے پیچ و تاب سے انفاس موہومہ کا غیر اختیاری
تعلق ہے، اس بی سوادی کی گرہ کشائی اس طرح کی کہ روزی مقسوم اگر چہ ہر حال میں اور ہر جگہ مل کر رہے
گی پر خاطر پریشاں کو آشیانہ میسر نہیں ہے اس لئے اگر اس علاقے (دہلی) میں دریا کے کنارے یا ب

بہ سہولت مہیا ہو سکے یا کوئی تکیہ مل جائے تو زندگی کے بقیہ ایام جو نظر یقین سے اوجھل
مکانی کی تشویش سے آزاد ہو کر گزار سکیں گے اور اگر خدانخواستہ بیدل کی قسمت اپنے اصل
پس نہ ہو سکی تو ارض اللہ واسعة (اللہ کی زمین کشادہ ہے) کا دامن میری آوارہ گردی اور
نی کے لئے زنجیر پا نہیں بن سکتی۔

ساقی مستعد خاں کے حسب بیاں شکر اللہ خاں اس وقت سکندر آباد کے فوجدار تھے (۴۲۹)
خط دہلی سے سکندر آباد شکر اللہ خاں کے پاس روانہ کیا گیا۔

خوشگو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی درخواست منظور ہوئی۔ نواب شکر اللہ خاں اور
بیٹے شاکر خاں نے پانچ ہزار میں حویلی لطف علی خاں خرید کر بیدل کے حوالے کیا۔ مذکورہ حویلی
کے باہر محلہ 'کیکریان' میں ''گزرگھاٹ'' کے پاس واقعہ تھا۔ علاوہ ازیں ضروریات کی تکمیل
روزانہ دو روپیہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا جس کا سلسلہ ۱۱۰۸ ہجری میں خان موصوف کی وفات
رہا۔ بیدل نے اپنی زندگی کے بقیہ ۳۶ سال اسی مکان میں پوری فراغت کے ساتھ گزار
(۴۳۰)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ صاحب تذکرہ ''مرآت واردات'' محمد شفیع وارد نے لکھا ہے کہ شکر
کے خرید کردہ مکان میں مستقل رہنے سے پہلے بیدل ڈیڑھ سال پورے سکون اور فراغت کے
ے گھر میں رہے۔

''میرزا تا مدت'' یک و نیم سال در خانہ راقم ایں اوراق بی تشویش معاش رحل اقامت
افگندہ تا آنکہ قاصد شکر اللہ خاں کہ دریں ایام حکومت نارنول من اعمال میوات می پرداخت
پیش مرزا رسید و مکتوب اشتیاق مع زری رسانید۔'' (۴۳۱)

لیکن اگر اسے تسلیم کر لیں تو لازم آتا ہے کہ ۱۱۰۸ھ میں خان موصوف کے انتقال کے وقت تک
ساڑھے دس سال بیدل نے ان کی حمایت و سرپرستی اور بہ قول خود ''بیدل پروری'' کی اور ان
کردہ مکاں میں زندگی گزاری جبکہ خود بیدل کا بیان ہے کہ شکر اللہ خان کی سرپرستی کا سلسلہ بارہ
قائم رہا۔ شکر اللہ خاں ثانی کے نام ایک تعزیتی خط میں لکھتا ہے:

''از دست رفتن دامن دولتی کہ سلسلہ موافقتش دوازدہ سال محرک عسرت آہنگی ساز انفاس
بود، چشم عبرت یکبارہ بر روئے ادبار کشود''۔ (۴۳۲)

یعنی اس دامن دولت کے ہاتھ سے چھوٹ جانے کے باعث، جس کی رفاقت کا سلسلہ بارہ
ساز انفاس کی عسرت آہنگی کا محرک رہا ہے، چشم عبرت دفعتہً چہرہ ادبار و پستی پر وا ہوگئی۔

ان وجوہ سے وارد کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عالمگیر نامہ کے مطابق نواب
خاں ۱۰۹۸ھ میں نواحی جہان آباد کا فوجدار تھا (عالمگیر نامہ ص ۳۰۳)۔ نیز نارنول میوات کے
میں واقع ہے جہاں ۱۰۸۲ھ میں اورنگ زیب کے خلاف بغاوت ہوئی تھی۔ (عالمگیر نامہ
میوات کا علاقہ نواحی جہان آباد کہلاتا ہے۔ بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نارنول
اور وہاں اسے کچھ بیماری لاحق ہوئی، جس کے لئے دہلی واپسی پر فصد یعنی نشتر لگانے کی ضرورت
اس کے بعد نواب کی توجہ سے اسے صحت حاصل ہوئی۔ لکھتا ہے:

''حاصل عرض ناتوانیہا آنکہ بعد از رسیدن نارنول بی تامل باستقبال فصد شتافت و بتوجہ
سامی ایشاں تخفیف در تصدیع طبیعت محسوس یافت۔ (رقعات بیدل ص ۱۳۵)

اپنی ناتوانیوں کے اظہار کا ماحصل یہ ہے کہ نارنول سے واپسی کے فوراً بعد فصد لگوایا اور
والا کی توجہ سے طبیعت میں تخفیف محسوس ہوئی۔

آنند رام مخلص کو مرزا کے قدیم و جدید دیوان کا ایک انتخاب عطا ہوا جس کو اس نے بیدل
سے گذار کر اس کی توثیق کرائی اور اس پر مرزا کے دستخط لئے۔ اس دیوان پر مخلص کی تحریر سے وا
ہے کہ ۴ شوال ۱۰۹۸ھ میں بیدل نارنول میں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ شوال ۱۰۹۸ھ کے آس
شکر اللہ خاں کے پاس نارنول میں قیام پذیر تھا۔

خوشگو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد بیدل نے دوسری شادی کی اور یہ چو
شریک حیات تھی:

''تاہل گزید و چہارم حرم در حریم داشت''۔ (۴۳۳)

یعنی شادی کی اور چوتھی حرم حریم میں رکھتا تھا گویا دہلی آنے سے پہلے اس کی تین بیویاں تھی
اور شاید اسی بنا پر ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے ''پاشکستہ چند'' سے بیویاں مراد لی ہیں لیکن جہاں تک بید
تعلق ہے اس نے صرف ایک بیوی یا ایک دفعہ کی شادی کا تذکرہ کیا ہے اس پر تفصیلی بحث ہم ''بیدل کی
زوجہ'' کے زیر عنوان کریں گے۔

بیدل نے جب دہلی میں قدم رکھا تو جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا اورنگ زیب دکن
میں سنبہ کی بغاوت کو فرو کرنے اور بیجاپور کو فتح کرنے میں مصروف تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں اطراف
دہلی کے عوام خصوصاً میوات کے جاٹ اور راجپوت نے دکن میں اورنگ زیب کی شکست کی افواہ
حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ ان باغیوں میں ایک شخص 'باجی رام' تھا جس نے اپ
سات جوان اور بہادر لڑکوں کے ساتھ اس علاقے کے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا اور غیر معمو

فساد پھیلا رکھا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر بیراٹ کے پہاڑوں میں پناہ لے کر تباہی و بربادی اور
بازار گرم رکھے ہوئے تھے۔ شکر اللہ خاں کو ان کی سرکوبی کا کام سپرد کیا گیا۔ شکر اللہ خاں
ل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ خاں موصوف نے پہلے اپنے لڑکوں کو اس کام کے لئے
۔

''شکر اللہ خاں ہنگامیکہ صاجزادہ ہا را بہ تنبیہ جات فرستادند''۔ (۴۳۴)

شاید یہ لوگ اس مہم کو سر نہ کر سکے اور شکر اللہ خان کو جانا پڑا۔ وہ اس ذمہ داری سے بخوبی
ئے اور نرو کہ باجی رام کو اس کے ساتوں لڑکے سمیت زبردست شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔
۔

''للہ الحمد توجہ ذات معنی آیات، درآں سمت ید بیضا نکشودہ و عصای قدرتی نہ نمودہ کہ آل
فرعون یعنی زمرۂ طاغیان کہ غرقہ نیل ادباراند، تا قیامت سر از آب تیغ برآرند''۔ (۴۳۵)

دا کا شکر ہے ذات معنی آیات (نواب) کی توجہ نے اس طرف (اگر چہ) کسی ید بیضا کی
نہ عصای قدرت دکھایا (پھر بھی) آل فرعون یعنی باغیوں کی جماعت ادبار و پستی کے
نیل میں اس طرح غرق ہوگئی کہ اب تا قیامت سر اٹھانے سے رہی۔

بیدل نے اس مناسبت سے منظوم مبارکباد کا ایک خط لکھا:

دوں ندا آمد کہ خان دلنواز — کرد در یک دم زدن بنیاد میواتی خراب
حق چشم آں دارم کہ تا شام ابد — گرد ہر گردنکش بنشیند از تیغش در آب
اقدسش مصروف بیدل پروریست — حاسد او گر ہمہ دریاست می گردد سراب
خفاش را برقی ز آہنگش بس است — آفتابست آفتابست آفتابست آفتاب (۴۳۶)

کل رات کو آسمان سے آواز آئی کہ خان دلنواز نے دم زدن میں میواتیوں کی بنیاد تہس نہس کر
ی۔

میں نے کہا خدا سے اس بات کی توقع ہے کہ ہر باغی کی گردن اس کی تلوار سے پانی میں
۔

اس کی ذات اقدس بیدل پروری میں بہت زیادہ مصروف ہے۔ اس کا حاسد اگر دریا بھی
تو رہے گا سراب ہی۔

اس کے ارادے کی ایک برقی کوند بہت سے چمگادڑ کے لئے کافی ہے وہ آفتاب ہے آفتاب
ہے۔

دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شکراللہ خاں نے بیدل سے التماس کیا تھا کہ اس
کامیابی کی مناسبت سے کوئی مادہ تاریخ بھیج دیں اور بیدل نے باوجودیکہ 'باجی رام' کے
انتخاب مشکل تھا خاں موصوف کی خواہش پوری کی، لکھتا ہے۔

''بحکم ماموری نظم تاریخ فتح، باوجود وقت بحر آنچہ مطابق قوانی افتاد بی تکلفانہ ربطی دارد''۔

سرخیل نروکہ باجی رام — از باد بروت پشم در دست
با ہفت پسر کہ ہر کدامش — چوں کوہ، سری بہ تیغ می بست
عمری در کوہسار میوات — می بود چو خرس از خود مست
با لشکر خاں آسمان جاہ — گردید طرف ز فطرت پست
یعنی بہ پناہ قلعہ کوہ — سر جنگ مبارزاں کمر بست
آتش . زنہ بہادراں خورد — چند انکہ ز سنگ چوں شرر جست
بگریخت بہ صد ہزار تشویش — تا از دم تیغ بی اماں رست
در تاریخش مہندس فکر — فرمود ''دل نروکہ بشکست'' ۱۰۹۷ھ

(۴۳۷)

یعنی نروکہ قبیلے کا سردار جو کبر و غرور کے نشے میں چور تھا اپنے سات بیٹوں کے ساتھ جن میں
سے ہر ایک پہاڑ کی طرح ہٹا کٹا تلوار سے مسلح تھا ایک عرصے تک میوات کے پہاڑوں میں ریچھ کی
طرح خرمستیاں کرتا تھا اپنی پست فطرت کی وجہ سے آسماں مرتبہ خان (شکراللہ) کی فوج سے بھڑ گیا۔
یعنی قلعہ کوہ کی پناہ میں جنگجوؤں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ چھوٹے چھوٹے بہادروں کو آگ کی
نذر کرنے والا اس حد تک کہ پتھر سے چنگاری جست کرنے لگی تھی۔ کافی پریشانیوں سے دوچار ہو کر فرار
ہوگیا یہاں تک کہ تیغ بی امان سے نجات حاصل کی۔ مہندس فکر نے اس کی تاریخ میں کہا: ''دل نروکہ
بشکست'' (نروکہ کا دل پاش پاش ہوگیا)۔

اورنگ زیب بیجاپور اور گولکنڈہ کو فتح کرنے کے لئے دکن گیا ہوا تھا۔ ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۶ء میں
زبردست کامیابی کے ساتھ وہ دہلی واپس آیا۔ اس مناسبت سے لوگوں نے اپنے اپنے طریقے پر
مبارکبادی کا اظہار کیا۔ بیدل نے بھی اس میں شرکت کی اور مادہ تاریخ پر مشتمل ایک قطعہ کے ذریعہ اس
نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ شکراللہ کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

''مژدہ فتح بادشاہ دین پناہ کہ سبب جمعیت عالمی است دلیل فکر تاریخی گردیدہ، متوقع مطالعہ
اقبال اثر است''۔ (۴۳۸)

بادشاہ دین پناہ (اورنگ زیب) کی نوید فتح، جو لوگوں کے لئے دل جمعی اور تسلی خاطر کا سبب
تاریخ کی رہنما ثابت ہوئی۔ مطالعہ اقبال اثر کا امیدوار ہوں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ نواب ظفر
جنگ کے نام جب بیدل نے اس قسم کا ایک مبارکنامہ بھیجا تھا تو اس کے مخالفوں نے اس پر تملق اور
چاپلوسی کا الزام لگایا تھا۔ چونکہ اندیشہ تھا کہ اس دفعہ بھی کوئی نہ کوئی تیر ملامت کا نشانہ بنائے گا اس لئے
تاریخی مادوں پر مشتمل مبارکباد لکھنے سے اپنے مقصد کی وضاحت کرتا ہوا لکھتا ہے، کہ اس جیسے
فقیروں اور ناداروں کے پاس اس کے سوا کوئی سرمایہ نہیں ہے کہ وہ اپنے نتیجہ فکر بادشاہ سلامت کے
حضور پیش کریں ورنہ نواب کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت ہے اور نہ عالمگیر کی۔

''ہر چند ہرزہ فکر یہای تاریخ نواب ظفر جنگ ہنوز مرہون صلہ انفعالی ست۔ للہ الحمد
اندیشہ دعا گوی بہانہ جوی تقریبی است کہ بآں وسیلہ تحفہ فقرا در پیش گزارد یا مصرعی در آں
جناب معروض دارد ورنہ چہ نواب و کدام مستطاب بلکہ جہ عالمگیر و کدام بدر منیر۔ بطریق
شوق بی پروا نگاشتنی دارد و باہنگ ساز بی نیازی، سراز پردہ بیروں می آرد''۔

یعنی نواب ظفر جنگ کے لئے مادہ تاریخ لکھنے کی فکری کاوش اگرچہ ہنوز صلہ انفعال و شرم کی
مرہون ہے تاہم اللہ کا شکر ہے اس دعا گو کا خیال ایک مناسب موقع کا بہانہ ڈھونڈا کرتا ہے تاکہ اس
کے ذریعہ ایک تحفہ یا ایک مصرع جناب عالی کی خدمت میں پیش کر سکے ورنہ نواب کیا ہیں اور مستطاب
کون ہے بلکہ عالمگیر کیا ہیں اور بدر منیر کون ہیں۔ بطور شوق بی پروا لکھنے کی کوئی چیز صفحۂ ذہن پر ابھرتی
ہے تو اسے بے نیازی سے لکھ دیتا ہوں۔

شاہ عالمگیر یعنی حضرت اورنگ زیب — آنکہ دارد تکیہ بر شمشیر او فتح و ظفر
موکبش از اقلیم دہلی کرد آہنگ خروج — تا کند بنیاد شاہان دکن زیر و زیر
اولین سالیکہ فتح ملک بیجاپور بود — در غل و زنجیر رفت اسکندر از طوق و کمر
ثانیت بر گل کندہ رایات ظفر سال دوم — ہمچنان بر قلب قطب الملک طوفان داد سر
گشت از روی جمل در دیدہ اہل حساب — سال فتح اولیں جمشید نصرت، جلوہ گر
تو پتم روشن شود آئینہ فتح دوم — داد شوخیہای دراکم دریں مصرع خبر
ہست یک معنی کہ تعبیر از دو تاریخش کند — اعظم مطلوب، فتح بادشاہ نامور (۴۳۹)

بیدل کی اورنگ زیب سے آشنائی کا تذکرہ احباب بیدل' کے تحت کیا گیا ہے۔ قارئین اُن صفحات کو پڑھنے کی زحمت کریں۔

غلام علی آزاد کے مطابق شکر اللہ خان ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۶ء سے وفات ۱۱۰۸ھ ۱۶۹۶ء کے فوجدار کے عہدے پر فائز رہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ میوات کے قیام کے دوران وہ د رکھتے تھے۔ اس آمدورفت کے دوران ان کی بیدل سے ملاقاتیں ہوئیں۔ شکر اللہ خان کے سے معلوم ہوتا ہے کہ خان موصوف نے انہی صحبتوں اور ملاقاتوں کے دوران موسم باران کے حسین اور دلکش فطری مناظر کا تذکرہ ایک دفعہ اس سے کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ انشاء اللہ اس کو اپنے ساتھ وہاں لے جائیں گے۔ جب برسات کا موسم آیا تو بیدل نے شکر اللہ خاں اور میوات کے سفر کا انتہائی اشتیاق کے ساتھ انتظار کرنا شروع کر دیا اور اسی عالم اشتیاق میں عنوان ''تمہید برسات کہ موعود دیدار بود' خان موصوف کو لکھا جو موسم بہار کی طرح نہایت پر مشتمل ہے اس لئے لکھا جاتا ہے۔

''امروز کہ فضای دشت ودر، ناگزیر آئینہ از غبار زدودن است، وچشم گل تا مژگاں سبز اختیار آغوش شوق کشودن، آثار دعوت بہارستان دیدار است وعلامات قرب حقیقت بعد چندین انتظار، خوان اکرام می گسترانند تا زلہ کشان مائدہ فضل را محروم قسمت نگذارد۔ پس از دیری، باین صفت صلاے رحمت عام کند، تا مایوسان زاویۂ بے بضاعتی نیز نصیبہ بردارند۔ ہزار سبزہ برخواب عدم پای زدند تا یک مژہ بیدارم گردانند۔ وہزار گل دیدہ بحیرت بازمی کند تا یک نگاہ مژدہ حضورم رسانند یعنی بیدلاں درین صورت، بر تجلی کماہی چشم کشاید وباین کیفیت از در فردوس یقین درمی آیند، زود رسیہای ثمر انتظار، مہلت کمین توقت مباد'۔(۴۴۰)

غرض شکر اللہ خان بیدل کو حسب وعدہ اپنے ساتھ بیراٹ لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالغنی نے بیدل کی اس سیاحت کو ۱۰۹۹ ہجری کے واقعات سے وابستہ سمجھا ہے لیکن سال کی تعیین کے لئے دلیل نظر نہیں آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے مطابق بیراٹ دہلی سے پچھم کی جانب ڈیڑھ کے فاصلے پر واقع ہے۔(۴۴۱) لیکن ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم کا خیال ہے کہ صوبہ راجستھان بیجاپور کے نزدیک ایک پہاڑی سلسلے کا نام ہے۔(۴۴۲) ڈاکٹر انصاری کو شاید مغالطہ ہوا شکر اللہ خاں اسوقت محمد ساقی مستعد خاں صاحب مآثر عالمگیری کے مطابق جہاں آباد کے نواحی

نواحی جہاں آباد سے مراد دہلی کے قریب میوات وغیرہ کا علاقہ ہے چنانچہ غلام علی آزاد نے کے ساتھ اسے فوجدار میوات لکھا ہے راقم السطور نے ۱۹۶۰ء میں ان علاقوں کی سیاحت سا علاقہ ریگستانی اور نا قابل کاشت نظر آیا لیکن دوسری طرف پہاڑوں اور درختوں کا سلسلہ بھی جو بلاشبہ موسم باراں میں حسین اور دلکش منظر پیش کرتا ہوگا۔

شکر اللہ خاں نے جو خود بھی صاحب قلم اور بڑی حد تک شاعرانہ ذوق کا حامل تھا اور خاکسار تھا میوات کے ان دلکش فطری مناظر سے متاثر ہو کر چند اشعار کہے تھے۔ پھر بیدل سے کہ وہ بھی اس موقعہ پر اپنے غیر معمولی شاعرانہ ذوق اور صلاحیت کا مظاہرہ کرے۔ اس طرح مثنوی طور معرفت، کو نظم کا روپ دیا۔ مثنوی کے آخر میں کہتا ہے۔

دگرنہ من کجا کو پرفشانی   سرشکی بودم آں ہم بیروانی

ورنہ کہاں میں اور کہاں میری مثنوی نگاری میں تو ایک آنسو تھا اور وہ بھی بیجان۔

درین گلشن خرامی داشت کلکش   کہ پیوستم من بیدل بہ سلکش

اس چمن میں ان کا قلم گرم رفتار تھا میں بیدل بھی اس سے وابستہ ہو گیا۔

کلامش گشت سرمشق خیالم   ازاں سرچشمہ جوشد ایں زلالم

ان کا کلام میرے لئے سرمشق خیال ثابت ہوا میرا یہ شیریں آب زلال اسی سرچشمہ سے جوش ہے۔

دو روزی در پس زانو نشستم   خیالی را بہاری نقش بستم

دو دن میں پوری یکسوئی سے بیٹھ کر قوت خیال و اندیشہ کو بہاری نقش ونگار سے آراستہ کیا۔

بہ یمنش آخر ایں مکتوب منظوم   بہ طور معرفت گردید موسوم

آخر اس کی برکت سے یہ منظوم تخلیق طور معرفت، کے نام سے موسوم ہوئی۔

زہی سرچشمہ فیض الٰہی   کہ سیرابم ازو چندانکہ خواہی(۴۴۳)

فیض الٰہی کے سرچشمہ کا کیا پوچھنا جس سے جتنا چاہا سیراب ہوتا رہتا ہوں۔

بیدل کے بعض رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طور معرفت کے نسخے عاقل خاں مرزا محمد امین عرفان اور مرزا عباد اللہ کو پیش کیئے گئے۔

ہمیں معلوم ہے کہ انسانی ضروریات کی تکمیل اگر نہ ہو تو اس کا دل دماغ پراگندہ رہتا ہے۔ مثل ہے پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ خصوصاً وہ لوگ جو شاعرانہ ذوق اور ادبی مذاق کے حامل ہیں اگر

ان کے اقتصادی حالات درست نہ ہوں تو وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال نہیں کر سکتے۔

اب جبکہ شکر اللہ خاں اور شاکر خاں نے بیدل کی تمام ضروریات کی کفالت اپنے مراحم خسروانہ کی نوازش اس پر کرنے لگے۔ بیدل کی ادبی خصوصاً شاعرانہ سرگرمی بڑھ گئی۔ رقعات بیدل اور خوشگو کے بیانات کی اساس پر ہم یہ نتیجہ بہ آسانی نکال سکتے راجدھانی دہلی کے لوگوں سے جن میں سلاطین، شاہزادے، نوابین، امراء، زمیندار و تعلقہ دار، ادیب اور معاشرہ کے دوسرے افراد بھی شامل ہیں، تعلقات کی نوعیت نے ادبی پہلو سے سماجی اور اقتصادی پہلوؤں کو بھی اپنی آغوش میں لے لیا اور یہ اس کی زندگی کا ایک مستقل باب کا مطالعہ ہم ''بیدل کے احباب'' کے تحت کرتے ہیں۔

✪✪✪

بیدل کے احباب

است بیدل گرمیان دوستاں	گاہ گاہی دید و وادیدی بدعوت می شود
رفیقاں ز دل فراموشند	کدام نالہ کہ در پردہ اش نمی جوشند
انجمن حیرت نظر بودند	کنوں بہ پردۂ دل داغہای خاموشند
ازیں بزم تا سخن باقیست	ز دیدہ رفتہ حریفاں ہنوز در گوشند

جیسا کہ عرض کیا گیا ''بیدل کے احباب'' اس کے رقعات کی روشنی میں بیدل کی زندگی کا ایک جداگانہ باب ہے جو بیدل کی شخصیت کے حقیقی خد و خال اور رجحانات و میلانات کی شناخت اور بڑی حد تک معاون ثابت ہوتا ہے لیکن طوالت سے بچنے نیز اس سبب کی بنا پر جس کا تذکرہ کیا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ ذکر کیا جائے۔ اپنے ماموں زاد بھائی مرزا کے نام اپنے ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

> ''از درد تنہائی، کہ رفیق طبیعت وحشت نصیب است، چہ نگارد کہ باوجود کثرت یک عالم آشنا از قحط سخن فہم، مقیم انجمن تصویر بستن است و بہم صحبتی خوابنا کان بساط غرور بر ''ترجمان رنگینہای تعبیر'' گریستن۔ نفس شماری اوقات جمعیت لہذا قدر مغتنم داند کہ گاہی از زبان خامہ بادوات گرم سرگوشی می گردد و گاہی بصحبت کتابی ہمدرس خموشی می شود''۔ (۴۴۵)

اپنی طبیعت وحشت نصیب کے ساتھی ''تنہائی'' کی تکلیف کا عالم کیا تحریر کروں کہ دوست ایک وسیع حلقہ ہونے کے باوجود ان میں سخن فہم حضرات کا قحط ہونے کے سبب 'انجمن تصویر' میں ں اور بساط غرور و شیخی پر محو استراحت غافل لوگوں کی ہم نشینی میں ''نت نئے انداز تعبیر کے (بیدل) پر گریہ کناں ہوں۔ اوقات جمعیت کی نفس شماری بس اس قدر غنیمت سمجھتا ہوں کہ قلم سے دوات کے ساتھ گرم سرگوشی ہوں (کچھ لکھتا رہتا ہوں) اور کبھی کسی کتاب کی خموشی کا ہمدرس ہوتا ہوں (کچھ پڑھتا رہتا ہوں) اس خط سے درج ذیل چند باتیں سامنے

دہلی اور اس کے آس پاس میں بیدل کے دوست احباب کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو گیا تھا جو

معاشرہ کے مختلف طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔

۲۔ اس کے دوستوں میں سخن فہم حضرات کی تعداد بہت کم تھی۔

۳۔ اس بنا پر وہ اپنا بیشتر وقت یا تخلیقی سرگرمیوں میں گزارتا یا مطالعہ کتب میں۔ اور ز
مطالعہ کرتا تھا جیسا کہ اس شعر میں اشارہ کرتا ہے۔

بیدل اگر افسردہ دلی جمع کتب کرد　　در مدرسہ دانش ما جلد کتابست

۴۔ وہ انواع واقسام کے مضامین نت نئے مختلف اور دلکش انداز بیان میں پیش کرتا تھا۔
لئے وہ ''ترجمان رنگینی ہای تعبیر'' کی ترکیب استعمال کرتا ہے۔

خوشگو نے بیدل کے اپنے دولت کدے پر معمولات کی توضیح اس طرح کی ہے:

''مقرر آن کردہ بود کہ تمام روز اندرون محل، بہ تنہائی و تجرد نشستہ، با سخن صحبت می داشت، و سرشام بدیوان خانہ تشریف آوردی، تا نیم شب نشستی، و اقسام حکایات و امثال کارآمدنی درمیان آوردی۔ فقیر ملفوظاتی نوشتہ کہ اکثر مذکورات آن صحبتہا درو داخل است۔ و اکثر اوقات، در گپ زدنہا، زیادہ گذشتی فرمودی: یاران! الحال باید ذکر خدائی، کہ کنایہ از شعر خوانی باشد، درمیان آید۔ کلیات دیوان خود، کہ در یک جلد چہار مصراعی نویسایندہ مرتب فرمودہ بود، طلبیدی و مجلس گرم داشتی۔ و نوبت بہ نوبت حاضران را خطاب کردی: از اشعار خود عنایت فرمایید۔'' (۴۴۶)

معمول یہ بنا رکھا تھا کہ دن بھر اندرون خانہ اکیلے بیٹھے شاعری کیا کرتے تھے، سرشام دیوانخانے (مردان خانے) میں تشریف لاتے اور آدھی رات تک وہاں ٹھہرتے، طرح طرح کے قصے کہانی اور سودمند کہاوتیں بیان کرتے تھے۔ خاکسار نے ملفوظات، کے نام سے ان کے ارشادات جمع کئے تھے۔ اور بسا اوقات بات چیت کرتے کرتے جب کافی دیر ہو جاتی تو کہتے: دوستو اب خدا کا ذکر کرنا چاہئے، جس سے مقصود شعر خوانی ہوتی اور اپنی کلیات دیوان منگواتے جو ہر صفحہ پر چار مصرعے لکھوا کر ایک جلد میں مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد مجلس گرم ہو جاتی پھر مخاطبین سے نوبت بہ نوبت اپنا اپنا کلام سنانے کی فرمائش کرتے۔

بیدل کے ایک اور شاگرد سید محمد بن عبدالجلیل بھی اپنی تصنیف ''تبصرۃ الناظرین'' میں ۱۱۳۲ھ کے واقعات کے ضمن میں بیدل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''در روز از خانہ برنمی آید۔ و از ہنگام شام تا قرب نصف شب، با شعرا و شاگردان خود صحبت می داشت۔'' (۴۴۷)

دن کو گھر سے نہیں نکلتے اور شام کے وقت سے آدھی رات تک شاعروں اور شاگردوں سے
کرتے تھے۔

شاید انہی ماخذ کو سامنے رکھ کر ریو لکھتا ہے کہ:
میں بیدل کا گھر تمام شعر دوست اور ادب نواز حضرات کا ایک مشترک مرکز بن گیا تھا۔
خود بیدل نے ایک شعر میں ادھر اشارہ کیا ہے۔

پرستیم و نہ مسجد نہ خرابات　　گرم است ہمیں صحبت ما با نفسی چند
سے مطلب نہ مسجد سے سروکار　　احباب سے رہتی ہے مری گرمی گفتار]

''رقعات بیدل'' کی بابت ڈاکٹر نورالحسن انصاری لکھتے ہیں:

''......ان خطوط سے بیدل کے کردار اور ذاتی حالات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ ان سے بیدل کے عزایم اور ناکامیاں، ان کی نیازمندی اور بے نیازی، ان کا فقر اور دنیا طلبی، امراء سے ان کے تعلقات اور قناعت پسندی، ان کا اور درباراداری وغیرہ بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان خطوط کی روشنی میں بیدل کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ ان کے سوانح نگاروں کے بنائے ہوئے خاکے سے مختلف بھی ہے اور متضاد بھی۔'' (۴۴۹)

رقعات کے مضامیں، خوشگو اور سید محمد کے بیانات کو مدنظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دہلی میں قیام کے بعد بیدل کے تعلقات سوسائٹی کے مختلف طبقوں سے جن میں سلاطین اور شہزادے بھی اور تعلقہ دار بھی ہیں، شعرا اور ادیب بھی ہیں، رقیب اور حریف بھی ہیں اور عوام و خواص بھی
۔

لہٰذا اس مقصد سے کہ بیدل کا زیادہ سے زیادہ مستند اور بہتر تعارف حاصل کیا جائے ضروری
پنے دوستوں کی نسبت اس کے افکار و خیالات اور جذبات و تاثرات نیز برعکس کا جداگانہ جائزہ
یکھیں کہ جس نے بہ قول خود۔

آخر ز فقر بر سر دنیا زدیم پا　　خلقی بجاہ تکیہ زد و ما زدیم پا

(شیوہ فقر کو اپنا کر ہم نے دنیا کو ٹھکرا دیا ایک طبقے نے جاہ و حشمت پر بھروسہ کیا اور ہم نے اسے
) دنیا کو ٹھکرا کر کس طرح دنیا اس کے گرد منڈلانے لگی یا یہ کہ یہ اس کا نرا دعویٰ تھا۔

سلاطین اور شہزادے:

مشہور محقق قاضی عبدالودود سے ایک انٹرویو کے دوران بیدل کے سلاطین سے تعلق کا ذکر آیا تو

انہوں نے برجستہ کہا:

''کہتے ہیں بیدل ایک صوفی مشرب اور صاحب کرامت ولی تھا۔ اگر وہ واقعی ایسا ہی آدمی تھا تو مختلف سلاطین کے دربار میں دریوزہ گری کیوں کرتا تھا؟''

راقم السطور نے اس وقت تک بیدل کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا تھا اس لئے اس کا جواب تو دے سکا پر یہ سوال برابر دل کو کچوکے لگاتا رہا اور اس بات پر آمادہ کرتا رہا کہ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ صحیح اور مستند معلومات حاصل کروں۔ ہم جانتے ہیں کہ بیدل اورنگ زیب، اعظم شاہ، شاہ عالم بہادر شاہ، جہاندار شاہ، فرخ سیر اور محمد شاہ کا معاصر تھا اس لئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بیدل کے تعلقات کی نوعیت پر جداگانہ بحث مناسب رہے گی:

اورنگ زیب:

حالات پر بحث کے دوران اورنگ زیب کا تذکرہ سرسری طور پر آچکا ہے۔ یہاں مقصود ان نکات کی وضاحت ہے جو بیدل کے اورنگ زیب سے تعلقات کی نوعیت کو واضح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نورالحسن انصاری صرف اسقدر کہہ کر گزر گئے کہ:

''شہنشاہ وقت اورنگ زیب سے بظاہر بیدل کا بلاواسطہ ربط نہیں معلوم ہوتا مگر وہ شاہی عنایت کے امیدوار ضرور تھے''۔ (۴۵۰)

اس میں شک نہیں کہ دونوں کے تعلقات ایسے نہیں تھے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا دوست کہا جائے۔ اورنگ زیب کے بارے میں اس نے سب سے پہلے جس ردعمل کا اظہار کیا وہ اس وقت سے وابستہ ہے جب اورنگ زیب جنگ جانشینی میں اپنے بڑے بھائی اور رقیب دارا شکوہ کو شکست دے کر ۱۰۶۸ھ ۱۶۰۷ء میں تخت پر بیٹھا اس وقت بیدل لکھتا ہے:

''اورنگ زیب عالمگیر برعزم فرمانروائی دہلی سبقت کرد و حقوق خدمت پدر پیش از دیگراں بجا آورد''۔ (۴۵۱)

اورنگ زیب عالمگیر نے دہلی پر فرمانروائی کے ارادے میں سبقت کی اور باپ کی خدمت کے حقوق دوسرے بھائیوں سے پہلے ادا کئے۔

یہاں دوسرا جملہ اس طنز کی نشاندہی کرتا ہے جو بیدل نے اورنگ زیب پر کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سارے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ ملک کے امن وامان، صلح وآشتی اور تمام لڑکوں میں اس کی تقسیم سے وابستہ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے درمیان خط وکتابت کا ہونا عالمگیر کا باپ کی تجاویز

سے اتفاق نہ کرنا، بار بار کے تقاضے کے باوجود اس کی ملاقات سے انکار کرنا یہی نہیں بلکہ باپ کے سارے اختیارات کو سلب کر کے قلعہ اکبرآباد میں اسے قید کر دینا یہ سب باتیں اس طنز کی تلخی میں چھپی ہوئی ہیں۔ شاہجہاں ایک خط میں اورنگ زیب کو لکھتا ہے:

''بابای من! بہار من!

من چرا گریہ کنم از سبب سستی بخت — کہ بجز امر خدا برگ نہ جنبد ز درخت

سبحان اللہ! دیروز صاحب نہ لک سوار بودم، امروز بیک کوزہ آب محتاجم۔

آفرین بر ہنود در ہر باب — مردہ را می دہند دائم آب
ای پسر! تو عجب مسلمانی — زندہ جانم بہ آب ترسانی

ای فرزند مکار! بر اقبال دنیای غدار مفرور مباش و خاک غفلت وتکبر بر سر عقل مپاش کہ دنیای فانی تنگنای ظلمت است و بیاد حق بودن و بر خلق شفقت کردن دولت جاودانی۔

من آنچہ شرط نصیحت بود بتو گفتم — تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

میرے بابا، میری بہار!

میں اپنی کم نصیبی پر کیوں آنسو بہاؤں کیونکہ خدا کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہلتا ہے۔ سبحان اللہ کل تک نولاکھ سواروں کا مالک تھا آج ایک کوزہ پانی کا محتاج ہوں۔ ہندوؤں کو ہر معاملے میں شاباشی دینی چاہئے جو اپنے مُردوں کو برابر پانی دیتے رہتے ہیں بیٹا! تو عجیب وغریب مسلمان ہے زندہ جان ہوں پر بھی تو پانی کے لئے مجھے ترساتا ہے۔

اے مکار بیٹے! غدار دنیا کی اقبال پر مت پھول اور غفلت وتکبر کی خاک عقل کے سر پر مت ڈال کہ فانی دنیا ایک تنگنائے ظلمت ہے اور خدا کی یاد میں رہنا اور مخلوق پر شفقت کرنا دائمی دولت ہے۔ نصیحت کا جو تقاضا تھا وہ میں نے تجھ سے بیان کر دیا اب چاہے تو میری بات سے نصیحت لے چاہے ملول خاطر رہے۔

ایک رباعی میں بھی اس نے اورنگ زیب کی باپ بھائی کے ساتھ بدسلوکی پر طنز کیا ہے اور علمائے وقت کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔

ہر چند بہ عدل دیں حق رہبر بود — جہد علما پیرو حکم زر بود
سلطان ہرگاہ ریخت خون پدرش — گفتند: جہاد کردہ او کافر بود

اورنگ زیب کی کتاب زندگی کا یہ دوسرا رخ تھا جس کی بعد کے مؤرخوں اور دانشوروں نے [illegible] پر اس وقت یہ ایک واقعہ تھا اور بیدل کا طنز اس پر مبنی ہے۔

۱۰۷۰ ہجری ۱۶۰۹ء میں جب اورنگ زیب کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور پوری طرح آ گئی۔ اس وقت بیدل لکھتا ہے۔

"بنای شوکت شاہ شجاع بآوار گیہای عالم ادبار رسید واقتدار دولت بادشاہ عالمگیر بر جہات ممالک ہندصف اقبال کشید"۔ (۴۵۳)

شاہ شجاع کی شان وشوکت کی بنیاد عالم ادبار وپستی کی آوارگی پر منتہی ہوئی اور عالمگیر بادشاہ کی دولت کے اقتدار نے کشور ہندوستان کے اکناف ونواحی پر صف اقبال بچھایا۔

یہاں اس کا لہجہ کسی حد تک نرم ہوگیا اور اورنگ زیب کی شان وشوکت کا چاہے بادل ناخواستہ ہو اعتراف کیا ہے۔ ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء میں جب بیدل پایۂ تخت دہلی میں قدم رکھتا ہے اور وہاں دو سال قیام کے بعد اس نے مثنوی محیط اعظم لکھی۔ اس مثنوی میں اس دور کے دینی سماجی اور ادبی حالات سخت تنقید کرتے ہوئے در پردہ اورنگ زیب کی پالیسی پر حملہ کیا ہے۔ لکھتا ہے:

گرفتم ز گردوں دلی شاد نیست ز عدلش عیاں غیر بیداد نیست

میں نے مانا کہ آسمان کے ہاتھوں کوئی دل خوش نہیں ہے اس کے انصاف سے بے انصافی کی بو آتی ہے۔

بہ نیرنگ عدلش نظرہا پر آب بہ بیداد ظلمش جگرہا کباب (۴۵۴)

اس کے نیرنگ عدل سے آنکھیں اشکبار ہیں اس کے ظلم وجبر سے جگر کباب ہوگئے ہیں۔

۱۰۹۷ ہجری ۱۶۸۵ء میں جبکہ عالمگیر گولکنڈہ اور بیجاپور کو فتح کر کے واپس ہوا تو بیدل نے تاریخ پر مشتمل ایک خط لکھ کر شکر اللہ خاں کے ذریعہ بھیجا جسکا مطلع اس طرح ہے۔

شاہ عالمگیر یعنی حضرت اورنگ زیب آنکہ دارد تکیہ بر شمشیر او فتح و ظفر

شاہ عالمگیر یعنی حضرت اورنگ زیب وہ شخص ہیں جن کی تلوار پر فتح وکامرانی ٹیک لگاتی ہے۔

ایک دوسرے قطعہ میں جو اسی مناسبت کہا تھا، درج ذیل شعر ملاحظہ ہو۔

سر شاہاں عالم، شاہ عالمگیر کز عدلش برنگ نور وظلمت شد جدا از حق و از باطل

جہانداری کہ چون ذاتش ندارد عالم امکان خدا دان وخدا گوی وخدا جوی وخدا حاصل ([illegible])

شاہنشاہ عالمگیر جس کے عدل وانصاف کی بدولت حق وباطل میں نور وظلمت کی طرح جدا ہوئی۔ ایسا جہاندار ہے کہ عالم امکان (دنیا) ایسی ذات بابرکات نہیں رکھتا ہے۔ وہ خدا دان، خدا گو، خدا جو اور خدا حاصل ہے۔

اور سنبھوں پر عالمگیر کو غلبہ حاصل ہونے کی مناسبت سے کہا:

شاہ عالمگیر خورشید ظہور فضل حق آنکہ ذاتش رانشاید جز ہماں ذاتش نظیر (۴۵۷)

شاہ عالمگیری بادشاہ جو فضل الٰہی کے ظہور کا خورشید ہے جس کی ذات کی نظیر خود اسی کی ذات ہونی چاہئے۔

یہ سارے اشعار، تاریخی قطعے بلکہ تبریکنامے بیدل کے خیال میں ہونے والے دمبدم انقلابات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں اس کے تیکھے اور تیز وتند لہجے دھیرے دھیرے نرمی بلکہ صورت یا توجہ طلبی کی سیاست کی طرف کھنچتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر چراغان دہلی کے زیر عنوان اس قصیدے کو درست مانا جائے جو کلیات بیدل میں موجود ہے اور بقول ڈاکٹر انصاری یقیناً اورنگ زیب کی مدح میں کہا گیا ہے تو ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ بادشاہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش میں اس نے استغنا وبے نیازی اور قناعت وسیر چشمی کو جس کا دعوی کیا ہے بہت پیچھے چھوڑ دیا اور خوشامدیوں اور چاپلوسوں کی صف میں داخل ہوگیا ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

خسروا معنی پناہا! کو سر و برگ قبول تا بہ عرض حال دل جویم دریں درگاہ بار

جہاں پناہ! قبولیت کا وہ سروسامان میرے پاس کہاں ہے کہ اس دربار میں اپنے حالات دل بیان کرنے کے لئے باریابی کا شرف حاصل کرسکوں۔

صورت احوالم از طرز تخلص روشن است بید لیہا چیدہ ام بر خود ز وضع روزگار

میرے تخلص سے میرے حالات واضح ہیں، صورت بہ بیں حالت مپرس۔ زمانے کی ستم ظریفی کی روش سے میں نے اپنے لئے بیدلی وبے کسی اکٹھی کر رکھی ہے۔

من سراپا احتیاج و چرخ دوں پرور خسیس من طراوت انتظار و ابر احسان شعلہ بار

میں سراپا احتیاج اور ضرورت ہوں اور دون پرور آسمان ذلیل خسیس ہے میں طراوت وتازگی و خوشحالی وفراغبالی کے لئے سراپا انتظار ہوں اور بادشاہ کے احسان کا بادل شعلہ بار ہے۔

گر شود ابر عنایت آبیار مزرعم خوشہ سان از پای تا سر جملہ دل آرم بہ بار (۴۵۸)

اگر شاہی عنایتوں کا بادل میرے کھیت کی آبیاری کرے تو خوشے کی طرح میں سر سے پیر تک دل نکال کے سامنے رکھ دوں۔

جناب غلام حسن مجددی کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ شہزادہ اعظم شاہ کی تعریف میں ہے۔ (۴۵۹) لیکن راقم السطور کو اس قصیدہ کے بیدل کی طرف منسوب ہونے میں شبہ ہے کیونکہ اس کی عملی زندگی میں کئی واقعات ایسے پیش آئے ہیں جو اس کی شان استغنا اور بے نیازی کی توثیق کرتے ہیں اور اس

کے دعوی ''آخر زفقر بر سر دنیا زدیم پا'' کی تائید کرتے ہیں۔ بیدل کا جن دنوں اکبراباد میں قیام تھا ایک دفعہ چند روز کی خوراک ختم ہونے کے بعد بھوک نے اسے بہت پریشان کیا اور حد یہ ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اسے راستہ چلنا مشکل ہوگیا۔ اس عالم میں اس نے دریا کے کنارے جاکر پانی پی کر اپنی پیاس بجھانی چاہی لیکن جیسے ہی وہ کھڑا ہوا اس کے پیر لڑکھڑانے لگے اور وہ گرتے گرتے بچا، اسی حالت میں اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس خیال سے کہ کہیں لوگ اس کے گرد اکٹھا نہ ہو جائیں استنجا کے بہانے ایک دیوار کے پاس بیٹھ گیا۔ اور اپنی مناعت پسند اور غیر تمند طبیعت کے بارے میں لکھتا ہے:

''کامروای منعم حقیقی، بی نیازی در طبیعتم گماشتہ بود کہ خود را در ہیچ صورتی آئینہ دار احتیاج نمی دیدم۔ وغنای تعلیمی معلم اسرار سرخوشی در مزاجم انپاشتہ کہ از ہیچ المی غیر از نوای خرسندی نمی شنیدم۔'' (۴۵۹)

منعم حقیقی کی کامروائی نے میری طبیعت میں ایسی بے نیازی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی کہ کسی بھی شکل میں اپنے کو احتیاج کا آئینہ دار نہیں سمجھتا تھا (ضرورتمند محسوس نہیں کرتا تھا) اور معلم اسرار کی استغنائی تعلیم نے میرے مزاج میں ایسی سرمستی رکھدی تھی کہ کسی بھی تکلیف سے خوشی کے سوا کوئی اور آواز کانوں میں نہیں آتی تھی۔ رباعی۔

جز حق سو ہر کہ حاجتت بست احرام — پیش آید ت این چارغم یاس انجام
ننگ کم ہمتی و تشویش سوال — رسوائی احتیاج و نومیدی کام (۴۶۰)

تمہارے احتیاج نے خدا کے سوا جس کا بھی احرام باندھا تم کو ان چار یاس انجام غموں سے پالا پڑے گا: پست ہمتی کی شرم، سوال کی تشویش، احتیاج کی رسوائی اور مقصد میں مایوسی۔

سوچنے کا مقام ہے جس شخص کا یہ قول و عمل ہو وہ کیا بادشاہ کے حضور میں اپنی حاجت کا اس طرح اظہار کرے گا اور اپنی عزت نفس کو خاک میں ملائے گا۔

''من سراپا احتیاج و چرخ دوں پرور خسیس''۔

میں سراپا احتیاج ہوں اور کمینہ پرور آسمان خسیس و ذلیل ہے۔

قصیدے کو اگر ہم الگ اٹھا کر رکھیں تو ان قطعوں اور مبارکباد ناموں کے بابت کیا کہا جائے گا جن میں ایک طرح کا خوشامدانہ پہلو بن جاتا ہے۔

قطعوں سے مترشح اس خوشامدانہ لہجے کا لگتا ہے بیدل کو بھی اندیشہ تھا اس لئے اس کے سدباب کے لئے اس نے شکراللہ خاں کے نام اپنے ایک خط میں اپنے موقف اور اصول کی وضاحت کردی ہے۔ لکھتا ہے:

''للہ الحمد اندیشہ دعاگوی، بہانہ جوی تقریبی است کہ بآں وسیلہ تحفہ فقراد رپیش گزار دیا مصرعی درآنجناب معروض دارد۔ وگرنہ چہ نواب و کدام مستطاب بلکہ چہ عالمگیر و کدام بدر منیر بطریق شوق بی پروانگاشتنی دارد و بہ آہنگ ساز بی نیازی سراز پردہ برمی آرد''۔ (۴۶۱)

الحمد اللہ اس دعا گو کی فکر ایک ایسی مناسبت کا بہانہ تلاش کرتی ہے جس کے ذریعہ فقیر کا تحفہ یا کوئی مصرعہ بادشاہ سلامت یا نواب کی خدمت میں پیش ہو ورنہ نواب کیا اور مستطاب کون بلکہ عالمگیر کیا بدر منیر کون۔ محض شوقیہ انداز سے بے اعتنائی کیساتھ کچھ لکھ دیا اور ساز بے نیازی کے آہنگ میں ایک راگ الاپ دیا۔

یک رباعی میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مدح و تاریخ بعضی از شاہ و امیر — کروم بتکالیف عزیزاں تحریر
آنہا مردند و من پشیماں گشتم — فطرت بہ عذاب قبر ماند از تشویر

اس بناپر بیدل پر خوشامدی ہونے کا لیبل نہیں لگایا جاسکتا یا اس کے ارادوں اور نیتوں میں شبہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

یہ تو اس تعلق کا ایک پہلو تھا آیئے اب اس کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیں۔

اورنگ زیب، جیسا کہ مقدمہ میں لکھا گیا، شعر و شاعری سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا یا اس کے بارے میں کوئی زیادہ اچھی رائے نہیں رکھتا تھا اور آیت کریمہ کے مطابق اس کی اہمیت کا قائل نہ تھا یہی وجہ ہے کہ بیدل تمام تر تقریبی مناسبتوں کے باوجود اس کے دربار تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ اس کے باوجود محمد ساقی مستعد خاں کے بقول پند و نصائح سے متعلق اشعار اورنگ زیب کو بہت متاثر کرتے تھے۔

بہ قول خوشگو اورنگ زیب نے اپنے خطوط میں بیدل کے تین نہایت عمدہ اشعار نقل کئے ہیں۔ پہلا اعظم شاہ اور معظم شاہ کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خط اس آدمی کے جواب میں ہے جو اورنگ زیب سے مزید روپوں کی درخواست کر رہا تھا۔

بترس از آہ مظلو میکہ ہنگام دعا کردن — اجابت از در حق بہر استقبال می اید
من نمی گویم زیان کن یا بفکر سود باش — اے زفرصت بیخبر در ہرچہ باشی زو دباش
ترس و تواضع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں — آنچہ مادر کار داریم اکثری در کار نیست (۴۶۲)

یہ انتخاب کلام اورنگ زیب کے ذوق اور رجحان طبع کا نمائندہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح کرتا ہے کہ اس نے کم از کم بیدل کے دیوان کا مطالعہ کر کے پند و نصائح پر مشتمل اس کے عمدہ

اشعار کا ایک انتخاب تیار کیا تھا جن میں مذکورہ تین اشعار اس کے خطوط کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوئے۔
اس بنا پر کوئی تعجب نہیں اگر اورنگ زیب کے دل میں بیدل کا کوئی مقام رہا ہو اور وہ ان سے حسن ظن رکھتا ہو اگر چہ ان کا تعارف ان کی دوستی پر منتہی نہیں ہوا۔

اعظم شاہ:

اعظم شاہ کے دربار میں بیدل کی ملازمت پر بحث کے دوران ان دونوں کے تعلقات کی نوعیت پر تفصیلی بحث گذشتہ صفحات میں آچکی ہے، اس لئے اس کے تکرار کی ضرورت یہاں نہیں ہے۔ اس تعلق میں ایک توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ بیدل نے اپنے استعفانامہ میں اپنے استعفا اور بے نیازی کا اس طرح مظاہرہ کیا ہے کہ اعظم شاہ کا دل ایک عرصے تک مضطرب رہا اور اپنے چند خطوط کے ذریعہ اس نے بیدل سے ملازمت میں دوبارہ آنے پر اصرار کیا لیکن لگتا ہے اس نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ فقر و آزادی کا شیوہ ترک نہیں کرے گا مگر اس اندیشہ سے کہ کہیں شاہی عتاب کا شکار نہ ہو اس نے درج ذیل غزل لکھ کر بھیجی۔

اگر خور شید گردونم و گر گرد سر راہم — گدای حضرت شاہم، گدای حضرت شاہم

چاہے میں آسمان کا سورج ہو جاؤں یا گرد سر راہ ہو جاؤں بہرحال حضرت شاہ اعظم کا گدا ہوں۔

قبولی داشتم در بارگاہ عرض تعظیمش — کز اں کسب سعادت ہا کنوں مقبول

اس کی بارگاہ تعظیم میں مقبولیت حاصل تھی اس کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اب میں خدا کے یہاں بھی مقبول و محبوب ہوں۔

ز اقبال زمیں بوسش غنائی کردہ ام حاصل — کز انعام فلک جز عذر استغنا نمی خواہم

اس کے اقبال زمیں بوس سے میں نے غناء و بے نیازی حاصل کی ہے اب کے فلک کے انعام سے عذر استغنا کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔

زمیں گیری ندارد منع تسلیم حضورش — بخاک افتادہ ام اما ہماں چوں سایہ ہمراہم

زمیں گیری اور شرمساری مجھے اس کے حضور میں تسلیم بجالانے سے باز نہیں رکھتی اگر چہ خاک میں پڑا ہوا ہوں پر ٹھیک سائے کی طرح اس کے ہمراہ ہوں۔

سجودی می برم از دور خاک آستانش را — بآں قربیکہ نزدیکاں ہم از دور ند آگاہم

دور سے اس کے آستانے کی خاک کا سجدہ کرتا ہوں اس قربت سے آگاہ ہوں کہ قریبی لوگ

بھی دور والے ہوتے ہیں۔

چہ نزدیکی چہ دوری، بندگی باطل نمی گردد — فدائی بودم اکنون از دعا گو یاں درگاہم

کیا نزدیکی اور کیا دوری اس سے بندگی میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ کبھی میں فدائی تھا اب میں دربار کا دعا گو ہوں۔

ز ناکسی داماں نازی دادہ ام از کف — کہ می جوشد ز مژگاں چاکہا از دست کوتاہم

ناکسی و نااہلی کے سبب ناز کا دامن ہاتھ سے دیدیا ہے پلکوں کی طرح میرے دست کوتاہ سے چاک امانی جوش مار رہی ہے۔

جدا از آستاں دیگر چہ گویم چیستم بیدل — غمم، دردِ دلم، داغم، سرشکم، نالہ ام، آہم (۴۶۳)

اس آستانہ سے جدا ہو کر بیدل میں کیا ہوں کیا بتاؤں بس یہ سمجھو کہ غم ہوں، درد دل ہوں، داغ ہوں سرشک (آنسو) ہوں، نالہ ہوں اور آہ ہوں۔

غزل کا انداز بتا رہا ہے کہ اعظم شاہ کی طرف سے بیدل کے دل میں جو کدورت پیدا ہو گئی تھی وہ ختم نہ ہو سکی اور چونکہ اس کے عتاب کا اندیشہ اسے لاحق تھا اس لئے اس کدورت پر اس نے اپنی ظاہری ممنونیت و احسانمندی کا پردہ ڈال دیا۔ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں جنگ جانشینی میں اعظم شاہ کے قتل پر وہ کدورت علانیہ طور پر سامنے آئی۔ شکر اللہ خاں ثانی کے نام ایک خط میں بیدل اعظم شاہ کے بارے میں لکھتا ہے۔

بوہم دولت بیدار خوابہا دیدند — در آخر اعظم و بیدار بخت خوابیدند (۴۶۴)

دولت بیدار (اپنی حکومت) کے وہم کا خواب دیکھتے رہے آخر کار اعظم شاہ اور اس کا لڑکا بیدار بخت دونوں محو خواب ہو گئے اور جنگ میں کام آگئے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا بیدل نے اعظم شاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا تھا چنانچہ اس کا ایک شعر درج ذیل ہے۔

وارث صاحبقراں سلطان محمد اعظم آں — کز گل مدحش زبان دارد چمن در انجمن

صاحبقراں کا وارث سلطان محمد اعظم شاہ جس کی تعریف کے پھول سے زباں کو انجمن میں ایک چمن کی حیثیت حاصل ہے۔

شاہ عالم بہادر شاہ:

بیدل کا شاہ عالم بہادر شاہ سے تعارف اور تعلق ایسا نہیں ہے کہ اس کی بنا پر ان دونوں کو ایک دوسرے کا دوست کہہ سکیں لیکن خوشگو نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ

موصوف کو بیدل سے گہری ارادت تھی اور وہ اس کی غیر معمولی قدر کرتا تھا۔ لکھتا ہے:

''شاہ عالم بہادر شاہ بمنعم خانخانان اکثر فرمود کہ بمیرزا بیدل تکلیف نظم شاہنامہ کردہ شود۔ خانخانان کہ آشنای قدیم بود، پنج شش بار در کتابت نوشت۔ میرزا قبول نہ نمود عاقبت جوابی بدرشتی نگاشت۔ اگر خواہ مخواہ مزاج بادشاہ برین پلہ است، من فقیرم جنگ نمی توانم کرد۔ ترک ممالک محروسہ کردہ بولایت می روم۔'' (۴۶۵)

شاہ عالم بہادر شاہ منعم خانخاناں کو اکثر کہا کرتا تھا کہ مرزا بیدل کو شاہنامہ لکھنے کی ذمہ داری سونپو۔ خانخاناں نے جو بیدل کا قدیم دوست تھا پانچ چھ بار اس کو خط لکھا لیکن مرزا نے یہ ذمہ داری قبول نہ کی۔ آخر اس نے ایک سخت جواب لکھا: بادشاہ کا مزاج خواہ مخواہ اگر یہی طے کر چکا ہے تو میں فقیر آدمی ہوں جنگ کر نہیں سکتا۔ ممالک محروسہ کو ترک کر کے ولایت چلا جاتا ہوں۔

بہادر شاہ کا بیدل سے بار بار مغلیہ حکومت کا شاہنامہ لکھنے کا تقاضا واضح کرتا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ بیدل سے واقف تھا بلکہ وہ اس کے شاعرانہ ذوق، رجحان طبع اور استعداد و صلاحیت کا اس حد تک قایل تھا کہ دار الخلافہ کا کوئی اور شاعر اس کے خیال میں اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے اس سے زیادہ موزوں نہ تھا۔

دوسری طرف بیدل کا شاہنامہ نویسی لکھنے سے اجتناب کے لئے سخت جواب اس کی استغنا اور بے نیازی کی خصوصیت کو واضح کرتا ہے۔ لیکن تمام تر بے نیازی کے باوجود اس کے متعدد خطوط سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ اس (بادشاہ) کے ساتھ اس کے مخلصانہ تعلق تھے۔ ان خطوط میں جس کے اندر شکراللہ خان ثانی اور عاقل خاں مخاطب ہیں بیدل نے دو عظیم واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔ اول اعظم شاہ کا بہادر شاہ کے ہاتھوں قتل اور ثانی الذکر کی کامیابی اور کام بخش کا بہادر شاہ کے ہاتھوں قتل۔

ایسا لگتا ہے کہ اکبر آباد کے قریب اعظم شاہ اور بہادر شاہ کے درمیان جانشینی کی جنگ میں پہلی دفعہ میں اعظم شاہ کی فوج کا پلہ بھاری رہا اور بہادر شاہ کی فوج اضطراب اور بے چینی سے دوچار رہی۔ اس زمانے میں شکراللہ خاں کے تینوں صاحبزادے شکراللہ خاں ثانی، شاکر خاں اور عاقل خاں جو بیدل کے بہت ہی مخلص دوست تھے بہادر شاہ کی فوج میں اس کی طرف سے لڑ رہے تھے بیدل نے ان کو تسلی دی اور نصیحت کی کہ خدا کے فضل پر بھروسہ کریں۔ یہ خط شکراللہ خاں کے نام درج ذیل عنوان سے ہے۔

''شکراللہ خاں وقتی کہ در اکبرآباد عسرت احوال لشکر شاہ عالم معاینہ نمودند و شاکر خاں و عاقل خاں نیز باایشان بودند''۔ (۴۶۶)

شکراللہ خاں کو جبکہ اکبر آباد میں شاہ عالم کی فوج کی تنگی احوال کا معاینہ کیا اور شاکر خان اور

عاقل خاں بھی ان کے ساتھ تھے۔

پھر جب بہادر شاہ کی فوج اپنے حریف بھائی اعظم شاہ کی فوج پر غالب ہوئی اور اعظم شاہ اپنے بیٹے بیدار بخت کے ساتھ مارا گیا تو بیدل نے درج ذیل عنوان کے ساتھ پھر ایک خط لکھا:

''بہ شکراللہ خاں در عسرت کشتہ شدن اعظم شاہ و بیدار بخت''۔ (۴۶۷)

شکراللہ خاں کے نام اعظم شاہ اور بیدار بخت کے تنگی اور عسرت کی حالت میں قتل کئے جانے کی بابت۔

اور اس واقعہ سے عبرت لیتا ہوا کہتا ہے۔

دولت بیدار خوابہا۔ دیدند　　در آخر اعظم و بیدار بخت خوابیدند

دولت بیدار اور حکومت پائدار کا خواب دیکھا کئے آخر اعظم شاہ اور بیدار بخت دونوں اس جنگ میں کام آگئے۔

بہادر شاہ کی کامیابی اور فتح کی مناسبت سے ایک مبارکباد، جو مادۂ تاریخ پر مشتمل ہے عاقل خاں کی معرفت بھیجا۔ اس خط کا عنوان ہے۔

''بعاقل خاں...... مبارکباد فتح شاہ عالم بر اعظم شاہ و تاریخ جلوس''۔

این دو بیت، فقیر نیز دعا گوی بادشاہ دین پناہ است۔

معدلت انوار پادشاہ زمن　　بایں مربع اسرار دادہ اند نشان

شیون رافت یزداں، جلال قدرت شان　　ہماں خلیفۂ رحمان، معظم دوجہاں (۴۶۸)

عاقل خاں (شکراللہ خاں کے تیسرے بیٹے کرم اللہ خاں کا خطاب تھا جو اپنے نانا کے خطاب پر تھا) کے نام شاہ عالم کی اعظم شاہ پر فتح کی مبارکباد اور تاریخ جلوس کی بابت۔

ان دو اشعار کو پیش کر کے فقیر (بیدل) بھی بادشاہ دین پناہ کے لئے دعا کرتا ہے۔

زمانے کے بادشاہ کے جلوس معدلت انوار نے ان چار گونہ اسرار کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ شیون رافت یزداں
۲۔ جلال قدرت شان
۳۔ ہماں خلیفہ رحماں
۴۔ معظم دو جہاں

ان چاروں سے الگ الگ ۱۱۱۹ھ نکلتی ہے۔

اعظم شاہ کی شکست اور قتل اور بہادر شاہ کی فتح و کامیابی پر بیدل نے جس ردعمل کا اظہار کیا ہے

وہ ان کے ساتھ بیدل کے تعلقات کی نوعیت کو واضح کرتا ہے، پھر بھی دیگر احتمالات کو خارج از
نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ یعنی ممکن ہے بیدل ابن الوقت رہا ہو کہ جو آدمی بھی بر سر اقتدار آیا
تعریف وستائش کردی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بیدل کا مقصد شاہی عتاب کا شکار ہونے سے خود کو
جس کی غیر جانبدارانہ رویہ رکھنے پر سلاطین کی طرف سے امید کی جاتی ہے۔

دوسرا واقعہ کام بخش کے قتل سے وابستہ ہے۔ ۱۱۲۰ھ (۸-۱۷۰۷ء) میں بہادر شاہ کے
بھائی کام بخش نے جو بیجاپور کا صوبہ دار تھا بہادر شاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ بہادر شاہ
کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے حیدر آباد میں فوج کشی کی۔ اس زمانے میں بہادر شاہ کی فوج
خاں ثانی شامل تھا اور شاید وہ اضطراب اور پریشانی میں مبتلا تھا۔ بیدل نے نواب موصوف کے
ایک خط میں حیدر آباد میں فوج کشی سے متعلق توہمات کو دور کیا ہے۔ اس خط کا عنوان ہے۔ ''
خاں در دفع اوہام لشکر کشی ہا بحید ر آباد'' (۴۶۹) (شکر اللہ خاں کے نام حیدر آباد میں فوج کشی سے
اوہام کو دور کرنے سے متعلق) پھر جب کام بخش کام آگیا اور بہادر شاہ کامیابی کے ساتھ دہلی واپس
شاکر خاں کے نام ایک خط لکھا اس عنوان سے ''بشاکر خاں بعد از رسیدن شکر اللہ خاں از حیدر آباد
واتمام عافیت پس از فتح کام بخش۔'' (۴۷۰) شاکر خاں کے نام شکر اللہ خاں کے حیدر آباد سے
اور کام بخش پر فتح حاصل ہونے کے بعد عافیت کے اتمام کے بارے میں۔

بیدل نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے گویا کام بخش کے مارے جانے پر اسے
افسوس نہیں ہوا۔ شکر اللہ خاں ثانی کے نام دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے مرزا خسرو
کی معرفت شاہ عالم بہادر کو ''اکسیر احمر'' بھیجا تھا اور بادشاہ نے اسے شرف قبول سے نوازا۔ بیدل
دوبارہ اپنی خودساختہ دوائیں جیسے حب اعجاز، اکسیر احمر، اوجی اور رنجک شکر اللہ خاں کو بھیجیں اور ان
درخواست کی کہ جن دواؤں کو آپ مناسب سمجھیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کرسکتے ہیں۔ یہ
دوائیں ہیں لیکن بباطن دعائے مجسم ہیں جو اجابت سے بہت قریب ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ فقیر
شکل میں بادشاہ سلامت کی کوئی خدمت انجام دے سکیں۔

> ''مرجع تمنای بیدلاں! قبل ازیں بہ معرفت مرزا خسرو بیگ، قدری اکسیر احمر نیاز
> باریافتگان جناب تقدس انتساب پادشاہزادہ عالمیان مآب گردیدہ بود، بہ شرف قبول امتیاز
> یافتہ شد۔ بالفعل ازیں اشیاء مرسولہ آنچہ شایستہ پیشکش بارگاہ دانند از نظر اشرف بگذارند۔
> در معنی دعای مجسمی است در صورت دوا کہ اثرش با حصول اجابت مناسبتی قریب دارد، تا
> دریں کسوت فقرا نیز خدمت بجا آوردہ باشند۔'' (۴۷۱)

بیدل کا اپنی خودساختہ دواؤں کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے سے کیا مقصد تھا؟ خط کشیدہ
غور کرنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔ اگر ہم کہیں کہ بیدل کو شاہی عنایتوں اور
مراحم کی توقع تھی تو اس کا سب سے بہتر موقعہ وہ تھا جب اسے شاہنامہ نویسی کی ذمہ داری سونپی
تو اسے قبول کرلیتا لیکن جیسا کہ ہمیں معلوم ہے اس نے یہ پیشکش قبول نہ کی لہذا ہم مجبور
سے مخلصانہ روابط پر محمول کریں۔

...ندار شاہ:

جہاندار شاہ کی مدت حکومت سات مہینے چند دن ہے۔ ظاہر ہے اس مختصر مدت میں جبکہ سلطنت
مضبوط نہیں تھی، بیدل کے شاہ سے تعلقات کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ قطعات
سے معلوم ہوتا ہے جہاندار شاہ کی اپنے بھائیوں کے ساتھ جانشینی کی جنگ میں شکر اللہ خاں
ندار شاہ کی طرف تھا۔ اس جنگ میں کامیابی کی مناسبت سے ایک تبریکنامہ شکر اللہ خاں ثانی کی
نے جہاندار شاہ کو روانہ کیا جو درج ذیل ہے۔

بباَل اے دل کہ شکر اللہ خان را   مدد کرد از جہاں کبریا فتح

اے دل! اس بات پر فخر کر کہ جہاں کبریا نے شکر اللہ خاں کی فتح میں مدد کی۔

در آں شور قیامت منتظر بود   کہ با عزمش نماید اقتدا فتح

قیامت کے اس شور وہنگامے میں وہ اس امر کا منتظر تھا کہ فتح اس کے عزم وارادے کی اقتدا کرے۔

چو خورشید از بلندیہای اقبال   نمودش صاحب کوس و لوا فتح

اس کے اقبال کی بدولت خورشید کی طرح صاحب کوس ولوا (جھنڈے اور نقارے والے مراد
نے اسے فتح کی راہ دکھائی۔

عیار سال تاریخش گرفتم   دو مصرع ہمعناں گل کرد با فتح

اس کے سال تاریخ کو جب معیار ومحک بنایا تو فتح کے ساتھ دو مصرع ساتھ ساتھ صفحہ ذہن
...ے۔

برآمد آفتاب از برقع جود   مبارکباد جہد صالح مرحبا فتح (۱۱۲۴ھ)

آفتاب برقع جود سے باہر نکلا صالح اور نیک مساعی پر مبارکباد ہو کیا پوچھنا اس فتح کا۔

علاوہ ازیں شکر اللہ خاں ثانی کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاندار شاہ نے
...ف کو حکم دیا تھا کہ ندیم کی شکل میں وہ اس کے پاس بیٹھا کرے .... یہ اجازت بھی دی

تھی کہ وہ حرم سرا کے اندر آمد و رفت رکھ سکتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نواب موصوف اس کے خاص معتمدوں کی صف میں شامل تھا۔ اس کے باوجود نواب نے بیدل سے مشورہ کیا اور بیدل نے جواب دیا:

''مایہ تعظیم عرفا برتر ازاں است کہ شاہاں آرزوی مجالست شاں نمایند۔ و بآں وسیلہ چشم بر حقیقت غنای مطلق کشایند نشہ بی نفسی مقتضی آن نیست کہ بسلک اعتبار اعیاں پرداز دوخود را مقید سلسلہ اعتبار سازد۔'' (۴۷۳)

عارفوں کی تعظیم کا سرمایہ اس سے کہیں برتر ہے کہ سلاطین ان کی ہم نشینی کی تمنا کریں و اس کے ذریعہ غنای مطلق کی حقیقت پر اپنی آنکھیں وا کریں۔ نشہ بے نفسی، اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ اعتبار اعیان کے سلک سے وابستہ ہوں اور خود کو سلسلہ اعتبار کا پابند بنائیں (یعنی ندیمی کی دعوت قبول کریں۔)

یہاں بیدل کا لہجہ بتاتا ہے کہ جہاندار شاہ کے بارے میں اس کا خیال کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا۔

جناب غلام حسن مجددی لکھتے ہیں کہ نئے بادشاہ جہاندار شاہ کی تاجپوشی پر بیدل نے ایک رباعی کہی اور اس کی تعریف کی ہے جس کا ایک مقطع یہاں ذکر کیا جاتا ہے جس میں چار منتخب مادہ تاریخ ہیں۔

نص شرف، شاہ زماں نجم الہدی، فیض ملک   کشور کشا، موسی عصا، گیتی ستاں، جم نگیں

لیکن راقم السطور کو یہ شعر ایک قصیدے میں ملا جو فرخ سیر کی تعریف اور اس کی تاجپوشی کی تقریب میں کہا گیا ہے۔

فرخ سیر:

فرخ سیر کے ساتھ بیدل کے روابط دوسرے مغل سلاطین کی بہ نسبت مخلصانہ اور خوشگوار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ بہ قول خوشگو تخت شاہی پر جلوہ آرا ہونے کے بعد فرخ سیر نے بیدل کی غائبانہ مزاج پرسی کی اور جب اسے اندازہ ہو گیا کہ بیدل ملاقات کے لئے دربار میں حاضری دینے سے پہلوتہی کرتا ہے تو دو ہزار روپے نقد اور ایک زنجیر ہاتھی اس کو پیشکش کے طور پر بھیجا۔ روپیہ تو اسے مل گیا لیکن ہاتھی لانے کے لئے کوئی آدمی بیدل کا نہیں جاسکا اس لئے فرخ سیر کے نوکر اسے ہضم کر گئے۔ (۴۷۴)

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ بیدل نے دربار میں حاضری دینے سے اپنی بے نیازی کا اظہار کیا فرخ سیر اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جبکہ جانے کتنے شہزادے، نواب اور دوسرے حضرات اس کے عتاب کے شکار ہو کر یا قید ہوئے یا جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کو بہت پہلے سے بیدل سے ارادت تھی اس لئے کچھ بعید نہیں شاد عظیم آبادی نے اس کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے درست ہو اگرچہ کہیں سے اس کی توثیق نہیں ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان کے ہمعصر بادشاہ فرخ سیر نے ان کے اشعار کے انتخابات اپنے ہاتھ سے بیاض میں اور اکثر رقعوں اور احکام میں بطور ضرب المثل کے لکھے۔'' (۴۷۵)

شاید انہیں جذبات و تاثرات کی بنیاد پر بیدل نے اس کی تاجپوشی کی تقریب میں ایک مبالغہ آمیز قصیدہ کہا ہے جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

تیغ جہاندار زمن روزی کہ شد برق آفریں   اقبال قیصر دست شست از زہرہ تا خاقان چیں

زمانے کے بادشاہ کی تلوار جس دن بجلی کی طرح کوندی قیصر کا اقبال زہرہ سے لے کر خاقان چین تک رخصت ہو گیا۔

شاہی کہ پیش شوکتش پست است لاف سرکشاں   گر پشہ او دم زند بر کوہ بر بندد طنیں

ایسا بادشاہ ہے کہ جس کی شان و شوکت کے سامنے بڑے بڑے سرکش سلاطین کی ساری طمطراق کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر اس کا مچھر بھی بھنبھنائے تو پہاڑ پر اپنی آواز کی چھاپ لگادے۔

عدلش سپہر معدلت جودش محیط مکرمت   ذاتش بقائے مملکت، نامش جہاں بخش نگیں

اس کا عدل و انصاف سپہر معدلت ہے اس کا جود و کرم محیط مکرمت ہے۔ اس کی ذات سے ملک کی بقا وابستہ ہے اس کا نام نگیں کو دنیا بخشنے والا ہے۔

اخلاق ایں شاہ جہاں یکسو بہشت انشاء کن است   حرفی ز خلقش یاد کن در زیر چتر گل نشیں

اس بادشاہ کے اخلاق سراسر بہشت آفریں ہیں اس کے اخلاق کی بات یاد کرو اور اس کی چھتری کے نیچے بیٹھو۔

غیر از خضوع بندگی باطل حق کفر ست بس   آہ از نگوں بختی کز و در سینہ دزد د بوی کیں

اس ''سایہ خدا'' کے سامنے بندگی سے جھکنے کے سوا اور کوئی راستہ اپنانا کفر ہے۔ وہ آدمی کتنا بد نصیب ہے جو اس کی طرف سے سینے میں کینہ وعداوت رکھے۔

از ہیبت اقبال او گردن کشان نامور   خفتند در خاک سیہ افتند در زیر زمیں

اس کے اقبال کی دہشت سے نامور سلاطین بھی خاک سیاہ میں گر کر محو خواب ہو گئے۔

در عرصہ گاہ کاف و نون از دور آدم تا کنوں   روشن نہ شد زین امتداد آئینہ فتح مبیں

کاف و نون (کن) کی عرصہ گاہ (دنیا) میں آدم کے عہد سے لے کر آج تک اتنی طویل مدت میں کوئی آئینہ فتح مبیں روشن نہ ہوا۔

بودم من بی پا و سر واماندۂ عرض ہنر   از انفعال ناکسی در کنج دل حیرت مکیں

میں بے سروپا عرض ہنر سے تھکا ہارا اپنی ناکسی و نااہلی کی شرم سے گوشہ دل میں حیرت کا پتلا بنا ہوا تھا۔

آمد بہ تسلیم ادب بہر نثار حضرتش　　　ایں بیت از علم ازل با چار تاریخ گزین

تسلیم ادب کے طور پر ان کی بارگاہ میں نچھاور کرنے کے لئے درج ذیل شعر علم ازل سے چار عمدہ تاریخوں کو ساتھ لے کر آیا۔

نص شرف، شاہ زماں، نجم الہدیٰ فیض ملک　　　کشور کشا، موسیٰ عصا، گیتی ستاں، جم نگیں

(۱۱۲۴ھ)(۴۷۸)

قصیدہ اور صلہ میں سے کون سی چیز پہلے وجود میں آئی اس کی کوئی سند ہمارے پاس نہیں ہے اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا محرکات تھیں جس نے بیدل کو اس قدر مبالغہ آمیز قصیدہ کہنے پر مجبور کیا۔ اشعار خصوصاً خط کشیدہ اشعار اس کے درج ذیل دعویٰ سے بھی کوئی ربط نہیں رکھتے ہیں۔

بیدل ما را ہرزہ درائی شاں نیست　　　مدح امیر و ستایش سلطاں نیست
زین است کلامیکہ زما می شنوی　　　غیر از ایثار خدمت یاراں نیست(۴۷۹)

بیدل بیہودہ گوئی ہماری شان نہیں ہے بادشاہ و امراء کی تعریف و ستائش ہمارا اصول نہیں ہے اسی وجہ سے میرا کلام جو تم سنتے ہو دوستوں کی خدمت میں ایثار کے سوا کچھ نہیں ہے۔

فرخ سیر کی مدت سلطنت لگ بھگ سات سال ہے۔ اس عرصہ میں بیدل نے مختلف مناسبتوں سے جو تاریخی مبارکبادی اور قطعے کہے ہیں ان میں ایک مبارکبار نامہ وہ ہے جو راجہ اجیت سنگھ کی لڑکی سے اس کی شادی کی تقریب پر اس نے کہا تھا اس کے چند اشعار جو مبالغہ آمیز تعریف پر مشتمل ہیں درج ذیل ہیں:

شہ فرخ سیر خورشید تحقیق　　　جہاں معدلت معراج آداب

خورشید صفت فرخ سیر بادشاہ جو سراپا جہاں عدل و انصاف اور روح ادب ہے۔

فلک قدری باقبالش مسلم　　　شہنشاہی بذات او شرفیاب

اس کے اقبال کی بدولت آسمان کا پایہ بلند مسلم ہے اور اس کی ذات سے شاہنشاہی کو شرف و بزرگی حاصل ہے۔

بعقد آورد مکنوں گوہری را　　　کہ شد از رشک آں مہ بر فلک آب (۴۸۰)

ایک ایسے پوشیدہ موتی کو اس نے اپنے رشتہ میں پرو دیا (شادی کی) کہ جس کے رشک سے چاند بھی آسماں پر پانی پانی ہو گیا ہے۔

۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء میں سادات بارہہ نے اسے تخت سے اتار کر پہلے قید کیا پھر مار ڈالا۔ اس مناسبت سے بیدل نے ایک رباعی کہی جو اس کے حزن و غم کی ترجمان ہے۔

که چه با شاه گرامی کردند　　　صد جور و جفا از ره خامی کردند
چو از خرد بجستم فرمود　　　سادات بوی نمک حرامی کردند(۴۸۱)

سادات نے شاہ گرامی قدر پر جو مظالم ڈھائے تم نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا، عقل سے جب اس کی تاریخ کا طلب گار ہوا تو اس نے کہا: سادات نے اس کے ساتھ نمک حرامی کی۔

یہاں توجہ طلب امر یہ ہے کہ بیدل کے فرخ سیر کی بہ نسبت سادات سے زیادہ اچھے روابط تھے پھر بھی اس نے سادات کے کردار پر تنقید کی اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ فرخ سیر کے ساتھ ان کے روابط زیادہ مخلصانہ تھے۔

✪✪✪

نواب اور امراء

بیدل کے بعض نوابوں اور امیروں سے روابط عام دوستی کی سطح سے بہت اوپر اٹھ چکے تھے۔ بیشتر معاصر وغیر معاصر تذکرہ نگاروں نے امراء کی بیدل سے ارادت وعقیدت کا تذکرہ کیا ہے علاوہ ازیں اس کے رقعات کی بڑی تعداد نوابوں کے نام ہے۔ اس کے دور آخر کے ایک تذکرہ نگار آزاد بلگرامی لکھتے ہیں

"چوں مرزا خود را از در اغنیاء کشید، حق تعالیٰ امراء عصر را بر آستان او فرستاد۔ از اواخر عہد خلد مکاں، تا اوائل جلوس فردوس آرامگاہ محمد شاہ ارکان ہر سلطنت بخدمت اومی رسیدند۔ و مراتب نیاز بہ تقدیم می رسانیدند۔" (۴۸۲)

مرزا (بیدل) نے امراء اور رؤسا کے آستانے سے خود کو دور رکھا اس لئے خدائے تعالیٰ نے امراء عصر کو خود ان کے آستانے پر پہونچا دیا۔ خلد مکاں (اورنگ زیب) کے عہد کے اواخر سے لے کر فردوس آرامگاہ محمد شاہ کے جلوس کے اوائل تک ارکان سلطنت اس کی خدمت میں پہنچتے اور نیاز مندی کا اظہار کرتے رہے۔

بیدل کے ایک معاصر تذکرہ نگار سراج الدین علی خاں آرزو لکھتے ہیں:

"امراء وعمدہ ہارا حق سبحانہ تعالیٰ بر در او فرستاد۔"

خدائے تعالیٰ نے امرا اور اعلیٰ افسران کو اس کے آستانے پر پہونچا دیا بیدل کا ایک شاگرد بندرابن داس خوشگو لکھتا ہے:

"نواب قطب الملک سید عبداللہ خاں بارہہ وزیر اعظم بادشاہ و نواب نظام الملک آصف جاہ کہ وکیل مطلق بود از دوستاں ایشاں است .... و دیگر اکثر خورد و بزرگ شہر سرشام بخدمتش می رفتند وانواع فیضہا می داشتند۔" (۴۸۴)

بادشاہ کے وزیر اعظم قطب الملک نواب سید عبداللہ خاں بارہہ اور نواب نظام الملک آصف جاہ جو ہندوستان کے وکیل مطلق ہیں ان کے احباب کے زمرے میں داخل ہیں۔ ان کے علاوہ شہر کے دیگر چھوٹے بڑے حضرات بھی سرشام ان کی خدمت میں آتے اور طرح طرح کے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

ان بیانات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ بیدل کا اپنے عہد کے امراء اور افسران بالا سے تعلق اس کی زندگی کا ایک اہم باب ہے۔

عاقل خاں رازی:

رقعات کا بہ غور مطالعہ واضح کرتا ہے کہ بیدل کا سابقہ سب سے پہلے نواب عاقل خاں رازی سے پڑا۔ جیسا کہ حالات کے ضمن میں گذرا۔ رازی کا تعلق خراسان کے سادات اخواف سے تھا۔ اورنگ زیب کا جن دنوں دکن کے صوبہ دار کی حیثیت سے وہاں قیام تھا، رازی بخشی دوم کے عہدے پر فائز ہو کر اس کے ہمراہ تھا اور اس کے ہاتھوں بہت سے کارہائے نمایاں انجام پائے (۴۸۵) اس کے عہدوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۰۶۸ھ/۱۶۵۴ء حارس قلعہ دولت آباد
۱۰۶۹/۱۶۵۸ شاہزادہ معظم کے رکاب میں
۱۰۷۲/۱۶۶۱ عہدے سے سبکدوشی کی درخواست اور ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ کی تعیین
۱۰۷۴/۱۶۶۳ دہلی میں غسلخانہ کے داروغہ
۱۰۷۷/۱۶۶۶ منصب دو ہزاری پانچ سو سات ہزاری کے عہدے پر فائز
۱۰۷۸/۱۶۶۷ داروغہ ڈاک چوکی
۱۰۷۹/۱۶۶۸ سبکدوشی
۱۰۸۶/۱۶۷۵ سبکدوشی کے عالم میں وظیفہ دو ہزار روپیہ سالانہ
۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء بخشیگیری تن
۱۰۹۱/۱۶۸۰ ناظم صوبہ دار الخلافہ دہلی
۱۱۰۸/۱۶۹۶ وفات (۴۸۶)

بیدل کی نواب موصوف سے ملاقات کی تفصیل گذر چکی ہے یہاں صرف ملاقات کی نوعیت پر تھوڑی سی روشنی ڈالی جائے گی۔

رقعات میں نواب عاقل خاں کے نام بیدل کے نو خطوط ملتے ہیں۔ ان کے مضامین کے بہ غور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے بیدل کے ۱۰۷۶ء میں ان سے رابطہ قائم ہونے کے بعد جبکہ رازی دہلی میں داروغہ غسلخانہ کے عہدے پر فائز تھے۔ دونوں کے تعلقات آئے دن بہتر اور وسیع تر ہوتے گئے حتیٰ کہ ان کے گھر کے تمام افراد تک اس کا دائرہ پھیل گیا۔ ان روابط کے کئی پہلو تھے ان میں معنوی اور ادبی

پہلو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

۱۰۷۸ھ میں اپنی پہلی مثنوی ''محیط اعظم'' ان کی خدمت میں پیش کیا اس کے بعد اپنی دوسری مثنویاں ''طلسم حیرت'' جسے ۱۰۸۰ھ میں لکھی اور ''طور معرفت'' جسے لگ بھگ ۱۰۹۹ھ میں لکھی ان کو ہدیے کے طور پر بھیجیں۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دونوں کے درمیان ادبی مسائل پر تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری تھا۔ رازی جو شاعرانہ ذوق رکھنے کے علاوہ تنقیدی شعور کا بھی حامل تھا بیدل کے کلام کا بہترین ناقد تھا اس بنا پر بیدل کی ادبی شاہکار کی تخلیق اور اس کی حوصلہ افزائی میں اس نے اہم رول ادا کیا ہے خوشگو لکھتا ہے:

''ہرگاہ شعر میرزا را احسنت وتحسین فرمود، مرزا برمی خاست وتسلیم بجامی آورد''۔ (۴۸۷)

جب کبھی وہ بیدل کے کلام کی داد دیتا مرزا اٹھ کر تسلیم بجالاتا تھا۔ خوشگو مزید لکھتا ہے: تسلیم بجالانے سے بیدل کا مقصد رازی کے روحانی مقام و مرتبے کا احترام دکھانا تھا۔ خوشگو کا مزید قول ہے کہ بیدل نے تصوف سے متعلق جن افکار و خیالات کا اظہار اپنے کلام میں کیا ہے وہ در حقیقت عاقل خاں رازی کی صحبت سے استفادے کا نتیجہ تھے (۴۸۸)۔ یہ بیان نہ صرف مبالغہ آرائی پر مبنی ہے بلکہ خلاف واقعہ بھی ہے کیونکہ بیدل کے تفصیلی حالات بتاتے ہیں کہ تصوف کا سارا مصالحہ اس نے ... روحانی اساتذہ کی خدمت میں اور صوفیا کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کیا تھا چنانچہ خود کو ان ''خورشید نگاہ حضرات'' کا ممنون اور مرہون قرار دیتا ہے۔

عاقل خاں رازی سے بیدل کے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں بیدل کے رقعات اور قطعات سے دو اہم نکتے سامنے آتے ہیں اول یہ کہ بیدل بڑی حد تک ان کے ناقدانہ شعور اور شاعرانہ ذوق کا قائل تھا۔ اس نے طلسم حیرت کا ایک نسخہ اسے پیش کیا تھا۔ رازی نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے تحسین آمیز کلمات لکھے۔ بیدل نے شکریہ کے ایک خط میں جواباً لکھا:

''فیض اندوز معنی کہ طبع تجلی شہودش بہ پسندد و سعادت عنوان کلامی کہ بہ تحسین زباں حق ترجمان پیوندد۔'' (۴۸۹)

وہ ''معنی'' فیض اندوز ہے جس کو جناب عالی کی طبع تجلی شہود پسند کرے اور وہ کلام سعادت عنوان ہے جس کی جناب عالی کی زبان حق ترجمان تحسین کرے۔

اسی طرح محیط اعظم بھیجتے وقت ایک خط میں لکھتا ہے:

''حصول سعادت این اشعار موقوف ورود دولتی است کہ بہ منظور مطالعہ تو اندگردانید و عروج رتبہ ایں افکار وابستہ زماں سعادتی کہ بقبول اصغا تو اندرسانید۔'' (۴۹۰)

ان اشعار کی سعادت کا حصول اس دولت (خط) کی آمد پر موقوف ہے جو مطالعہ کے بعد کیا جائے اور ان افکار کا عروج مرتبہ اس زمانہ سعادت سے وابستہ ہے جب اس پر توجہ فرمائی جائے۔

اور ''طور معرفت'' کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اگر در جناب خلد انتساب بقبول برگ سبزی بیرز گلدستہ آرای یک عالم فرق افتخار است واگر بہ آبیاری نگاہ مرحمت ریشہ واری قابل نمود گردد طوبی اعتبار۔'' (۴۹۱)

اگر خلد انتساب نواب کی بارگاہ میں یہ حقیر تحفہ قبول کئے جانے کا اہل ہے تو ایک جہاں فرق کے لئے وہ گلدستہ آرا ثابت ہوگا اور اگر نگاہ مرحمت کی آبیاری سے ریشے کی طرح قابل نمائش ہوتا ہے تو طوبی جیسی عزت واعتبار کا حامل ہوگا۔

گویا رازی کا شاعرانہ ذوق بیدل کے نزدیک کسی ادب پارہ کی خوبی و خامی کی پرکھ کا معیار تھا۔

ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم رازی کے ذوق سلیم کے بابت لکھتے ہیں:

''ان بھاری مصروفیات کے باوجود رازی نے نظم ونثر میں جو ممتاز تصانیف چھوڑی ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شعر وادب سے انہیں والہانہ وابستگی تھی۔ تصوف کے رموز پر بھی ان کی گہری نظر تھی ان کا شمار مثنوی معنوی کے بہترین مفسروں میں ہوتا تھا۔'' (۴۹۲)

ایک غزل میں بھی عاقل خاں رازی کی تصوف سے دلچسپی اور خصوصیت سے مثنوی کی شرح کی بنا پر اسے صاحب اسرار توحید سے خطاب کیا ہے۔

صبح شوای شب کہ خورشید من اکنوں میرسد	عید مردم گو برو عید من اکنون میرسد
بعد از نیم بیدماغ یاس نتوان زیستن	دستگاہ عیش جاوید من اکنون میرسد
میروم در سایہ اش بنشینم و ساغر کشم	نونہال باغ امید من اکنون میرسد
آرزو خواہد کلاہ ناز بر گردون فگند	جام می در دست جمشید من اکنون میرسد
رفع خواہد گشت (بیدل) شبہہ وہم دوئی	''صاحب اسرار توحید'' من اکنون میرسد

علاوہ ازیں بیدل نے اپنے قطعوں میں خاں موصوف کو ''حضرت انسان'' ''قدوۂ انسان'' تکیہ گاہ صاحب عرفان'' اور ''پیوندن سخن سنجاں'' وغیرہ خطاب والقاب سے یاد کیا ہے جو ان کے انسانی ادبی مقام و مرتبے کو واضح کرتے ہیں۔

اے بغفلت خفتگاں نور نظر سامان کنید	حق شناسی را چراغ دیدہ ایماں کنید

اے غفلت کی نیند میں مدہوش لوگو! نور نظر کا سامان پیدا کرو اور حق شناسی کو دیدہ ایماں کا چراغ بناؤ۔

طواف خانہ گر مقصود صاحب خانہ نیست   سر بدیواری زنید و کعبہ ہا ویراں کنید

گھر کے طواف سے مقصد اگر صاحب خانہ نہیں ہے تو سر دیوار سے ٹکراؤ اور کعبہ کو ویراں کرد۔

مدعا اینست کہ اے بیدا نشاں جہل کیش   دیدہ بکشائید و طوف حضرت انساں کنید

ارے ناسمجھو مقصد یہ ہے کہ آنکھیں کھولو اور ''حضرت انسان'' کا طواف کرو۔

فاش تر گوئیم اگر توفیق بخشد یاوری   سجدہ ای نذر جناب فیض عاقل خاں کنید

میں اور واضح الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ اگر خدا توفیق دے تو ایک سجدہ جناب فیض مآب عاقل خان کی نذر کرو۔

خاک آں درگاہ اکسیر بہار دیگر است   جسم اگر افسردہ است آنجا برید و جاں کنید

اس درگاہ کی خاک بھی دوسری بہار کے لئے اکسیر ہے، جسم اگر افسردہ ہو جائے تو وہاں جاکر اسے تازہ کرو۔

ہمتم صرف دعای دولت جاوید اوست   ای ملایک بر من از آمین کنوں احساں کنید

میری ہمت اس کی اقبال جاوید کی دعا میں مصروف ہے اے فرشتو! آمین کہہ کر مجھ پر احسان کرو۔

ان اشعار میں بیدل نے شاید عاقل خاں رازی کے مخالفوں کو خطاب کیا ہے۔ نورالحسن انصاری مآثر عالمگیری ص ۱۹۵ اور ید بیضا ص ۱۰۳ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سرخوش کے ایک ہجو یہ قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸-۱۰۹۷ھ/ ۸۷-۱۶۸۵ء میں انہیں اضافہ ہزاری ملا تھا۔'' (۴۹۴)

اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ سرخوش رازی کے ہجو گویوں میں تھا اور بیدل کا روئے سخن اس کی اور اس کے ہم مسلکوں کی طرف ہوسکتا ہے۔ خوشگو لکھتا ہے:

''خودرا یکی از اغواث واقطاب زمانہ می دانست۔'' (۴۹۵)

رازی خود کو اپنے زمانے کا غوث اور قطب سمجھتا تھا۔ یہ بیان بھی اسی قسم کے رجحان طبع کی نشاندہی کرتا ہے۔ بیدل نے اپنے تمام تر زور قلم سے رازی کا دفاع کیا ہے۔ عاقل خاں کے نام ایک خط میں لکھتا ہے کہ آپ کی انسان دوستی اور مردم نوازی کی بنا پر آپ سے درخواست ہے کہ شیخ علاؤالدین متوکل نام کے ایک شخص کی فریاد رسی کریں جو کنارہ گیری کے باوجود ناسازگار حالات سے دوچار ہے:

''وسعت آغوشی درہای رحمت جرأت آموز قطرہ بیدست و پا می گردد کہ شیخ علاؤالدین متوکل بعلت بی انصافی شرکا، باوجود شق انزوا، مصدر تعب وتشویش کلی است۔ اگر حسب الامر

منسوبی از آستان معدلت آشیاں، با طلاع احوال موی الیہ، فاروق حق و باطل گردد، مراحمیکہ سایہ افگن مفارق غرباست بعید نخواہد بود۔'' (۴۹۶)

رحمت کے دروں کی کشادہ آغوشی بیدست و پا قطرہ کے لئے جرأت آموز ہے کہ شیخ علاؤالدین متوکل شرکا کی بے انصافی کے سبب گوشہ گیری کی ریاضت کے باوجود مکمل طور پر مشقتوں سے گھرا ہوا ہے۔ اگر حسب حکم آستانہ معدلت آشیاں سے تعلق رکھنے والا کوئی مخلص موصوف کے حالات کی اطلاع دے کر حق و باطل میں فرق کر دے تو ان مراحم سے جو غرباء کی پیشانیوں پر سایہ فگن ہو بعید نہ ہوگا۔

ان باتوں کے علاوہ ان کے تعلقات کا ایک سماجی اور حمایتی پہلو بھی تھا۔ ایک خط میں بیدل نے ان کی سرپرستی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''پرتو آثار ربوبیت، دامن التفات بہ کیفیتی معطوف ندارد کہ جز وضع عبودیت از خجلت حق گذاری می تواں برآمد۔'' (۴۹۷)

آثار پرورش کا پرتو دامن التفات کو ایسی کیفیت کی طرف متوجہ نہیں کرتا ہے کہ شیوہ بندگی کے سوائے کسی اور طریقہ سے حق گذاری کی شرم سے عہدہ برآ ہوسکتا۔

۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ عیسوی میں رازی نے ملازمت سے کنارہ کشی کر لی ۱۰۸۶ھ ۱۶۷۵ء تک یہی صورت حال رہی۔ کنارہ کشی کے دوران بارہ ہزار روپیہ سالانہ انکا وظیفہ مقرر رہوا۔ ایک دوسرے خط میں جس کا عنوان ہے ''از طلب سواری وعذر انزوا بعاقل خاں'' بیدل نے ایک رباعی کے ذریعہ یہ واضح کیا ہے کہ گوشہ نشینی اگر خدائے تعالیٰ کی طرف زیادہ انہماک کی وجہ سے ہے تو سمجھنا چاہئے کہ عقلمند خواہ خلوت میں ہو خواہ جلوت میں حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہر حال میں متوجہ رہتا ہے اور اس سے غافل و بے خبر نہیں رہتا ہے۔

تہمت کمین غفلت نمی شود   یعنی در بزم محو خلوت نمی شود

تاکی خواہی نظر ز عالم بستن   کثرت بہ تکلف تو وحدت نمی شود (۴۹۸)

عقلمند آدمی پر کبھی بھی غفلت کے گھات میں بیٹھنے کا الزام نہیں لگتا ہے۔ یعنی بزم میں محو خلوت نہیں ہوتا ہے۔ دنیا سے کب تک آنکھیں بند رکھنی چاہتے ہو کثرت تیرے تکلف سے وحدت نہیں بن جائے گی۔

دوسرے خطوط میں عاقل خاں رازی کے داماد شکر اللہ خاں کے ذوق طبع اور اخلاق حمیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ (۴۹۹)

۱۱۰۸ھ ۱۶۹۶ء میں رازی نے دنیا سے کوچ کیا۔ اس کی وفات حسرت آیات کی مناسبت سے

بیدل نے ایک مرثیہ کہا جس میں اس نے اپنے غم انگیز جذبات کا جس طرح اظہار کیا ہے اس سے ان کے تعلقات کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے۔

وای پیوند سخن سنجاں نماند — تکیہ گاہ صاحب عرفان نماند

ہائے افسوس سخن سنجوں کا سرپرست اور صوفیوں کی تکیہ گاہ نہ رہا۔

رفت از آفاق لطف عدل و داد — برکت دین، قدوۂ انسان نماند

دنیا سے عدل وانصاف کا لطف جاتا رہا دین کی برکت اور انسان کا پیشوا رخصت ہوگیا۔

قطب اقطاب حقایق بار بست — سالکی در کشور امکاں نماند

حقائق کا قطب الاقطاب بوریا بستر باندھ کر راہی عدم ہوا کشور امکان میں اب کوئی سالک زندہ نہ رہا۔

مجمع استاد بی شیرازہ شد — رابط اقلیم ہندوستان نماند

استاد کا مجمع بکھر گیا ملک ہندوستان کو جوڑ کر رکھنے والا اب نہ رہا۔

ہادی انوار لطف از دیدہ رفت — مہدی جمجاہ عاقل خاں نماند (۵۰۰)

انوار لطف کا ہادی آنکھ سے جاتا رہا۔ مہدی جمجاہ عاقل خاں نہیں رہا۔ (۱۱۰۸ھ)

شکر اللہ خاں خاکسار:

نواب شکر اللہ متخلص بہ خاکسار کا تعلق سادات خواف سے تھا وہ عاقل خاں رازی کا داماد تھا۔ بہ قول شیر خاں لودی، نواب موصوف بہت سے ظاہری اور معنوی کمالات کے حامل تھے۔ ''نگاہ حق گوش حق نیوش، خاطر حقیقت زا اور سینہ معرفت خیز'' ان کی چند نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کی تصانیف میں ایک شرح مثنوی مولانا روم ہے۔ جس میں بہت سے عارفانہ نکات کو انہوں نے ایسے انداز میں بیان کیا ہے جو عام سمجھ سے باہر ہیں۔ خاکسار شاعرانہ ذوق کے بھی حامل تھے۔ انکا کلام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی شاعری کا انداز نہایت شیریں اور دلکش ہے۔ (۵۰۱)

بقول ڈاکٹر نورالحسن انصاری خاکسار کے غیر مرتب کلام کا ایک مجموعہ بانکی پور پٹنہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کا بڑا حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ جس میں تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں بھی شامل ہیں۔ صاحب مخزن الغرائب کے مطابق بے لطف ہیں۔ ڈاکٹر انصاری مزید لکھتے ہیں۔

خاکسار ایک جامع شخصیت کے مالک تھے ان کا ذوق تصوف بہت رچا ہوا تھا جیسا کہ ان کی شرح مثنوی سے معلوم ہوتا ہے، نقد ادب کا ان میں غیر معمولی ملکہ تھا۔ ناصر علی کی شاعری کے بارے

میں ان کا ایک خط اوپر درج کیا جاچکا ہے یہاں دوسرا خط پیش کیا جاتا ہے یہ اور بھی اہم ہے اس میں خاکسار نے حسن معنی اور خوبی شعر کے باہمی رشتے کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہتے ہیں:

''فرق در حسن معنی وخوبی سخن کردن بسیار مشکل است وباز خوبی سخن را بر حسن معنی ترجیح دادن خیلی قوای ممیزہ می خواہد۔ حسن معنی از خوبی سخن است وخوبی سخن از حسن معنی۔ خوبی سخن کہ عبارت از عبارات شیریں والفاظ رنگیں واستعارات نمکیں واشارہ خوش آئیں باشد ایں ہمہ از حسن معنی است زیرا کہ بہ ضبط کلام وتناسب الفاظ واستعارہ واشارہ بہ اعتبار معنی می باشد نہ باعتبار الفاظ محض قصد ازیں عبارت ایں خواہد بود کہ مطالب اعلی اگر بہ الفاظ نامناسب بیان شود لطفی ندارد۔ پس دریں صورت ظہور ایں معنی نقصان شد کہ چنانچہ شاید بہ اظہار نرسد۔ اگر معنی عالی بہ الفاظ زبوں بہ معرض بیان آید اور احسن معنی نمی تواں گفت۔ چہ حسن خاصہ صورت است وصورت معنی الفاظ است۔ ہرگاہ لفظ زبوں باشد اطلاق حسن بر او چہ طور درست آید؟ ہمیں قسم اگر الفاظ خوب بر مطلب سہل مشتمل گردد خوبی سخن نتواں نام کرد'' (۵۰۳)

''حسن معنی'' اور ''خوبی سخن'' میں امتیاز کرنا بہت مشکل کام ہے، پھر خوبی سخن کو حسن معنی پر ترجیح دینا غیر معمولی صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ حسن معنیٰ سخن کی خوبی سے ہے اور خوبی سخن حسن معنی سے۔ خوبی سخن نام ہے عبارات شیریں، الفاظ رنگین، استعارات نمکین اور اشارہ خوش آئین کا۔ یہ حسن معنی کی خصوصیات ہے اس لئے کہ ضبط کلام۔ مناسب الفاظ واستعارے واشارہ کے استعمال کے اعتبار سے ہی ہے نہ کہ محض الفاظ کے اعتبار سے۔ اس پوری بحث کا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ مضامین اگر نامناسب الفاظ میں ادا ہوں تو ان میں کوئی لطف پیدا نہیں ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں معنیٰ کے ظہور میں یہ کمی ہوگی کہ جس طرح چاہئے اس طرح اس کا اظہار نہیں ہوا۔ بلند معانی اگر پست الفاظ میں ادا ہوں تو اسے حسن معنی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حسن شکل وصورت کی خصوصیت اور معنیٰ کی صورت ''الفاظ'' ہیں لفظ اگر پست ہوگا تو اس پر حسن کا اطلاق کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اگر اچھے الفاظ میں آسان مطلب کو ادا کیا گیا تو اسے خوبی سخن کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

اس طویل اقتباس کو نقل کرنے سے مقصد یہ ہے کہ بیدل کے شکر اللہ خاں کے ساتھ تعلقات کے ادبی پہلو پر بحث کے دوران اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

شکر اللہ خاں بہ قول غلام علی آزاد بلگرامی اورنگ زیب کے دربار میں سہرند (سرہند موجودہ)، سہارنپور اور میوات کے صوبہ دار کے عہدے پر فائز تھے۔ (۵۰۴) مآثر عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف سالوں میں مختلف مقامات پر فوجدار کے عہدے پر فائز تھے۔

۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء میں فوجدار سرہند

۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء فوجدار شاہجہاں آباد

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء فوجدار سکندر آباد

۱۰۹۸ھ/۱۶۸۶ء فوجدار نواحی جہان آباد (۵۰۵)

نواب موصوف کے نام اپنے کئی خطوط میں بیدل نے سہارنپور کا تذکرہ کیا ہے۔ (۵۰۶) اس لئے یقین ہے کہ شکر اللہ خاں سہرند سے پہلے سہارنپور میں مامور تھے اور یہ تقرری ۱۰۸۵ھ کے بعد ۱۰۹۰ء سے پہلے رہی ہے۔ بیدل کے تفصیلی حالات کے ضمن میں دونون کے درمیان تعلقات کی نوعیت اور نوعیت پر بحث ہو چکی ہے۔

نواب موصوف سے بیدل کی دوستی انتہائی خلوص پر مبنی تھی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایسی دوستی بیدل کی کسی اور سے نہیں تھی۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"سیما نواب شکر اللہ خاں کہ خود با جمیع اہل بیت محو اعتقاد مرزا بود نیز او مخلص خاص این خانداں است۔" (۵۰۷)

خصوصاً نواب شکر اللہ خاں اپنے تمام گھرانے کے ساتھ مرزا سے کامل رادت رکھتے تھے اور خود بیدل بھی اس خاندان کا مخلص خاص تھا۔

عبدالوہاب افتخار لکھتے ہیں:

"خصوصاً نواب شکر اللہ خاں و شاکر خاں بخلوص دل معتقد مرزا بودند۔" (۵۰۸)

خصوصیت سے نواب شکر اللہ خاں اور شاکر خان خلوص دل سے مرزا کے ارادتمندوں میں تھے۔

خطوط کی روشنی میں نواب موصوف سے بیدل کا تعلق ایسا گہرا لگتا ہے کہ دونوں کی سوانح عمری ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ رکھتی ہے۔ جیسے دونوں دو لازم ملزوم ہیرو کی طرح دار الخلافہ دلی کے ادبی اسٹیج پر سرگرم عمل ہوں۔

ان کے روابط دوستی کی حد سے بڑھ کر اس نقطے تک پہنچ چکے تھے کہ بیدل کو نواب موصوف کے خاندان کا ایک فرد تصور کرنا چاہئے۔ یہ روابط مختلف قسم کے سماجی، اخلاقی، ادبی، فکری، نفسیاتی اور خانگی پہلوؤں کو شامل ہیں، ان میں ہر ایک ایک دوسرے کے شاعرانہ ذوق اور تنقیدی صلاحیتوں سے آزادانہ استفادہ کرتا نظر آتا ہے۔ اسی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے کو احترام وعزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان وجوہ سے ان کے روابط پر تفصیلی روشنی ڈالنی ضروری ہے۔

رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور میں ۲۷۹ خطوط اور مطبوعہ کابل میں ۲۸۹ خطوط ہیں ان کے علاوہ

منشاء تالیف محمد امین میں ۱۱ خطوط ہیں اور دو خطوط صحائف شرائف میں ہیں۔ اس طرح کل خطوط کی تعداد ۳۰۰ ہو جاتی ہے۔ ان میں ۱۳۳ خطوط صرف شکر اللہ خاں کے نام ہیں لیکن شکر اللہ خاں بھی دو ہیں۔ اول نواب شکر اللہ خاں خاکسار۔ دوم ان کے بڑے لڑکے نواب شکر اللہ خاں ثانی ہیں جن کو ۱۶۹۶ء میں باپ کے انتقال کے بعد باپ کا خطاب ملا (۵۰۹)۔ بیدل نے اپنے بعض خطوط میں ثانی کا استعمال کر کے اس کو شکر اللہ خان اول (باپ) سے الگ کر دیا ہے (۵۱۰) لیکن خطوط کی بڑی تعداد میں اس فرق کی رعایت نہیں رکھی گئی ہے۔ ان میں تفریق کرنے کا واحد ذریعہ خطوط کے مضامین ہیں۔ اس معیار پر صرف بیس خطوط شکر اللہ خاں ثانی کے نام نظر آتے ہیں اور باقی ایک سو سولہ (۱۱۶) خطوط شکر اللہ خاں اول کے نام ہیں۔ غلام حسن مجددی ڈاکٹر عبدالغنی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"رقعات کی بڑی تعداد نواب شکر اللہ خاں اور ان کے لڑکوں کے نام ہیں۔ ۹۳ خطوط شکر اللہ خاں کے نام ہیں ۴۸، ان کے بیٹے میر عنایت اللہ خاں شاکر خاں، ۳۶ خطوط ان کے بڑے لڑکے میر لطف اللہ خاں شکر اللہ خاں ثانی کے نام ہیں" لیکن راقم السطور کے خیال میں ان کا دعوی اشتباہ سے خالی نہیں ہے۔ (۵۱۱)

بہر حال ان خطوط کی بڑی تعداد کا شکر اللہ خاں اول کے نام ہونا دونوں کے گہرے مخلصانہ تعلقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ خطوط مختلف مضامین پر مشتمل ہیں اور دونوں کے ہمہ جہتی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ راقم السطور نے ان کی اس طرح دستہ بندی کی ہے۔

۱۷ خطوط ملاقات کے اشتیاق سے وابستہ، ۱۹ خطوط مختلف مناسبتوں سے مبارک باد بھیجنے سے وابستہ، خطوط مختلف تسلی و تعزیت سے وابستہ، ۱۱ خطوط مختلف ہدایا اور تحایف سے وابستہ، ۶ خطوط معذرت سے وابستہ، ۴ خطوط جنگ سے وابستہ، ۱۰ خطوط دعائے صحت و سلامتی سے وابستہ، امور اور حالات سے وابستہ، ۱۳ احسان کی شکر گزاری سے وابستہ، ۷ شکر اللہ خان کے شاعرانہ ذوق اور ان کے کلام کی تحسین سے وابستہ، ۶ خطوط مخلصانہ روابط سے وابستہ، ۱۳ خطوط شعر و شاعری اور تخلیقات بھیجنے سے وابستہ، ۶ خطوط خود اپنے حالات سے وابستہ۔

بعض خطوط کئی مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان خطوط کی روشنی میں ان کے روابط کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ذوقی اور اخلاقی پہلو:

۱۰۸۰ھ میں ۱۶۶۹ء کے آس پاس نواب موصوف سے بیدل کا تعلق قائم ہونے کے بعد ان کی

باہمی دوستی روز بروز ترقی کرتی گئی۔نواب موصوف کے اخلاق حمیدہ سے بیدل ا
کے اور عاقل خاں رازی کے نام اپنے متعدد خطوط میں اس کا اعتراف کیا ہے۔
نام ایک خط میں لکھتا ہے۔

''عاجز نوازا! بہ یمن عاطفتیکہ ہمہ جا شامل حال فقراست، توجہ خانصاحب ا
مقناطیس دل شکر منزل گردید و رشتہ الفت بی اختیاری بر طبیعت وحشی پیچید''۔(۵۱۲)

عاجز نواز! ان مہربانیوں اور عنایتوں کی برکت سے جو ہر جگہ فقراء کے
خانصاحب اخلاص مناقب کی مخصوص توجہ دل شکر منزل کے لئے مقناطیس ثابت
دھاگے نے طبیعت وحشت نصیب کو بے اختیار اپنے سلک میں پرولیا۔

ایک دوسرے خط میں جو شکر اللہ خاں کے نام ہے، لکھتا ہے:

''اگر بقدر شکر احسان زباں کشاید بستن لب صرفہ خموشی نمی بیند''۔(۵۱۳)

آپ کے احسانات کے بقدر اگر شکر گزاری کے لئے لب کشائی کریں تو لب
کا کوئی فائدہ نظر نہیں آئے گا۔

ایک دوسر خط میں لکھتا ہے:

عمری بفنون نظم مائل گشتم　　چندی با نثر نیز
دیدم کرم تو سخت بی پایاں است　　عاری ماندم زشکر و بیدل

ایک مدت تک اصناف شاعری میں طبع آزمائی کرتا رہا کچھ دنوں نثر
رہا۔جب دیکھا کے تیری عنایتوں کی کوئی حد نہیں ہے تو شکر گزاری سے عاجز ہو کر بیدل

شکر اللہ خاں کے بیٹے عنایت اللہ خاں کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

''مہربانیہای خانصاحب الطاف مناصب از عالم تقریر بیرون است''۔(۵۱۵)

جناب خانصاحب الطاف مناصب کی مہربانیاں بیان سے باہر ہیں۔

نواب موصوف سے اپنے غیر معمولی تعلق کا تذکرہ ایک خط میں اس طر

ما را زخیال تو جدائی چہ خیال است　　آئینہ ما ذرہ خورشید
در آب و گہر فاصلہ جز نام نہ باشد　　از عالم نزدیکی و دوری چہ

آپ سے جدائی تو دور رہی، جدائی کا خیال بھی ہمارے صفحہ ذہن پر نہیں
دل کے لئے آپ کی حیثیت ذرہ اور خورشید کی سی ہے (جس طرح خورشید کی چمک
ہے اسی طرح آپ کے دم سے میرا وجود ہے)۔آب و گہر میں صرف نام کا فرق

ی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔

ہے:

ں خلوت ہمیں محفل　　بدل پیچیدہ ام چون اشک گراز دیدہ ہا افتم
دت پیش می آید　　دو عالم آستان تست اگر رفتم کجا رفتم (۵۱۷)

ہے، تیری جگہ میرے دل میں ہے، وہ خلوت ہے تو یہ جلوت۔آنسوؤں
ں تو دل میں پیچ و تاب کھا رہا ہوں۔
ے سجدے کا شوق پیش پیش رہتا ہے تیرا آستانہ ہی دونوں جہاں ہے اگر

ہے:

حوال بیدلان منظور جناب بی نیاز یست ہوای آں آشیان فیض نشان از

کے حال پر کرم فرمائی جناب صمدیت کو منظور ہے تو اس آستانہ فیض نشاں کی
مت نکال۔

ہے:

آب و گوہر داشتیم　　ایں زمان باید ز قاصد نام او پرسیدہ سوخت (۵۱۹)

آب و گوہر کا سا رابطہ برقرار تھا اب قاصد سے اس کا نام پوچھ کر جلنا چاہیئے۔
اپنے روابط کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے بیدل نے دو جگہ ''ربط آب
جس سے وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ خود تو پانی ہے اور نواب موصوف موتی کے
پانی میں ہوتا ہے لہذا نواب ہمیشہ اس کے دل کی گہرائی میں بسا ہوا ہے۔
بے محل نہ ہوگا کہ بیدل نے اپنی کلیات میں بہت سے قطعے نواب شکر اللہ
کے خیر مقدم میں کہے ہیں۔ان قطعات سے مجموعی طور پر یہ تاثر پیدا ہوتا
عرصہ کے بعد بیدل کی ملاقات کے لئے اس کے گھر آتا تو اس کی خوشی
ساری قلمی توانائی اور زور بیان نواب موصوف کی ستائش اور اس کے
دیتا۔اس کے بعد اس کے صفحہ ذہن پر نہایت خوبصورت اور آبدار اشعار
سے لبریز ہوتے ابھر کر صفحہ قرطاس کی زینت بنتے۔اس بنا پر دعوی کیا
موصوف کے علاوہ کسی اور سے اس درجہ عشق و محبت اور تعلق و یگانگت کا

اظہار نہیں کیا۔ دوسری طرف یہ اشعار اس کی پیکر تراشی پر غیر معمولی قدرت کی نشاندہی کرتے ہیں۔
بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

خانصاحب من، قبلہ من، نظر من　　دریای کرم، جوش معارف
صد شکر کہ گل کرد بسامان کمالات　　درباغ وفا نخل سعادت
خوش باش کہ انوار ازل گرم ظہور است　　از روی تو ای مہر تجلی
عمریست چو آئینہ چمن ساز امیدم　　تا پرتو دیدار زند گل
یارب کہ بصد نشہ اقبال ببالد　　ای بال وپر بیدل بی بال

ای دل نفست صبح شد آہنگ ثناکن　　ای غنچہ چمن کرد گلت
امروز کہ آں ابر کرم از سفر آید　　از خویش بروں آ طرب
ای جبہہ حیرت زدہ محو چہ خیالی　　باکعبہ مقابل شدہ ای سجدہ
افسوس کہ دل نیز ندارم من بیدل　　تاگو یمش این جنس نثار

باز از دل بسوی دیدہ ما می آئی　　ای دل و دیدہ فدایت ز
می خرامی تو و من ناز تحیر دارم　　گوئی از بہر من بی سر وپا
دیدہ تا دل ہمہ گلچین بہار آغوشت　　چشم بد دور عجب عقدہ
کومکان وچہ زمان کز تو توان یافت تہی　　ہمہ دم باہمہ کس در ہمہ جا

شکوہ جلوہ ات جز در فضای دل نمی گنجد　　جہاں پر گردد از آئینہ تاخالی
مروت صرف ایجادت کرم فیض خدادادت　　ادب تعمیر بنیادت، ضیا آثار
تہی از سجدہ شوقت سر موئی نمی یابم　　سراپا درچنین می غلطم از پا و سرایت

اس میں شک نہیں کہ بیدل مدح وستایش میں کبھی بے جا مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے
موصوف کے سلسلے میں اس کی ستایش کا محرک خلوص وللّٰہیت پر مبنی دوستی کے سوا کچھ نہیں
ایسی تھی کہ بعض معاصرین اس سے حسد کرنے لگے۔ رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے
ایک شخص نواب کے ساتھ بیدل کے مبالغہ آمیز تعریف پر مبنی مراسلات ومکاتبات پر اعتراض

اس کی شہرت کرتا تھا۔ بیدل کا ایک دوست شاہ مرتضی نے اس کو اس کی اطلاع کی۔ بیدل
آیا اول تو اسے بڑا سخت وسست سنایا۔ پھر نواب کی مدح وستایش کے سبب پر روشنی ڈال کر
ی شاہد کا اعتراض نقل کرتے ہوئے بیدل لکھتا ہے:

”زبانی شاہ مرتضی مکرر ظاہر می شود...... یعنی طور تحریر فلانی در مراسلات شکر اللہ خاں و
شاکر خاں کہ نسبت شاگردی دارند بی تملقی و دناءتی نیست۔ فقرا را با این ہمہ انکسار،
قدر جوہر فقر نشناختن است وآبروی اعتبار درویشی بخاک انداختن۔“ (۵۲۱)

شاہ مرتضی کی زبانی بارہا یہ معلوم ہوا...... شکر اللہ خان اور شاکر خان کے ساتھ مراسلات میں
تحریر خوشامد اور تملق سے خالی نہیں ہے جبکہ وہ اس کے شاگرد ہیں۔ فقیروں کے لئے اس
کے باوجود یہ انداز جوہر فقر کی ناقدری اور اعتبار درویشی کی آبروریزی ہے۔

بیدل نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ اول تو شکر اللہ خاں اسکا شاگرد نہیں ہے،
جس نے میری سرپرستی کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے اسے شاگرد نہیں کہہ سکتے۔ دوم یہ کہ
ات کے باوجود جو خاکسار بیدل پر نواب نے کیا اس کا انداز نامہ نگاری بیدل کی نسبت اس
بوبیت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ پھر خود بیدل کو نامہ نگاری کا کون سا انداز اپنانا چاہیئے۔

”صاحب نعمتیکہ تابع خود را بمتبوعی واستاید، ارشاد فرمایید کہ درحق ستایش او، شایستہ تابع چہ
باید۔ (۵۲۲)

دو صاحب نعمت جو اپنے ماتحت کی افسر کی حیثیت سے تعریف کرے ارشاد فرمایئے کے اس کی
تعریف میں ایک لایق ماتحت کو کیا انداز اختیار کرنا چاہیئے۔ پھر اس کی دھمکی کا ملاحظہ کیجئے۔

”کوچک دلیہای ما بدین درجہ اقتضا نمود کہ ہر سگ وگر بہ را ناصح اطوار ما باید بود۔ مضی
مضی، بعد ازین باستغفار باید کوشید وگرنہ می دانید بیدل عبدالقادر بیدل است“۔ (۵۲۳)

ہماری عاجزی وانکساری کا ناجائز فائدہ یہ اُٹھایا کہ ہر کُتے بلی کو میرے طور طریقے کے بارے
میں نصیحت کرنے کی جرأت ہوئی۔ جو ہوا سو ہوا اس کے بعد استغفار کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ آپ کو
معلوم ہے، بیدل عبدالقادر بیدل ہے۔

بیدل نے ان دو خطوط کے علاوہ اور خطوط میں بھی شکر اللہ خاں اور شاکر خاں کی حمایت اور
اعتراف کیا ہے۔ عاقل خاں کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

”در عالم تسلیم بی پروبالی، آشیاں جمعیتی مقرر است و در گوشۂ عجز بی ترددی آب و دانہ
میسر۔“ (۵۲۴)

عالم تسلیم میں بغیر کسی تگ ودو کے سکون و جمعیت خاطر حاصل ہے۔ اور عجز و بے بسی کے گوشہ میں بغیر کسی دوڑ بھاگ کہ آب ودانہ میسر ہے۔ شاکر خاں کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

''باوجود جمعیت اسبابیکہ از توجہ آں کامروای مساکن، درہمہ حال بہمہ جا حاصل است۔'' (۵۲۵)

اُس کامروای مساکن کی توجہ سے جو اسباب وسامان میسر ہیں اس کی وجہ سے ہر جگہ اور ہر حال میں جمعیت خاطر حاصل ہے۔

اس لئے قیاس ہے کہ تعریف کا اصل محرک یہی امر رہا ہوگا اگر چہ پوری سرگزشت اس امر کی نشاندہی نہیں کرتی ہے۔ لہذا بیدل کی حاجت روائی کو ان کی انتہائی دوستی کی ایک علامت سمجھنا بہتر ہے۔

سماجی پہلو:

ظاہر ہے دوستی جب ایسی ہو کہ دونوں ایک جان دو قالب کی حیثیت رکھتے ہوں تو پھر ایسی کوئی چیز نہیں رہ جاتی جسے ہم سماجی پہلو کے عنوان سے یاد کریں۔ یہاں بیدل خاندان کا ایک فرد بلکہ اس سے بھی بڑھ کر نظر آتا ہے۔ بیماری وتندرستی، امن و جنگ، شادی وغمی غرض ہر اچھے برے حالات میں دونوں خاندان کا برابر کا شریک ہے۔ نواب شکراللہ جب بیمار پڑے تو بیدل کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود بیمار ہے۔

''عنصر ذات تقدس آیات، از مخالفت آب وہوای فصول امکان، تغیر اعتدال میناد۔ نفس بی پر وبالان آشیان نیاز، طپش فرسای ایں ہواست۔ وزبان عجز تواَماں قانون انکسار، دریوزہ آہنگ این دعا:

خداوندا! غبار کلفت آں ذات نہ پسندی بغیر از عافیت تمثال این مرآت پسندی
حباب وموج بسیارست در دریای امکانت ازاں گوہر بجز جمعیت اوقات نہ پسندی

نواب موصوف کے گھر کا کوئی فرد جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ صدمہ گویا خود بیدل کو پہنچتا ہے۔ اس غم انگیز واقعہ سے اس کا دل بھر آتا ہے۔ ایک طرف وہ اگر تسلی دیتا ہے تو دوسری طرف فلسفیانہ انداز سے صبر کی تلقین بھی کرتا ہے۔

''آہ امروز از ورق گردانی رنگ ظہور نسخہ اسرار الفت معنی نایاب شد
در کنار دیدہ شوخی داشت غلطان گوہری ناگہان چون اشک از مژگاں چکید وآب شد
دیدہ ما را چو شمع کشتہ باید گشت داغ کان فروغ بینش اکنون در نظر ہا خواب شد

از مرآت تحقیق پوشیدہ نیست کہ آدمی در جمیع اوقات واحوال حیرت زدۂ کارگاہ اعتبار

است۔ اگر مژگان می کشاید عبرت اندوز شکست رنگیہاست، واگر چشم می پوشد داغ فرصت تماشا۔ در مزرعہ ندامت، جز دانہ اشک چہ باید کاشت۔ و بر دوش شکست دل، غیر از نالہ چہ می توان برداشت۔ بہر صفت مجبوریم ودر ہر صورت معذوریم۔'' (۵۲۷)

آہ رنگ ظہور کی ورق گردانی سے اسرار الفت کا معنی آج نایاب بن گیا۔ آنکھ کے کنارے والا ایک موتی شوخی کر رہا تھا اچانک آنسو کی طرح پلکوں سے ٹپکا اور پانی بن گیا۔ کیونکہ وہ آنکھ کی روشنی اب خواب وخیال کی بات ہوگی تھی، بجھی ہوئی شمع کی طرح ہماری آنکھ کو بھی داغ ہو جانا تھا۔

آئینہ تحقیق سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان تمام اوقات وحالات میں کارگاہ اعتبار کا ایک عجیب بنا ہوا ہے۔ آنکھ کھولتا ہے تو شکست رنگی کی عبرت اسے حاصل ہوتی ہے اور آنکھ بند کرتا ہے تو مشاہدہ کی فرصت کا داغ دامنگیر رہتا ہے اور کشت ندامت میں دانہ اشک کے سوا کیا بویا جا سکتا ہے اور شکست دل کے دوش پر نالہ کے سوا کس کا بوجھ اٹھایا جا سکتا ہے بہر صفت ہم مجبور ہیں اور بہر صورت معذور۔

اسی طرح جنگ میں کامیابی، منصب میں اضافے، عید و بقر عید اور لڑکی کی شادی کی مناسبت سے بے شمار مبارکبادنامے بیدل نے بھیجے ہیں جو مادہ تاریخ پر بھی مشتمل ہیں اور ان میں غیر معمولی خوشی اور مسرت کا بھی اظہار کیا ہے۔ بطور مثال کچھ ذکر کئے جاتے ہیں۔

امروز کہ وقت طوف مقصود رسید خلقی محمل بجانب کعبہ کشید
ما را کہ سراغ تو بدل یافتہ ایم ناچار بگرد خویش باید گردید

نواب موصوف کبھی مختلف لوگوں کے حالات بیدل سے دریافت کرتے اور ان کے بارے میں جو اچھی بری معلومات بیدل کو ہوتی وہ نواب کو لکھ بھیجتا (۵۳۱) بعض اوقات بیدل خود اپنے حالات بیان کرتا، کبھی اپنے ضعف ونقاہت کا تذکرہ کرتا اور کبھی کسی سفر کی روداد سناتا۔ (۵۳۲)

اس کے مقابلے میں نواب موصوف زیادہ تر تحفے تحایف مثلاً قند و نبات، گدڑی، روغن گل، روغن بادام، شیشہ عرق گلاب، مربہ، جاڑے کے لباس، آموں کی ڈلیا، کمبل سیاہ، خربوزہ وغیرہ بیدل کو بھیجا کرتے تھے۔ بیدل ان تمام تحایف کو صمیم قلب سے قبول کرتا اور نواب کے محبت آمیز سلوک پر اس کا شکریہ ادا کرتا۔ (۵۳۳) کبھی اس طرح ان چیزوں کی تعریف کرتا کہ ایک معمولی چیز بھی اس کے زور قلم سے اہم ہو جاتی اور اس وقت قاری اس کشمکش میں گرفتار ہو جاتا کہ اس چیز کو اہم سمجھے یا اس رنگین، مرصع اور موزوں ومناسب تعبیر کو۔ اس شکر گزاری کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

رسم پردازان، تکلف می کنم بیدل وگرنہ معنی الفت عبارت بر نمی دارد

قدرداناں نعمت خوشی، درادای شکر نیز لب کشودن نداشتہ اند تا بقوام شربت حلاوت ہمت

سستی نہ خندد...... ہر چند تلخکام زاویہ مہاجرت را، بہ عنایت قندونبات علاج فرمودہ اند، حلاوت طبع دیدار پرست، بحسرتی آب نگردیدہ کہ بی مشاہدہ گرمیہای التفات بصورت قوامی تواند پیوست۔" (۵۳۴)

بیدل رسم پرستوں کی طرح تکلف سے کام لے کر ہم محبت کا دم بھرتے ہیں، ورنہ محبت
عبارت میں نہیں سما سکتا ہے۔

نعمت "خموشی" کے قدرداں شکر گزاری کے لئے لب کشائی کی جرأت نہیں کرتے تا کہ
شربت حلاوت کے قوام میں سستی نہ آنے پائے۔ گوشہ تنہائی کے تلخ کام کا اگرچہ قند و نبات
علاج کیا ہے پر طبع دیدار پرست کی حلاوت اس تمنا میں پانی پانی نہیں ہوتی کہ توجہ عالی کی حرارت
مشاہدہ کئے بغیر ہی وہ قوام کی صورت اختیار کر لے۔

شکر گزاری کا یہ انداز بتاتا ہے کہ دونوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کی نوعیت تقریباً
حد تک تھی۔ نواب موصوف صاحب کی ہر ایک ادا اس کی نگاہ میں ساری مصروفیات سے زیادہ اہمیت
حامل ہے اس کی معمولی پیشکش کی بھی بیدل اس طرح تعریف کرتا ہے گویا نواب سے زیادہ اس کی
میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ گدڑی کی شکر گزاری میں لکھتا ہے۔

"سبحان اللہ اگر گدری اینست، برہوس کدہ خیالبافان مخمل و دیبای غفلت کہ می خندد۔ واگر پارہ دوزی ایں صورت دارد، بحسرت آباد التفات پرستان اطلس و زربفت، آشفتگی حرص کہ می پیوندد۔" (۵۳۵)

نواب موصوف سے اپنے والہانہ تعلق کا تذکرہ بیدل دوسری جگہ اس طرح کرتا ہے:

کردہ ام سر مشق حیرت سرو موزون ترا — تا کہ می خوانم بلندیہای مضمون ترا
ہر چہ می بینم سراغی از خیالت می دہد — ہر دو عالم یک سر زانوست مجنون ترا

ترے سرو موزوں (قد) کو میں نے حیرت کا سر مشق بنایا ہے جب تک تیرے مضمون کی بلندی
کا مطالعہ کرتا رہوں گا۔ جو کچھ دیکھ رہا ہوں تیرے خیال کا نشان و پتہ دیتا ہے، دونوں جہاں تیرے
مجنوں کے لئے ایک سر زانو ہے۔

بیدل کے اس والہانہ قلبی روابط کے جواب میں نواب موصوف بھی بیدل سے لگاتار مراسلات
کا سلسلہ جاری رکھتا تھا اور بیدل اس سے غیر معمولی لطف لیا کرتا تھا، لکھتا ہے:

"تواتر نوازشنامہ، جانہای تازہ، ایثار قالب انتظار فرمودہ و می فرماید و تسلسل مرحمت نامہ بر بی نفسان زاویہ مہجوری، ساغر نفس می پیماید۔" (۵۳۷)

نوازشنامے کے تسلسل سے قالب سراپا انتظار میں تازہ بہ تازہ جان آ رہی ہے اور مرحمت نامہ
کے تواتر سے زاویہ مہجوری میں بڑے بے نفس لوگوں (جن کی سانس اکھڑ چکی ہے) کو ساغر نفس کا دور مہیا
ہو رہا ہے۔

ادبی پہلو:

نواب موصوف سے بیدل کے تعلقات کا ادبی پہلو سب سے زیادہ اہمت کا حامل ہے۔ بیدل
غیر معمولی شاعرانہ ذوق کا حامل تھا دریائے شاعری میں ہر وقت غرق رہا کرتا تھا اگر کوئی چیز اس کو
سب سے زیادہ متاثر کر سکتی تھی تو وہی ادبی ذوق و شاعرانہ افتاد طبع جو اس کے ذوق سخن اور افتاد طبع سے
ہم آہنگ ہو۔ حسن اتفاق سے یہ خصوصیت اس کو نواب شکر اللہ خاں کی شخصیت میں نظر آئی جو اخلاق حمیدہ
اور نجابت و بسالت کے ساتھ ساتھ شاعرانہ ذوق اور ناقدانہ فکر کا حامل تھا۔ اس سلسلے میں شکر اللہ خاں
کے ایک خط کا حوالہ شروع میں دیا جا چکا ہے۔ علاوہ ازیں بیدل نے خود بھی عاقل خاں رازی اور خود
شکر اللہ خاں کے نام اپنے متعدد خطوط میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ عاقل خاں کے نام اپنے
ایک خط میں جس کا عنوان ہے "تحسین اشعار شکر اللہ خاں معروض داشتن بہ عاقلخاں" لکھتا ہے:

"اکثر ابیات بکیفیتی جلوہ گراند کہ اگر سامع بوجد پیش آہنگی نہ نماید پس ماندہ خجلتہای بیدردیست۔" (۵۳۸)

زیادہ تر اشعار ایسی کیفیت کے حامل ہیں کہ اگر سننے والا وجد میں نہ آئے تو اس کا مطلب ہوگا
کہ اس کے پہلو میں درد نہیں ہے۔

شکر اللہ خاں کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

"مطالعہ سواد غزلیات، کیفیت صحرای درنظر جلوہ داد، تا از سلسلہ شور جنون برآید۔ و تامل عنصر رباعیات، طرح چارسو بہ تخیل آراست کہ تحیر مدتہا می خواہد تا دکان مژگان فراہم نماید۔" (۵۳۹)

مطالعہ غزلیات نے ایک صحرا کا سماں نگاہوں کے سامنے باندھ دیا ہے کہ شور جنوں کی زنجیر
سے باہر آ جائے اور مطالعہ رباعیات نے قوت تخیل پر چاروں طرف کا ایسا نقشہ کھینچا کہ عرصے تک
حیرت پلکوں کی دکان فراہم کرتی رہے گی۔

ایک خط میں نواب کے طبع رسا اور ذوق عالی کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

"نامہ را در زمینکہ جستہ جستہ قدم شمر دنست لیقدر مطلق عنانی کمالست۔ و بیش ازایں رسائی

قدرت اندیشہ محال۔'' (۵۴۰)

جس زمین میں قلم دھیرے دھیرے گام فرسائی کرتا ہے وہاں اس طرح مطلق العنانی کا اظہار کمال ہے اور قوت فکریہ کی اس سے آگے رسائی محال ہے۔

نواب کے تنقیدی شعور اور صلاحیت کی اس طرح تعریف کرتا ہے:

''عروج اقبال سخن منحصر است در آں مرتبہ کہ طبع صاحبدلی مسرور لطایفش تواند گردید ویا نگاہ صاحب نظری، برتامل معنیش تواند پیچید۔ الحمدللہ صاحب قدردان ما، بافکار این بی سروپا توجہی می فرمایند، وبلطف عمیم تحسین می فرمایند۔'' (۵۴۱)

کسی کلام کا عروج اصلی اس بات پر منحصر ہے کہ کسی صاحب دل کی طبیعت اس کے محاسن کے مطالعہ سے مسرور ہو سکے یا کسی صاحب نظر کی نگاہ اس کے معنیٰ پر غور وفکر کرنے میں پیچ وتاب کھائے۔ الحمدللہ ہمارے قادرالکلام نواب صاحب مدظلہ اس بے سروپا کے افکار وخیالات پر توجہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لطف ومہربانی سے اس کی داد تحسین دیتے ہیں۔ ایک خط میں شکراللہ خاں کے کمالات کو نہایت واضح الفاظ میں لکھتا ہے:

''واہب حقیقی در ذات فیض آیات صاحب ما، توفیقی ودیعت گذاشتہ کہ در ہیچ حالتی از مرأت اختیار افعال واعمال غیر از حسن مراتب کمال مرعی نمی توان یافت، جای آن دارد کہ دلہای مخلصان بخیال وشہود خود نیارد۔ واز معمای تصور اوضاع واطوار جز سیمای درجات خیر بظہور نمی پیوندد، وسزاوار است کہ طبایع خیراندیشان، بسجود تامل خود پردازد۔'' (۵۴۲)

واہب حقیقی نے ہمارے محترم نواب صاحب کی ذات فیض آیات کو ایسی توفیق عطا فرمائی ہے کہ کسی بھی حالت میں افعال واعمال کے اختیار کے آئینے میں حسن مراتب کمال کے علاوہ کسی اور بات کی رعایت نہیں رکھتے۔ بجا طور پر اس امر کا موقع ہے کہ مخلصوں کا دل اپنے خیال میں مصروف نہ ہو۔

اسی ذوقی اور طبعی ہماہنگی کی بنا پر بیدل دوسروں کی بہ نسبت نواب موصوف سے زیادہ قریب نظر آتا ہے اکثر اوقات وہ اپنے نتائج فکر تبصرہ وتنقید کیلئے اس کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ دوسری طرف نواب موصوف وہ واحد شخص معلوم ہوتا ہے جو بیدل کے کلام کی غیر معمولی تحسین کرتا اور اس کی بے پناہ حوصلہ افزائی کرتا تھا جو بالآخر بعض تصنیفات خصوصاً ''طور معرفت'' اور ''گل زرد'' کی تخلیق کا باعث بنی۔

دونوں کے درمیان اپنی تخلیقات کے تبادلے کا سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔ بیدل نے اول مثنوی طلسم حیرت بھیج کر نواب موصوف کا تعارف حاصل کیا پھر اپنا دیوان اس کی خدمت میں پیش کیا اور نواب موصوف نے اس کا ایک انتخاب تیار کر کے بیدل کو اس کی اطلاع کی۔ بیدل نے جواب میں لکھا

''سجدہ شکر را بر جبین نیاز، بار منتہاست کہ اجزای پریشان مقال دور گردان بساط حضور را برشتہ نظر تامل، شیرازہ پیرائی اقبال تحسین می فرمایند.......... چقدر دماغ معنی سراغ، برین خزف ریزہا، کلفت صداع کشد، تا شرم تامل عرقی بعرض گوہر آرد، و بچہ دقت شوق حقیقت ذوق، برین کلام آشفتگی نظام پیچد، تا سعی اندیشہ اش ناچار قابل ربط بشمارد۔'' (۵۴۳)

سجدہ شکر کے لئے بندہ کی پیشانی پر احسان کا بوجھ ہے کہ دور گردان بساط حضور (بیدل) کے کلام کے اجزائے پریشاں کا بہ غور مطالعہ کر کے اس کی شیرازہ بندی کرتے ہوئے تحسین فرماتے ہیں۔ (نواب) کا دماغ معنی سراغ کسقدر ان ٹھیکروں پر دردسر کی زحمت مول لیتا ہے تا کہ شرم تامل گوہر کے پیش کرنے پر عرق آلود ہو اور شوق حقیقت ذوق کتنی پریشانیوں سے اس کلام آشفتگی نظام پر مغز ماری کرتا ہے تاکہ اس کے فکر کی کوششوں سے مجبوراً اس میں ربط پیدا ہو جائے۔

دوسرے خط میں اسی انتخاب کے بابت کہتے ہیں:

''مقبول فیض ازل صاحب طبع معانی کہ از اقبال توجہش، نیاز بی بضاعتان، بعز امتیاز می نازد و بہ یمن التفاتش، اجزای بی سروپایان، آئینہ انتخاب می پردازد۔ اگر از ہجوم این ہمہ نقاط، بفکر شک افتد، در آن نسخہ یقین تو ہم شک چہ احتمال دارد۔ واگر سہوالقلمی گمان برد، فطرت سراز نقص ادراک برمی آرد۔ مگر آنکہ لطف کریم بہانہ جوست، ہر کرا پسندید پسندید و ہرچہ را برگزید برگزید۔'' (۵۴۴)

مقبول فیض ازل اور صاحب طبع معانی جن کی توجہ کریمانہ سے مجھ بے بضاعت کی نیاز عزت امتیاز پر ناز کرتی ہے اور اس کے التفات کی برکت سے (مجھ) بے سروپا (بیدل) کے اجزائے کلام کا آئینہ انتخاب تیار ہوتا ہے۔ ان سب نقاط کو سامنے رکھنے سے اگر شک میں پڑنے کا احتمال ہو تو اس نسخہ یقین میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر سہوالقلمی کا گمان ہو تو اس کی فطرت قوت ادراک کی نقص سے ابا کرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ لطف کریم بہانہ جو ہے جس کو چاہا پسند کیا اور جسے چاہا انتخاب کیا۔

جب کبھی دونوں کو دہلی میں باہم زندگی گزارنے کا اتفاق ہوتا اور افادہ واستفادہ کے لئے جس وقت انکو ملتا۔ بیدل ان لمحوں کو حاصل زندگی تصور کر کے غنیمت سمجھتا:

''فیض صحبتہا از مغتنمات حاصل زندگی مشاہدہ می نماید۔'' (۵۴۵)

ان ہی دنوں نواب موصوف نے مثنوی طلسم حیرت کے ذیلی عناوین مقرر کئے۔ ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

''در این ایام خان سعادت عنوان، بانکشاف مطالب طلسم حیرت عنوانہا مقرر نمودہ۔'' (۵۴۶)

۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء میں جب بیدل نواب موصوف کے ساتھ میوات کی سیاحت کر رہا تھا۔ نواب کی حوصلہ افزائی اور تحریک پر اس نے مثنوی ''طور معرفت'' لکھی چنانچہ عاقل خاں کے نام اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

''درایں ایام، بوساطت تعلیم خان صاحب حقایق مراتب، وتتبع آن مرجع عرفاں معالی مناصب، از بہارستان عالم موزونی، مستفیض، گلگشت حقیقی بود۔'' (۵۴۷)

''معنی نوازا! طور معرفت از ہجوم دیدہ انتظار، سامان یکعالم چراغان است۔ وبہوای نثار آن کلیم ایمن، حقیقت صد ہزار گوہر معنیٰ بدامان۔'' (۵۴۸)

معنیٰ نوازا ''طور معرفت'' دیدہ انتظار کے لئے ایک نیا چراغاں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کلیم ایمن پر نچھاور کرنے کی خواہش میں لاکھوں گوہر معانی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

نظم ''گل زرد'' جو ڈیڑھ سو اشعار پر مشتمل ہے خان موصوف کو پیش کرتا ہوا لکھتا ہے:

''چندروز است در بہارستان اندیشہ ''گل زرد رنگ'' آرام می بازد۔ و بآرائش بساط شکست رنگی می پردازد۔ ہنوز از چمن افکار، منتخب آب ورنگی کہ فراہم آوردہ است، قریب یکصد و پنجاہ گل زینت دامان تحریر کردہ۔ اقبال رنگینیہای این گلدستہ، منتظر نگاہ معنی بین است، و معراج خرمیہای این گلبن، موقوف مطالعہ بہار آفرین۔'' (۵۴۹)

چند دن ہوئے فکر کی بہارستان میں ''گل زرد رنگ'' آہستہ آہستہ کھل رہا ہے۔ اور بساط شکست رنگی کی آرائش میں مشغول ہے۔ افکار و خیالات کے چمن سے جو منتخب آب و رنگ اب تک فراہم کئے ہیں تقریباً ایک سو پچاس پھول کی شکل میں دامن تحریر کی زینت بنے ہیں۔ اس گلدستے کی رنگینی کا اقبال (جناب عالی) کی نگاہ معنی پناہ کا منتظر ہے اور اس گلبن کی شادابی کا معراج (جناب والا کے) مطالعہ بہار آفریں پر موقوف ہے۔

شکر اللہ خان بھی بیدل کی نثر و نظم کو ایک دوسرے میں بدل کر تفنن طبع کا مظاہرہ کرتے اور اپنے ذوق و استعداد کی نمایش بھی کرتے تھے۔ بیدل ایک خط میں لکھتا ہے:

''سعادت مضمون نظمیکہ در آنجناب بارتبہ نثر ہمعنانی نماید۔ و کرامت روش نثر یکہ در آں بارگاہ ہمسائیگی نظم برآید۔ اگر نظم است یکقلم از کمربستہای خدمت دعا است و اگر نثر است، از بساط آرایاں وسعت حمد و ثنا۔'' (۵۵۰)

اس نظم کے مضمون کی سعادت کا کیا پوچھنا جو جناب والا کی بارہ گاہ میں نثر کی ہم عنانی کرے اور اس نثر کی کرامت کا کیا کہنا جو اس بارگاہ میں نظم کی ہمسائیگی اختیار کرے۔ اگر نظم ہے تو یک قلم

خدمت دعا کے کمر بستوں میں ہے اور اگر نثر ہے تو حمد و ثنا کی وسعت بساط آراؤں میں ہے۔

کبھی بیدل کی کوئی منظوم تخلیق نواب موصوف کو بہت پسند آئی تو بیدل نواب کی قدر دانی کا شکریہ یوں بجالاتا ہے:

''اشارت قدسی بشارت، فکر غزلیکہ مطلعش منظور طبع معنیٰ پسند افتادہ، دعا گوی خاکسار را بنوید حصول سعادت سر بلند ساخت۔'' (۵۵۱)

اشارت قدسی بشارت نے اس غزل کی فکر میں جس کا مطلع طبع معنیٰ پسند کو بھلا لگا۔ دعا گو خاکسار کو حصول سعادت کی نوید سے سرفراز کیا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بیدل کے کلام کی تحسین اور اس کی حوصلہ افزائی بیدل کی شعری طبیعت کی برجستہ گوئی کے لئے ایک قوی محرک ثابت ہوئی۔ چنانچہ اسی خط میں لکھتا ہے:

''بیتی چند بدیہہ عرض نیاز پرداخت، آشفتہ بیانی شاہد اضطراب اندیشہ و عذر خواہ طبیعت تردد پیشہ، مقبول نظر صلاح اثر باد''۔ (۵۵۲)

یہ سارے اقتباسات مجموعی طور پر اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ نواب شکر اللہ کی غیر معمولی سخن پرستی اور حوصلہ افزائی اور دوستی کے نتیجہ میں بیدل کی ادبی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا نیز بیدل کے ادبی سرمایہ کی تخلیق میں اس نے اہم رول ادا کیا ہے۔

انہیں وجوہ سے نواب موصوف کا تذکرہ کسی قدر طویل ہو گیا۔ افسوس کہ یہ تعلق جسے بیدل نے ''ربط آب و گوہر'' کی گرانقدر تعبیر سے یاد کیا ہے، صرف بارہ سال تک قائم رہ سکا۔ نواب موصوف کی وفات ۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ء میں ہوئی اور اگر چہ ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکوں سے بھی بیدل کا ویسا ہی تعلق رہا مگر نواب موصوف سے تعلق کی نوعیت اور تھی۔ چنانچہ اس جانکاہ حادثہ کا اس کی طبیعت پر بہت گہرا اثر ہوا۔ ان کے بڑے لڑکے شکر اللہ خاں ثانی کے نام اپنے ایک خط میں اس نے اپنے حزن انگیز تاثرات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''از دست رفتن دامن دولتی کہ سلسلہ موافقتش دوازدہ سال محرک عشرت آہنگی ساز انفاس بود، چشم عبرت یکبارہ بر روی ادبار تنہائی و بیکسی کشود۔ نہ صحبت مشفقی کہ بعلاج تفرقہ دل توان پرداخت۔ نہ لطافت حرکتی کہ بشغل سیر و سفر طرح آوارگی توان انداخت۔ ہر نفس چون صبح، نردبان خیالی می آراید، تا باینصورت اندکی از خود برآید، و پیش نمی رود۔ ہر ساعت چون شفق، غبار شکست رنگ بگردون می برد، تا بایں وحشت بالی درخون کشاید، میسر نمی شود۔ ضعف دل بہ پہلو نشستہ۔ و آشوب دماغ در سر شکستہ۔ بشبہہ تشنگی، اگر آبی تا لب تصور آرد،

طوفان قیامت استقبال دارد و بوہم گرسنگی، اگر لقمہ بکام اندیشہ می گذارد۔ خشکیہای نزع گلوی افشارد۔ یاد غائبان آئینہ دار یک عالم تشویش خیال۔ ووحشت حاضران، چہرہ پرداز ہزار رنگ کلفت وملال۔'' (۵۵۳)

اس دامن دولت کے ہاتھ سے جاتے رہنے کے سبب جس کی رفاقت کا سلسلہ بارہ سال تک ساز انفاس کی عشرت آہنگی کا محرک رہا چشم عبرت یکا یک تنہائی اور بے بسی کے ادبار پر وا ہوئی۔ نہ کسی شفیق کی محبت دستیاب ہے، جس سے قلبی اضطرار کا علاج ہوسکے نہ کسی حرکت میں کوئی لطف ہے کہ سفر کی مشغولیت میں آوارگی کی داغ بیل ڈالی جاسکے۔ ہر سانس صبح کی طرح ایک خیالی سیڑھی ہے تا کہ اس شکل میں تھوڑی دیر بیخود ہو جائے پر آگے بڑھنا اسے نصیب نہیں ہوتا۔ ہر لمحہ شفق کی طرح شکست رنگ کا غبار آسمان پر اڑائے لئے جاتا ہے تا کہ اس وحشت کے ساتھ اپنا بازو خون میں رنگے پر اسے یہ میسر نہیں ہوتا۔ ضعف دل پہلو نشین ہو گیا اور آشوب دماغ سر میں سما گیا۔ تشنگی کے شبہے میں اگر پانی لب تصور تک لانے کی کوشش کرتا ہے طوفان قیامت اس کا استقبال کرتا ہے اور گرسنگی کے وہم میں اگر لقمہ فکر کے حلق میں رکھنے کی جرأت کرتا ہے نزع کی خشکیاں گلا گھونٹے دیتی ہیں۔ غائب ہستیوں کی یاد دنیائے تشویش خیال کا آئینہ دار ہے اور حاضرین حضرات کی وحشت ہزاروں طرح کی کلفتوں کو آغوش میں لئے ہوئے ہے۔

دوسرے خط میں لکھتا ہے:

''تانفس باقیست، نمی دانم چہا خواہم کشید وتا دیدہ بازست حیرانم کہ چہ می باید دید۔ موری در قلزم افتادہ را، شنا عجز آشنائی است۔ وذرہ باد بردہ را، جمعیت ہماں بیدست و پائی، تسلیم اضطرار بست ورضای اختیار یست۔ مطلع دیدار یکہ فردوس از گلچیناں بہارش بود، ایں زمان درآتش نشاندہ اویم۔ وچراغ صحبتیکہ دیدہ در فروغش باہزار انوار می جوشد، الحال درداغ دلش می جویم۔'' (۵۵۴)

جب تک سانس چل رہی ہے نہ معلوم کیا کیا پریشانیاں اٹھانی پڑیں، اور جب تک آنکھ کھلی ہے حیران ہوں کہ کیا کیا دیکھنا پڑے جو چیونٹی دریا میں گر گئی اسے مجبوراً تیراکی سے نا آشنائی ہوگی اور جس ذرے کو ہوا اڑا لے گئی اس کے لئے اس کا سکون لازمی غارت ہوگا اور تسلیم ورضا کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ وہ مطلع دیدار، جس کی بہار کے گل چینوں میں فردوس بھی تھا اس وقت اس نے مجھے آگ میں بٹھا رکھا ہے اور وہ چراغ محبت، کہ آنکھ اس کی روشنی میں ہزاروں انوار کا مشاہدہ کرتی تھی اس وقت میں اس کو داغ دل میں تلاش کر رہا ہوں۔

اور ایک مرثیہ میں کہتا ہے:

کاں جمال کرم درجہاں نماند — طاؤس جلوہ ریز دریں آشیاں نماند
آنہمہ صفات زکا، صد ہزار حیف — کان نور آفتاب وفا جاوداں نماند
چہ فتنہ بود کہ در عالم نگون — جز نام زان محیط مصور نشان نماند
فنا متاع جہاں جملہ پاک برد — جنسی ز دستگاہ زبان در دکان نماند
گریہ بسکہ زبہر جمع جوش زد — جز دجلہ در ممالک ہندوستاں نماند
جہاد نالہ بس است آبیار درد — از گلبن وفا بنمو جز خزاں نماند
بخاک فگن جعد و نوحہ کن — امروز بر مزار زمیں، آسماں نماند
حزن و آب بایمای احتیاج — ای انفعال !مشفق ما این زمان نماند
بسال و زمان نصب می کند — آہی کہ آں مسیح سپہر آستان نماند
کشان قدح یاس می کشند — چندی بجیب چاک زن اکنوں کہ خاں نماند

(۵۵۵)

ہائے افسوس کہ وہ جمال کرم اب دنیا میں نہیں رہا۔ اس آشیانے میں وہ جلوہ دکھانے والا طاؤس اب نہ رہا۔ اپنی تمام تر صفات ستودہ کے ساتھ وہ نور آفتاب وفا ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ آہ دنیا آزمائش کی گھڑی تھی...... اس محیط مصور کے نام کے سوا کوئی نشان اس کا باقی نہ رہا۔ سیلاب فنا دنیا کے تمام تر اسباب وسامان بہا لے گیا۔ دکان میں دستگاہ زیاں کی کوئی جنس باقی نہیں رہی۔ ہر طبقے کی آنکھ کے طوفان گریہ نے اس قدر جوش مارا کہ ہندوستانی علاقوں میں دجلہ کے سوا کے کوئی اور دریا باقی نہ رہا۔ بلبل! درد کی آبیاری کیلئے آہ و نالے کافی ہیں گلبن وفا سے خزاں کے سوا کبھی کسی اور چیز کی نشو نما نہیں رہی۔ اے بیکسی! سر پر خاک اڑا اور ماتم کر آج مزار زمیں پر آسماں باقی نہیں رہا۔ حزن وغم شرم سے اور ضرورت کی ایما سے اے ندامت ہمارا مشفق و مہربان دوست اب نہ رہا۔ میرا ہر مصرع سال اور زمانے کی تعیین کرتا ہے۔ آہ وہ مسیح سپہر آستان اب نہ رہا۔ بیدل صاف ستھری شراب پینے والے مایوسی کا جام پی رہے ہیں اب جبکہ شکر اللہ خاں اس دنیا میں نہیں رہے تو کچھ دنوں غم سے اپنے گریباں چاک کر۔

کہ می آرد پیام دوستان رفتہ زین محفل — مگر از نقش پائی بشنوم آواز پا اینجا

لطف اللہ خاں مخاطب بہ شکر اللہ خاں ثانی:

شکر اللہ خاں کے تین لڑکے تھے۔ لطف اللہ خاں، عنایت اللہ خان اور کرم اللہ خان۔ ان تینوں کے بابت غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"میر لطف اللہ شکر اللہ خاں، پسر اوست کہ بخطاب پدر مخاطب گردید۔ وخلف دیگرش میر عنایت اللہ شاکر خان و دیگری میر کرم اللہ عاقل خاں۔" (۵۵۶)

میر لطف اللہ شکر اللہ خاں کا بڑا لڑکا ہے جو باپ کے خطاب سے مخاطب ہوا۔ دوسرے لڑکے میر عنایت اللہ شاکر اور میر کرم اللہ عاقل خاں ہیں نواب موصوف کے ان تینوں لڑکوں سے بیدل کے کیسے والہانہ اور مخلصانہ تعلقات تھے اور بیدل کو کتنی محبت ان سے تھی اس کا اندازہ درج ذیل رباعی سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے نام ایک خط میں لکھا ہے:

شکر امروز در بہار وفاق | رنگ و بوی و شگفتگی بہم اند
ای خدا فضل کن کہ ایں گلہا | ہمہ لطف و عنایت و کرم اند (۱)

"اگر چہ از محمد یانیم، پرستش ثالث ثلثہ ایمانیست و ہر چند از وحدتانیم شہود مراتب اشیا عرفانی۔" (۵۵۷)

خدا کا شکر ہے کہ آج موسم بہار میں حسن اتفاق سے رنگ و بو اور شگفتگی سب ایک جگہ اکٹھے ہو آتے ہیں۔ اے خدا ان پر اپنا فضل فرما کہ یہ پھول سراسر لطف و عنایت اور کرم ہیں۔

اگر چہ میں محمدی (محمد ﷺ کا ماننے والا یا امتی) ہوں پر ان تینوں کی پرستش میرا ایمان ہے اگر چہ میں وحدتی (وحدت الوجود کا قائل) ہوں پر مراتب اسماء کا شہود میرا عرفان ہے۔

رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کو نواب شکر اللہ خاں سے جیسا مخلصانہ اور والہانہ تعلق تھا ان کے پسماندوں کے ساتھ بھی ویسا ہی تعلق رہا البتہ ان تینوں میں منجھلے صاحبزادے عنایت اللہ خاں شاکر سے نسبتاً زیادہ رہا۔

لطف اللہ خاں مخاطب بشکر اللہ خاں کے نام بیدل کے خطوط کی تعداد بقول ڈاکٹر نورالحسن انصاری ۳۶ ہے۔ لیکن میرے خیال میں صرف اکیس معلوم ہوتی ہے۔ ان خطوط کی مضامین کے لحاظ سے درج ذیل دستہ بندی کی جاسکتی ہے۔

۲ خطوط مخلصانہ روابط سے متعلق، ۲ خطوط شعر و سخن سے وابستہ۔ ۲ دو خطوط جنگ کے حالات سے وابستہ۔ ۸ خطوط اپنے حالات سنے وابستہ، ۳ خطوط مبارکباد پر مشتمل، ۳ خطوط تعزیت اور تسلی سے وابستہ اور ایک خط شیوۂ تسلیم و رضا کے اختیار کرنے سے وابستہ۔

لطف اللہ خاں کے ساتھ بیدل کے قلبی تعلق کا اندازہ درج ذیل خط سے کیا جاسکتا ہے:

"فراموشی سجودات آستان چہ احتمال دارد۔ نقش پیشانی بہ شستن رفتنی نیست، بر مرکز تسلیمی کہ دارد، نشستہ است۔ وسجدۂ دائمی کہ داشت ہمچناں پیوستہ۔" (۵۵۸)

آستانہ (نواب) پر سجدہ گزاری کی فراموشی کا سوال کیا پیدا ہوتا ہے پیشانی کے نقوش دھونے سے مٹنے والے نہیں۔ مرکز تسلیم (دل) اس کے پاس ہے اور دائمی سجدہ جو اس سے متعلق ہے بدستور قائم ہے۔

دوسری جگہ کہتا ہے:

ای تو کہ ہر کہ قدر ذاتت داند | باید دل و جان در قدمت افشاند
منظر اقبال تو چشم بیدل | کوراست ہر آنکہ در دلت نہ نشاند (۵۵۹)

تو وہ ہستی ہے کہ جس کو تیری شخصیت کی قدر معلوم ہوگئی وہ اپنا دل و جان تجھ پر نچھاور کردے گا۔ اے وہ ہستی کہ بیدل کی آنکھ بڑے عروج و اقبال کی منتظر ہے وہ اندھا ہے جو تجھ کو اپنے دل میں نہ بٹھائے۔

نواب لطف اللہ خاں کے ساتھ بھی بیدل کے مختلف طرح کے روابط ہیں ان میں سماجی پہلو دوسرے پہلوؤں پر فوقیت رکھتا ہے۔ بیدل کا نواب موصوف کے ساتھ برتاؤ تمام اچھے برے حالات میں ویسا ہی نظر آتا ہے جو اس کے باپ کے ساتھ تھا۔ اس تعزیتی خط کے علاوہ جو نواب موصوف کے والد کے انتقال کی مناسبت سے بیدل نے لکھا اور جس میں اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے لطف اللہ کی اہلیہ کے انتقال کی مناسبت سے بھی ایک تعزیت نامہ بھیجا اور اس کی مزاج پرسی کی ہے۔

"بیدل نواز من! ازیں سموم جانکاہ کہ آتش بر دلہای خیر خواہ ریختہ، چہ تحریر نماید اگر ہمہ تن دنداں ندامت شود، از عہدہ یک لب گزیدن خجل است و ہر چند سراپا کف افسوس برآید در عرض یک سودن دست منفعل"۔ (۵۶۰)

بیدل نواز! اس جان لیوا گرم ہوا کے بابت جس نے خیر خواہوں کے دلوں میں آگ لگا دی ہے کیا تحریر کریں اگر سراسر دندان ندامت ہوجائے ایک مرتبہ کے ہونٹ کاٹنے سے بھی شرمندہ رہے اور ہر چند سراپا کف افسوس ہوجائے ایک دفعہ کے ہاتھ گھسنے میں بھی منفعل ہوجائے۔

شکر اللہ خاں ثانی کے پہلے بچے کی ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۲ء میں ولادت اور دوسرے بچے کی ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء میں ولادت کے موقع پر مبارکباد بھیجیں جس کا ہر فقرہ مادہ تاریخ پر مشتمل ہے۔ "خرمیہای بہار و سبزی ہای عہد شاہنشاہی، الخ"۔ (۵۶۱)

الحمد للہ امروز چمن فضل حق چہرہ پرداز یک عالم طرب خوش است۔

آنجا کہ رموز چرخ و اختر خوانند | و ز صفحہ کون خط محور خوانند
سال ایجاد ایں تجلی مطلع | دانایاں صبح ہفت کشور خوانند (۵۶۲)

اسی طرح خاں موصوف کو ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء میں میوات کی حکومت ملنے پر ایک مبارکباد نامہ بھیجا جس کا فقرہ مادہ تاریخ پر مشتمل ہے۔

''مناصب حکومت میوات، علوگلشن درجات، بجناب جلالت منقبت مقصداتخ۔'' (۵۶۳)

اسی سال میں لطف اللہ خاں کو شکر اللہ خاں ثانی کا خطاب ملا بیدل نے ایک قطعہ کے ذریعہ اس کی مبارکباد دی۔

میر لطف اللہ نور چشم شکر اللہ خاں — آن بہار معرفت، آں شمع آگاہی
بے نیازی را بذاتش نسبت موج و محیط — شرم را باطنیت او الفت آب و
شاہ عالمگیر شکر اللہ خاں کردش خطاب — نور چو بالد ہماں خورشید می
معنیٔ تحقیق اقبال رسا می خواستم — سالش از ہر مصرع ایں بیت دیدم جلوہ گر
زندہ آں رودی کہ موجش وصف دریا آب داد — شاد ویں جوئی کہ از وی زندہ شد

(۱۱۱۴ھ) — (۱۱۱۴ھ) (۵۶۴)

۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں اعظم شاہ اور معظم شاہ کے درمیان جنگ چھڑی اس موقع پر یہ تینوں بھائی معظم شاہ کی طرف سے لڑ رہے تھے پہلے حملے میں اعظم شاہ کی فوج غالب ہوتی نظر آئی اس وقت بیدل کا سارا اضطراب اور اس کی تشویش تینوں کی سلامتی کے لئے تھی۔ شاہ عالم کی کامیابی بھی اس وجہ سے اسے منظور تھی کہ ان بھائیوں کی جاں سلامت بچ جائے۔ بیدل ان کو تسلی دیتا ہوا لکھتا ہے:

''انشاء اللہ دراندک فرصتی، صورت حالش واقع است۔ و بیک مژہ توجہ حصول خواص آن نافع۔'' (۵۶۵)

انشاء اللہ جلد ہی صحیح صورت حال سامنے آئے گی۔ جب اعظم شاہ مارا گیا تو دوسرے لکھتا ہے:

''نسق کار عالم برہواست۔ ومطلوب بیدلان سلامت شما۔'' (۵۶۶)

دنیا کا نظم و نسق ہوا پر قائم ہے (یعنی جدھر کو ہوا کا رخ ہوا یا خدا کی مشیت ہوئی اس کے مطابق حالات سامنے آتے ہیں) لیکن بیدل کے مطمح نظر تمہاری سلامتی ہے۔

یہ سارے مآخذ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بیدل کا شکر اللہ کے پسماندوں سے بھی گہرا دلی تعلق اور جذباتی لگاؤ تھا۔

۱۱۲۱ھ/۱۷۰۹ء میں بہادر شاہ کی کامبخش کے ساتھ جنگ کے بعد شکر اللہ خاں بہادر شاہ کے ہمراہ نہایت کامیابی کے ساتھ حیدرآباد سے واپس آیا تو بیدل نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔

۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء میں معز الدین شاہ نے نواب موصوف سے فرمائش کی کہ وہ ایک ندیم کی حیثیت سے اس کی صحبت میں بیٹھا کرے اس نے بیدل سے مشورہ کیا تو اس نے جواب میں لکھا:

''مایہ تعظیم عرفا برتر از آنست کہ شاہان آرزوی مجالست شان نمایند۔'' (۵۶۸)

عارفوں کی تعظیم کا معاملہ اس سے کہیں اعلیٰ ہے کہ سلاطین اس کی ہم نشینی کی تمنا کریں۔

اس خط سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شکر اللہ خاں ثانی اہم امور میں باپ کی طرح بیدل سے مشورہ لیا کرتا تھا نیز یہ کہ بیدل اس کو عارفوں کے زمرہ میں شمار کرتا ہے۔ دوسری بات خود بیدل بھی اپنے حالات لکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ چار مہینے تک مختلف امراض میں گرفتار رہا۔ اس سلسلہ میں لکھتا ہے:

''قبلہ حاجات بی تعدادمن! چہار ماہ است کہ باوجود زمینگیری درسر اقسام بیماری است و در اختیار بقاو فنا ہمچناں بی حس و عاری۔'' (۵۶۹)

میرے لامحدود حاجات کے قبلہ! چار مہینے سے معذوری کے باوجود سر میں انواع و اقسام کی بیماری اکٹھی ہوگئی ہے اور بقاو فنا کے اختیار میں اسی طرح بے حس و بے جاں پڑا ہوا ہوں۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:

''در فراہم آوردن اسبابیکہ رابطہ سلسلہ زندگی دیدہ ایم، نغمات آشفتگی و پراگندگی نیز از ہماں ساز عشرت آہنگ شنیدہ ایم۔'' (۵۷۰)

جن اسباب کی فراہمی کو ہم نے سلسلہ زندگی کا رابطہ تصور کیا ہے اسی کے ساز عشرت آہنگ سے آشفتگی کے نغمے بھی سنائی دیے ہیں۔

۱۱۲۱ھ/۱۷۰۹ء میں بیدل کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے عبدالخالق رکھا۔ شکر اللہ خاں ثانی کے نام ایک خط میں اس کو اس کی اطلاع کی اور اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے:

''بیدلنوازمن! دریں ایام امتداد ورق گردانی نسخہ فرصت، نقشی در صحایف انفاس، مایل سیاہی نگذاشتہ واز مسودہ ہای مشقی اوہام یکقلم سواد توقع برداشتہ۔ خامہ صنع رقم قدرتی بمطالعہ تامل رسانید۔ وسطرندرتی قرین طومار حیرت گردانید۔ در معنی مضمون تازہ ایست از درسگاہ دعاسبقاں آنجناب۔ وعبارت جدیدی از افکار سپاس آہنگاں بارگاہ تعظیم انتساب۔ جبین انکسار برخط تسلیم می گذارد و آداب سجدات مبارکباد بجا آورد۔ (۵۷۱)

ان دنوں نسخہ فرصت کی لگاتار ورق گردانی نے صحیفہ نفس میں ایک نقش کو مائل بہ سیاہی نہیں چھوڑا اور قوت واہمہ کے تمرینی مسودہ سے یکقلم امید کی روشنائی ختم نہیں کی۔ فطرت کے قلم نے ایک نادر تحریر کے مطالعہ کا موقع فراہم کیا۔ ایک نادر سطر کو طومار حیرت سے ہم آغوش کیا۔ معنوی لحاظ سے

وہ ایک تازہ مضمون ہے۔ جو جناب والا جیسے دعا گو حضرات کی درسگاہ سے رونما ہوا اور ایک نئی عبارت ہے جو بارگاہ تعظیم انتساب کے سپاس آہنگ افکار و خیالات سے سرزد ہوئی۔ عاجزی کی پیشانی تسلیم کے خط پر ٹکاتا ہے اور مبارکباد کے سجدوں کے آداب بجا لاتا ہے۔

یہ تو تھا سماجی پہلوان کے تعلقات کا۔ جہاں تک ادبی پہلو کا تعلق ہے تو مضامین خطوط کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شکر اللہ خاں ثانی اگرچہ ادبی ذوق کا حامل نہ تھا پر اس سے بالکل عاری بھی نہ تھا۔

بیدل کی تحریر کے سمجھنے میں شاید اسے کچھ دشواری ہوئی تھی اس لئے ایک خط میں بجائے اس کے کہ نواب موصوف کی قوت فہم پر تنقید کرے اس نے خود اپنی تحریر کی پیچیدگی اور ابہام کا اعتراف کیا ہے:

"نفس پردازی تکلف عبارات، در جناب آئینہ قباب، ہنگامہ ساز گرد کدورت مباد۔ وا طناب تصرفہای طبیعت، در بارگاہ نزاہت پناہ، بساط آشفتہ دماغی مچیناد۔" (۵۷۲)

عبارتوں میں تکلف کی نفس پردازی جناب آئینہ قباب میں گرد کدورت کا ہنگامہ خیز ثابت نہ ہو (تکلف آمیز عبارت نواب کی فہم کے لئے موجب زحمت نہ ہو) اور طبیعت کے تصرفات میں طناب بارگاہ نزاہت پناہ میں آشفتہ دماغی کا فرش نہ بچھائے۔ (تفنن طبع پر مبنی میری رنگین نگاری نواب موصوف کے لئے ذہنی آشفتگی کا باعث نہ بنے۔)

اس کے علاوہ ایک مفصل خط جس کا عنوان ہے "در قباحت الفاظیکہ اکثر در اشعار یافتہ میشود" (۵۷۳) (اشعار میں کثرت سے پائی جانے والی قباحت الفاظ کے بیان میں) نواب کو لکھا ہے خط میں مکمل طور پر شاعری کی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔ بیدل کی شاعری پر بحث کے دوران اس خط سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شکر اللہ خاں ثانی شاعری کے سلسلے میں بیدل سے کچھ استفادہ کرتا تھا اگرچہ خود شاعری نہیں کرتا تھا۔

میر عنایت اللہ شاکر خان:

نواب شکر اللہ خاں کا دوسرا لڑکا میر عنایت اللہ مخاطب بہ شاکر خاں باپ کی زندگی میں اکثر ان کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ ۱۰۹۹ھ میں وہ زیب النساء کا خانساماں مقرر ہوا اور ۱۱۰۳ھ میں دیوان تن کے عہدے پر فائز رہا۔ (۵۷۴)

۱۱۰۴ھ میں وہ شاہجہاں آباد دہلی کا صوبیدار مقرر ہوا۔ بیدل نے اس مناسبت سے ایک

مبارکباد نامہ جو تاریخی مادوں پر مشتمل ہے کہا ہے:

"اقتدار بہار ملک و مال، دستگاہ علامت جاہ و جلال، اجلال و عشرت جاودانی، حکومت مبارک شاہجہان آباد بخان صاحب کو اکب مبارکباد۔" (۵۷۵)

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر ہوا شاکر خاں کے ساتھ بیدل کے روابط دوسرے بھائیوں کی نسبت زیادہ مخلصانہ تھے صاحب تذکرہ بے نظیر کا قول پہلے نقل کیا گیا ہے اس کے علاوہ شاکر خاں کے نام بیدل کے خطوط کی تعداد ۴۸ ہے یہ تعداد اس دعوئی کی توثیق کرتی ہے۔

ان ۴۸ خطوط میں سے ۲۰ خطوط بیدل کے شاکر خاں کے لئے غیر معمولی اشتیاق اور تعلق خاطر سے وابستہ ہیں چند ملاحظہ ہوں:

معذور گر می داشت رنگ طاقتی　　خاک می شد از جدائی آن جان جہان
سخت جانی سنگ بر دل بست و من بی اختیار　　از نم خجلت ہمان چوں آب در سنگم نہان
آنکہ بہ بیکسی نظر دوختن است　　جز یاس ز اسباب چہ اندوختن است
بی روی تو در چراغ کاشانۂ ما　　افروختنی نیست ہمہ سوختن است
دست و پاگم کردۂ شوق تماشای توام　　افگند یارب سرافتادہ در پای توام (۵۷۶)

"آثار محبت کیفیتی نقش نہ بستہ کہ بیدست اندازی غبار فنا رنگ تغیر گیرد۔ واطوار وفا نقشی نہ نشاندہ کہ بی قطع سلسلہ نفس، صورت شکست پزیرد۔" (۵۷۷)

آثار محبت نے ایسی کیفیت کی نقش بندی نہیں کی جو غبار فنا کی دست اندازی کے بغیر بدل سکے اور اطوار وفا نے ایسی نقش نشانی نہیں کی کہ سلسلہ نفس کے قطع کے بغیر شکست کی صورت اختیار کر سکے (یعنی موت یا سلسلہ نفس کے ختم ہونے کے بعد ہمارا تمہارا تعلق محبت ختم ہوگا جبتک بقید حیات ہیں ممکن نہیں کہ ہمارا قلبی تعلق اور محبت ختم ہو)

بیدل کی محبت کا یہ سلسلہ صرف نواب موصوف تک محدود نہ تھا بلکہ ان کے بچوں تک سرایت کر چکا تھا۔ شاکر خاں کا لڑکا میر مبارک اللہ ابھی بہت ہی چھوٹا تھا اور لکھتے وقت بیدل کا کبھی قلم اور کبھی کاغذ اس کے ہاتھ سے چھین لیتا تھا بیدل ان لمحات کو نہایت والہانہ جذبات سے لبریز الفاظ میں یاد کرتا ہے۔

"میر مبارک اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ گاہی یادا این متحیر کردہ باشند، فقیر را خود فراموشی ایشان ہیچ تدبیری امکان ندارد، ہرگاہ تحریر عریضہ می پردازد، کاغذ از دست گرفتن ایشان بیاد می آید و قلم از چنگ اختیار می رباید۔" (۵۷۸)

اور آخر میں ایک غزل ملاحظہ ہو جوان کے باہمی گہرے تعلق اور محبت کی نشاندہی کرتی ہے۔

ای آنکہ باتوشش جہت اقبال روبروست　　هر جاتوئی، تجلی نصرت بهانه جوست
اخفای نور مهر بعالم چه ممکن است　　کوری بچشم حاسد خفاش طبع اوست
پوشیده نیست جوهر غیرت درین بساط　　سیمای مرد از عرق سعی شسته روست
خوش باش وشادزی که درین عرصه خیال　　توباغ جاودانی واین جمله رنگ وبوست

(۹۔۔)

درحقیقت یہ تعلق، یہ عشق، یہ لگاؤ اور یہ خلوص بیدل کے ساتھ شاکرخاں کے انتہائی محبت آمیز برتاؤ اور سلوک کا نتیجہ تھا۔ ۱۰۹۶ھ میں جب متھرا سے مستقل بود و باش کے لئے بیدل دہلی آیا تو باپ اور بیٹے یعنی شکراللہ خاں اور شاکرخاں دونوں نے بیدل کی درخواست برائے مکان کو نہ صرف منظور کیا بلکہ دو روپیہ یومیہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ اس سے پہلے بھی شاکرخان اکثر بیدل کی مالی مدد کرتا اور اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہا ہے۔ لکھتا ہے:

"ہرچند اسباب مایحتاج این احتیاج کسوت، از کارگاہ لطف عمیم بیخواست مہیاست" (۵۸۰)

اگرچہ اس محتاج کی ضروریات کارگاہ لطف عمیم سے بغیر کسی مطالبہ کے فراہم ہیں۔

"باوجود جمعیت اسبابیکہ از توجہ کامروای مساکن در ہمہ حال بہمہ حاصل است۔" (۵۸۱)

اسباب کی طرف سے قلبی سکون واطمینان کے باوجود جو اس کامروائے مساکن کی توجہ سے ہر حال میں اور ہر جگہ فراہم ہے۔

باپ کے انتقال کے بعد شاکرخاں نے حسن سلوک کا وہی انداز بدستور باقی رکھا بلکہ اس کی حمایت وسرپرستی میں اضافہ کر دینا چاہا۔ چنانچہ جب وہ دکن میں تھا تو بادشاہ سے بیدل کے لئے ایک جاگیر حاصل کر کے اس کو اطلاع کی۔ بیدل نے اگرچہ اسے قبول نہ کیا پر شکریہ کا خط اس کو لکھا:

"باآنکہ لابد جمیع اسباب از عطای عمیم مہیاست، ظہور این جنس فعلہا نیز کہ متصور خیال عجز مآل نیست، صورت وقوع می آراید۔ و دعاگوی خود را مورد اقسام شفقت می فرماید۔ غیراز سپاسیکہ در ادای حق آن عاریست، چہ خدمت افزاید۔ و جز بہوای استدعای علو مناصب و عروج مراتب صوری و معنوی چہ کف کشاید۔ الحاصل احسان احسان تست باقی ہمہ حرف۔" (۵۸۲)

باوجودیکہ تمام اسباب معاش نواب کی عام بخشش سے مہیا ہیں اس قسم کی عنایتوں کا ظہور بھی جس کا خیال عجز مآل کو تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے وقوع پذیر ہوتا ہے اور اپنے دعاگو پر وہ مختلف قسم کی

عنایتیں کرتا ہے۔ اس شکریہ کے سوا جس کے حق کی ادائیگی سے خاکسار عاجز ہے مزید کیا خدمت انجام دے اور مناصب کی بلندی اور صوری اور معنوی مراتب کے عروج کی خواہش کے سوا کس چیز کے لئے ہاتھ پھیلا سکتا ہے۔ غرض احسان تو تمہارا احسان ہے باقی سب کہنے کی باتیں ہیں۔

شاید کسی کے صفحۂ ذہن پر یہ اعتراض ابھرے کہ حاجت روائی کی وجہ سے بیدلؔ نے شاکرخاں کی اتنی تعریف کی ہے اور اس سے تعلق اور لگاؤ کا اظہار کیا ہے لیکن شکراللہ خاں کے تذکرہ کے ضمن میں نام کے ایک شخص کا جو قول نقل کر کے اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا خلوص اور بیدل کے کلام کی قدردانی اور تحسین پر مبنی تھا۔ چنانچہ بیدلؔ خود کہتا ہے:

جهد تنگ و بوی قطره از عمان پرس　　عزم شبنم ز نیّر تابان پرس
تا مرجع بیدل به یقیں فهم کنی　　از شکرالله خاں و شاکرخان پرس

(۵۸۳)

قطرہ کے تگ و پو کی قدر دریائے عمان سے پوچھو، شبنم کے عزم وارادہ کی اہمیت نیر تاباں سے پوچھو۔ بیدلؔ کا مرجع اگر یقینی طور پر معلوم کرنا چاہو تو شکراللہ خاں اور شاکرخاں سے پوچھو۔

اسی مخلصانہ تعلق کی بنا پر بیدل اس خاندان کا فرد معلوم ہوتا ہے جو خوشی وغم اور دکھ سکھ ہر حال میں نواب کا شریک وسہیم ہے۔ ان مبارکبادیوں کے علاوہ جو اس نے شاہجہان آباد دہلی کے گورنر کے عہدہ پر اس کی تقرری اور میواتیوں پر اس کی بالاتری کی مناسبت سے اس نے بھیجے ہیں (۵۸۴) شاکرخاں اور شکراللہ خاں ثانی دونوں بھائیوں کے درمیان جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں بیدلؔ نے اس کو دور کرنے میں خاندان کے ایک بزرگ کا رول ادا کیا ہے۔ ایک خط میں شاکرخاں کو لکھتا ہے:

"مشاہدہ بعضی احوال کہ اثر اختلاف از منہ وامکنہ مقتضی ظہور اوست آنقدر پایدار نیست۔ کدورت جز صفای تصور اصلا جائز نباید داشت۔ وعنان اختیار این تماشا بر خرمیہای تسلیم و رضاوا باید گذاشت۔" (۵۸۵)

بعض حالات کا مشاہدہ جن کا ظہور زمان ومکان کے اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے زیادہ پائیدار نہیں ہے خلوص وصفائے قلب کے سوا کدورت کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیجئے اور اس تماشا کے اختیار کی باگ تسلیم ورضا کی خوشیوں کے حوالے کر دیجئے۔

شاکرخاں کے لڑکے کی وفات کے موقع پر بیدل نے ایک تعزیت نامہ بھیجا جو فلسفیانہ انداز کے شیوۂ تسلیم ورضا کے مضمون پر مشتمل ہے:

"اگر یکنفس اختیار در قبضہ تصرف ما می گذاشتند، چوں آفتاب، پنچہ بر فلک می تازیدیم واگر

یک حباب مہلت بکام جمعیت مابود، چوں آسماں برکلاہ بی نیازی می نازیدیم۔ دوش مزدور جز باخمیدن سری ندارد۔ وگردن غیر تسلیم از ہیچ جیبی سر برنمی آرد۔" (۵۸۶)

اگر لمحہ بھر کے لئے بھی اختیار کی باگ ڈور ہمارے سپرد ہوتی تو آفتاب کی طرح ہم بھی آسمان پر پنجہ مارتے اور بلبلہ کے برابر بھی ہمیں مہلت ملی ہوتی تو آسمان کی طرح کلاہ بے نیازی پر ناز کرتے۔ مزدور کو اپنا کاندھا جھکانے کے سوا کسی اور بات کا خیال بھی نہیں آتا اور گردن کو تسلیم ورضا کے سامنے خم ہوجانے کے سوا گریباں سے سر اٹھانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

شاکر خاں بھی اپنے باپ کی طرح تحفہ تحائف اور ہدیے جیسے گزی پارچہ، آموں اور خربوزہ کی ٹوکری، روغن بادام اور روغن گل وغیرہ بیدلؔ کو بھیجا کرتا تھا اور بیدل ان کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتا تھا۔ (۵۸۷)

اب دونوں کے تعلقات کے بعض ادبی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ خطوط کے مضامین پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاکر خاں اگرچہ شاعر نہیں تھا تاہم شاعرانہ ذوق اور صلاحیت سے بے بہرہ بھی نہ تھا۔ خصوصاً نثر بڑی رنگین اور متین لکھا کرتا تھا۔ بیدلؔ نے اس کے انداز تحریر کی اس طرح تعریف کی ہے:

"امروز از عبارت بیدلنواز نامہ، کیفیتی بر طبع قاصر پرتو انداخت کہ اگر از متانتش دم زند نفس بر رگ یاقوت، بار تمکین می تواند فروخت، واگر بر نگینی تامل نماید، خیال از دیدہ تا دل، بہار می تواند اندوخت۔" (۵۸۸)

بیدلنواز نامہ کی عبارت سے ایسی کیفیت طبع قاصر پر طاری ہوئی کہ اگر اس کی متانت کا تذکرہ کریں تو سانس رگ یاقوت پر تمکین کا بار لاد دے اور اگر اس کی رنگینی پر غور وفکر کریں تو قوت متخیلہ دیدہ سے لے کر دل تک بہار اندوزی کرے۔

اس کے باوجود ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیدلؔ کی نثر کو وہ مشکل تصور کرتا تھا۔ چنانچہ بیدل نے اپنی تحریروں کی پیچیدگی اور ابہام کا خود اعتراف کرکے اس سے معذرت چاہی۔

"پر صریح است کہ نامہ ہا یکسر در کسوت پیچیدگی بال کشاست۔ وتحریر ہا یکقلم درصورت ایجاز پرواز نما"۔ (۵۸۹)

واضح رہے کہ خطوط سراسر لباس پیچیدگی میں بال کشائی کر رہے ہیں اور تحریریں یک قلم ایجاز کی شکل میں پرواز کر رہی ہیں (میری تحریروں میں پیچیدگی اور ایجاز کی خصوصیات پائی جاتی ہیں)۔

بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاکر خاں بیدل سے استفادہ کرتا تھا اور بیدل اس کی ا

وابستہ بعض اہم نکات اس کو بتایا کرتا تھا مثلاً ایک خط میں لکھتا ہے کہ نور خاں نام کا ایک شخص لفظ ت کے "ت" سے 'ہ' ہائے ہوز کے عدد نکالتا تھا۔ بیدل نے نور خاں اور اس کے پیروؤں کی زبردست نپائی کی اور اس کو جاہلوں بلکہ گدھوں کی صف میں شمار کیا ہے:

"طبایع را دریں ایام آشوب، اختلالی درہم فشردہ کہ تقیدیان ہرزہ خیالی، جز غبار کوچہ ہای کون خری بیختن، شغل مستحسن در پیش ندارند۔ از ینجاست تا ای خط "جنت" را کہ در تحریر نسخ وغیرہ غیر از "تی" محسوب می باشد عدد "ہی" می شمارند۔ پیش ازیں نیز اساتذہ مؤرخ اینطایفہ، بمطالعہ رقوم شکستہ، طعن شاعری کردہ اند کہ الف را کج گفتہ ونقطہ در 'پی' نہفتہ۔ غریب اتفاقی ست کہ خران را مستعد درسگاہ علوم باید فہمید۔ وخرسان را مملواً آثار موشگافی باید اندیشید۔ بہمہ حال، ورق صحبت جہلا گرداندنی ست۔ وبکوری خفاشان خطوط شعاع آفتاب خواندنی۔" (۵۹۰)

ان پر آشوب دنوں میں لوگوں کی طبیعتوں میں ایک بدنظمی پیدا ہوگئی ہے کہ ہرزہ خیالی کے ... فار حضرات کے پاس گدھوں کے گوبر کی گلیوں کی گرد چھاننے کے سوا کوئی اچھی مصروفیت نہیں ہے۔ ... وجہ سے جنت کی 'ت' سے جو کتابوں کی کتابت میں 'ۃ' کے سوا کچھ اور نہیں شمار کیا جاتا ہے۔ 'ہ' کا عدد ... لتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس گروہ کے مؤرخ اساتذہ حضرات شکستہ تحریروں کے مطالعہ کے بعد ... شاعر پر طعن کرتے رہے ہیں جس نے "الف" کو 'کج' پڑھا اور "پی" میں نقطہ چھپا رکھا۔ عجیب وغریب ... تفاق ہے کہ گدھوں کو درسگاہ علوم کا با استعداد طلباء سمجھا جائے اور ریچھوں کو موشگافی کی خصوصیات کا ... تصور کیا جائے۔ بہرحال جاہلوں کی صحبت کا ورق اس لائق ہے کہ اس کو پلٹتا چلا جائے اور ... ڈروں کی کوری کے باوجود آفتاب کی کرنیں اس لائق ہیں کہ ان کے خطوط کا مطالعہ کیا جائے۔

شاکر خاں کی تصانیف کی شکل کی کوئی چیز دستیاب نہیں ہے۔ البتہ "کلمات طیبات" اور "احکام ... ی" کے تذکرہ کے ضمن میں ڈاکٹر نورالحسن انصاری لکھتے ہیں:

"کلمات طیبات اور احکام عالمگیری اورنگ زیب کے ان مکاتیب کے مجموعے ہیں جو اس کے معتمد سکریٹری عنایت اللہ خاں نے مرتب کئے (مآثر الامراء ۲/۸۲۹)............ عنایت اللہ خاں علم وفضل اور ریاست ونجابت کی بنا پر بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اورنگزیب اس کے طرز تحریر کا شیدائی تھا۔ ان مکاتیب کی تدوین کے علاوہ مآثر عالمگیری کی تالیف بھی اسی کی سرپرستی میں ہوئی ہے۔ (مآثر الامراء ۲/۸۳۱)

کلمات طیبات ان رقعات پر مشتمل ہے جو اورنگزیب نے وقتاً فوقتاً اپنے سکریٹری کو لکھے تھے۔

ان رقعات پر اورنگ زیب کے دستخط ہوتے تھے اور سکریٹری کا کام تھا کہ انہیں مفصل خط کی شکل دے (مآثر المرا/۲۱/۸۳۱) احکام عالمگیری ان احکام پر مشتمل ہے جو اورنگ زیب نے عنایت اللہ خاں کی معرفت بھیجے تھے۔ ان پر اورنگزیب کا دستخط نہیں تھا بلکہ سکریٹری خود ہی مفصل خط لکھ کر خدمت میں پیش کرتا تھا۔ (مآثر الامراء/۲/۸۳۱) (۵۹۱)

کرم اللہ خاں مخاطب بہ عاقل خاں:

کرم اللہ خاں مخاطب بہ عاقل خاں شکر اللہ خاں کے سب سے چھوٹے صاحبزادے کا نام ہے۔ وہ ایک حد تک شاعرانہ ذوق کا حامل تھا اور اپنا تخلص عاشق اختیار کر رکھا تھا۔ بقول خوشگو وہ بیدل سے مشق سخن کرتا تھا اور اس کے شاگردوں میں اسے جانشینی کا مقام حاصل تھا۔ بہادر شاہ کے عہد میں اسے لاہور کی دیوانی کا عہدہ ملا ہوا تھا اور وہاں سے خط و کتابت اور مراسلات کے ذریعہ بیدل سے استفادہ کرتا تھا۔ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء میں اسے عاقل خاں کا خطاب ملا۔ بیدل نے اس مناسبت سے ایک تہنیت نامہ جو مادہ تاریخ پر مشتمل ہے کہا۔ اس کے ہر فقرہ سے ۱۱۱۴ھ نکلتی ہے۔

"پیشگاہ کرم انتساب، جم کواکب فیاض، کرم اللہ خاں بمناصب خانی مبارکباد۔" (۵۹۲)

بیدل کا عاقل خاں سے تعلق بھی اس کے باپ اور بھائیوں کی طرح مخلصانہ رہا ہے۔ خان موصوف کے نام بیدل کے ۱۶ خطوط ہیں ان میں چار مبارکباد اور اظہار مسرت سے وابستہ ہیں، تین اشتیاق ملاقات، تین تعزیت اور دو تحائف بھیجنے اور دو شعر و سخن سے وابستہ ہیں۔ یہ سب اس کی ہمہ جہت روابط کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ۱۰۸۵ھ میں کرم اللہ خاں کی شادی کے موقع پر بیدل لاہور میں تھا وہاں سے اس نے تاریخ شادی اور لاہور سے اپنی واپسی پر مشتمل ایک تاریخ اس کے پاس بھیجی:

"کلک آرزو سلک، بہ عرض این مطلع میمنت نگار تاریخ زمان ورود است۔"

جنت عیش و طرب خادماں　　ہمدم بزم کرم اللہ خان (۱۰۸۵ھ)

(۵۹۳)

۱۱۱۸ھ/۱۷۱۶ء میں کرم اللہ خاں کے ہاں لڑکی اور لڑکے کی پیدائش کی مناسبت سے جو ایک ہی ہفتہ میں پیش آئی بیدل نے کہا:

"دمیدن طرب ماہ و آفتاب مبارک۔" (۵۹۴)

اعظم شاہ اور معظم شاہ کے درمیان جنگ جانشینی میں تینوں بھائی معظم شاہ کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ بیدل نے بہادر شاہ کی کامیابی کی مناسبت سے کرم اللہ خاں کے نام ایک خط میں مبارکباد پر مشتمل

ایک مادہ تاریخ نکال کر بھیجا جس کا تذکرہ پہلے ہوا۔ اسی خط میں نواب سے اپنے غیر معمولی تعلق کا اظہار وہ اس طرح کرتا ہے:

"پیداست کہ مارا در ہیچ حالتی، مشغول امری دیگر نداشته اند و نمی دارند۔ و غیر از تخم مہر یکہ روشن است در طینت اخلاص سرشت نکاشته اند و نمی کارند۔ ہر نوید یکہ از حدیقۂ شگفتگی آن ذات بگوش می رساند از اں رمز ہای تصور نمی توان کرد کہ فردوس برنگ آمیزی بہارش، بساط گلفروشی تواند چیند۔" (۵۹۵)

ظاہر ہے کسی بھی صورت میں ہم کو کسی اور امر نے مشغول رکھا ہے نہ رکھے گا اور طینت اخلاص سرشت میں محبت کے سوا کسی اور چیز کا تخم بویا ہے نہ بوئے گا۔ ہر وہ خوشخبری جو اس ذات کے باغ کی شگفتگی سے کان تک پہنچتی ہے اس سے حاصل ہونے والی مسرت کا وہ عالم ہے کہ اس کے رمز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ فردوس اس کی رنگ آمیزی میں گلفروشی کا بساط بچھائے گا۔

دوسرے خط میں لکھتا ہے:

"گاہی لغزش خامہ را، عصای طریقہ توکل می پندارد، تا بہوای آں آستان خود را بجای تواند رساند۔ گاہی دامن قاصد را، وسیلہ امیدی می انگارد تا بخیال آں سر راہ غبار حیرتی تواند افشاند۔" (۵۹۶)

کبھی لغزش خامہ کو شیوہ توکل کا عصا تصور کرتا ہے تا کہ اس آستانہ کی خواہش میں خود کو کسی مقام تک پہونچا سکے۔ اور کبھی قاصد کے دامن کو وسیلۂ امید قرار دیتا ہے تا کہ اس کے تصور میں سر راہ حیرت کی غبار افشانی کر سکے۔

ایک اور خط میں لکھتا ہے:

"حصول آرزوہا از حد بیش و عجز مراتب بیدلیہا ہمہ جا پیش۔ اگر قدم براہ می گذارد، سر از زانو نمی تواند برداشت۔ و اگر سر بہ پیش می افگند، اعتماد بر قدم نمی تواند گذاشت۔" (۵۹۷)

اشتیاق ملاقات حد سے کہیں زیادہ ہے پر بیدل کی عجز و بے بسی ہر جگہ آڑے آتی ہے اگر قدم اٹھاتا ہے تو سر زانو سے نہیں اٹھا سکتا اور اگر سر اٹھاتا ہے تو قدم پر بھروسہ نہیں کیا سکتا۔

یہ تعلق اور گرویدگی اور یہ عشق و شیفتگی نواب موصوف کے اخلاق حمیدہ اور اس محبت آمیز سلوک کا نتیجہ ہے جو وہ بیدل کے ساتھ کرتا تھا۔ چنانچہ بیدل نے اپنے متعدد خطوط میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

"للہ الحمد از ساز محاسن اوضاع شفقت انتفاع، آنچہ بترنم می یابد، نازش گوش خیریت نیوش

است۔ واز عالم محامد اطوار مکرمت ایثار، ہر چہ بتامل می رسد، مفرح ہوش جمعیت۔" (۵۹۸)

اللہ کا شکر ہے شفقت آمیز حالات کے محاسن کے ساز سے جو راگ سنائی دے رہا ہے وہ گوش خیریت نیوش کیلئے مایہ ناز ہے اور اخلاق مکرمت آثار کی خوبیوں کی بابت جو باتیں سامنے آرہی ہیں وہ ہوش جمعیت کے لئے فرح بخش ہیں۔

"اگر مایہ صحبتی ست، یاد مراحم شفقت و اقبال ست۔ واگر دستگاہ جمعیتی، تصور اخلاق مرحمت اشتمال۔" (۵۹۹)

اگر صحبت کی کوئی چیز قابل اعتناء ہے تو جناب والا کی مراحم امیرانہ اور شفقت کریمانہ کی یاد ہے۔ اور اگر سکون و جمعیت کا کوئی سہارا ہے تو مرحمت آمیز اخلاق کا تصور۔

اس کے مقابلہ میں بیدل کا سلوک بھی بالکل اسی طرح کا محبت انگیز اور خلوص آمیز تھا۔ نہ صرف رقعات میں بلکہ عملی زندگی میں بھی وہ اس کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ خوشگو لکھتا ہے:

"نواب ذوالفقار خاں کہ مبلغ دوصد اشرفی بخدمت مرزا نیاز گذرانیدہ بود ہمہ آنرا بعاقل خاں بخشیدہ بودند کہ درآن وقت از طرف خرچ معسر بود۔" (۶۰۰)

ایک دفعہ نواب ذوالفقار خاں نے دوسو اشرفیاں مرزا کی خدمت میں بطور نذرانہ کے بھیجی تھیں۔ بیدل نے ساری رقم اٹھا کر لطف اللہ خاں عرف عاقل خاں کو بھیج دی جو اس زمانہ میں مالی مشکلات سے دوچار تھا۔

جہاں تک ان کے تعلقات کے ادبی پہلو کا تعلق ہے خوشگو اور بیدل کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دو بڑے بھائیوں کی بہ نسبت اسے شعر و شاعری سے کچھ زیادہ تعلق تھا اور بڑی حد تک شاعرانہ ذوق کا حامل تھا۔ خوشگو لکھتا ہے:

"غزلی در شکوہ دیر رسی خطوط بخدمت مرزا فرستادہ بود۔ آنجناب بعد مطالعہ فرمودند: فکر عاشق ہمہ معشوقانہ افتادہ و او خود پایہ فکر از ماہم گذرانیدہ، لیکن چون خاطرش عزیز است موافق استدعایش اصلاح لفظی در مطلع او ہم باشد مطلع ایں است۔"

خطوط کے تاخیر سے پہونچنے پر اس نے شکایت کے طور پر مرزا کو ایک غزل روانہ کی تھی۔ مرزا نے مطالعہ کے بعد فرمایا: عاشق کی فکر سراسر معشوقانہ ہے اس نے اپنے فکر کا پایہ ہم سے کہیں بلند کردیا ہے لیکن چونکہ اس کی دلداری عزیز ہے اس لئے حسب استدعا مطلع میں معمولی لفظی اصلاح کردی۔ مطلع یہ ہے:

یادی ز ما نمی کند آن آشنای ما   از ما دلش پر است کہ خالی ست جای ما (۶۰۱)

(وہ میرا آشنا دوست مجھے یاد نہیں کرتا، اس کا دل ہم سے بھرا ہوا ہے یا ہماری جگہ اس میں خالی ہے)۔

مرزا صاحب نے لفظ (آشنائے ما) کی جگہ (بے وفای ما) کردیا۔

بیدل کے خط سے بھی واضح ہوتا ہے کہ عاقل خاں نے ایک غزل اسے بھیجی تھی۔ بیدل نے اس کی بے انتہا تعریف کرتے ہوئے لکھا:

"بمطالعہ غزل معارف مثل، خمستانی بجوش آوردہ کہ زبان شکستہ بیان، از ساغر تقریرش، خط بر کیفیات لغزش مستان کشید۔ ونگاہ حیرت عنوان، بتماشای تحریرش، سررشتہ مستی تا سر مژگاں رسانید۔" (۶۰۲)

غزل معارف مثل کے مطالعہ نے ایک ایسے خمستان میں ابال پیدا کردیا کہ زبان شکستہ بیان نے اس کے ساغر تقریر سے شرابیوں کی لغزش پا کی کیفیت پر خط کشی کردی (یعنی بہت زیادہ کیف پرور غزل ہے) اور نگاہ حیرت عنوان نے اس کی تحریر کا تماشا دیکھ کر مستی کا سررشتہ پلکوں کے سر تک پہونچا دیا (انتہائی وجد آور ہے)۔

تبصرہ کا یہ انداز بتاتا ہے کہ عاقل خاں ایک نہایت عمدہ غزل گو شاعر تھا اس کے باوجود دوسرے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدل کی نثر کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتا تھا۔ بیدل اس کو دوسرے انداز سے بیان کرتا ہے:

"تکلف وضع عبارات، مخل معنی تحقیق مباد۔ وتصنع طرز تحریر تضییع اوقات حضور میناد۔" (۶۰۳)

عبارتوں کی پر تکلف شکل خدا کرے معانی تحقیق کے سمجھنے میں خلل انداز نہ ہو اور طرز تحریر کا تصنع جناب والا کی تضییع اوقات کا سبب نہ بنے۔

افسوس کہ باغ ادب کا یہ نونہال جلد ہی مرجھا گیا اور عین جوانی کے عالم میں ۱۱۲۴ھ میں خدا کو پیارا ہوگیا۔ بیدل جو اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا اس کی وفات کی خبر سن کر اتنا رنجیدہ ہوا کہ اس کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ (۶۰۴)

قیوم خاں فدائی:

قیوم خاں فدائی، عاقل خاں رازی کا لڑکا، شکر اللہ خاں کا نسبتی بھائی اور لطف اللہ خاں، شاکر خاں اور کرم اللہ خاں کا ماموں تھا۔ اس کا تذکرہ اصولی طور پر اس کے باپ کے تذکرہ کے فوراً بعد ہونا تھا مگر بیدؔل کے اس سے تعلقات کے نوعیت کے لحاظ سے اس خاندان کے آخر میں اس کا تذکرہ

کہا جاتا ہے۔ قیوم خاں کے نام اپنے ایک خط میں بیدلؔ پورے خاندان کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

"للہ الحمد از تہذیب اخلاقیکہ شایستہ ایں خاندان کرم آستان است، آنچہ می شنود، گوش محامد نیوش، ذخیرہ سعادت می انپارد۔ واز حسن اطوار یکہ خاصہ این سلسلہ جہان تسخیر است، ہر چہ بسمع می رسد، امید جمعیت نصیبہ غنیمت برمی دارد۔" (۶۰۵)

اس خاندان کرم عنوان کے شایان شان جس تہذیب و اخلاق کا چرچا سنا کرتا تھا الحمد گوش محامد نیوش (تعریف سننے والا کان) اس سے سعادت کی ذخیرہ اندوزی کر رہا ہے اور اس سلسلہ جہاں تسخیر کے مخصوص حسن اوصاف کی بابت جو کچھ کان میں پہونچا کرتا تھا اس سے پر برکت سکون و جمعیت خاطر کی امید وابستہ ہے۔

اس اقتباس کا تذکرہ شروع میں بھی کیا گیا ہے۔ اب تک اس خاندان کے ہر ایک فرد کے حالات تفصیلی طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔ اس خاندان سے بیدلؔ کے وسیع اور ہمہ جہتی تعلقات اس کے اس دعویٰ کی توثیق کرتے ہیں جس کا اس خط میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بیدلؔ درحقیقت اس خاندان کے اوصاف پسندیدہ اور اخلاق حسنہ کا عاشق وشیدا تھا۔

پتہ نہیں چلتا کہ قیوم خاں کس عہدہ پر فائز تھا لیکن ایک خط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں جنگ جانشینی کے وقت وہ بہادر شاہ شاہ عالم کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ قیوم خاں نے اس زمانہ میں بیدلؔ کی طرف سے یاد آوری میں غفلت برتنے کی شکایت کی۔ بیدلؔ نے اسے تسلی دی اور خدائے تعالیٰ سے اس کے لئے سلامتی کی دعا کی:

"در جمیع احوال سلامت ذات تقدس آیات دلیل شکر ایزدیست۔" (۶۰۶)

تمام حالات میں ذات تقدس آیات کی سلامتی شکر خدا کی دلیل ہے۔ قیوم خاں کے نام بیدلؔ کے خطوط کی تعداد رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور میں پانچ ہے اور ایک خط مجمع الانشاء تالیف محمد امین میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح ان خطوط کی کل تعداد چھ ہوتی ہے۔

ان خطوط کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ بیدلؔ کے قیوم خاں سے روابط بھی ہمہ جہتی تھے۔ دکھ سکھ اور غم وخوشی ہر حال میں بیدلؔ اس کا شریک دکھائی دیتا ہے۔ ۱۱۲۲ھ میں قیوم خاں کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس موقعہ پر بیدلؔ نے ایک تاریخ کہی:

"طلوع نیر رتبہ واقبال، آثار افسردہ جاہ وجلال، آرایش مجلس عزت الخ۔" (۶۰۷)

قیوم خاں اکثر و بیشتر تحفہ تحائف مثلاً آم وغیرہ بیدلؔ کو بھیجا کرتا تھا۔ بیدلؔ شکریہ کے طور پر لکھتا ہے:

"ارسال انبہ ہای منتخب کہ ہریک از لذت سربستہ، نوید ذوقی تمام داشت، تلخکامان زاویہ بیدلان، از دل تا زبان، بچاشنیہای حصول شکر اپناشت۔" (۶۰۸)

منتخب آموں کے ارسال نے جن میں سے ہر ایک لذت سربستہ سے ذوق تمام کی خوشخبری تا ہے، زاویہ بیدلاں میں مقیم تلخ کاموں (خود بیدلؔ اور اس کے احباب مراد ہیں) کو دل سے زبان شکر کی چاشنی سے پر کردیا۔

ان کے تعلقات کے ادبی پہلو کا جہاں تک تعلق ہے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ قیوم خاں ایک صاحب ذوق آدمی تھا۔ وہ شاعری بھی کرتا تھا اور دلنشیں نثر بھی لکھتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک غزل بیدلؔ کو بھیجی، بیدلؔ نے اس کی تحسین کرتے ہوئے لکھا کہ وہ سدا اسی قسم کے تحفوں کے انتظار میں رہتا ہے:

"للہ الحمد امروز سامان بخش جمعیت مہجوران ورود اتفاقی غزلی ست کہ مغزل فطرت فلکی را، در مقابل ہمواری عبارا تش پیچ وتاب رسیدن است و بآبداری طراوتہای معانیش، موج گوہر راخاک گردیتیمی لیسیدن۔ فیض تسلسل این جنس ادوار تہمت تعطیل مبیناد۔" (۶۰۹)

بحمد اللہ آج مہجوروں کو سکون خاطر بہم پہونچانے والی چیز ایک ایسی غزل کی اتفاقیہ آمد ہے کہ فطرت فلکی کے مغزل (عاشقانہ غزل) کو اس کی عبارتوں کی ہمواری کے سامنے پیچ تاب کھاتے ہی بنے گی۔ اور اس کے معانی کی تازگی کی چمک دمک کے مقابلہ پر موج گوہر کو گردیتیمی کی خاک سے لت پت ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ خدا کرے اس قسم کے تحائف کی آمد کا سلسلہ بند نہ ہو۔

اسی طرح اس نے اپنا انشاء نامہ بیدلؔ کے پاس بھیجا اور بیدلؔ نے اس طرح اپنے تاثرات کا اظہار کیا:

"للہ الحمد ورود افکار معانی انوار، چراغ کلبہ بی برگ ونوا را امداد روغنی می فرماید۔ وکشاد نامہ شفقت شامہ، برروی بستگیہای دل مایوس، در امیدی کشاید۔ تواتر یادآوریہای عمیم۔ بایں مژدہ تسلی نواست کہ شخص نسیان مآل ماسبق اعتبار، بدرس فراموشی می رساند وتجدید مراحم قدیم، بایں تازگی نوید رسان کہ بہار مدعای رنگ اقبال گرداندن نمی داند۔" (۶۱۰)

افکار معانی انوار کا ورود بحمد اللہ کلبہ بے برگ ونوا کے چراغ کو روغن فراہم کر رہا ہے۔ نامہ شفقت شامہ کی کشاد دل مایوس کے بندھوں پر امید کا دروازہ وا کرتی ہے۔ عام یاد آوری کا تسلسل اس خوشخبری کی تسلی دے رہا ہے کہ نسیان مآل ماسبق اعتبار شخص کو فراموشی کا درس دے اور مراحم دیرینہ کی تجدید اس تازگی کی نوید پہونچا رہی ہے کہ رنگ اقبال کی بہار مدّعا منصرف ہونا نہیں جانتی۔

ان خطوط سے قیوم خاں کی نثر و نظم کی تعریف تو واضح ہے ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کے لئے عالم تنہائی اور خلوت میں جو چیز خوشی کا سبب ثابت ہوتی تھی وہ شاعری کے علاوہ دوستوں کے ساتھ نامہ نگاری اور منثور و منظوم تخلیقات کے تبادلے تھے۔

عبدالقیوم خاں کی وفات ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء میں ہوئی۔ بیدل نے اس مناسبت سے سے درج ذیل قطعہ کہا ہے:

عبدالقیوم خاں دریا ہمت — چوں کرد ازیں سرای فانی رحلت
تاریخ وفاتش بحساب تحقیق — شد: گوہر مقبول محیط رحمت (۱۱۲۴ھ)(۶۱)

میر عبدالحیٔ:

میر عبدالحیٔ، محمد عسکری حسین مؤلف ''صحائف شرائیف'' کے مطابق عاقل خاں رازی کا بیٹا اور بیدل کا ایک مخلص دوست تھا یہ بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا پنجہ اجل نے اسے مہلت نہ دی کہ اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکے اور عین جوانی کے عالم میں دنیا سے کوچ کر گیا۔ محمد عسکری نے میر عبدالحی کے نام بیدل کے دو خطوط کا تذکرہ اپنی کتاب صحایف شرایف میں کیا ہے جو بیدل کے رقعات کے کسی بھی مطبوعہ یا قلمی مجموعہ میں نظر نہیں آئے اس لئے ان کو یہاں جوں کا توں نقل کیا تا ہے۔

''نیاز یکہ در معبد اندیشہ با معنی تسلیم می ساخت بمقتضای بی طاقتی از صورت خطاب جبہہ فرسا، و دعائیکہ در پردہ نفس با ساز طلبیدن می پرداخت، بحکم بی اختیاری در کسوت نامہ بال کشا۔ آبلہ پایان راہ مقصود را ذکر کعبہ طلب ہم جمعیت وصال است و عاجز کفایان عالم شہود را خیال دولت دیدار نیز آئینہ داری منصب کمال۔ تا حضور وصل درس دیدہ مشتاق بود، دل فراغی داشت از حیرت بیانیہای خط۔''

وہ نیاز جس نے فکر کی عبادتگاہ میں معنیٔ ''تسلیم'' کے ساتھ ہماہنگی پیدا کرلی تھی اپنی ناتوانی کے حسب اقتضا خطاب کی شکل میں جبہہ فرسائی کر رہی ہے اور وہ دعا جو پردہ نفس میں ساز طلب میں مشغول تھی بے اختیاری کے حسب اقتضا معمولی لباس میں بال کشائی کر رہی ہے۔ راہ مقصود کے آبلہ پا حضرات کو کعبہ طلب کا ذکر بھی وصال کا سا سکون عطا کرتا ہے اور عالم شہود کے عاجز کف (درماندہ و بے بس) حضرات کے لئے دولت دیدار کا خیال بھی منصب کمال کا آئینہ دار ہوتا ہے جب تک وصل کا حضور مشتاقوں کی آنکھ کے لئے ایک درس ثابت ہوا ن کو خط کی حیرت بیانی سے فراغت حاصل ہو چکے گی۔

مرا ایں غنچہ صد سالہ بغیر دل کشود امشب — نمی دانم گذار باد از کوی کہ بود امشب

''حیرانم نسیم کدام جانب لخلخہ سای خوش وقتی است کہ دماغ آرزومنداں دریافت والا خدمت را عطر آگیں دارد۔ و شمیم کدام طرف غالیہ بیز تصوری بست کہ مشام حاجتمندان عالی حضور را عنبریں (کند)۔ نی نی توتیای غبار موکب صاحب وقبلہ قدر دان است کہ دیدہ رمدی انتظار را روشنی افزاست۔ و نور قدوم خداوند مہربان است کہ گراں گوشان ندای ترانہ بہجت را سامع کشا۔ جان را نشانی دیگر است و دل را اختلاطی در سر۔ الحمد للہ کہ دیرین دعای ملتجیان بدرجہ اجابت رسید و بہمین تمنا بحصول پیوست۔ الحال نیاز نظر یا انداز نامہ ای نیست انشاء اللہ اگر حیات باقیست فردا بملازمت استقبال دیدہ افروز و سعادت اندوز می شود۔'' (۶۱۲)

آج رات میرا یہ صد سالہ غنچہ دل کے بغیر ہی کھل اٹھا۔ مجھے نہیں پتا کس کی گلی سے آج رات ہوا گذری تھی۔

حیران ہوں باد نسیم کس طرف خوش وقتی کی لخلخہ سا (خوشبو مل رہی ہے) جس نے جناب والا کی خدمت میں حاضری کے مشتاقوں کا دماغ عطر آگیں کر دیا اور شمیم کس طرف غالیہ بیزی کا تصور کئے ہے جس نے حضور عالی کے حاجتمندوں کے مشام کو عنبریں کر دیا ہے۔ نہیں نہیں یہ صاحب وقبلہ قدرداں کی سواری کے غبار کا سرمہ ہے جو انتظار کی رمدی آنکھ کی روشنی بڑھانے والی ہے اور خداوند مہربان کے قدوم کا نور ہے جو علم ترانہ بہجت کی آواز اونچا سننے والوں کے کان کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ جان کے لئے ایک اور نشاط اور دل کئے اور لذت۔ الحمد للہ کہ التجا کرنے والوں کی قدیم دعا اجابت کے درجہ پر پہونچی اور یہ تمنا حاصل ہوئی۔ اس وقت تو خط بھیج کر جناب والا کی نگاہ میں پیش ہے۔ انشاء اللہ اگر زندگی رہی تو کل حاضر خدمت ہو کر آنکھوں کی روشنی میں اور سعادت میں اضافہ کرے گا۔

یہ دونوں خطوط بیدل سے میر عبدالحیٔ کے تعلقات پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے علاوہ عنایت اللہ شاکر خان بن شکر اللہ خان کے نام اپنے ایک خط میں بھی بیدل نے میر عبدالحیٔ کی نوازشوں کا تذکرہ کیا ہے۔

''مہربانیہای خان صاحب الطاف مناصب و التفاتہای میر صاحب کرم مناقب از عالم تقریر برون است۔ گاہی بمقتضای بی اختیاری سری بہ سہار نپور می کشد و بیاد گرامی صحبت خود را از فیض منقبت ایشان دلی می دہد۔''

اس اقتباس سے جس کو اس سے پہلے شکر اللہ خاں کے سلسلے میں نقل کیا چکا ہے اور سارے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ خانصاحب الطاف مناقب، سے مراد شکر اللہ ہیں کیونکہ

انہوں نے ایک دور اپنی ملازمت کا (۱۰۹۰ ہجری سے پہلے) سہارنپور میں وہاں کے صوبیدار کی حیثیت سے گذارے۔ اسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میر عبدالحیٔ نے اپنے برادر نسبتی شکر اللہ خاں کے ہمراہ کچھ دنوں سہارنپور میں قیام کیا۔ بیدل جب ان کی ملاقات کو گیا تو دونوں نے اس کو اپنی عنایتوں سے نوازا اور خوب خوب ضیافت کی۔

افسوس کہ میر عبدالحیٔ ۱۱۰۰ ہجری میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔ بیدل نے اس کے سانحہ ارتحال کے موقعہ پر اس طرح مادہ تاریخ نکالی۔

درغم واندوہ این تاریخ دل خون گشت وگفت   آہ در گلزار امکان میر عبدالحیٔ نماند

مرزا کامگار خان:

میرزا کامگار خاں عمدۃ الملک مرزا جعفر خاں کا لڑکا تھا۔ مرزا جعفر کا شمار اورنگ زیب کے مقتدر امراء میں ہوتا تھا۔ ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷ء میں جب اورنگ زیب داراشکوہ کے تعاقب میں پنجاب پہونچا مرزا جعفر خاں مالوہ کی صوبہ داری کے عہدے پر فائز تھا۔ اس وقت اس کے دونوں بیٹے نامدار خاں اور کامگار خاں باپ کے ساتھ مالوہ بھیجے گئے پھر ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء کے آس پاس وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوا اور ایسا قیاس کیا جاتا ہے کہ میرزا کامگار بھی باپ کے ہمراہ دہلی یا اکبرآباد واپس ہوا۔ بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کیلئے جن سے خوشگو کو سابقہ پڑا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کامگار کے مختلف سالوں میں مختلف مناصب پر فائز ہونے کی تفصیل پیش نظر رہے۔

۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷ء خلعت لے کر باپ کے ہمراہ مالوہ گیا۔

۱۰۷۲ھ ۱۶۶۱ء اس کا باپ دہلی آیا اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ بھی دہلی آیا ہوگا۔

۱۰۷۴ھ ۱۶۶۲ء ہزار و دوسوسوار کے عہدہ پر فائز ہوا اور کامگار خاں کا خطاب ملا۔

۱۰۷۵ھ ۱۶۶۴ء قیاس کیا جاتا ہے کہ باپ کے ہمراہ رہا ہے جو اس وقت وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز تھا۔

۱۰۷۹ھ ۱۶۶۸ء داروغہ ڈاک چوکی۔

۱۰۸۰ھ ۱۶۶۹ء اس کے باپ کا انتقال ہوا اور شہزادہ نے اسے خنجر مرصع وغیرہ سے نوازا۔

۱۰۸۱ھ ۱۶۷۰ء امیر الامراء کے پاس سے رخصت حاصل کی۔

۱۰۸۶ھ ۱۶۷۵ء پانصدی دو ہزار یا پانصد ہزار کے عہدہ پر فائز ہوا۔

۱۰۸۷ھ ۱۶۷۶ء منصب سے برطرف ہوا۔

۱۰۸۹ھ ۱۶۷۸ء بیوتاتی کی خدمت اس کے حوالہ ہوئی۔

۱۰۹۰ھ ۱۶۷۹ء دارالخلافہ دہلی کا قلعہ دار ہوا۔

۱۰۹۳ھ ۱۶۸۱ء اورنگ آباد میں بخشی سیوم کے عہدہ پر فائز ہوا۔

۱۰۹۴ھ ۱۶۸۲ء آختہ بیگی کے عہدہ پر فائز ہوا۔

۱۰۹۶ھ ۱۶۸۴ء داروغۂ جلوبنا۔

۱۰۹۷ھ ۱۶۸۵ء داروغۂ غسل خانہ ہوا۔

۱۰۹۸ھ ۱۶۸۶ء خانساماں۔

۱۰۹۹ھ ۱۶۸۷ء خلعت، اسپ اور سہرا اور دس ہزار روپے سے نوازا گیا۔

۱۱۰۱ھ ۱۶۸۹ء اعظم شاہ کے محل کے خادموں کو شاہجہاں آباد پہونچایا۔

۱۱۱۱ھ ۱۶۹۹ء دو ہزاری پانصدی کا اضافہ ہوا۔

۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء ناظم صوبہ اڑیسہ ہوا۔

۱۱۱۵ھ ۱۷۰۳ء اکبرآباد کا قلعہ دار ہوا۔ (۶۱۴)

رقعات میں مرزا کامگار کے نام بیدل کا ایک خط ہے۔ اس کے علاوہ چوتھے عنصر میں اکبرآباد میں بیدل نے ایک ادبی مقابلہ کا تذکرہ کیا ہے جو مرزا کامگار کے اشارہ پر منعقد ہوا تھا وہاں بیدلؔ نے مرزا کامگار کے اخلاق حمیدہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

یہ ادبی مقابلہ بیدل کے قیام اکبرآباد کے دوران ۱۰۸۱ تا ۱۰۸۴ھ ۱۶۷۰ تا ۱۶۷۳ء میں پیش آیا۔ اس کا تذکرہ بیدل کے حالات کے ضمن میں ہوچکا ہے۔

بیدل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان انتہائی مخلصانہ روابط قائم تھے:

"منظور ابرار میر کامگار، کہ بدلیل سعادت ازلی، اوقات گرامی مصروف خدمت فقرا داشت۔ و در احترامیکہ لایق حال این طایفہ است و بر مقبولان جناب صمدیت واجب، دقیقہ ای فرونمی گذاشت۔ بہ حکم احسن اعتقاد، فقیر را نیز ازیں فرقہ تصور فرمودہ، در ادای شرایط التفات، مبالغہ ہای نمود و رعایت آئین شفقت، بقدر وسع دریغ نمی فرمود۔" (۶۱۵)

بھلے مانسوں کا منظور نظر میر کامگار، جس نے اپنی ازلی سعادت کی بنا پر اپنا قیمتی وقت فقیروں کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے اور اس احترام میں جو اس گروہ کے شایان شان ہے اور مقبولان بارگاہ الٰہی کے لئے ضروری ہے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ اسی حسن ارادت کے مطابق خاکسار کو بھی اسی طبقے میں شمار کرتا تھا اور بہت زیادہ میرا خیال رکھتا تھا اور اپنی شفقت و مہربانی کے پاس و لحاظ میں

حتی الامکان کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔

اس ادبی مقابلہ کے آخر میں ایک غزل کے ذریعہ اس ادبی مقابلہ کے محرک کامگار خاں کے اخلاق حمیدہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

پیش چشمم جلوہ فرماشد بچندیں اقتدار شوخی گردی ز راہ میرزای کامگار
مرزا کامگار کے راستہ سے گرد کی شوخی مختلف انداز سے میری نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوئی۔

خادم اہل صفا، مخدوم ارباب وفا ناظر حسن ازل، منظور فضل کردگار
اہل صفا کا خادم، ارباب وفا کا مخدوم، حسن ازل کا ناظر، اور فضل کردگار کا منظور۔

آنکہ در اندیشہ عرض تمنا پیش او تا نفس بر دل رسانی رفتہ گیر از دل غبار
جس کے سامنے عرض تمنا کی فکر میں جب تک جب تک سانس دل تک پہونچے دل سے غبار جاتا رہتا ہے۔

آرزوی نظم و نثری داشت طبع روشنش شوق گرد انگیخت تا این جلوہ ہا شد آشکار
اس کے طبع روشن میں نظم ونثر کی خواہش پیدا ہوئی تو شوق نے گرد انگیزی کی تا آنکہ یہ جلوے آشکار ہوئے۔

عالم موہوم پیہم شوخی نیرنگ نیست می دہد اینجا نفس صبح قناعت در کنار
وہمی دنیا نیرنگیوں کی لگاتار شوخی کا نام نہیں ہے۔ سانس یہاں صبح قناعت سے ہم آغوشی کرتی ہے۔

ذرہ ہا از پر زدن خورشید انشا کردہ اند سخت سامان چراغاں داشت این مشت غبار
ذروں نے اپنی پرواز سے آفتاب ایجاد کر دیئے ہیں اس مٹھی بھر غبار کے پاس چراغاں کے بہت سے سامان تھے۔

مدعا این بود کز گرد خیال انگیختن دیدۂ غفلت نگاہ چند گردد سرمہ وار
مقصد یہ تھا کہ خیال انگیزی کی گرد سے دیدہ غفلت نگاہ میں کچھ سرمہ لگ جائے۔

دوستاں را خواب گل زین گرد مژگاں پرورست حاسد اینجا سونش الماس گو در دیدہ کار (۶۱۶)
اس گرد سے احباب کے حق میں خواب گل مژگاں پرور ہے (انہیں بے انتہا لطف آئے گا) اور حاسدوں سے کہدو کہ آنکھوں میں ہیرے کا برادہ بھر لیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر قرب اور خلوص کے باوجود خان موصوف کے نام بیدل کا صرف ایک خط پایا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے روابط زیادہ تر مجلسی صحبتوں اور وہ بھی اکبر آباد اور دہلی تک محدود رہے ہیں۔ اس خط کا عنوان ہے "عذر نا رسیدن باستقبال میرزا کامگار و نوید مقدم ایشاں"۔ خط

کے مضمون سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کس تاریخ میں کہاں لکھا گیا۔ بیدل جس کو کامگار کی تشریف آوری کی خبر تھی بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس کے استقبال کو نہیں پہونچ سکا۔ پھر اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی ملاقات کو جانا چاہا مگر زین کے گم ہو جانے کے باعث یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ اس بنا پر اس نے افسوس کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ وہ خود اس کے گھر آئے گا:

"بہ تحصیل سعادت صحبت، کہ بہشت ہوا خواہاں عالم عقیدت است، اگر سایہ وار قدم از جبین ساز درواست۔ واگر چوں شبنم بدیدہ پرواز نماید بجا۔ اما بحکم نارسا ییہا، کہ سد راہ آرزو مباد، از زمین گیری چارہ نیست الخ۔" (۶۱۷)

بیدل کے حالات کے تذکرہ میں جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا بندرابن داس خوشگو نے لکھا ہے کہ اعظم شاہ کو اپنا استعفا پیش کرنے کے بعد بیدل بہار اور اڑیسہ روانہ ہوا اور وہاں سے میر کامگار کے حسب ہدایت ہندوستان پہونچا اور کچھ دنوں اکبر آباد میں قیام کیا۔ (۶۱۸)

مرزا کامگار کی مختلف عہدوں پر تقرری واضح کرتی ہے کہ خوشگو کو غلط فہمی ہوئی کیونکہ مرزا کامگار ۱۱۱۱ھ ۱۷۰۲ء میں اڑیسہ کا ناظم مقرر ہوا۔ جبکہ بیدل کی مسافرتوں کی ترتیب بتاتی ہے کہ ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۶ء میں دہلی اور شمالی ہند آنے کے بعد وہ دوبارہ اڑیسہ نہیں گیا اور کم از کم خود خوشگو کے بقول ۱۰۹۶ھ ۱۶۸۵ء سے آخر دم تک بیدؔل نے دہلی میں مستقل قیام کیا اور لگاتار ۳۶ سال وہاں گذارے۔ (۶۱۹)

امیر الامراء سید حسین علی خاں:

بقول آزاد بلگرامی سید عبداللہ خاں، سید حسین علی خاں اور سید نورالدین خاں یہ تینوں بھائی بارہہ کے سادات اور ہندوستان کے شرفاء میں شمار کئے جاتے تھے خصوصاً اول الذکر دونوں بھائی اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ بڑے بھائی سید عبداللہ خاں کو قطب الملک کا خطاب ملا ہوا تھا اور فرخ سیر کے دربار میں وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز ہوا جبکہ سید حسین علی خاں امیر الامراء کے منصب پر فائز تھا۔ دونوں بھائی اخلاق حمیدہ، اوصاف پسندیدہ اور شجاعت و بسالت کے پیکر تھے۔ اور ملکی نظم و نسق میں انہوں نے اہم رول ادا کیا۔

سید حسین علی خاں کو اورنگ زیب کے عہد میں خان دوراں کا خطاب ملا۔ اس کے بعد اورنگ آباد کی حراست کا کام ان کے سپرد ہوا۔ اعظم شاہ اور معظم شاہ کے درمیان جنگ جانشینی کے وقت تینوں بھائی شاہ عالم معظم شاہ کی طرف سے اس کے لڑکے معز الدین شاہ کے لشکر میں لشکر کی ہراولی کا وظیفہ انجام دے رہے تھے اور بڑی دلیری سے داد شجاعت دیتے ہوئے تیسرا بھائی نورالدین خاں اس

کے میں جاں بحق ہوا۔ اول الذکر دو بھائی زخمی ہوئے۔ حسین علی خاں کو پہلے اجمیر کی صوبہ داری پھر الٰہ آباد کی صوبہ داری سپرد ہوئی (۶۲۰)۔

رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور و کابل و تہران میں ایک خط تو واضح طور پر حسین علی خاں کے نام ہے۔ ''بہ حسین علی خان بہادر در جواب استدعای اشعار وتمثیل مصرع'' باقی سات خطوط حسین قلی خان بہادر کے نام ہیں جن میں پانچ اپنے مضمون کے لحاظ سے چین قلیچ خان نظام الملک آصف جاہ کے نام معلوم ہوتے ہیں مگر کاتب کے سہو سے چین قلیچ خان ہر جگہ حسین قلی خاں ہو گیا۔ مرزا کے زمانے میں حسین قلی خان نام کا کوئی امیر نہ تھا اس لئے یہ خطوط یا تو امیر الامرا حسین علی خان کے نام ہیں یا چین قلیچ خان نظام الملک کے نام ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر نظام الملک کے سلسلے میں واضح کیا گیا خطوط کے مضامین اور نواب نظام الملک کے حالات سے ان کی ہم آہنگی کی بنا پر یہ خطوط اور دوسرے دو خطوط جو صرف خاندوران کے نام ہیں اصل میں چین قلیچ خان کے نام ہیں جو سہو کاتب سے حسین قلی خان ہو گیا۔ اس طرح ایک خط جو صاف طور پر حسین علی خاں کے نام ہے وہ بھی اپنے مضمون کے لحاظ چین قلیچ خان کے نام معلوم ہوتا ہے۔ صرف ایک خط جس میں دکن سے اکبرآباد آنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی حسین قلی خان کے نام ہے واضح کرتا ہے کہ امیر الامرا حسین علی خان کے نام ہے آزاد بلگرامی اسی خط کا حوالہ دے کر بیدل کے سید حسین علی خاں سے روابط پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرزا کا امیر الامرا حسین علی خاں سے بھی گہرا تعلق تھا۔ جس زمانے میں امیر الامرا دکن کے علاقہ کا نظم ونسق سنبھالے ہوئے تھا مرزا نے شاہجہاں آباد سے یہ اشعار اس کو لکھ بھیجے:

اے نشہ پیمانہ قدرت بچہ کاری   ہستی اثری یا پی تاراج خماری

اے پیمانہ قدرت کے نشہ! کس کام میں جٹے ہو؟ وجود کا کوئی اثر ہے یا اسے تاراج کرنے میں مست ہو۔

می در قدحی، گل بسری، جام بدستی   رنگ چمنی، موج گلی، جوش بہاری

پیالے میں شراب، سر پر پھول اور ہاتھ میں جام لئے ہو، یا چمن کا رنگ، پھول کی موج، یا موسم بہار کا ابال بنے ہوئے ہو۔ (۶۲۱)

ان کے نام دو خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی قدر افزائی کے علاوہ انہوں نے اس کی حمایت اور سرپرستی بھی کی تھی جو علامت ہے ان کے اعلیٰ روابط کی۔ بیدل اس کے احسانات کی شکرگذاری میں لکھتا ہے:

''سبحان اللہ حضرت حق را خاصانند ممتاز بایفائے رعایت بے زبانان عرض احتیاج، و مامور

بامداد بے دست و پایان تحیر مزاج۔ جرأت شکر عطیات ہم از جناب کبریا مسئلت نمودن است، تا بے نوائی بتقدیم عجز بیانی تواند پرداخت۔ و باظہار سپاس کرامت ہماں از حضرت اوملتمس گردیدن، تا بیدلی طرح ثنائی تواند انداخت۔'' (۶۲۲)

سبحان اللہ خدائے جل جلالہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہیں جو ایسے لوگوں کا خاص طور سے خیال رکھتے اور مدد کرتے ہیں جو اپنی ضروریات اپنی زبان سے نہیں بیان کرتے اور معذور و مجبور ہیں اور تحیر مزاج۔ عطیات کی شکرگزاری کی جرأت کے لئے بھی خدائے جل جلالہ سے ہی درخواست کرنی ہے تاکہ بے کس اپنی عجز بیانی کو اس کے حضور پیش کر سکے اور بیدل تعریف وستائش کی طرح ڈال سکے۔

سید میر قاسم عرف قدرت اللہ قادری نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے بیدل کے بیان کی توثیق ہوتی ہے۔ مرزا نے جب شیوہ فقر کو اپنا اصول زندگی بنایا تو ایک دن راستہ میں امیر الامراء سے اس کی ملاقات ہوئی اگرچہ وہ اس کے دیرینہ آشنا تھے لیکن نواب موصوف کے سر پر اس وقت ایک مخصوص قسم کی دستار تھی جس کو ''دستار گاہی پر کالہ سونق'' کہتے تھے اس لئے مرزا اس کو نہ پہچان سکا اور عالم وارفتگی میں ہونے کے باعث اس کو سلام کرنے میں پہل بھی نہ کر سکا۔ نواب نے اسے پہچان لیا اور اس کے گھر تک اس کا پیچھا کیا۔ آخر اپنی پالکی پر سوار کر کے اسے اپنے گھر لایا اور تین دن تک اس کے ساتھ اپنی محبت کا سلسلہ جاری رکھا۔ رخصت کرتے وقت سواری اور دو لاکھ روپئے کی پیش کش کی۔ مرزا نے نواب کے اخلاق کی بنا پر اسے اس وقت تو قبول کر لیا لیکن آبروئے فقر کی پاسداری نے اسے واپس کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس لئے انتہائی دانشمندی سے درخواست کی کہاں فقیر کا غریب خانہ اور کہاں خطیر رقم؟ اسے امانت کے طور پر اپنے پاس ہی محفوظ رکھئے، ضرورت پڑنے پر جناب والا سے لے لیں گے۔ (۶۲۳)

ہمیں نہیں معلوم یہ واقعہ کس حد تک درست ہے لیکن چونکہ بیدل نے خود ہی اس کے احسانات کا اعتراف کیا ہے اس لئے ہم دوسرے مراجع کی بنا پر اس کی تصدیق یا تردید کی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔ اس قسم کے محبت آمیز سلوک کی بنا پر بیدل اسے بہت چاہتا تھا۔ دوسرے خط میں بھی جس کا عنوان ہے'' بہ حسین علی خاں بہادر ہنگام آمدن ایشان از دکن بہ اکبرآباد و شمہ ای از آگاہی وفات فرزند دلبند'' اسی احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''دست دعای فقراء در مقابل احسان بے ریا آں ہمہ سامان بلندی ندارد کہ از سرنگونیہای نارسائی برآید۔ وزبان ثنای بے نوایاں در برابر الطاف عمیم آں قدر سرمایہ اقتدار نمی یابد کہ بال تحریک نفس کشاید۔'' (۶۲۴)

آپ کے مخلصانہ احسانات کے مقابلہ پر ہم فقیروں کا دست دعا اس قدر سامان رفعت نہیں رکھتا کہ اپنی نارسائی کی سرنگونی کے دائرہ سے باہر آئے اور آپ کی عام عنایتوں کے مقابلہ پر ہم بےنواؤں کی زبان ثنا اس قدر مایہ ور نہیں کہ تحریک نفس کے لئے بال کشائی کرے (تعریف کرنے کے لئے لب کشائی کرے)۔

اس اعتراف نامہ کا ایک ایک لفظ نواب کی مخلصانہ عنایت کے اعتراف اور بیدل کے جذبہ ممنونیت سے بھرا ہوا ہے اور اسی کے ساتھ نواب کے احسانات کے بوجھ تلے دبے جانے کا احساس بھی ہے اس لئے گمان نہیں ہوتا کہ بیدل نے نواب کی پیشکش کو ٹھکرا دیا ہو۔ اسی خط میں نواب کے بیٹے کی وفات کے موقع پر بیدل لکھتا ہے:

"بیدل نواز من دریں ایام از کدورت ذات تقدس آیات آنچہ بسمع دعا گو رسید لب گزیدن فرصت عرض دگر ندارد۔"

هرجا غم عشق، شمع بیداد افروخت — حیرت همه را زبان و دل برهم دوخت
ناموس وفا، چه سحر دارد یارب — کآتش به نیستان زد و جز ناله نسوخت (۶۲۵)

بیدل نواز! ان دنوں ذات تقدس آیات کی کدورت کے بارے میں اس دعا گو کے کان تک جو خبر پہونچی ہے فرصت لب گزینی اس پر کچھ اور عرض کرنا مناسب نہیں سمجھتی۔

غم عشق نے جہاں بھی ظلم و جبر کی شمع روشن کی حیرت نے سب کے زبان و دل درہم برہم کردے۔ خدایا ناموس وفا میں جانے کیا جادو چھپا ہے کہ اس نے پورے نیستاں میں آگ لگادی پر آہ و نالہ کے سے سوا کچھ نہ جلا۔

نواب کی دکن سے دہلی واپسی پر اس کا پرجوش خیر مقدم کرتا ہوا کہتا ہے:

باز از دل بسوی دیده ما می آئی — ای دل و دیده فدایت ز کجا می آئی
دیده تا دل همه گلچین بهار آغوشی است — چشم بد دور عجب عقده کشا می آئی (۶۲۶)

پھر ہمارے دل سے آنکھ کی طرف تو گامزن ہے۔ اے وہ ہستی کہ دل و دیدہ تجھ پر فدا ہے کہاں سے گرم خرام ہے۔ آنکھ سے لے کر دل تک سب بہار آغوش گلچیں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چشم بد دور، عجب عقدہ کشا بن کر تو آ رہا ہے۔

نہایت افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ امیر الامراء کی اواخر زندگی میں محمد فرخ سیر کی گرفتاری سے وابستہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے بیدل کو اتنا متاثر کیا کہ چند سالہ گہرے مخلصانہ روابط پر اس نے پانی پھیر دیا اور اس نے اعلانیہ کہہ دیا "سادات بہ وی نمک حرامی کردند"۔ اس واقعہ کو آگے چل کر

"بیدل کی لاہور کی طرف فرار" کے زیر عنوان لکھا جائے گا۔

سید عبداللہ خاں:

امیر الامراء سید حسین علی خاں کے حالات میں ضمناً سید عبداللہ خاں کا حال بھی ذکر ہوا ہے۔ اگرچہ رقعات میں عبداللہ خاں کے نام بیدل کا کوئی خط نہیں پایا جاتا تاہم بیدل کے اس سے تعلقات کے متعلق خوشگو لکھتا ہے کہ نواب موصوف نے بیدل کو دو تین بار اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ بیدل نے اس کی دعوت قبول کی اور اس کے گھر گیا۔ مرزا پر نظر پڑتے ہی نواب موصوف اپنی کرسی سے اٹھ جاتا، سامنے آکر گرمجوشی سے اس کا استقبال کرتا اور معانقہ کرتا حتی کہ اپنی تکیہ اور مسند بھی اس کے لئے خالی کر دیتا (۶۲۷)۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ خاں اپنی تمام تر منصبی بزرگی کے باوجود بیدل اور اس کے کلام کی بے انتہا قدر کرتا تھا اور انتہائی احترام کا اظہار کرتا تھا۔

نظام الملک:

میر قمر الدین خاں نظام الملک شہاب الدین خاں کا بیٹا تھا۔ شاہجہاں کے وزیر سعد اللہ خاں کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد ان کو غازی الدین بہادر فیروز جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ اورنگ زیب کے عہد میں میر قمر الدین پر بادشاہ کی نظر عنایت ہوئی اور وہ چار ہزاری کے منصب پر فائز ہوئے اور انہیں چین قلیچ خاں کا خطاب ملا۔ بہادر شاہ کے عہد میں انہیں "خاندوراں" کا خطاب ملا، جہاندار شاہ کے زمانے میں "نظام الملک" کا خطاب ملا۔ محمد فرخ سیر کے پہلے سال جلوس میں پنج ہزاری کے منصب کے علاوہ دکن کی صوبہ داری بھی انہیں دی گئی۔ محمد شاہ اول کی سلطنت کے اوائل میں دکن کے بعض حصوں پر اور اس کے انتقال کے بعد پورے دکن پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۹ر ربیع الاول ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء میں سید عبداللہ خاں کے انتقال کے بعد نظام الملک وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء میں جب شاہجہاں آباد آئے تو محمد شاہ نے حسب ہدایت خلعت وزارت کے علاوہ "آصف جاہ" کا خطاب بھی ملا۔ (۶۲۸)

نواب نظام الملک سے بیدل کے روابط نیز ان کی شعر گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے خوش گو لکھتا ہے:

"بہادر شاہ کے زمانے میں وہ خاندوراں کے خطاب سے مشہور تھے جب اسد خاں اور ذوالفقار خان سے ان کی نہ نبھی تو شاہجہاں آباد میں گوشہ نشین ہوئے۔ گوشہ نشینی کے زمانہ

میں وہ علوم متداولہ کی تحصیل میں لگ گئے اور شعر و شاعری کے میدان میں طبع رواں کی جولانی دکھانے لگے۔ حضرت مرزا بیدل کے مشورے سے تقریباً دو ہزار اشعار پر مشتمل ایک دیوان غزل کا مرتب کیا جب کبھی مرزا کے گھر آتے مرزا استقبال کے شرائط بجالاتے، اپنے ساتھ ساتھ اندرون خانہ لے جاتے، رسمی بات چیت کرتے اور انواع و اقسام کے کھانے میں بیضہ مرغ کا حلوا انہیں بہت پسند تھا۔ مرزا سے اس کی فرمائش کرتے۔ رخصت ہونے کے وقت جب مرزا قدما کی کتابیں جیسے کیمیائے سعادت اور نفحات وغیرہ ان کو پیش کرتے تو کہتے اس قسم کی کتابوں کے ذخیرے میرے گھر میں موجود ہیں آپ اپنی تصنیفات کے تبرکات عنایت کیجئے چنانچہ مرزا کے دستخط سے کتابیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ نثر بہت صاف اور شستہ لکھتے تھے اور انتظامی اور سیاسی مصروفیات کی کثرت کے باوجود بسا اوقات شاعری بھی کرتے تھے۔ دیوان کا بڑا حصہ انہوں نے اپنے استاد مرزا بیدل کی نظر سے گذارا۔ شاکر ان کا تخلص ہے اور اس وقت چونکہ آصف جاہ کا خطاب ملا ہوا ہے اس لئے آصف تخلص کرتے ہیں۔'' (۶۲۹)

نظام الملک کے نام بیدل کے خطوط خوشگو کے بیان کی توثیق و تائید کرتے ہیں۔ ان خطوط سے مجموعی طور پر بیدل کے ساتھ نواب کے وسیع سماجی و ادبی اور دوستانہ روابط کا پتہ چلتا ہے۔

''رقعات بیدل کے مطبوعہ نسخوں میں چین قلیچ خاں کے نام بیدل کا صرف ایک خط پایا جاتا ہے۔ سات خطوط حسین قلی خاں کے نام ہیں اور دو خطوط مطلق خان دوراں کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ چار خطوط نظام الملک کے نام ہیں۔ چونکہ بیدل کے زمانے میں حسین قلی خاں نام کا کوئی امیر نہیں تھا اس لئے یہ خطوط یا تو چین قلیچ خان کے نام ہیں یا حسین علی خاں امیر الامرا کے نام ہیں جو سہو کاتب سے حسین قلی خاں ہوگیا ہے۔ بیدل کے دونوں ہی امرا سے خوشگوار تعلقات تھے۔ اس لئے یہ طے کرنے کے لئے کہ حسین علی خاں کے نام کے پانچ خطوط اور خاندوران کے نام دو خطوط حقیقت میں کس امیر کے نام ہیں ہمیں ان کے مضامین کا مطالعہ کرنا اور نواب نظام الملک آصفجاہ اور امیر الامرا حسین علی خاں کے حالات زندگی سے ان کا موازنہ کرنا ہوگا۔ تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین علی خاں بیدل کے قدردانوں اور محسنوں میں تھا مگر شاعر نہ تھا جبکہ حسین قلیچ خان نظام الملک قدردان اور محسن ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھا۔ غلام علی آزاد نے تصریح کی ہے:

''در منشات مرزا چند رقعہ کہ بنام قلیچ خان است عبارتست از نواب آصفجاہ کہ خطاب قدیم اوست۔'' (۶۳۰)

مرزا کے رقعات میں جو چند رقعے قلیچ خاں کے نام ہیں اس سے مراد نواب آصف جاہ ہیں جو ان کا قدیم خطاب رہا ہے۔

ظاہر ہے آزاد کی نظر رقعات بیدل کے ان قلمی نسخوں پر ہے جو راقم السطور کے گمان غالب کے مطابق اس وقت آصفجاہ کی ذاتی لائبریری میں موجود تھے کیونکہ اس وقت تک کوئی مطبوعہ نسخہ سامنے نہیں آیا تھا اور آزاد کا بیان ہے کہ فقیر کی نواب آصفجاہ موصوف سے خاصی لمبی صحبتیں رہی ہیں۔ (۶۳۱) اس لئے آزاد کے بیان پر اعتماد کرکے ان خطوط کو نواب چین قلیچ خاں نظام الملک کے نام سمجھنا چاہئے اس کے علاوہ نواب موصوف کے مفصل حالات کے پیش نظر جن کا ذکر اوپر ہوا واضح ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ شاعر تھے بلکہ بقول آزاد بلگرامی موزوں طبع ہونے کے ساتھ ایک ضخیم دیوان کے مالک بھی تھے۔ (۶۳۲) جبکہ نواب حسین قلی خاں خوش ذہن اور شعر فہم تھے شاعر نہ تھے۔ (۶۳۳) نواب آصفجاہ اکثر اپنے نتائج فکر بغرض اصلاح بیدل کے پاس بھیجا کرتے تھے اور ان سے درخواست کرتے کہ اپنی تازہ ترین تخلیقات ان کو بھیجیں۔ چنانچہ ایک خط میں جس کا عنوان ہے '' ارسال دیوان و مثنوی، بہ چین قلیچ خاں حسب الاستدعای ایشان (چین قلیچ خان کو ان کے حسب فرمائش دیوان و مثنوی کا ارسال) اس طرح دونوں کے بیچ تخلیقات کے تبادلے اور ایک دوسرے کی تخلیقات کی قدر دانی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یہ خط اس طرح ہے:

'' ورود سعادت انشاء نامہ، زبان شکر بیان را، سر مشق آداب ثنا گردانید، و دل سپاس مشاغل را مدرس کتب دعا۔ خواہش طبع معنی آفریں نسخہ ہای بیدلی را، بقدر کشایش اوراق بال حسرت قبول می بخشد۔ امید کہ بنا رسائیہا طرز مضامین، خجلت پرداز نہ بیند، و بخشکیہای وضع عبارات، نم پیشانی انفعال نہ چیند۔'' (۶۳۴)

انشا نامہ (خط) کے ورود مسعود نے زبان شکر بیان کو آداب ثنا کی مشق کرائی اور دل سپاس مشاغل کو کتب دعا کا قاری بنادیا (دل سے دعا کرائی) نواب کے طبع معنی آفریں کی خواہش بیدل کی تخلیقات کو اوراق بازوئے حسرت کی کشایش کے بقدر قبول کی عزت عطا کرتی ہے امید کہ انداز مضامین کی نارسائی کو پشیمانی نہ اٹھانی پڑے، اور وضع عبارات کی خشکی کو پیشانی کی نمی کی شرمندگی نہ سہنی پڑے۔

اس خط میں آگے لکھتے ہیں:

'' مطالعہ افکار گوہر نثار، چشم تامل را آشنائی نور یقین بخشد۔ واہب حقیقی سر رشتہ این کلام را بہ شہود عالم تحقیق برساناد۔ و باین وسیلہ عالمی را مستفیض معنی ہدایت گرداناد''۔

افکار گوہر نثار کا مطالعہ چشم تامل کو نور یقین بخشتا ہے۔ واہب حقیقی کلام کے سر رشتہ کو عالم تحقیق

تک پہونچائے اور اس کے ذریعہ ایک عالم کو معنیٰ ہدایت سے مستفیض فرمائیے۔

درج ذیل خطوط سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ نواب بیدل کے کلام کا قدردان تھا جو دیوان اور مثنوی وغیرہ اسے بھیجے تھے اس پر پسندیدگی کی مہر لگائی اور ساتھ ہی اپنے اشعار بھیج کر ان پر اصلاح کا طالب رہتا تھا۔

''للہ الحمد نیاز فقرای بیدل، آیینہ داری قبول آن جناب حسن اقبالی پرداخت کہ تحفہ آرایان بساط عجز را بہ آن وسیلہ تا حشر قدر بی بضاعتی باید شناخت۔ از مقیدان سلسلہ ی کرم تأثیریم، و مسخر اخلاق آفاق تسخیر۔ بہ تحقیق پیوست کہ: فتراک صید افکن مابی شکار نیست۔ آثار مراحم در تأمل اشعار کمالات انوار اشعاری داشت۔ حاشا کہ قلم متانت رقم، در طریق ثبات لغزشی بپاید، یا متہم انحرافی برآید۔ مگر بہ مقتضای کم مشقی و بی پروایی، در این ہمہ مضامین طراوت آیین، دو سہ نقطہ تشنۂ وضوح بود، کہ معروض داشتنش، بہ شادابی کلک تسلیم سلک امداد جرأت فرمود۔ تأیید فضل، معنی ایجادی بہ رتبہ کمال رساناد؛ و بیدلان مشتاق را ممنون سماع درجات معارف گرداناد۔'' (۶۳۵)

الحمد للہ خاکسار بیدل کا نیاز جناب والا کے قبول کی آیینہ داری میں حسن پذیرائی میں مصروف ہوا کہ بساط عجز کے تحفہ آرا کو اس کے ذریعہ تا حشر اپنی بے بضاعتی کی قدر کرنی چاہئے .... جناب والا کے اشعار کمالات انوار پر غور و فکر کرنا آپ کے مراحم امیرانہ کی نشانی ہے۔ حاشا کہ قلم متانت رقم کی ثابت قدمی میں کوئی لغزش آئے یا بہکنے کی تہمت اس پر لگے مگر کم مشقی اور لاپروائی کے حسب اقتضا ان تمام مضامین طراوت آئین میں صرف دو تین نقطے وضاحت طلب تھے جن کے عرض کرنے کی جرأت کلک تسلیم سلک کی شادابی کی بدولت ممکن ہو سکی۔

(یہ خط رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور میں حسین قلی خاں کے نام ہے لیکن اس کا مضمون سراسر بتاتا ہے کہ چین قلیچ خان کے نام ہے۔)

''شکر فضل ایزد بہ جامی آرد کہ اجزای محقر بیدلان بہ یمن نشۂ قبول فیض اندوز حصول کلیت گردید؛ و اوراق بی سیاق آشفتگان در پرتو نگاہ معنیٰ پناہ، سر رشتۂ بہ وصول شیرازہ دوام رسانید۔ مضراب قانون این مراحم حرکات ازلی داشت کہ امروز گوش منتظران را بہ زمزمۂ آگاھی نواخت و آثار مراتب این اکرام بالقوہ طبیعت اسرار کہ بالفعل طرح اشفاق ربوبیت انداخت۔ ورود افکار خورشید انوار پیوستہ مشتہر آیات جہانگیری، و طلوع معنیٰ قدرت، ہموارہ بی نقاب جلوہ آفاق تسخیری۔'' (۶۳۶)

خدا کی عنایتوں کا شکر بجالاتا ہوں کہ بیدل ناچیز کی تخلیقات (دیوان اور مثنوی) قبول فیض ندوز کے نشہ کی برکت سے پایۂ کمال کو پہونچیں اور آشفتہ حال بیدل کے اوراق بے سیاق نے نواب کی معنیٰ پناہ کے پرتو میں اپنا سرا شیرازہ دوام تک پہونچایا .... نواب کے افکار خورشید انوار کلام کا ودسدا آیات جہانگیری سے مشہور رہا۔

ایک اور خط میں جس کا عنوان ہے ''مطالعہ اشعار نواب و اصلاح آں و داخل دیوان نمودن کہ پیش فقیر گذاشتہ بودند۔''

چین قلیچ خان بہادر کے خط کا جواب ان کے کلام کے مطالعہ اور اصلاح نیز ان کو داخل دیوان کرنے کے سلسلے میں جس کو فقیر کے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ بیدل نے نواب کے کلام میں بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ خوشگو کے بیان سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ خوشگو لکھتا ہے:

''بمشورت حضرت میرزا بیدل دیوان غزل بقدر دو ہزار بیت مرتب فرمود۔'' (۶۳۷)

حضرت بیدل کے مشورے سے دو ہزار اشعار پر مشتمل اپنا دیوان غزل مرتب کیا تھا، خط ملاحظہ ہو:

''سایہ گستری ہمای سعادت با ورود افکار ہدایت انوار بہ تازگی چراغ خلوت حضور گردید و بر لمعات ازدیاد شکر و سپاس فروغ عقیدتی دیگر بخشید۔ آیینہ این عبارات حقایق نما و شمع این انجمن آفتاب ضیا۔ در بعضی الفاظ تقدیم و تأخیری درکار داشت قلم نیاز بر سر خط تحریر سجود گذاشت بہ مقتضای موضع شناسی یک قلم بہ اجزای دیوان بلاغت عنوان پیوست و ہر یکی بہ کرسی مراتب مناسب نشست۔'' (۶۳۸)

ہمای سعادت کی سایہ گستری افکار ہدایت انوار کے ورود کے ساتھ ابھی ابھی خلوت حضور کا چراغ ثابت ہوئی اور شکر و سپاس گزاری میں اضافے کی چمک پر اسے دوسری عقیدت کا فروغ بخشا۔ ان عبارتوں کا آئینہ حقایق نما ہے اور اس انجمن کی شمع آفتاب نظیر ہے۔ بعض الفاظ میں تقدیم و تاخیر کی ضرورت تھی قلم نیاز تحریر کے سر خط پر سجدہ ریز ہوا موقع و محل کے حسب اقتضا یک قلم دیوان بلاغت عنوان کے اجزا سے وابستہ ہوا اور ہر ایک شعر مناسب درجے کی کرسی پر براجمان ہوا۔

یہ خط بھی حسین قلی خاں کے نام ہے جبکہ مضمون صاف بتا رہا ہے کہ چین قلیچ خاں کے نام ہونا چاہئے۔

درج ذیل خط سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نواب آصف جاہ جو اس زمانے میں شاکر تخلص کرتے تھے بیدل کی مشکل غزل کی زمین مین طبع آزمائی کرتے تھے۔ باوجودیکہ بعض اشعار میں کچھ رد و بدل کیا

ہے نیز ایک شعر کو اپنی جگہ دیوان فصاحت کا منتخب قرار دیا۔ دوسری طرف نواب نے بیدل کی نظم و نثر پر اپنی پسندیدگی کا جو اظہار کیا اس کا تذکرہ کرتا ہے:

''ضمن مطالعہ نوازشنامہ، اندیشہ بجو در یشہ، بفہم ہر گل معنیٰ کہ پرداخت، جز کیفیات رنگ و بوی بہارستان کمال نشناخت، خاصہ در زمین غزل نظر کشا، کہ ربط ہمواریش، اندکی پیچش داشت، وغیر از طبع سلیم و فکر متین، بر اکثر طبایع احتمال لغزش می گماشت ع ''آفریں بر طبع معنیٰ آفریں'' در بیتی چند تغیر بعضی لفظ فضولی خیال وقت آمل بود، وگرنہ ہر یکی بر مقام خود دیوان فصاحت تصور بایستی نمود۔

صاحب ما مائل افکار نیست ورنہ معنیٰ بر مزاجش بار نیست
گر ہمہ مضمون عنقا بستن است پیش طبعش آنقدر دشوار نیست(۶۳۹)

نوازش نامہ کے مطالعہ کے دوران اندیشہ بجو در یشہ جس گل معانی پر غور و فکر میں مشغول ہوا اسے بہارستان کمال کے رنگ و بو کی کیفیات کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ خصوصاً اس غزل نظر کشا کی زمین میں جس کی روانی اور ہمواری کو نبھانا ایک حد تک پیچیدہ عمل ہے اور طبع سلیم اور فکر متین کے سوا اکثر طبائع سے اس میں لغزش ہو جانے کا احتمال رہتا ہے۔ آفریں بر طبع معنیٰ آفریں۔ بعض اشعار میں غیر ضروری الفاظ کو بدلنے کا خیال ذہن میں آیا ورنہ ہر ایک شعر اپنی جگہ پر ایک دیوان فصاحت کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہمارے نواب صاحب کی توجہ اپنے فکر و اندیشہ کے اظہار پر اتنی نہیں ہے ورنہ کوئی معنیٰ اس کے مزاج کے لئے بار خاطر نہیں ہے۔ اگر سراسر انوکھے اور نادر مضامین کو ہی اختیار کرنا چاہیں تو اس کے ذوق شاعرانہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب کی اکثر کوشش رہتی تھی کہ بیدل کی غزلوں خصوصاً مشکل زمین میں کہی گئی غزلوں کی پیروی کرے۔ اسی قسم کی ایک غزل اس نے برائے اصلاح بیدل کے پاس بھیجی تھی۔ بیدل نے جواب میں لکھا کہ مشکل زمین میں غزل کے اندر روانی اور ہمواری کو برقرار رکھنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ فقیر کی مشکل زمین میں غزل گوئی کے لئے ذوق سلیم اور فکر متین درکار ہے اور آپ چونکہ اس کے حامل ہیں اس لئے اس ذمہ داری سے نہایت خوبی سے عہدہ برآ ہوئے الا یہ کہ بعض اشعار میں غیر ضروری الفاظ بدلنے کی ضرورت پڑی۔

یہ خط بھی حسین قلی خاں کے نام ہے جبکہ اس کے مضامین بتاتے ہیں کہ حسین قلیچ خاں کے نام ہے۔ ذیل میں استاد اور شاگردی کی غزل کا مطلع دیا جاتا ہے۔

بیدل:
نہ رسیدی بفہم خود، رہ عزم دگر کشا بجہانی کہ نیستی، مژہ بر بند و در کشا(۶۴۰)
شاکر:
سخن خوب بیدلت، شدہ شاکر چہ دلنشین نرسیدی بفہم خود، رہ عزمی دگر کشا

ایک دوسرے خط میں نظام الملک کی غزل کی اس طرح تعریف کرتا ہے:

''غزل تازہ چقدر افسون معتیہای برجستہ داشت کہ قطعہ غزال بسمل نیز در قاصد مژدہ رسانیش بال پرواز کشاد، بمضمون آمد آمد، داد روانی شوق داد۔''(۶۴۱)

تازہ غزل میں کس قدر برجستہ معانی کا جادو بھرا ہوا ہے کہ غزال بسمل کے ایک گلہ نے قاصد کے لئے اس کی مژدہ رسانی کے باعث اپنے بال پرواز کھول دیئے اور آمد آمد کے مضمون کی بدولت روانی شوق کی داد دی ہے۔

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک بیدل کا شاگرد تھا۔ آزاد بلگرامی اور عبدالوہاب افتخار نے اپنے تذکروں میں اس کو بیدل کا شاگرد ہی لکھا ہے۔

''نواب نظام الملک طاب ثراہ در شعر خود را شاگرد میرزا بیدل می گفت۔''(۶۴۲)

''نواب نظام الملک شاعری میں خود کو مرزا بیدل کا شاگرد کہتا تھا۔''

''نواب آصف جاہ خود را از تلامذہ او می شمرد۔''(۶۴۳)

''نواب آصف جاہ خود کو اس کے تلامذہ میں شمار کرتا تھا۔''

یہ تو بیدل کے ساتھ نظام الملک کے ادبی روابط کا پہلو تھا جہاں تک ان کے درمیان سماجی اور دوستانہ روابط کا تعلق ہے اس سلسلے میں آزاد لکھتا ہے:

''جب کبھی مرزا نواب کے گھر تشریف لاتے تو نواب آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے اور اپنے مسند پر بیٹھاتے''۔ دوسری طرف بقول خوشگو جب کبھی نواب مرزا کے گھر تشریف لاتے مرزا استقبال کے شرائط بجالاتے اور اپنے ساتھ اندرون خانہ لے جاتے، رسمی بات چیت کرتے اور انواع و اقسام کے کھانوں میں بیضہ مرغ کا حلوا انہیں بہت پسند تھا، مرزا سے اکثر اس کی فرمائش کرتے۔ رخصت ہونے کے وقت جب مرزا قدما کی کتابیں کیمیائے سعادت اور نفحات وغیرہ ان کو پیش کرتے تو کہتے اس قسم کی کتابوں کے ذخیرے میرے گھر میں موجود ہیں آپ اپنی تصنیفات کے برکات عنایت کیجئے۔ چنانچہ مرزا کے دستخط سے کتابیں ان کے ساتھ لے جاتے۔

ایک خط میں لکھتا ہے:

"نفس گداختہ آداب ستایش، بکدام جرأت لب کشاید کہ از عہدہ خجالت برآید۔ مارا در جمیع احوال، منفعل داشتہ اند۔ تقریر نارسائی معنیٔ تحریر عبارت است۔ و تحریر ناتوانی مضمون عدم استعارت۔" (۶۴۴)

آداب ستایش کا یہ نفس گداختہ (بیدل) کس بوتے پر لب کشائی کرے کہ خجالت و ندامت کے عہدہ سے باہر آئے۔ تمام احوال میں آپ نے ہمیں شرمندہ کر رکھا ہے۔ معنیٰ کی نارسائی کا بیان بھی تحریر عبارت ہے اور مضمون کی ناتوانی کی تحریر بھی عدم استعارت ہے۔

اس لئے اگر اس کے استقبال یا رخصت کرنے کے لئے وہ اپنے غریب خانہ سے باہر نکلا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ درج ذیل قطعہ جو اس کے استقبال کے وقت کہا ہے نواب سے بیدل کے غیر معمولی مخلصانہ روابط کے لئے محبت آمیز جذبات کا آئینہ دار ہے:

بیار بادہ کہ بوی بہار جان آمد — فروغ مہر ازل چین قلیچ خان آمد
بسیر کشور ما از نوید اقبالش — سعادت آمد و امن آمد و امان آمد
بچرخ برد ہوا خواہ او پیام مسیح — ازاں نشاط کہ آن عمر جاودان آمد
بخاک خفت حسودش فروتر از قارون — شکوہ او بقدر برخساں گران آمد
زمین ز گرد خرامش چہ ناز خرمن کرد — کہ ہر قدم تہ پای من آسمان آمد
جبین سجدہ شوقش بلندی می خواست — دمیدن عرق شرم نردبان آمد
مقیم گوشہ زانوی انتظارم داشت — حقیقتی کہ بچشم من ایں زمان آمد
نداشت بیدل ما طاقت زیارت او — کرم نمود و بدرمان خستگان آمد (۶۴۵)

ایک دفعہ بیدل تین مہینے تک بیمار رہا جس کی وجہ سے اتنی نقاہت اسے ہوگئی کہ نواب کے رخصت کرنے کے مراسم میں شریک نہ ہو سکا۔ صحتیاب ہونے کے بعد اس نے ایک معذرت نامہ لکھا:

"درہمیں روزہا سہ ماہ، دعا گوی بیدل را، عارضہ دست بہم داد، کہ جلد بدن از بیقدری، بر پوست پیاز خشک نمی چربید۔ و استخوانہا از بے مغزی، بہم سکی نی بی نفس ہمی گردید۔ زمانیکہ حضرت ایشان ہمعنان فتح و ظفر، عازم سفر بودند، مایہ ہوش این بیہوش آنقدر فراہم نبود کہ بہ تحریر عرض وداع، مصدع باریابان می گردید۔ و پس از امداد نشأ شعور، نارسایہای طاقت آستاں بوس ہمان از دور زمین خیال می بوسید۔ للہ الحمد الحال ودیعت انفاس، بتوہم زندگی سرگرم فرصت شماریست۔" (۶۴۶)

انہی دنوں تین مہینے بیدل دعا گو کو ایسا عارضہ لاحق ہوا کہ بدن کی کھال اپنی ناقدری کی وجہ سے

خشک پیاز کے چھلکوں پر غالب نہیں آتی تھی اور ہڈیاں مغز سے خالی ہونے کی وجہ سے بانسری کی ہمشکل ہو کر سانس نہیں لے پا رہی تھیں۔ جس وقت جناب عالی کامیابی سے ہمکنار ہو کر عازم سفر تھے اس وقت اس بیہوش کو اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ رخصت نامہ لکھ کر باریابی حاصل کرنے والوں کے زمرہ میں شامل ہوتا اور ہوش آنے کے بعد اتنی ہی نقاہت تھی کہ دور سے ہی آستانہ بوسی کی جاسکتی تھی۔ بحمد اللہ اس وقت زندگی کے توہم میں سانس کی ودیعت فرصت شماری میں سرگرم کار ہے (یعنی میں صحتیاب ہو گیا ہوں)۔

سادات کے ہاتھوں فرخ سیر کے قتل کے بعد سادات کے خلاف درج ذیل رباعی:

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند — صد جور و جفا از رہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود — سادات بوی نمک حرامی کردند

کہنے کی وجہ سے لاحق تشویش کی بنا پر لاہور فرار کر گئے اور وہاں سے صحیح سلامت واپس آنے کے واقعہ کا تذکرہ ایک خط میں اس طرح کرتا ہے۔

"قبلہ گاہا، براین نفس پرور اشغال دعا نیز سانحہ غریبی پیش آمد، اما گذشت آنچہ گذشت و بہ احیای مجدد متحیز گشت۔ عرض تفصیل آن مصدع سامعہ مبارک است۔ بالفعل آن مقدار تواناست کہ بہ اظہار رسم عبودیت، عذر بی دست و پایی می تواند خواست ع

لبنقدر ہا در عدم، بیدل بہ یادت زندہ است

قبلہ گاہ! دعاؤں میں مصروف اس نفس پرور کو بھی ایک انوکھے واقعہ سے سابقہ پڑا لیکن جو کچھ گذرنا تھا گذر گیا اور از سر نو اس کے بیان کا موقع نہیں ہے اس کا تفصیلی بیان سامعہ مبارک کے لئے دردسر کا سبب ہوگا۔ سر دست اتنی قوت جسم میں ہے کہ رسم عبودیت کے اظہار میں بے دست و پائی کا عذر کیا جا سکتا ہے۔

عدم میں بھی بیدل عدم تیری یاد ہی میں اس قدر زندہ ہے۔

بیدل اگرچہ گوشہ نشیں تھا لیکن جو لوگ اس سے خلوص اور محبت سے پیش آتے تھے ایسا لگتا ہے کہ بیدل بھی ان سے اسی انداز سے ملتا تھا اور ان کے دینی و دنیوی وجاہت کے مطابق ان کی دوستی نباہتا تھا۔ خود کہتا ہے:

بہ دل گفتم کدامیں شیوہ دشوارست در عالم — نفس در خود تپید و گفت پاس آشنائیہا

میں نے دل سے پوچھا دنیا میں سب سے مشکل کام کیا ہے؟ تو سانس نے طیش میں آکر کہا "دوستی کا نباہنا"۔

نواب کے نام اپنے ایک خط میں بیدل نے اپنے ایک مخلص دوست مرزا احسن ایجاد کے لئے سفارش کی ہے۔

"صافی عقیدت وخلوص ارادت سرچشمہ زلال اتحاد، میر محمد احسن ایجاد، آیینہ داری نیاز بیدل چہرہ گشای امتیاز محفل حضور باد۔

صفائے عقیدت وخلوص ارادت سرچشمہ زلال اتحاد مرزا محمد احسن ایجاد و نیاز بیدل کی آئینہ داری کے ساتھ محفل حضور کے امتیاز کا چہرہ کشا ہو۔ بیدل نے یہ خط ایجاد کی سفارش میں اس کی معرفت روانہ کیا ہے۔

خوشگو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل کی سفارش کامیاب رہی۔ وہ لکھتا ہے:

"در عہد بہادر شاہی بملازمت نظام الملک رسید واز طرف نواب در سرکار پادشاہزادہ عظیم الشان برسم وکالت ماند۔" (۶۴۹)

بہادر شاہ کے زمانے میں نظام الملک کی ملازمت سے وابستہ ہوا اور نواب کی طرف سے شاہزادہ عظیم الشان کے دربار میں وکیل مقرر ہوا۔

آزاد بلگرامی لکھتے ہیں ۱۱۳۲ھ ۱۷۱۹ء میں نظام الملک نے بیدل کو دکن آنے کی دعوت دی لیکن اس نے درج ذیل شعر کے ذریعہ دہلی چھوڑ کر دکن جانے کے سلسلے میں معذرت کر دی۔

دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جائے خویش   من بستہ ام حنای قناعت بپای خویش (۶۵۰)

دنیا بھی دیں اگر تو نہ جاؤں گا یاں سے میں   مہندی لگائی میں نے قناعت کی پاؤں میں

ایک خط میں جس کا عنوان ہے "در جواب مکتوب خان دوران کہ از حالات عبور آبہا نوشتہ بودند" (خان دوروان کے خط کا جواب جس میں انہوں نے دریا پار کرنے کے حالات لکھے تھے)۔

دریا پار کرنے کے حالات کا تذکرہ نظام الملک کے حالات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"غرہ رجب ۱۱۳۲ھ عبور دریائے نربدا نمودہ قلعہ اکبر از طالب خاں وشہر برہانپور از محمد انور خان برہانپوری بصلح بدست آورد۔"

۱۱۳۲ھ کو نظام الملک نے دریائے نرمدا پار کر کے قلعہ اکبر طالب خاں سے اور شہر برہانپور نور محمد خاں سے صلح وآشتی کے ساتھ اپنے قبضے میں کیا۔ لگتا ہے یہ حالات نواب نے بیدل کو لکھے تھے۔ بیدل نے اس کا جواب اس طرح دیا:

آب دریا نیست، استقبال اشک بیدل است   تاز گرد راہ شوید، پای رنگین تو را

"مقتضای مخلصان نوازی، ہرچہ از آنجناب بہ منصۂ تحریر می آرد، از عالم ظہور فضل است۔

آیینہ داری حضور ایشان در ینصورت تمثال عرض داشت است۔ تأیید ایزدی در ہمہ جاو

ہمہ حال مظفر ومنصور و یاد آور بیدلان مجبور دارد۔ غیر از حسرت قدم بوس ہرچہ نگارد۔ افسوس۔ والسلام"

یہ دریا کا پانی نہیں ہے بلکہ بیدل کے آنسوؤں کو خوش آمدید کہنا ہے تاکہ تیرے پائے رنگین میں لگے گرد راہ کو وہ دھوئے۔

مخلص نوازی کے حسب اقتضا جناب عالی کی طرف سے جو کچھ بھی منصۂ تحریر میں آئے وہ ظہور فضل کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ اس صورت میں جنابعالی کی آئینہ داری نے واقعات کے تمثال کو پیش کیا ہے۔ ہر جگہ اور ہر حال میں تایید الٰہی سے مظفر ومنصور رہیں اور بیدل کو جو مجبوری حاصل ہے قدم بوسی کی حسرت کے سوا جو لکھے قابل افسوس ہے۔

قابل خاں منشی:

واقعہ استعفٰی کے ضمن میں قابل خاں منشی کا حال تفصیل سے ذکر ہوا۔ وہ اورنگ زیب کے دربار کا ایک امیر تھا جس پر بادشاہ کی نظر عنایت رہتی تھی اور اسے میر منشی کا عہدہ ملا ہوا تھا لیکن شاہی خدمت کی انجام دہی میں کچھ کوتاہیوں کے سبب وہ برطرف کر دیا گیا اور اس کی ساری جائداد قرق کر لی گئی۔

قابل خاں منشی سے بیدل کے تعلقات کی بابت کوئی زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ اس خط سے، جس میں استعفٰی کا قصہ بیدل نے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدل کا قریبی دوست تھا کیونکہ بیدل اس کو "مہربان فقرائے بیدل" سے خطاب کرتا تھا جو اس کے تعلقات کی نوعیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ قابل خاں نے بیدل سے قصۂ استعفٰی کا خلاصہ دریافت کیا تھا بیدل نے جواب میں لکھا:

"مہربان فقرای بیدل! ورود حسب الامر جلیل القدر، خاک در ماندہ را، بعروج اقبال فلکی نواخت۔ واز آبلہ زیر قدم فرسودہ را، بساط عزت ثریائی پرداخت۔ ملخصی از ماجرای حیرت ایما معروض داشتن است۔ و منتخبی از دیوان عزت عنوان وانگاشتن۔" (۶۵۳)

مہربان من! جناب والا کے گرامی نامہ کی آمد نے اس درماندہ بیدل کو اقبال فلکی کے عروج پر پہونچا دیا اور زیر قدم فرسودہ آبلہ "بیدل" کو ثریا کی عزت کی بساط پر لا کھڑا کیا۔ "ماجرائے حیرت ایماء" کا خلاصہ پیش خدمت ہے اور دیوان عزت عنوان کا ایک انتخاب زیر تحریر ہے۔

اس خط کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ وہ اعظم شاہ کی خدمت میں بیدل کی مدت ملازمت اور استعفٰی کے مسئلہ کو حل کرنے میں اہم رول ادا کرتا ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر تفصیل سے اس کا تذکرہ ہوا۔

مرزا فضائل:

میر ہادی فضائل خاں شہزادہ اعظم شاہ کا دیوان (وزیر مالیات) تھا ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء میں گرفتار ہوا لیکن بعد میں میر منشی کے عہدہ پر فائز ہوا۔ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء میں انتقال کے وقت بیوتات (گھریلو اخراجات کے محاسب) اور خانساماں کے عہدہ پر فائز تھا۔ (۶۵۴)

ایسا لگتا ہے کہ اعظم شاہ کے دربار میں خدمت کے دوران بیدل سے فضائل خاں کا تعلق قائم ہوا۔ رقعات میں اس کے نام دو خطوط ہیں جو اس کے سماجی اور دوستانہ تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

مرزا فضائل کا باپ میر محمد فاضل بیدل کے بہت قریبی دوستوں میں تھا اور ایسا لگتا ہے کہ بیدل اس کے لڑکے کو بھی اتنا ہی چاہتا تھا۔ باپ کے انتقال کے وقت مرزا فضائل بہت غمگین تھا۔ بیدل نے اس مناسبت سے ایک مفصل تعزیت نامہ اسے لکھا جس میں اس نے انسانی وجود کو موضوع بنا کر اس کی سست بنیادی اور بودے پن کو فلسفیانہ انداز میں اس طرح بیان کیا:

چار دیوار عناصر اعتبار طلسمی است بی بود۔ و چارسوی انجمن گیرودار تخیلی خالی از متاع نمود۔ نہ بر بنای این طلسم، چون گردباد، اعتماد داری، و نہ در شکست این دیوار، چوں رنگ، مایہ اختیاری۔ اگر نور تامل آئینہ پرداز دیدہ آگہی گردد، ذرہ تا آفتاب، بال پرواز عبرت است و قطرہ تا محیط گرد جولاں وحشت۔

رنگی از عشرت ندارد نوبہار باغ دہر   زین چمن باید چو شبنم، چشم تر برداشتن
چشم تا وا کردہ ایم، از خویش بیروں رفتہ ایم   شعلہ ما را قدم بود ست سر برداشتن (۶۵۵)

ہستی کے عناصر کی چار دیواریں (آب و آتش، خاک و باد) ایک طلسم بے بود ہیں اور انجمن گیرودار کی چاروں سمتیں متاع نمود سے خالی ایک تخیل ہیں۔ اس طلسم کی بنیاد پر بگولہ کی طرح اعتماد نہ کرنا اور اس دیوار کی شکست و ریخت پر رنگ کی طرح تیرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ نور تأمل اگر دیدۂ آگاہی کے لئے آئینہ پرداز ہو جائے (بصیرت کی آنکھ سے اگر غور کرو) تو ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر چیز عبرت آموز ہے اور قطرہ سے لے کر سمندر تک جولان وحشت کی گرد ہے (وحشت انگیز ہے)۔

باغ دہر کی تازہ بہار میں عیش و عشرت کا کوئی رنگ نہیں ہے اس چمن سے شبنم کی طرح با چشم تر نکل جانا چاہئے۔

جب سے آنکھیں کھولی ہیں خود آپ سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے شعلہ کے لئے سر اٹھانا ہی ایک طرح کا قدم ہے۔

اس کے بعد میر محمد فاضل کے بارے میں لکھتا ہے:

"معنی آگاہا! در تحریر واقعہ فروغ انجمن سعادت، آبروی آئینہ سیادت، آرام گزین سایہ نخل رحمت، راحت اندوز باطن دریای مغفرت، میر صاحب قدسی خاصیت، چہ پردازد کہ از طوفان کاری اشک خامہا، کاغذ، چوں پردہ چشم حباب، دریائی ست۔" (۶۵۶)

معنی آگاہ فروغ انجمن سعادت، آبروئے آئینہ سیادت، آرام گزین سایہ نخل رحمت، راحت اندوز باطن دریائے مغفرت، میر صاحب قدسی صفت کے واقعہ وفات حسرت آیات کی بابت کیا لکھیں بر قلم اشکوں کی طوفان کاری کے سبب کاغذ پر بلبلہ کی آنکھ کی طرح ایک دریا بن کر رہ گیا ہے۔

دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے مرزا فضائل سے غچک کی فرمائش کی تھی۔ غچک سارنگی کو کہتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیدل کو موسیقی سے بھی لگاؤ تھا اور کبھی کبھی اس سے لطف لیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی بعض غزلوں میں موسیقی کی دھن پوری طرح کارفرما نظر آتی ہے۔

"مخلص نوازا! اگر حسن بیساختہ غچک، بآرائش گیسوی تار، سلسلہ پیرای نغمات وفاق گردیدہ باشد، بی نوایان محفل آرزو را، صداواری موصول مقامات سرور گردانند کہ نفس متردد، چون کمانچہ مقید خراش سینہ است۔ و نگاہ منتظر چوں موی چینی، محو کاسہ چشم۔ مضراب شوق را متحرک و زمزمہ تمنا را متصاعد انگارند۔" (۶۵۷)

مخلص نواز! اگر غچک کا بیساختہ حسن گیسوئے تار کی آرائش میں نغمات وفاق کا سلسلہ پیرا ہو (دوستی کی نغمے چھیڑے) تو محفل آرزو کے بے نواؤں کو آواز کی طرح مقامات سرور تک پہونچانے کی زحمت کریں کیونکہ نفس متردد کمانچہ (ایک قسم کی سارنگی) کی طرح خراش سینہ کا پابند ہے اور نگاہ منتظر موئے چینی کی طرح کاسۂ چشم میں محو ہے۔ مضراب شوق کو متحرک اور زمزمۂ تمنا کو متصاعد تصور کریں۔

مرزا محمد نعیم:

اورنگ زیب کے عہد میں ۱۰۹۵ھ میں دارالخلافہ کا دیوان تھا۔ (۶۵۸) بہادر شاہ کے دربار میں بخشی کے عہدہ پر فائز تھا۔ بیدل سے اس کے غائبانہ اور خوشگوار تعلقات تھے۔ اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ بیدل نے اس کے اخلاق کریمانہ کی اس طرح تعریف کی ہے:

"معنی نسجانیکہ طریقہ اخلاق اشفاق غائبانہ مرعی داشتہ اند و می دارند۔ و مراتب التفات و عطوفت، بیواسطہ دید، بجا آوردہ اند و می آرند۔ اسرار "یؤمنون بالغیب" ذات حقایق آیات ایشان فہمیدنست۔ یاد آوریہای بیدلان، دلیل فراموشی حق مباد و توجہ با حوال فقرا، غفلت غنی مطلق مپناد۔" (۶۵۹)

معنوی نسبت کے حامل افراد جنہوں نے غائبانہ طریقہ سے اپنے اخلاق وعنایات کا خیال رکھا
اور ہمیشہ رکھتے ہیں اور بغیر ملاقات کے اپنی توجہات کریمانہ کا سلسلہ جاری رکھے اور سدا رکھتے ہیں ان
کی ذات حقیقت آیات کو یومنون بالغیب کے اسرار سمجھنا چاہئے۔ خدا کرے بیدل کی یادآوری خدا
فراموشی کی دلیل نہ بنے اور فقراء کے حال پر توجہ غنی مطلق سے غفلت کا سبب نہ بنے۔

خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی رنگین نگاری، حسن اخلاق اور استغنا اور بی نیازی
سے متاثر ہو کر مرزا نعیم نے مراسلات کے ذریعہ اس کا تعارف حاصل کیا اور غائبانہ تعلق قائم ہونے کے
بعد اس پر اپنی عنایتیں کرنی شروع کر دیں۔ مرزا نعیم کبھی کبھی بیدل سے فرمائش کرتا تھا کہ اس کی
طرف سے اس کے دوستوں کو خط لکھ دیں۔ رقعات میں ایک خط ایسا ملتا ہے جو مرزا نعیم کی طرف سے
میر سیف الدین کو لکھا گیا۔(۲۶۰)

ایک خط میں بیدل نے اپنے ایک شاعر اور مخلص دوست مرزا سہراب رونق کے لئے اس سے
سفارش کی ہے جس کا تذکرہ اپنی جگہ پر آئے گا۔(۲۶۱)

مرزا سلیمان:

مرزا سلیمان کے بابت ولیم بیل لکھتا ہے کہ وہ عہد عالمگیر کا ایک وزیر تھا اور اسے فضائل خاں کا
خطاب ملا ہوا تھا۔ ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء میں اس کی وفات ہوئی۔ محمد افضل سرخوش نے اس کی وفات کی
مناسبت سے درج ذیل مادۂ تاریخ نکالا:

شد شیخ سلیماں بسوی دار فنا   وارست ز فتنہ ہستی بے سروپا(۲۶۲)

ولیم بیل کے بیان کو اگر صحیح مانیں تو ممکن ہے یہ وہی فضائل خاں ہو جس کو بیدل نے اپنے دو
خطوط میں مرزا فضائل خاں سے خطاب کیا ہے اور اس کا تذکرہ ابھی حال میں گذرا۔ لیکن اس احتمال کو
قبول کرنے میں دشواری یہ ہے کہ مرزا فضائل کا نام میر ہادی تھا اور اس کی وفات ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء میں
ہوئی جبکہ یہاں فضائل خاں کا نام مرزا سلیمان ہے اور اس کی وفات ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء میں ہوئی اس لئے
غالب گمان یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

رقعات میں ایک خط مرزا سلیمان کے نام ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بیدل
کے مخلصانہ تعلقات تھے اور اس نے اس کی حمایت و سرپرستی بھی کی ہے، اس کے اخلاق کریمانہ سے
متاثر ہو کر بیدل نے اس سے ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کیا۔

''ہر چند غبار بی سروپا، در ہوای دامن مقصود، سراپا طپش بود، بی توجہی نسیم اقبال، امداد جرأتی

نفرمود، در گرہ انتظار، از امید شگفتگی، چمنی را فراہم دارد۔ و بشکر نعمای آن صبح بہار اخلاق و
احسان، نفس می شمارد۔''

دریا و توام نیست غم از کلفت امکان   گرد یکہ بود در رہ گلشن ہمہ رنگ است(۲۶۳)

بیدل کا بے سروپا غبار اگرچہ دامن مقصود ہاتھ آنے کی خواہش میں سراپا تپش بنا ہوا ہے پر نسیم
اقبال کی بے توجہی نے اس کی جرأت کا موقع نہ دیا۔ شگفتگی کی امید میں ایک پورا چمن گرہ انتظار میں
فراہم ہے اور اس صبح بہار اخلاق واحسان کی شکر گذاری میں نفس شماری کرتا ہے۔

تیری یاد میں مجھے غم روزگار کا کوئی دکھ نہیں۔ گلشن کے راستہ کی گرد بھی سراسر رنگ کی حامل
ہوتی ہے۔

مرآت واردات کا مصنف شاہ محمد شفیع وارد، بیدل کے حالات کے ضمن میں لکھتا ہیں:

''نخست در صحبت مرزا سلیمان خالوی حقیقی سلطان محمد معز الدین خلف شاہ عالم ابن عالمگیر
سالہا بسر برد بعد فوت مرزا سلیمان در سلک ملازمان اعظم شاہ ابن عالمگیر منسلک گشتہ بیت
الغزل دیوان اعتبار گردید''۔(۲۶۴)

بیدل نے پہلے سلطان محمد معز الدین ابن شاہ عالم ابن عالمگیر کے حقیقی ماموں مرزا محمد سلیمان
کی صحبت میں سالوں گذارے۔ اس کی وفات کے بعد اعظم شاہ ابن عالمگیر شاہ کے ملازموں کی صف
میں شامل ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل اعظم شاہ کی ملازمت سے پہلے مرزا سلیمان کی صحبت
میں رہا ہے اور اس کے حسن وسلوک سے بہت متاثر رہا ہے۔ اس کی تفصیلی بحث پہلے گذر چکی۔

شیخ محمد ماہ:

شیخ محمد ماہ عرف خیر اندیش خاں کمبوہ اٹاوہ کا صوبیدار تھا۔ خوشگو کے بقول بیدل کا ایک دوست
میر محمد احسن ایجاد اس سے وابستہ تھا(۲۶۵)۔ شیخ محمد ماہ کے نام رقعات میں بیدل کے دو خطوط ملتے
ہیں۔ ایک کا عنوان ہے ''جواب نامہ شیخ محمد ماہ در بے اختیاری خدمت قضا''۔ (شیخ محمد ماہ کے خط کا
جواب خدمت قضا کو قبول کرنے میں اس کی بے اختیاری کے بابت۔

اس خط سے شیخ کے ساتھ بیدل کے تعلقات کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے۔

ز چاک سینہ آہی می نویسم   کتانم حرف ماہی، می نویسم
محبت نامہ پرداز ست امروز   شرر بر برگ کاہی می نویسم(۲۶۶)

اپنے چاک سینہ سے آہ لکھ رہا ہوں میں کتان (ایک قسم کا باریک کپڑا جس کے بارے میں

مشہور ہے کہ چاندنی رات میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے) ہوں۔ ماہ کا حرف لکھ رہا ہوں آج محبت نامہ لکھنے میں مصروف ہوں۔ گھاس کی پتی پر شرر کا لفظ لکھ رہا ہوں۔

مضمون خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان انتہائی مخلصانہ روابط قائم تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ جب خدمت قضا اس کے حوالہ ہوئی اس میں جن لغزشوں کا احتمال تھا اس کی بنا پر محمد ماہ نے بیدل سے مشورہ کیا کہ اس خدمت کو قبول کیا جائے یا نامنظور کر دیا جائے۔ بیدل نے جواب دیا:

"متمکنان صدر تحقیق، بوفور لباس عبارات، رنگ معنیٰ برنمی گردانند۔ ومقیمان سر منزل تحقیق، بشمار مراتب اوہام، عروجی ونزولی بہم نمی رسانند۔ از عالم اسباب ہرچہ بی اختیار پیش آید، اقبال دولت ازلیست۔ واز تماشاہ گاہ ظہور، آنچہ بی تکلف رونماید، لطیفہ جہان بخللی۔ یکقلم محکوم قضائیم ویکسر مقید تسلیم ورضا۔" (۶۶۷)

صدر تحقیق کے مسند نشیں لباس عبارت کی کثرت سے رنگ معنیٰ نہیں بدلتے اور سر منزل تحقیق کے مقیم مراتب اوہام کو شمار کر کے عروج ونزول کے معاملہ میں خلط ملط نہیں کرتے (تحقیق کی منزل پر پہونچنے والے اپنا ظاہری چولا بدلنے سے باطنی حیثیت نہیں بدلا کرتے اور عروج ونزول اور بلندی و پستی میں نہیں الجھتے)۔ عالم اسباب سے جو کچھ بلا ارادہ سامنے آئے وہ دولت ازلی کا اقبال ہے۔ اور تماشا گاہ ظہور سے جو کچھ بے تکلف ہاتھ آئے وہ جہان بے خللی کا لطیفہ ہے۔ ہم سراسر قضا کے محکوم ہیں اور شیوہ تسلیم ورضا کے پابند۔

گویا بیدل نے اسے مشورہ دیا کہ چونکہ ہم قضا وقدر کے محکوم اور شیوۂ تسلیم ورضا کے پابند ہیں اس لئے ضروری ہے کہ جو سعادت واقبال بغیر کوشش اور ارادہ کے عالم اسباب سے ہاتھ آئے اس کو انتہائی احسان مندی کے جذبہ سے قبول کریں۔ البتہ ایک امر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اپنی موہوم ہستی اور اعتبار سے ایسا تعلق قائم نہ کریں کہ اس کا ظاہری رنگ بدلنے سے اپنی زندگی کے پاکیزہ اصول بھی بدل دیں۔

ما بہاریم و دریں حیرت سرا	جلوہ ما غیر رنگی بیش نیست
گر رویم از خود کجا خواہیم رفت	وحشت اینجا عذر لنگی بیش نیست
ور بخود سازیم جای غیرت است	قید ہستی نیز ننگی بیش نیست
ہرچہ بر آئینہ ما ریختند	گر ہمہ حسن است رنگی بیش نیست
سر خوش تسلیم باید بود و بس	گرچہ اینہم وہم ننگی بیش نیست (۶۶۸)

ہماری حیثیت ایک بہار کی ہے اور اس حیرت سرا دنیا میں ہمارا جلوہ ایک رنگ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ہے۔

اگر ہم خود آپ سے باہر جانا بھی چاہیں تو کہاں جائیں گے؟ یہاں وحشت ایک عذر لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

اور اگر آپ سے سمجھوتہ کرلیں تو یہ غیرت کا مقام ہے۔ "قید ہستی" ایک ننگ وعار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

ہمارے آئینہ پر جو کچھ بھی ڈالا جاتا ہے اگر وہ سراسر حسن ہی ہو تو اس کی حیثیت ایک رنگ سے زیادہ نہیں ہے۔

پس شیوہ تسلیم ورضا پر خوش اور مطمئن رہنا چاہئے اگر چہ یہ بھی ایک وہم سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

مرزا زین العابدین:

زین العابدین کی بابت صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۹۷ھ میں شولاپور کا قلعہ دار اور فوجدار تھا، پھر داروغگی کے عہدے پر فائز ہوا تھا۔ (۶۶۹) اس لئے ممکن ہے بیدل سے اس کا تعلق اس وقت قائم ہوا ہو جب وہ بھی اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ تھا۔

شکر اللہ خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ زین العابدین کا نواب موصوف سے ایک طرح کا تعلق تھا اور شاید کسی وقت اس سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہو گئی تھی اس کے باوجود شکر اللہ خاں اس کے ساتھ سلوک کرتا رہا۔ بیدل نے شکر اللہ خاں کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے اس کو اس نکتہ پر متوجہ کیا کہ اگر کوئی کم ظرف ہے تو اس کی کم ظرفی ایک کریم اور فیاض آدمی کی راہ میں روڑا نہ بننے پائے۔

"درباب شاہ زین العابدین وغیر آں، کہ امثال ما بیحاصلان مزرع ایجاد اند، از عالم اخلاق [آنچہ] بظہور پیوست ومی پیوندد، غیر از آثار رافت حقیقی نیست، اجر وقوع این مراحم از حق بحق خواہد بود"۔

شاہ زین العابدین وغیرہ کی بابت کہ ہم جیسے لوگ مزرعہ ایجاد کی لاحاصل شخصیتیں ہیں آپ کے عالم اخلاق سے جو برتاؤ سامنے آیا اور آتا رہتا ہے وہ حقیقی رافت ومہربانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کا ثواب خدا سے یقیناً آپ کو مل کر رہے گا۔

افراط حقیقت است و اعیان تفریط	این جملہ مرکب، آن ہمہ فیض بسیط
کم ظرفی ما فیض ترا مانع نیست	گر قطرہ بود قطرہ، محیط است محیط (۶۷۰)

افراط حقیقت ہے اور اعیان تفریط یہ سب مرکب ہیں اور وہ سب بھی بسیط۔ ہماری کم ظرفی

تیری فیض رسانی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، قطرہ اگر قطرہ رہتا ہے تو سمندر بھی سمندر ہی رہتا ہے۔

رقعات میں زین العابدین کے نام چار خطوط ہیں۔ سب کے سب بیدل سے دوستانہ روابط پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتا ہے:

''تا نفس انقطاع نمی پذیرد، رشتۂ اخلاص زنار گردن آرزو ست۔'' (۶۷۱)

سانس جب تک چل رہی ہے اخلاص کا رشتہ گردن آرزو کا جنیو ہے (یعنی خلوص کا جنیو گردن میں پڑا رہے گا۔)

اسی خط میں لکھتا ہے:

ایک طرح کی بیکلی اور بےچینی تمام لوگوں کی زندگی میں پائی جاتی ہے اور اس سے نجات آسان نہیں۔ ضمنی طور پر وہ اپنے حالات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

''اہل زندگی را تا کشاکش نفس باقیست، بستگی ابواب تردد محال ست۔ و تا رشتۂ عمر پیچ و تابی دارد، کمند پریشانی را چین کوتاہی وہم وخیال۔'' (۶۷۲)

زندوں میں جب تک سانس کی کشاکش کا سلسلہ باقی ہے پریشانیوں کے دروازوں کا بند ہونا محال ہے اور جب تک زندگی کے دھاگے میں پیچ وتاب موجود ہے پریشانی کی کمند پر بل پڑنا ایک وہم و خیال ہے۔

ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے کوئی چیز بطور تحفہ بیدل کو بھیجی تھی اور بیدل نے اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

'' سپاس ایں عطیہ کہ نفس حاشیہ نشینان خیال احسان مآل ست بکدام عبارت وانگارد۔'' (۶۶۸)

اس عطیہ کا شکریہ کہ خیال کے حاشیہ نشینوں کا سانس احسان مآل ہے (میں بیدل ممنون ہوں) کن الفاظ میں ادا کروں؟۔

تیسرا خط اشتیاق ملاقات کی نشاندہی کرتا ہے اور چوتھے خط میں بیدل مکتوب الیہ کی یادآوری پر اپنی مسرت اور خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

امروز بعد عمری، دلدار یاد ما کرد — شرم تغافل آخر حق وفا ادا کرد
خاک رہیم، مارا آسان نمی توان دید — مژگان خمید چشم آہنگ پیش پا کرد (۶۷۴)

آج ایک عرصہ کے بعد ہمارے محبوب نے ہمیں یاد کیا، شرم تغافل نے آخر وفا کا حق کر دیا۔ ہم خاک راہ ہیں، ہم کو آسانی سے نہیں دیکھا جاسکتا، جب آنکھ نے پیش قدمی کا ارادہ کیا تو پلکیں جھک گئیں۔

پانچواں خط زین العابدین کی طرف سے مرزا محسن کو لکھا گیا ہے۔ یہ خط واضح کرتا ہے کہ بیدل کے دوست احباب خصوصاً امراء بیدل کے انداز تحریر سے اتنا متاثر تھے کہ وہ اس سے درخواست کرتے تھے کہ ان کی طرف سے ان کے دوستوں کو خط لکھا جائے۔ دوم یہ کہ زین العابدین کو مرزا محسن سے غیر معمولی ارادت تھی ممکن ہے یہ وہی مرزا محسن ذوالقدر ہوں جس کو خوشگو نے بیدل کے ان قدیم دوستوں کے زمرہ میں شمار کیا ہے، جن کے بچپن سے بڑھاپے تک بیدل کے مخلصانہ روابط رہے۔

نواب ذوالفقار خاں:

امیر الامراء نواب ذوالفقار خاں نواب آصف الدولہ اسد خاں کا بیٹا اور نامور امراء میں تھا جو جہاندار شاہ ابن شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں امیر الامراء کے عہدہ پر فائز ہوا۔ محمد فرخ سیر نے جب جہاندار شاہ پر فوج کشی کی تو اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ذوالفقار خاں کو اس جرم میں کہ فرخ سیر کے باپ اور بھائی کے قتل میں اس کا بھی ہاتھ تھا، اس نے جہاندار شاہ کے ساتھ اسے بھی قتل کر دیا۔

نواب ذوالفقار خاں سے بیدل کے روابط کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں۔ خوشگو کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ذوالفقار خاں نے دو سو اشرفی مرزا بیدل کو بھیجی، بیدل نے وہ رقم عاقل خان ابن شکر اللہ خاں کو بھیجدی جو اس زمانہ میں مالی مشکلات سے دوچار تھا۔ (۶۷۵) قطعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاندار شاہ اور اس کے بھائیوں کے درمیان جنگ جانشینی میں ذوالفقار خاں کی کامیابی کے وقت بیدل نے ایک مبارکباد نامہ اس کو بھیجا:

آنہا کہ بصد کمال ملتمس است — و ز نور یقیں شاں جہاں مقتبس است
تاریخ ظفر حقیقت نصرت جنگ — گفتند کہ ذوالفقار خاں مارا بس است (۶۷۶)

وہ لوگ جو سیکڑوں کمال سے متصف ہیں اور جن کے نور یقین سے دنیا روشنی حاصل کر رہی ہے انہوں نے نصرت جنگ کی تاریخ حقیقت ظفر یوں کہی ''ذوالفقار خاں مارا بس است''۔

یہ دونوں واقعات بتاتے ہیں کہ خان موصوف سے بیدل کے تعلقات انتہائی دوستانہ تھے۔

قلعہ سنگار فتح کرنے میں ذوالفقار خاں کی کامیابی کی مناسبت سے بھی بیدل نے ایک قطعہ کہا ہے:

ہزار شکر کہ امروز خان نصرت جنگ — شکست قلعہ سنگار بر سر میواں
رساند از دو ترنم پردۂ تاریخ — ''فتوح عید طرب'' ''گوش ہدیۂ رمضاں''
۱۱۱۵ھ (۶۷۷)

ہزاروں شکر ہے کہ آج خان نصرت جنگ نے قلعہ سنگار کو میواتیوں کے سر پر دے پٹکا، دو

جملوں سے پردۂ تاریخ نکالا (فتوح عید طرب، گوش ہدیۂ رمضاں)۔

دیوان بیدل میں ایک غزل ذوالفقار خاں کی اس فتح کے موضوع پر پائی جاتی ہے جو درج ذیل ہے:

دل فتح و دست فتح و نظر فتح و کار فتح   گلجوش ہر نفس زدنت صد ہزار فتح
دستت ببازوی نسب مرتضی قوی   تیغ ترا ہمین حسب ذوالفقار فتح
یک غنچہ غیر گل، نتواں یافت تا ابد   در گلشنی کہ کرد حقش آبیار فتح
گردوں چو زخم کہنہ کند چار پارہ اش   گر با دل عدوی تو سازد دوچار فتح
ہرجا بعزم رزم ببالد ارادہ ات   مژگاں گشودنی نکشد انتظار فتح
یارب جو آفتاب بہرجا قدم زنی   گرد رہت چو صبح کند آشکار فتح
چندانکہ چشم کار کند گل دمیدہ گیر   چوں آسمان گرفتہ جہان در کنار فتح
آغوش خرمی چقدر باز کردہ ئی   کا فاق، از تو باغ گل است ای بہار فتح
یکبار اگر رسد بزباں نام نصرتت   ہشتاد و ہشت و چار صد آرد شمار فتح
تا حشر ای سحاب چمن ساز بیدلاں   بر مزرع امید دو عالم ببار فتح (۶۷۸)

نواب سیف الدولہ عبدالصمد خاں (ناظم):

(۱۷۱۳ءتا۱۷۲۶ء)

نواب سیف الدولہ عبدالصمد خاں عہد اورنگ زیب کا ایک بااثر امیر تھا جس کو اس وقت شش صدی اور اس کے بعد ہزار پانصدی کا عہدہ اور عبدالصمد کا خطاب بھی ملا تھا۔ جہاندار شاہ اور اس کے بھائیوں کے بیچ جنگ جانشینی کے وقت وہ جہاندار شاہ کی طرف سے لڑ رہا تھا اور کامیابی کے بعد اس کو ہفت ہزاری کا منصب اور عالی جنگ کا خطاب ملا۔ عہد فرخ سیر میں ۲۲ رفروری ۱۷۱۳ء میں ہفت ہزاری وصوبیدار لاہور کے منصب پر فائز ہوا۔(۶۷۹) عبدالصمد خاں حضرت عبداللہ احراری کی اولاد سے تھا اور خود زاہد ومتقی اور عابد شب زندہ دار تھا، دن اس کا گھوڑے کی پشت پر دشمنان اسلام سے شمشیر زنی میں بسر ہوتا اور رات مصلی عبادت پر۔ خدا نے اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور اسلامی آبادیوں کو نذر آتش کرنے والے بندہ بیراگی کا جادو خانوادہ نقش بند کے اسی درویش شمشیر زن کے مساعی کے سامنے باطل ہوگیا۔(۶۸۰)

بیدل کے نواب موصوف سے تعلقات کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ اس

رباعی کی شہرت کے بعد جس میں بیدل نے سادات بارہہ پر فرخ سیر کے قتل کی وجہ سے نمک حرامی کا الزام لگایا تھا، بیدل دہلی سے لاہور فرار کر گیا اور وہاں نواب عبدالصمد کے پاس پناہ گزین ہوا۔ نواب اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا(۶۸۱)۔ اس واقعہ کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

لاہور میں بیدل کے ساتھ نواب موصوف کا تقریباً ڈیڑھ سالہ برتاؤ واضح کرتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔

نواب غیرت خاں بہادر صلابت جنگ:

نواب غیرت خاں بہادر صلابت جنگ کے سلسلہ میں خوشگو نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بیدل کے دوستوں میں تھا اور اس کی وفات کے وقت اس کے پاس موجود تھا۔ خوشگو نے بیدل کی وفات سے متعلق جو حالات لکھے ہیں وہ انہیں کی زبان سے سن کر لکھے ہیں (۶۸۲)۔ مآثر عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے امرا میں تھا، ۱۰۸۵ھ میں اسے خلعت، شمشیر اور اسپ عطا ہوا، ۱۰۸۷ھ جونپور کا فوجدار رہا، ۱۰۸۹ھ میں جونپور میں یا اس کے دوران سفر اس کی قیامگاہ پر بجلی گری جس میں کئی آدمی جان بحق ہوگئے اور خود غیرت خان کے صرف پاؤں کو نقصان پہونچا۔(۶۸۳)

خان بہادر لعل محمد خان:

خان بہادر لعل محمد خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے عہدہ پر فائز تھا اور بیدل کے مخلص احباب میں تھا۔ مآثر عالمگیری کے مطابق وہ ۱۰۸۰ھ میں حسن علی خاں اللہ وردی خاں کی طرف سے متھرا کا حاکم تھا(۶۸۴)۔ بیدل کا ایک شاعر دوست عاشق ہمت مالی مشکلات سے دوچار تھا، وہ اجمیر سے اسلام آباد (متھرا) آیا اور خان موصوف کی تعریف میں ابوطالب آملی کی زمین میں ایک قصیدہ کہا۔ بیدل نے اس کی حمایت وسرپرستی کی سفارش خان موصوف سے کی۔ اس واقعہ سے دونوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت اور کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے(۶۸۵)۔ اور شکر اللہ خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ خان بہادر موصوف نے جس کے لئے بیدل ”چراغ محفل اخلاق“ کی تعبیر استعمال کرتا ہے کسی ناخوشگوار واقعہ کے نتیجہ میں جس سے شاید اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہونچی، خودکشی کر لی۔ بیدل نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے شکر اللہ خاں کو لکھا:

”جمعیت ناقدرداں شکنجہ مرگ صاحبدلان می باشد واطاعت ناقصان دلیل فنای کامل صفتان۔ در ہمہ حال زندگی موہوم بقبول تحکم دونان نمی ارزد۔“(۶۸۶)

ناقدردانوں کی ماتحتی صاحب دل حضرات کے لئے شکنجہ مرگ کی حیثیت رکھتی ہے اور ناقصوں کی اطاعت کامل صفت لوگوں کے لئے فنائے کامل ہے۔ بہر حال اس موہوم زندگی کو زیب نہیں دیتا کہ دنی اور پست فطرت لوگوں کے حکم کو بادل ناخواستہ قبول کرے۔ چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے:

پیرو خلق دنی بودن ز غیرتہاست دور   شیر مرداں را نباید بر طریق میش رفت

شفیق نے تذکرہ شام غریباں میں شاہ محمد شفیع وارد کے حوالہ سے لعل محمد خاں کے بارے میں درج ذیل معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

"(پس از استعفا ملازمت بیدل) ازان مقام قدم بوادی سفر گذاشت۔ پس از قطع منازل در بلدہ متھرا بر کنار دریای جمن اقامت گزید۔ لعل محمد نامی حاکم آن مکان نایب حسن علی خان بہادر الہ وردی خان از قدوم میرزا اطلاع یافتہ در دلجوئی و خاطرداری کوشید۔ میرزا نیز دلدادہ صحبت او شد اتفاقاً سلطان عالمگیر کہ در دکن بود لعل محمد را بحضور خود طلبید۔ لعل محمد موجب حکم پادشاہ جبراً وقہراً رو بسر دکن آورد و در عرض راہ سمند عزیمت بصوب اقلیم عدم جلو ریز ساخت۔" (۶۸۷)

اعظم شاہ کے دربار سے استعفیٰ کے بعد بیدل وہاں سے سفر پر روانہ ہوا۔ چند منزلیں طے کرنے کے بعد متھرا میں دریائے جمنا کے کنارے اس نے قیام کیا۔ وہاں کے حاکم لعل محمد نے جو حسن علی خاں بہادر اللہ وردی خان کا نائب تھا، مرزا کے ورود کی خبر پا کر اس کی دلجوئی اور خاطرداری کی کوشش کی۔ مرزا بھی اس کی صحبت کا شیدا ہو گیا تھا۔ اتفاق سے سلطان عالمگیر جو اس وقت دکن میں تھا لعل محمد کو اپنے پاس طلب کیا۔ لعل محمد نے حسب حکم بادشاہ جبراً وقہراً دکن کا سفر کیا اور راستہ ہی میں اس کی عزیمت کا گھوڑا راہیٔ ملک عدم ہوا۔

اس بیان سے چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے اول یہ کہ استعفیٰ کے بعد بیدل متھرا روانہ ہوا۔ دوم یہ کہ لعل محمد خاں کا مہمان ہوا، سوم یہ کہ اس کی خودکشی کا سبب جس کا تذکرہ بیدل کے خط میں مبہم ہے عالمگیر کا اس کو اپنے پاس باز پرس کے لئے بلانا تھا۔ پہلے نکتہ پر ہم استعفیٰ کے واقعات کے ضمن میں بحث کر چکے ہیں۔

بیدل نے جو خط شکر اللہ خاں کو لکھا ہے اس میں ایک طرح سے اورنگ زیب پر طعن کیا کیونکہ اس کے لئے "ناقدر"، "ناقص" اور "دون" الفاظ استعمال کئے ہیں۔

❂❂❂

شعراء و ادباء

بیدل کے شاعروں اور ادیبوں سے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

"بیدل کے مکتوب الیہم میں مشہور ہمعصر شعراء اور ادیبوں کے نام نظر نہیں آتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ناصر علی اور سرخوش وغیرہ سے ان کی معاصرانہ چشمک تھی۔ شیخ عبدالعزیز عزت، ایزد بخش رسا اور رفیع خاں باذل کے نام البتہ چند خطوط ہیں۔" (۶۸۸)

بیدل کے تفصیلی حالات کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ معاملہ ایسا نہیں تھا۔ ان مشہور شاعروں کے علاوہ جن کا تذکرہ ڈاکٹر انصاری نے کیا ہے بیدل نے اپنے متعدد خطوط میں دوسرے مشہور شاعروں کا نام اجمالی اور ضمنی طور پر لیا اور ان کے لئے سفارشیں کی ہیں مثلاً رفیع خاں باذل کے نام ایک خط میں میر محمد زمان راسخ اور ان کے دوستوں کی سفارش کرتا ہوا لکھتا ہے:

"درین نشا کہ روی توقع عالمی متوجہ التفات آنجناب است، آئینہ اسرار سیادت، میر محمد و رفقای ایشاں، کہ از صفا کیشان این روزگار اند، تمنای حصول سعادت ملازمت دارند۔ بگرم روی توجہی اگر جلا بخش احوال شان باشند تمثال نتایج از مرآت ثواب محو نخواہد بود۔" (۶۸۹)

اس اثنا میں کہ ایک عالم کی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں، اسرار سیادت کے آئینہ میر محمد اور ان کے احباب جو اس دور کے صفا کیش اور مخلص لوگوں میں ہیں خدمت میں حاضری کی تمنا رکھتے ہیں۔ اپنی مخصوص توجہ کی گرم جوشی سے اگر ان کے مالی حالات کی اصلاح فرمائیں تو آئینہ ثواب سے نتائج کی صورت محو نہ ہوگی۔ (یعنی ضرور ثواب ملے گا)۔

میر محمد زمان اور اس کے ساتھیوں کو بیدل نے "صفا کیشوں" کی صف میں شمار کیا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کے رفقاء سے کون شعراء مراد ہیں۔ خوشگو نے میر محمد زمان راسخ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے:

"میر، میرزا (بیدل) و حاجی اسلم سالم و حکیم شیخ حسین شہرت در گجرات بلشکر شاہی باہم مطرح بودہ اند۔" (۶۹۰)

میر، مرزا بیدل، حاجی اسلم سالم، حکیم شیخ حسین شہرت گجرات میں لشکر شاہی میں باہم دوست تھے۔

اور اعظم شاہ کے احوال کے ضمن میں لکھا ہے:

''میرزا بیدل و میر محمد زمان راسخ و حاجی اسلم سالم و حکیم شیخ حسین شہرت شعرای درگاہ اویند۔'' (۶۹۱)

مرزا بیدل اور میر محمد زمان راسخ اور حاجی اسلم سالم اور حکیم شیخ حسین شہرت اس کے دربار کے شعراء ہیں۔

اس لئے یقیناً سالمؔ، شہرتؔ اور راسخ وغیرہ بیدل کے صفا کیش احباب میں ہیں اور بعض دوسرے خطوط میں عاشق ہمت، مرزا اسہراب رونق اور محمد احسن ایجاد وغیرہ کے نام بھی آئے ہیں۔ چونکہ اس کے علاوہ کوئی اور ماخذ ہمارے پاس نہیں ہے کہ ان صفا کیشوں کا پتہ لگائیں اس لئے ہمارا قیاس ہے کہ ان کے علاوہ دیگر معروف شعراء بھی ہوں گے جن کے بارے میں خوشگو معلومات فراہم نہ کر سکا ہو۔ ذیل میں ہم ان کے احباب کی تفصیلی فہرست پیش کرتے ہیں:

عبدالعزیز عزت:

بیدل کے احباب میں مولانا عبدالعزیز عزت واحد شخص نظر آتے ہیں جنکے استاد ہونے کا اعتراف خود بیدل نے کیا ہے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ان کا نام سرفہرست آئے۔

مولانا عزت کا تذکرہ بیدل کے حالات کے ضمن میں ہو چکا ہے یہاں رقعات کی روشنی میں بیدل سے ان کے تعلقات کی نوعیت پر تھوڑی سی بحث کی جائے گی۔

بقول محمد ساقی، مولانا عبدالعزیز عزت ملا عبدالرشید اکبرآبادی کے صاحبزادہ تھے۔ ان کا اصلی وطن ہرات تھا، وہاں سے ہجرت کر کے اکبرآباد (آگرہ) آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مولانا عزت کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، حکمت، فلسفہ، منطق غرض جملہ علوم متداولہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۹ ذی الحجہ ۱۰۸۰ ہجری ۱۶۶۹ء کو ہمت خاں اور بختاور خاں نے اورنگ زیب سے ان کا تعارف کرایا اور جلد ہی وہ چہار صدی ہفتاد سوار کے منصب پر فائز ہو گئے۔ اس کے علاوہ خلعت، پنج سر اسپ (پانچ راس گھوڑے) شمشیر، جمدھر (ایک قسم کا خنجر) اور پالکی مع جملہ سامان کے بطور اعزاز کے ان کو عطا کئے گئے۔ چوتھے دن ترقی کر کے عرض مکرر کے داروغہ کی خدمت پر مامور ہوئے پھر چکلہ سرہند کے فوجدار مقرر ہوئے۔ ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں دلاور خاں کا خطاب ان کو ملا۔ ۲۷ شعبان ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں

جب کہ وہ ہفت صدی دو صد سوار کے منصب پر فائز تھے بادشاہ کی خدمت میں آمد و رفت میں کوتاہی برتنے کے سبب ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے۔ انہوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کو لاہور بھیج دیا جائے۔ لاہور پہونچنے کے بعد انہوں نے بختاور خاں کو ایک غزل بھیجی جو ان کے واردات قلب کو بیان کرتی ہے:

ز درد دل چہ نویسم کہ جوش بیتابی ست　　　زشوق جان چہ نگارم کہ نامہ سیمابی ست

درد دل کا کیا تذکرہ کریں کہ جذبات کے ابال میں قرار نہیں، شوق جان کا ذکر کیا کریں کہ تحریر سیماب صفت ہے۔

شب خیال فراقِ کہ ریخت خون دلم　　　کہ تار اشک گلابی و دیدہ عنابی است

کس کی جدائی کے خیال نے میرے دل کا خون کیا، کہ آنسوؤں کے تار گلابی رنگ اور آنکھ عنابی رنگ کی ہو گئی ہے۔

چگونہ شرح دہم حال دل کہ بیتابم　　　زیاد تاب رخش دل کتان مہتابی ست

میں جو مضطرب ہوں اپنے دل کا حال کس طرح بیان کروں، اس کے چہرے کی چمک کی یاد سے دل چاندنی رات کا کتان کا کپڑا بنا ہوا ہے (کتان ایک باریک قسم کا کپڑا ہے جسے ٹسر کہتے ہیں اور جس کے بارے میں مشہور ہے کہ چاندنی رات میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔)

نشستہ ام دریں بحر تا خدا چہ کند　　　بکشتی کہ ز یک قطرہ آب گردابی ست

اب اس دریائے اضطراب میں ایسی کشتی میں بیٹھا ہوں جو پانی کے ایک قطرہ سے بھنور بن کر تہہ میں ڈوب جانے والی ہے۔

نماند صورت راز دلم نہاں عزت　　　کہ دیدہ صفحہ تصویر رنگ بیخوابی ست

عزت! میرے راز دل کی صورت اب نظروں سے اوجھل نہیں رہی کیونکہ آنکھ رنگ بے خوابی کی سفید تصویر بنی ہوئی ہے۔

مولانا عزت کی وفات ۱۰۸۸ھ/۱۶۷۷ء میں ہوئی۔ (۶۹۲)

خوشگو لکھتا ہے:

''و آں وقت (ہنگام ملازمت درخدمت اعظم شاہ) مشق سخن درخدمت شیخ عبدالعزیز عزت می گذرانید۔'' (۶۹۳)

اس وقت یعنی اعظم شاہ کی ملازمت کے دوران بیدل شیخ عبدالعزیز عزت کی خدمت میں مشق سخن کرتا تھا۔

لیکن جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا یہ دعویٰ شبہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ ایزد بخش رسا کے خط سے پوری طرح واضح ہے کہ بیدل اس کے ذریعہ مولانا عزت سے آخر رمضان یا اول شوال ۱۰۸۵ھ/ ۱۶۷۴ء میں متعارف ہوا ہے۔ اور اس وقت تک بیدل سرکاری ملازمت کو خیر باد کہہ چکا تھا۔ رسا کے خطوط کو پیش نظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیدل کو سرہند یا لاہور میں مولانا عزت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ رقعات میں مولانا موصوف کے نام بیدل کے چار خطوط ہیں۔ ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے کچھ وقت اپنا مولانا موصوف کی خدمت میں گذارا ہے اور اسے خوشی سے یاد کرتا ہے۔

یاد آں عیش کہ عیش رائگانی داشتم   سجدۂ ای چوں راستاں بر آستانی داشتم

آرام کے ان دنوں کی یاد آتی ہے جو مجھے مفت حاصل تھے اور سچے آدمیوں کی طرح جناب والا کے آستانہ پر سجدہ کرتا تھا۔

پھر اپنے مخلصانہ روابط کی طرف اشارہ کرتا ہوا لکھتا ہے:

مائیم و جبہہ و سجود و رضائے دوست   اندیشہ فراق و ہوای وصال چیست (۶۹۴)

ہم ہیں، پیشانی ہے، سجدہ ہے اور رضائے دوست ہے۔ یہاں جدائی کا اندیشہ اور وصال کی تمنا بے معنیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

ایک خط میں خدمت میں حاضری سے محرومی کی شکایت کی ہے اور اپنے نیاز مندانہ تعلق کا اظہار اس طرح کیا:

''از غیبت دولت حضور چہ کلفتہا کہ در آئینہ طبیعت مشاہدہ نہ نمودہ ونمی نماید۔ واز زخم تصور چہ درہای حسرت کہ برروی دل نکشودہ ونمی کشاید۔'' (۶۹۵)

دولت حضور کی غیبت (خدمت میں غیر حاضری) کے نتیجہ میں کیا زحمتیں اٹھائیں ہیں جو آئینہ طبیعت کے مشاہدہ میں نہ آئیں اور نہ آتی ہیں اور زخم تصور کی بدولت حسرت کے وہ کیا دروازہ ہیں جو دل پر وانہ ہوئے اور نہ ہوتے ہیں۔

اور اب وہ خط جو بیدل کی شاگردی اور عزت کی استادی کو ظاہر کرتا ہے ملاحظہ ہو:

''سالکا واصلا! دوسہ مصرع سادہ کہ الحال، دل سودا مآل، طرح کردہ وکلک ودادسلک، دراحاطہ دام مسطر آوردہ طمع دارد کہ در درسگاہ اصلاح آراہمسلک گوہر کمال گردد۔''

میرے سالک وواصل! دوتین سیدھے سادے مصرعے جن کو اس وقت دل سودمآل نے نظم کیا ہے اور کلک ودادسلک نے دام مسطر میں گرفتار کیا ہے، حاضر خدمت ہیں۔ امید کہ مطالعہ اصلاح آراء کی درسگاہ میں گوہر کمال کا ہمرشتہ ہوں گے۔

دل اگر محو مدعا گردد   درد در کام ما دوا گردد
طعمہ درد اگر رسد در کام   ہر مگس ہمسر ہما گردد
محو اسرار طرۂ اورا   رگ گل دام مدعا گردد
گرسگا لد وداع سلک ہوس   کرۂ دل گہر ادا گردد (۶۹۶)

ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ استاد عزت سخت بیمار پڑے، بیدل نے ان کی صحت یابی کے لئے خدا سے دعا کی اور اپنے خلوص وارادت کا اظہار کیا (۶۹۷)۔ ممکن ہے یہ آخری خط ہو اور ۱۰۸۸ھ/ ۱۶۷۷ء کے آس پاس لکھا گیا ہو جب مولانا کسی مرض میں گرفتار ہو کر خدا کو پیارے ہوئے۔ بیدل نے انکی وفات کے موقع پر ایک مرثیہ کہا جو بڑی حد تک بیدل کے ان سے والہانہ قلبی تعلق، عقیدت اور ارادت کو واضح کرتا ہے نیز ان کے مقام و مرتبے کی تعیین کرتا ہے:

آن شیخ فی الحقیقت، آن ہادی طریقت   آن نورقرب مولی، آن شمع دین خاتم
کز حق خطاب او بود عبدالعزیز عزت   یعنی کمال عزت بر طینتش مسلم
در گلشنی کہ می رفت ذکر بہار خلقش   بوی گل از خجالت می بست نقش شبنم
بیتاب ذرہ او انوار مہر عظمت   مواج قطرہ او جوش محیط اعظم
در دیدہ تمنا لطفش فروغ بینش   بر زخم بینوائی جودش نوید مرہم
دست نوال اورا در پلہ کرامت   امواج صفحہ بحر نقشی بروی درہم (۶۹۸)

دوسرے قطعہ میں کہتا ہے:

شیخ زمانہ، عمدہ دین، عزت جہان   کز باغ دہر رفتن او رنگ عیش برد
عمری دلیل فطرت ارباب فضل بود   یعنی طریق معنی اخلاق می سپرد
اخر درین زیانکدہ نیستی متاع   نقد نفس بکیسہ آسودگی شمرد
شد خاک پیکرو بفلک رفت جان پاک   صافش عروج کرد وبہ پستی نشست درد
عمر عزیز او چہل و ہشت سال بود   شدسال رحلتش؛ چہل وہشت سالہ مرد (۱۰۸۹ھ)

اسی طرح تیسرے قطعے میں انکی وفات کا مادہ تاریخ یوں نکالا ہے:

بیدل ز دل طلب کرد تاریخ رحلت او   آمد ندا کہ بردند نور از چراغ عالم (۶۹۹)

لیکن محمد ساقی نے انکی رحلت کی تاریخ چھ ربیع الاول ۱۰۸۸ھ ۱۶۷۷ء لکھا ہے۔ (۷۰۰)

ایزد بخش رسا:

ایزد بخش رسا مولانا عبدالعزیز عزت کا شاگرد تھا۔ شروع میں وہ شیعہ مذہب تھا۔ مولانا عزت کی صحبتوں کے زیر اثر سنی ہوگیا۔ اسی مناسبت سے اس نے ایک عرصے تک اپنا تخلص سنی رکھا لیکن بیدل سے ملاقات کے بعد اس کے مشورہ کے مطابق اپنا تخلص 'رسا' اختیار کیا۔ اورنگزیب کے عہد میں اکبر آباد کے بیوتات سے لے کر داروغہ خزانہ اور صوبیدار کے مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ پاکیزہ شاعرانہ ذوق کا حامل تھا اور نثر بھی دلکش لکھتا تھا۔ اس کی تصانیف میں ایک رسالہ ''کشف الغطا'' کی شرح ہے جسے مولانا عزت نے تشیع کی رد میں لکھا تھا۔ دوسرا خط کا مجموعہ ''ریاض الوداد'' ہے۔(۷۰۱)

ان خطوط کی روشنی میں جو رسا کے نام بیدل نے لکھے ہیں نیز بیدل کے نام جو رسا نے لکھے ہیں یہ کہا جا سکتا ہےکہ دونوں کے درمیان مخلصانہ روابط برقرار تھے اور دونوں ایک دوسرے کے قدر دان تھے۔

ریاض الوداد میں جس کا ایک قلمی نسخہ پٹنہ کی خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہے، بیدل کے نام رسا کے دو خطوط ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا عزت کے نام جو دو خطوط ہیں ان میں بیدل کا تذکرہ ضمنی طور پر آتا ہے، انہیں خطوط کی اساس پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایزد بخش کا ۱۰۸۵ھ میں بیدل سے تعارف ہوا۔

''ہفد ہم شہر صدر ۱۰۸۵ھ بیدل ہمہ دل را دیدم واز دل نہادش پرسیدم''.(۷۰۲)

''۱۷ ماہ مذکور ۱۰۸۵ھ بیدل سراپا دل سے ملاقات ہوئی اور دل سے اس کی خیریت دریافت کی''۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ڈاکٹر عبدالغنی نے لکھا ہے۔ ''ابھی بیدل فوج میں ملازم نہیں ہوئے تھے اور نہ انہیں کوئی منصب ہی ملا تھا کہ ایک معاصر شاعر ایزد بخش رسا کی ان سے ملاقات ہوئی اور رسا نے بیدل کی شخصیات کا اثر ایک ہی لفظ کے ذریعہ عمدگی سے بیان کر دیا اپنے ایک رقعہ میں لکھتے ہیں: بیدل ہمہ دل را دیدم''۔(۷۰۳)

کیونکہ جیسا کہ اس سے پہلے ثابت کیا گیا، بیدل کی مدت ملازمت تقریباً ۴ یا ۵ سال یعنی ۱۰۸۰ھ ۱۶۶۹ء تا ۱۰۸۴ھ ۱۶۷۲ء کے درمیان ہے۔ اس لئے بیدل کی رسا سے ملاقات ملازمت سے استعفیٰ کے بعد ہوئی ہے۔

بیدل کے بارے میں رسا کے کیا تاثرات تھے اس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس کے علاوہ جو بیدل کی پرکشش شخصیت سے رسا کے غیر معمولی تاثر کو واضح کرتا ہے بیدل کے نام اپنے ایک خاص خط میں اس بنا پر کہ بیدل نے ایک مہینہ تک اس کو خط نہیں لکھا اپنے اضطراب اور اشتیاق اور اپنی مخلصانہ ارادت مندی کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

''بخلاصۂ آب وگل، میرزا عبدالقادر بیدل! صاحبا مخدوما! اظہار اشتیاقیکہ در یک شہر علت نامہ حصول ملاقات نباشد، مفضی تکلیف است ولب از آنمقولہ بزیستن برخلاف نفس الامر۔

ز آہ شعلہ سیما درد پیدا ست زبان مضراب طنبور دل ما ست

بہمہ حال مشتاقیم۔ واشتیاق برموعود زیادہ از حد داریم۔''(۷۰۴)

خلاصۂ آب وگل، مرزا عبدالقادر بیدل میرے صاحب اور میرے مخدوم! اشتیاق کا اظہار کہ ایک مہینہ کے دوران خط کے ذریعہ حصول ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا تکلیف دہ ہے اور اس بات سے لب بندی نفس الامر کے خلاف ہے۔ میرے آہ شعلہ صفت سے درد نمایاں ہے، زبان میرے دل کے طنبور کا مضراب ہے۔ بہرحال ہم مشتاق ہیں اور ملاقات کے وعدہ پر حد سے زیادہ اشتیاق رکھتے ہیں۔

شاید اسی خط کے جواب میں بیدل نے نامہ نگاری میں تاخیر کی اس کی شکایت کو دور کرنا چاہا۔ لکھتا ہے:

''تقصیر غفلت بیدلان، ہر چند ازان عالم نیست کہ بسعی عذر از شکنجہ انفعال توان رست اما امید عفو باقیست۔ تاوان بی پروائی نامہ برگردن افتادہ است، از قبول چارہ نیست۔ از یاد گرامی لقا، در ہیچ حالتی غافل تصور نفرمایند۔ وبجرم عدم نامہ پردازی، طومار شکوہ واعتراض نہ کشایند۔''(۷۰۵)

بیدل کی غفلت کی کوتاہی ہر چند کہ اس عالم کی چیز نہیں ہے کہ عذر کر کے شرم کے شکنجہ سے آزاد ہو جائے لیکن عفو کی امید بہرحال باقی ہے، خط لکھنے میں لاپروائی کا تاوان میری گردن پر ہے، جسے قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ملاقات کی گرامی یاد سے کسی بھی حال میں آپ مجھے غافل نہ تصور کیجئے اور خط نہ لکھنے کے جرم میں گلہ وشکایت کا دفتر نہ کھولئے۔

دوسرے خط میں بیدل کے طبع موزوں کو رسا نے شاعر کے کلام کے حسن وقبح کو پرکھنے کی کسوٹی قرار دیا ہے اور اس بنا پر اکثر اپنا کلام نقد وتبصرہ کے لئے اس کے پاس بھیجتا تھا۔ اس خط میں اس نے بیدل کے لئے کچھ شایستہ القاب استعمال کئے جو ایک معاصر کی نظر میں اس کے شاعرانہ مقام کو واضح کرتے ہیں۔

''دعای کہ در گلزمین اجابت ریشہ دوانیدہ، وسلامی بسلامت طوبی سرکشیدہ۔ تحفہ کامل عیاریست کہ ہرچہ نہ سنجیدہ طبع رسای اوست، از حسن قبول معراست۔ وآنچہ نہ پسندیدۂ فکر والای او، از زیور لطف مبرا۔ یعنی اورنگ نشین کشور نازک خیالی، نقطہ انصافش تمغای اعتبار افکار عالی، نیر اعظم آسمان کمال، فرمانروای عالم خیال، خلاصہ آب وگل، میرزا عبدالقادر

بیدل، کہ دل مشتاقان دارالقرارش باد، وازناموزونی زمانہ، غبار کراہتی، بر دامن وسعت مشربش مبیناد۔" (۷۰۶)

ایک دعا ہے جس کی جڑیں اجابت کی گلزمین میں گہری چلی گئی ہیں اور ایک سلام ہے سلامت طوبیٰ کی طرف سر اٹھائے ہوئے وہ (بیدل) ایک مکمل معیاری تحفہ ہے کہ جو چیز اس کی طبع رسا پر پوری طرح نہ اترے وہ حسن قبول سے عاری ہے اور جو چیز اس کے فکر والا کو پسند نہ پڑے وہ زیور لطف سے خالی ہے۔ یعنی کشور نازک خیالی کے اورنگ نشیں جس کا نقطہ انصاف بلند واعلیٰ افکار وخیالات ہیں آسمان کمال کے نیر اعظم، عالم خیال کے فرمانروا، خلاصہ آب وگل مرزا عبدالقادر بیدل کہ مشتاقوں کا دل اس کا دارالقرار ہو اور زمانہ کی ناسازگاری کے باعث کسی ناخوشگوار روا قعہ کی گرد اس کی وسیع المشربی کے دامن پر نہ جمے۔

رسا کے اسی خط کے جواب میں بیدل نے شاید درج ذیل خط لکھا:

"یاد آوریہای بیدلان رسا، دور پیمانہای الطاف بی انتہا خوشا طریق عالم اشفاق، کہ اگر دوستان ہمہ مژہ بر روی ہم کشایند، بہزار زبان شاہد واستودن اند، وہر چند لبی بہ پرسش یکدیگر تحریک دہند، متصدی دفتر بہار اخلاق کشودن۔ خاصہ شفقتیکہ بواسطہ زبان خامہ دستگاہ ظہور گیرد۔ و برابطہ سواد نامہ، وسعت التفات پذیرد ع یاد ما کردی حضور حق فراموشت مباد"۔ (۷۰۷)

رسا کی بیدل کی یاد آوری گویا لامحدود عنایتوں کے پیمانہ کا دور ہے۔ محبت وشفقت کا یہ عالم بھی کیا خوب ہے کہ احباب اگر باہم ایک دوسرے کو اسی طرح دیکھا کریں تو ہزاروں زبان سے ایک دوسرے کی تعریف کریں اور جب ایک دوسرے کی مزاج پرسی کے لئے اپنے لب ہلائیں، بہار اخلاق کا پورا دفتر کھول کر رکھ دیں۔ خصوصاً وہ مہربانی جو قلم کی زبان سے منصۂ شہود پر نمایاں ہو رہی ہے اور خط کے مضامین کے ذریعہ ہماری طرف متوجہ ہے۔ تو نے مجھے یاد کیا خدا کے حضور میں حاضری کا خیال تیرے ذہن سے نہ نکلے؟ اس کے بعد رسا کے اشعار پر تبصرہ کرتا ہے لکھتا ہے۔

"معنی ایجاد من! با آنکہ شوخیہای ہر مصرعہ ازین غزل چون موج گوہر در آغوش ہم یکدست طوفان نمود است، اما حسن مطلع، فی الحقیقت، گوہری بعرض آورد کہ باصفای آبش، محیط را درغبار ساحل نشستن است۔ وجوہر معنی نشان دادہ کہ پرتو شوخیش، آفتاب را، احرام داغ تحسر بستن۔ آرزوی مشتاق راپیوستہ منتظر این قسم عواطف شمارند۔" (۷۰۸)

میرے معنیٰ ایجاد! باوجود یکہ اس غزل کے ہر مصرعہ کی شوخی موج گوہر کی طرح طوفان جیسی

نمود سے یکساں طور پر ہم آغوش ہے لیکن حسن مطلع نے تو درحقیقت ایسا بیش بہا گوہر پیش کیا کہ اس کی صفائی و پاکیزگی، لطافت ونزاکت اور آب وتاب کے سامنے سمندر کو بھی غبار ساحل میں فرو ہو جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور ایسا جوہر معنی بیان کیا ہے کہ اس کی شوخی کے پرتو کے سامنے آفتاب کو بھی داغ تحسر کا احرام باندھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ مشتاق کی آرزو کو سدا اسی قسم کی عنایتوں کا چشم براہ تصور کریں۔ ایک اور خط میں لکھتا ہے۔

"ارسال نتائج افکار رسا، طبیعت افسردہ را، از کلفت نشینی نجات بخشید۔" (۷۰۹)

رسا کے نتائج افکار کے ورود نے طبیعت افسردہ کو گوشہ کلفت میں بیٹھنے سے آزاد کر دیا۔

یہ سارے خطوط اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہیں کہ ان کے تعلقات گہرے اور مخلصانہ تھے، ان کے بیچ ادبی تخلیقات کے تبادلے کا سلسلہ بھی جاری تھا اور دونوں ایک دوسرے کے شاعرانہ ذوق کے قایل اور نتائج فکر کے قدرداں تھے۔ رسا نے بیدل کے تنقیدی ذوق اور معیار کی بھی تعریف کی ہے اور اسی خط میں بیدل نے رسا کے حسن مطلع کی ایسی تعریف کی ہے جو بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حسن عبارت اور بلندی مضامین کے درمیان حسین امتزاج پیدا کرنا دوسرے الفاظ میں لفظی اور معنوی خوبیوں میں مطابقت اور ہم آہنگی قائم کرنا ایک ایسا نظریہ ہے جس کو ادب کے نقاد اپنے اپنے مخصوص انداز سے بیان کرتے رہے ہیں لیکن بیدل اس کے بارے میں ایک نہایت واضح اور غیر مبہم تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک لفظی خوبیوں سے مراد اس کی انتہائی صفائی، پاکیزگی، شستگی اور لطافت سے ہے جیسا کہ موتی کے اندر ہوتی ہے وہ بھی ایسا موتی جس کی صفائی اور پاکیزگی کے مقابلہ پر سمندر کو بھی غبار ساحل میں ناپید ہو جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جائے۔ اور معنوی خوبیوں سے مراد اس کی ایسی غیر معمولی شوخی ہے کہ سورج کو بھی اپنی تمام تر شوخ کرنوں کے باوجود اس کے مقابلہ پر داغ حسرت سہنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جائے۔

یہ موضوع بہت دلچسپ ہے اور بڑی اہمیت کا حامل ہے "بیدل کے نقطہ نظر سے غزل کی خصوصیات" کے زیر عنوان بیدل کی غزل پر بحث کے دوران اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ رسا کی نامہ نگاری کا انداز جو سراسر الفت ومحبت اور خلوص و ارادت سے بھرا ہوتا تھا بیدل کے تار دماغ کو چھیڑ کر اس میں ایک اہتزازی کیفیت پیدا کر دیتا تھا اور اسے جلد اور بہتر جواب دینے پر مجبور کر دیتا تھا۔

"غبار افسردہ را تا نسیمی بحرکت نیارد، پر افشانی در اندیشہ راہ ندارد۔ و بیدل معذور را، تا مکتوب مشفقی، آئینہ داری نماید، بر غفلتہای دوری چشم نمی کشاید۔"

باکمال اتحاد، از وصل مهوریم ما — همچو ساغر، می بلب داریم و مخموریم ما
بحر در آغوش و موج ما همان محو کنار — کار ما با عشق بی پرواست معذوریم ما" (۷۱۰)

غبار افسردہ کو جب تک باد نسیم نہیں چھیڑتی قوت اندیشہ میں پرواز کرنے کی صورت نہیں پیدا ہوتی ہے اور بیدل معذور کی جب تک کسی مہربان اور شفیق دوست کا خط آئینہ داری نہیں کرتا دوری کی غفلتوں پر اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔

کمال اتحاد کی بنا پر ہم وصل سے مہجور ہیں، ساغر کی طرح ہم مے بلب بھی ہیں اور مخمور بھی ہیں۔ سمندر آغوش میں ہے اور ہماری لہریں ساحل پر محو ہیں۔ ہمارا سابقہ عشق بے پروا سے ہے ہم معذور ہیں۔

رفیع خاں باذل:

رفیع خاں باذل کا شمار ایک کہنہ مشق، صاحب تلاش اور بلند فکر شاعروں میں ہوتا ہے، اس کی دو تصانیف "معارج النبوۃ" نثر میں اور "حملہ حیدری" نظم میں پائی جاتی ہیں۔ باذل گوالیار کے قلعہ دار کے عہدے پر فائز تھا۔ (۷۱۱) رقعات میں باذل کے نام بیدل کا ایک خط ہے جو ان دونوں کے تعلقات کی نوعیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدل کے مخلص احباب میں تھا اور اس کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان نامہ نگاری کا سلسلہ جاری تھا۔ بیدل نے اس کی تاخیر سے نامہ نگاری کی شکایت کی ہے اور اپنے اشتیاق کا اظہار کیا ہے۔

"ساغر بی خمار فضل الهی، و جوهر بی غبار فیض لا یتناهی، دماغ آرای آن نشاء رفیع الشان و نثار اندوز آن باذل گنج احسان باد۔ هرچند سیر طاقت بیدلاں، نفس وار، دل تا زبان بیش نیست، در پرداز دعای احبه شور صحرای امکان را، گرد بال افشانی ناله می پندارد...... مدتی می گذرد بی وصول مهر حضور شبنمی است بوته نشین گداز تشویر، واشک چکیده زمین گیر سجده تعذیر۔ باری در پرده ساز بینوائی تحیر، نوای این مدعاست۔ و در مقام عجز نارسائی تسلی زمزمه این تمنا:

گر من نخواهم گل از وصل چید — بر دوستاں ناله خواهد رسید (۷۱۲)

فضل الٰہی کا ساغر بے خمار فیض لا متناہی کا جوہر بے غبار اس نشہ رفیع الشان کا دماغ آرا اور اس گنج احسان کا نثار اندوز ہو۔ اگرچہ بیدل کی طاقت کا سلسلہ نفس کی طرح دل سے زبان تک ہی محدود رہتا ہے احباب کے لئے دعا گوئی کی مصروفیت میں صحرائے امکان کے شور کو نالے کی بال افشانی کی گرد

تصور کرتا ہے۔ ایک عرصہ ہوا مہر حضور کے حصول کے بغیر بیدل ایک شبنم ہے جو گداز خجالت و پشیمانی کا بوتہ نشیں (کٹھالی میں بیٹھنے والا) ہے اور ایک اشک چکیدہ ہے جو سجدہ سیاست و سزا کا زمیں گیر ہے۔ تحیر کی بینوائی کے ساز کے پردے میں اس مدعا کی آواز پوشیدہ ہے اور عجز نارسائی کے مقام میں اس تمنا کے زمرے کی تسلی نہاں ہے۔

اگر میں وصل کا پھول نہ توڑ سکا تو دوستوں تک نالہ ضرور پہنچے گا۔

اس خط کے آخر میں باذل کو میر محمد زمان راسخ اور اس کے احباب جو بقول خوشگو حاجی محمد اسلم سالم کشمیری، شیخ حسین شہرت، مرزا محمد احسن ایجاد وغیرہ ہیں کے حالات پر توجہ دینے کی درخواست کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ لوگ خاکسار کے مخلص احباب ہیں اور آپ سے ملاقات کے خواہاں ہیں اگر اپنی مخصوص توجہ اور عنایت سے انکی مالی حالت کی اصلاح فرمائیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اسکا اجر عطا فرمائے گا۔

"دریں نشاء که روی توقع عالمی متوجه التفات آنجناب است، آئینه اسرار سیادت میر محمد و رفقای ایشاں، که از صفا کیشان این روزگار اند، تمنای حصول سعادت ملازمت دارند، بکرم روی توجهی اگر جلا بخش جوهر حال شان باشند، تمثال نتائج از مرأت ثواب محو نخواهد بود۔" (۷۱۳)

نامہ نگاری کا یہ انداز واضح کرتا ہے کہ باذل بیدل کے بے تکلف احباب میں تھا نیز یہ کہ بیدل کو اس کے خلوص پر اتنا اعتماد تھا کہ اس کی اساس پر اس نے اپنے احباب کی سرپرستی اور حمایت کی درخواست کی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کے دل میں اپنے احباب کی مالی امداد اور حاجت روائی کا کتنا خیال رہتا تھا۔

میر محمد زمان راسخ:

میر محمد زمان راسخ بقول خوشگو ایک نازک خیال، بلند تلاش، پیچیدہ گو اور صاحب طرز شاعر تھا۔ علوم متداولہ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اعظم شاہ کے دربار میں ایک اچھے منصب پر فائز تھا۔ خوشگو کا بیان ہے کہ راسخ کے بیدل سے مخلصانہ تعلقات تھے اور شاہزادہ جب گجرات میں تھا تو میر محمد زمان راسخ، مرزا بیدل، حاجی اسلم سالم اور حکیم شیخ حسین شہرت شاہی فوج میں ایک ساتھ نشست و برخاست رکھتے تھے۔ (۷۱۴)

رقعات میں راسخ کے نام بیدل کا اگرچہ کوئی مستقل خط نہیں ہے، لیکن رفیع خاں باذل کے نام ایک خط میں جس کا تذکرہ اوپر ہوا، راسخ کا بھی تذکرہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بیدل

کے ''صفا کیشان روزگار'' یعنی مخلص احباب سے تھا۔ اس لئے یقیناً ان دونوں کے درمیان خلوص پر مبنی دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔

حاجی اسلم سالم:

سالم کا شمار بھی مشہور شاعروں میں ہوتا ہے، کہتے وہ کشمیری برہمن زادہ تھا۔ شیخ محسن فانی نے اس کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ وہ شاعرانہ ذوق کا حامل تھا اور اپنے کلام میں بلند افکار و خیالات پیش کرتا تھا۔ کچھ دنوں اعظم شاہ کی خدمت میں رہا اور کافی اثر و رسوخ پیدا کیا۔ بقول خوشگو شاہزادہ کے گجرات کے قیام کے دوران بیدل سے اس کا تعارف ہوا اور ان کے درمیان باہم صحبتیں رہیں۔ حج کے بعد سالم جب دہلی واپس ہوا تو بیدل سے خلوص کی بنیاد پر اس کی ملاقات کے لئے اس کے گھر گیا، شعر و شاعری کا تذکرہ چھڑا، بیدل نے اپنی کلیات کے چند اشعار اس کو سنائے۔ سالم نے کہا ایسے اشعار سنایئے جو حال میں کہے ہوں تا کہ آپ کی شاعرانہ پیش رفت کا اندازہ ہو سکے۔ خوشگو کا بیان ہے کہ بیدل سے سالم کی گفتگو کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدل کے بے تکلف احباب میں تھا۔ بیدل بھی سالم کی اہمیت کا قائل تھا اور اس کا دیوان لے کر کئی رات دن مطالعہ کیا جبکہ اپنی ساری زندگی بیدل نے اپنے معاصر شاعروں میں سے کسی کا دیوان اتنی توجہ وانہماک سے نہیں پڑھا۔ (۷۱۵)

اگر چہ سالم کے نام بیدل کا کوئی خط رقعات میں نہیں ہے لیکن اس جملہ ''میر محمد زمان راسخ و رفقائے او'' کی بنیاد پر جس کا تذکرہ باذل کے نام اپنے خط میں بیدل نے کیا ہے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی بیدل کے صفا کیش احباب میں شامل تھا۔ خوشگو کا بیان اس خیال کی تائید کرتا ہے۔

حکیم الممالک شیخ شہرت حسین شہرت:

شہرت ایک سخن شناس شاعر اور حاذق حکیم تھا وہ ظاہری اور باطنی خوبیوں کا مالک تھا۔ اس نے دانشمندی کو درویشی اور آزاد منشی کو امیری کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ موصوف کے بہت سے معاصر شاعروں سے جس میں بیدل بھی ہیں خوشگوار تعلقات تھے۔ گجرات میں اعظم شاہ کی خدمت کے دوران اس کی ملاقاتیں اور صحبتیں رہی ہیں (۷۱۶) جیسا کہ گذرا شہرت کا تعلق بیدل کے مخلص احباب میں تھا۔

میر محمد احسن ایجاد:

میر محمد احسن ایجاد کا شمار ان شاعروں میں ہوتا ہے جن سے بیدل کے بہت ہی گہرے مخلصانہ

اور دوستانہ روابط تھے۔ ایجاد کا تعلق سرہند کے ایک علاقہ ''سامانہ'' کے صحیح النسب سادات سے تھا۔ اس کا نسب سید نورالدین مبارک غزنوی تک پہنچتا ہے۔ اس کے ایک مورث اعلیٰ نے دہلی سے اندری اور وہاں سے قصبہ سامانہ میں سکونت اختیار کی۔ علوم متداولہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے وطن سے دہلی آیا کچھ دنوں مرزا بیدل کے ساتھ رہا پھر چکلہ اٹاوہ کے حاکم خیر اندیش خاں کی ملازمت میں آکر زندگی گذاری۔ شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں نظام الملک آصف جاہ کی ملازمت سے وابستہ ہوا۔ نواب کی اس پر خاص عنایتیں رہیں۔ اس کی طرف سے شہزادہ عظیم الشان کے دربار میں وکالت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ پھر خود شہزادہ کی ملازمت میں چھ صدی کے منصب پر فائز ہوا۔ محمد فرخ سیر کے زمانے میں بھی بادشاہ کی نظر کرم اس پر رہی۔ معنی یاب خاں کا خطاب ملا اور شاہنامہ نویسی پر مامور ہوا۔ بادشاہ کو ہفتہ وار اپنی پیشرفت دکھاتا جس کا ایک ہزار روپیہ انعام اور شرف امتیاز اسے ملتا ۱۱۴۳ھ میں اکبر آباد میں اس کا انتقال ہوا۔ (۷۱۷)

خوشگو کا بیان ہے کہ اپنا کلام وہ بیدل کی نظر سے گذارتا تھا اور تخلص بھی اسی سے حاصل کیا۔ (۷۱۸)

رفیع خاں باذل کے نام بیدل کے ایک خط میں میر محمد زمان راسخ کے رفقاء کے ضمن میں اس کے مخلص اور صفا کیش دوست ہونے کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ چین قلیچ خاں کے نام اپنے ایک خط میں بیدل نے ایجاد کیلئے امداد کی سفارش کی:

''صفای عقیدت وخلوص ارادت، سرچشمہ زلال اتحاد، میرزا محمد احسن ایجاد بآئینہ داری نیاز بیدل، چہرہ کشای امتیاز حصول باد۔'' (۷۱۹)

صفائے عقیدت وخلوص ارادت سرچشمہ زلال اتحاد مرزا محمد احسن ایجاد نیاز بیدل کی آئینہ داری کے ساتھ امتیاز حصول کا چہرہ کشا ہو (نیاز بیدل کی عکاسی کے ساتھ حصول ملاقات سے کامیاب ہو)

یہ اقتباس جس کا ہر جز و جملہ خلوص کی منہ بولتی تصویر ہے واضح کرتا ہے کہ بیدل احباب کی دلداری اور ہمدردی میں جو کچھ کر سکتا تھا اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ اس خط کا عنوان ہے ''بہ چین قلیچ خاں بہادر مصحوب مرزا احسن ایجاد در سفارش ایشاں'' (چین قلیچ خاں بہادر کے نام مرزا احسن ایجاد کی معرفت ان کی سفارش میں) عنوان بتاتا ہے کہ بیدل نے یہ خط ایجاد کی سفارش میں اسی کی معرفت روانہ کیا لہٰذا ایسا لگتا ہے کہ یا تو ایجاد نے خود اپنے حالات بیدل سے بیان کیئے ہوں گے یا خود بیدل نے اس کے ناگفتہ بہ حالات دیکھ کر اس کی مالی امداد کی سفارش کی ہو۔

میر عظمت اللہ بیخبر:

بیخبر کا شمار مشہور شاعروں میں ہوتا ہے۔ بقول آزاد بلگرامی وہ اپنا تخلص بیخبر بجا طور پر کرتا تھا کیونکہ باخبر بیخبر ہوتا ہے حضرت لسان الغیب حافظ شیرازی کے درج ذیل قول پر اس کا عمل تھا۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز　　ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست (۷۰)

بیخبر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدل کے بے تکلف احباب میں تھا۔ بارہا بیدل سے اس کی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان کی باہمی گفتگو کے انداز سے شوخی و ظرافت اور بذلہ سنجی کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ اس بنا پر بیدل ان کی صحبت سے بہت محظوظ ہوتا تھا اور اس کو اپنا ہم مشرب اور ہمخیال تصور کرتا تھا۔ بیخبر اپنے تذکرہ سفینہ بیخبر میں لکھتا ہے:

"فقیر را کہ اتفاق دید وا دید ایشاں افتاد۔ حقا کہ در کمال خلق و مزہ و درد و شوق یافتم۔ تا کہ نشستہ بودم، سوای اشعار مقتضی شوق و فقر دیگر بزبان نراند۔ بندہ گفتم کہ ضیافت طبع کمترین می فرمایند۔ گفتند: ای صاحب! بعد مدتی ہمچو شا ہمرنگ را غنیمت یافتہ ایم"۔ بعد ازاں سہ بیت فقیر کہ در ذکر بمقام خود ہا خواندہ شدہ نقل گرفتہ برخاست رخصت فرمودند۔ ابیات اگرچہ قابل ایراد اینجا نیست اما درین مذکور نہ نوشتن ہم ملائم نہ دانست:

اینقدر ہرزہ چپ و راست دویدن عیب است　　چاک کن سینہ خود را، سر راہی دریاب
بلند افتد جو مقطع پست سازد حسن مطلع را　　کشد پائین محفل قدر من بالا نشینا نرا
خون شرم بیخبر ز دست تہی　　جامہ فقر رنگ باید کرد

برین بیت عزیزی گفت: میرزا صاحب! حسن این شعر معلوم نشد؟ فرمودند: در فقر مرتبہ ایست کہ خدا ہر کرا خواہد نصیب کند۔" (۷۱)

فقیر کو بارہا ان کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ سچی بات یہ ہے کہ میں نے ان کو انتہائی خلیق، اہل درد اور صاحب شوق پایا۔ جب تک ان کے پاس بیٹھا رہا صرف وہی اشعار سناتے رہے جن میں شوق و ذوق اور فقر کا مضمون ہوتا۔ میں نے کہا خاکسار کی ضیافت طبع فرما رہے ہیں۔ کہنے لگے اے صاحب! ایک عرصہ کے بعد آپ جیسے ہم خیال کی صحبت کو غنیمت سمجھتا ہوں اس کے بعد فقیر کے تین اشعار کو جو اپنے مقام پر لکھے جائیں گے نقل کر کے اٹھے اور مجھے رخصت کیا وہ اشعار اگرچہ یہاں ذکر کئے جانے کے لائق نہیں ہیں پر یہاں ان کا نہ لکھنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

اینقدر ہرزہ چپ و راست دویدن عیب است　　چاک کن سینہ خود را، سر راہی دریاب
بلند افتد جو مقطع پست سازد حسن مطلع را　　کشد پائین محفل قدر من بالا نشینا نرا

خون شرم بیخبر ز دست تہی　　جامہ فقر رنگ باید کرد

اس شعر پر ایک عزیز نے کہا مرزا صاحب اس شعر کا حسن معلوم نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا فقر میں ایک مقام وہ آتا ہے جسے خدا جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اویماق مغل میں عبدالقادر خاں نے بیخبر کا ایک شعر نقل کیا ہے جو واضح کرتا ہے کہ بیدل اور بیخبر کے درمیان بذلہ سنجی کا سلسلہ چلتا تھا۔

ندانم تا چہ حق دانستہ پُر باطل کنی خود را　　تو گر صاحبدلی، ظالم! چرا بیدل کنی خود را (۷۲)

میں نہیں سمجھتا کس چیز کو حق سمجھا کہ خود کو باطل کا پوٹ شمار کرنے لگا۔ اگر صاحب دل ہے تو ظالم خود کو تو بیدل کیوں کہتا ہے۔

شیر خان لودی:

شیر خاں لودی ایک مشہور ادبی شخصیت ہے جس کو شاعر سے زیادہ تذکرہ نگار کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ لودی بھی بیدل کے احباب میں تھا۔ اس کا باپ علی امجد خاں لودی بنگال میں شاہ شجاع کا ملازم تھا۔ شیر خاں نے وہاں ملا فرخ حسین ناظم ہراتی سے استفادہ کیا۔ لیکن ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء میں اس کے انتقال کے بعد شیر خاں کا تعلیمی سلسلہ ختم ہو گیا۔ ناظم سے صرف فارسی عربی کے چند مختصر رسالے پڑھے تھے۔ ۱۰۸۴ھ میں اس کے باپ کی وفات ہو گئی۔ ۱۰۸۷ھ میں اس کے بھائی عبداللہ خاں نے کابل کے کوہستانی علاقہ میں جام شہادت نوش کیا۔ ان دونوں واقعات سے اس کے دل کو سخت صدمہ پہونچا۔ ان تلخ یادوں کو فراموش کرنے کی غرض سے اس نے خود کو تذکرہ مرآۃ الخیال کے لکھنے میں مصروف کر دیا۔ ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء میں شیر خاں نواب شکر اللہ خاں کے متوسلین میں داخل ہوا۔ شکر اللہ خاں اس زمانہ میں چکلہ سرہند کا فوجدار تھا (۷۳)۔ اس لئے ممکن ہے جب شیر خاں لودی شکر اللہ خاں کی خدمت میں زندگی گذار رہا تھا بیدل سے اس کی آشنائی ہوئی ہو اور ان دونوں کے درمیان دوستانہ روابط قائم ہوئے ہوں۔ اگرچہ رقعات میں بیدل نے نہ تو براہ راست اس کو خط لکھا نہ ضمناً کسی خط میں اس کا تذکرہ کیا ہے مگر اپنے تذکرہ میں بیدل کے حالات قلمبند کرنے کے بعد لودی نے اس کی توثیق کی غرض سے اس کے پاس بھیجا اور بیدل نے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک غزل کے ہمراہ اسے واپس کر دیا۔ اس سے واضح ہے کہ دونوں کے درمیان دوستانہ تعلق قائم تھا۔

میرزا محمد امین عرفان:

محمد امین عرفان ابن اسرائیل بیدل کے مخلص احباب میں تھا جو ادبی تعلق رکھنے کے علاوہ

بیدل کا خاص ارادتمند بھی تھا۔ موصوف نے مجمع الانشاء کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں مشہور اگلے اور معاصر ادیبوں کے خطوط کے بہترین نمونے عنوان وار جمع کر دیئے ہیں۔ ۱۱۴۶ھ میں اسے مکمل کیا۔ اس کتاب میں بیدل کے گیارہ خطوط ایسے ملے جو اس کے رقعات کے کسی بھی مطبوعہ یا قلمی نسخہ میں نہیں ملے۔

اس مجموعہ میں محمد امین نے کچھ اپنے خطوط بھی شامل کر دیئے ہیں جس میں ایک خط بیدل کے نام ہے جس کا عنوان ہے ''لمؤلفہ بمرزا بیدل در طلب طلسم حیرت ومحیط اعظم''۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے اسے دو خطوط بھیجے تھے جس پر امین نے انتہائی خوشی اور ارادتمندی کا اظہار کیا اس خط میں بیدل کے لئے جو القاب وآداب اس نے استعمال کیئے ہیں ان سے معاصرین کی نظر میں اس کا کیا مقام تھا واضح ہوتا ہے۔

''صدور سرور معمور گرامی نامہ کرامت نشان، از جناب فیضمآب، ہادی طریق صواب، حرب معمار دلہای خراب، فہرست مجموعہ کائنات، بیت الغزل قصیدہ موجودات، چارہ فرمای فروماندگان عالم آب وگل، میرزا عبدالقادر بیدل سلمہ اللہ عزوجل، جوہر مراد در سلک آرزو کشید، وبیاد اشفاق قدیم پرداختہ، ذریعہ انبساط وافتخار گردید ع

بوسیدم و بر مردمک دیدہ کشیدم (۷۲۴)

جناب فیض مآب ہادی طریق صواب، ویران دلوں کے معمار، مجموعۂ کائنات کی فہرست، قصیدہ موجودات کے بیت الغزل، عالم آب وگل کے فروماندوں اور عاجزوں کے چارہ فرما مرزا عبدالقادر بیدل سلمہ اللہ عزوجل کے گرامی نامہ کرامت نشان کے صدور نے جوہر مراد سلک آرزو میں کھینچا اور قدیم عنایتوں وشفقتوں کی یاد میں مشغول ہو کر، انبساط وافتخار کا ذریعہ بنا۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا نیز اپنی صحبت سے استفادہ کا موقع بھی اسے دیتا تھا۔ بیدل کے انداز گفتگو نے اسے بڑی حد تک اپنا والہ وشیدہ بنا دیا تھا۔

''اگر چہ بمقتضای شفقت و ارادت معنوی، دولت ملازمت روحانی، کہ دولت جسمانی ما نعش نمی تواند شد، ہمہ وقت حاصلست، توجہ باطن فیض مواطن، آنا فانا رونق بخش بزم دل صداقت منزل۔ لیکن طبیعت خوکردہ حضور تربیت گنجور، دمبدم ساغر لبریز شوق می پیماید۔ و بیتابانہ آرزوی مکالمہ زبانی کہ عبارت از صحبت سراپا الفت، وحشت نسیان آشنا دوست [است] می نماید۔'' (۷۲۵)

اگر چہ معنوی شفقت وارادت کے حسب اقتضا روحانی صحبت کی دولت جس کے لئے جسمانی

صحبت رکاوٹ نہیں ہوسکتی تھی سدا حاصل ہے اور باطن فیض مواطن کی توجہ آنا فانا بزم دل صداقت منزل کے لئے رونق بخش ہے لیکن حضور تربیت گنجور (جناب عالی) کی صحبت کی عادی طبیعت رہ رہ کے شراب شوق کی پیمانہ کشی کر رہی ہے اور بیتابی سے زبانی گفتگو یعنی صحبت سراپا الفت وحشت نسیاں وآشنا دوست کی تمنا کر رہی ہے۔

اس کے بعد اس نے مثنوی طلسم حیرت، محیط اعظم اور اپنے بیاض کی ایک نقل بھیجنے کی فرمائش کی ہے۔

''اگر عرض ارادت، بمدارج اجابت ارتقا نماید، امید است کہ از طلسم حیرت برآید۔ وشناور محیط اعظم گشتہ گوہر مقصود بچنگ آرد۔ واگر نقل بیاض خاص، کہ ہر ورقش از خط شکستہ محبوبست مرغولہ مو، و ہر صفحہ اش از جدول معشوقیست چار ابرو، نیز عنایت شود، توقع است کہ در وحشت تنہائی انیس محفل دل، وجلیس مجمع جان بود کہ از اندوہ وشادی جہان، بیگانہ نمودہ بمبدأ آشنائی بخشد۔

آنا کہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشمی بما کنند (۷۲۶)

اگر ارادت کی پیشکش اجابت کے مدارج تک پیش رفت کرے تو امید ہے کہ وہ طلسم حیرت سے پوری ہوگی اور محیط اعظم کا تیراک بن کر گوہر مقصود حاصل کرے گی اور بیاض مخصوص کی نقل بھی جس کا ہر ورق خط شکستہ کی وجہ سے گھنگریالے بالوں والے محبوب کی خصوصیات کا حامل ہے اور جس کا ہر صفحہ جدول کی وجہ سے چار ابرو والے معشوق کی کیفیات کا حامل ہے عنایت ہو جائے تو امید ہے کہ وحشت تنہائی میں وہ انیس محفل دل اور جلیس مجمع جان ثابت ہو۔ جو دنیا کے غم وخوشی اور دکھ سکھ سے بے نیاز کر کے مبداء کی آشنائی عطا کرے۔ جو لوگ اپنی نظر سے خاک کو کیمیا بنا دیتے ہیں کیا ممکن ہے کہ ایک گوشہ چشم سے ہمیں بھی دیکھ لیں۔

اس خط سے چند نکتے سامنے آتے ہیں اس لئے مکمل طور پر نقل کر دیا گیا۔ اول یہ کہ بیدل کے ارادتمند اور قدرداں اس کی ادبی تخلیقات خصوصاً منظوم تخلیقات کے مطالعہ کے نہایت مشتاق رہتے تھے جیسا کہ نظام الملک اور حسین علی خاں کے بارے میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ وہ کس طرح فرمائش کر کے منگاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ بیدل نے اپنے منتخب کلام کی ایک مخصوص بیاض تیار کی تھی خوشگو نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اور اپنے تذکرہ میں اس بیاض سے منتخب اشعار نقل کئے ہیں۔ اسی قسم کا ایک نسخہ اس نے آنند رام مخلص کو بھی دیا تھا۔ تیسرے یہ کہ بیدل خط شکستہ بہت خوبصورت لکھا کرتا تھا۔ چنانچہ برٹش میوزم میں بیدل کی ایک بیاض ''بیاض بیدل'' کے نام سے محفوظ ہے۔ اس کا تذکرہ بیدل کی شاعری پر

بحث کے دوران آئے گا، اس کے ایک صفحہ کی نقل اس کتاب میں شامل ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدل کے خوبصورت خط شکستہ کا بہترین نمونہ ہے اور محمد امین نے بجا طور پر اسے ''معشوق مرغولہ مو محبوب چہار ابرو'' سے تشبیہ دیا ہے۔

رقعات میں مرزا محمد امین عرفان کے نام بیدل کا اگرچہ صرف ایک خط ہے لیکن خط کا مضمون بتاتا ہے کہ بیدل نے اسے کئی خط لکھے۔ بیدل کا ایک خط ''ارسال طور بمرزا محمد امین عرفان'' کے زیر عنوان ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے میوات کے ایک علاقہ بیراٹ کی سیاحت کے بعد تقریباً ۱۰۹۹ھ میں مثنوی طور معرفت نظم کی تو عرفان کا خط اسے ملا جو اشتیاق ملاقات کے مضامین سے بھرا تھا۔ جس میں اپنی منظوم تخلیق بھیجنے کی درخواست ہے۔ بیدل نے بھی اسی انداز سے جواب دیتے ہوئے لکھا کہ بیراٹ کے پہاڑی علاقہ کی تفریح کے بعد ایک ارمغان لایا ہے جو جناب والا کی خدمت میں پیش ہے۔

ہیچکس از معنیٔ مکتوب شوق آگاہ نیست ورنہ جای نامہ، پیش یار مارا خواندنست

''چہ نویسد کہ از حقیقت اشتیاق، پردہ تواند کشود۔ و چہ آغاز د کہ تمہید نسخۂ تمنا تواند بود۔ از عالم رویداد، غباری فراہم آوردہ است کہ اگر دم زند، دیوار ہا بر روی شوق بر می آرد۔ و از حصول اعتبارات، پیچ و تابی جمع کردہ کہ اگر عرض دہد، حیرت قدم از تحیر خانہ بر نمی دارد۔ باری از سیر سواد بیراٹ، راہ آوردی کہ قانعان تحف معانی، بقلیلی از این پیشکش کفایت تصور نمایند، نسخۂ طور معرفتی است کہ در تعمیم عبارتش، مدعای خاص مندرج توان یافت۔ و از تخصیص معنیش، حقیقتی رقص می تواں شگافت، بخدمت خواہد رسید۔ و سلام نیازی خواہد رسانید۔ ذخیرہ مضامین شوق بسیار است اما فرصت عرض حضوری در کنار''۔ (۲۷) نامۂ شوق کے مفہوم سے کوئی شخص واقف نہیں ہے ورنہ خط کی جگہ ہمیں بلانا تھا۔

کیا چیز لکھیں کہ حقیقت اشتیاق سے پردہ اٹھائے اور کس چیز سے آغاز کریں کہ وہ نسخۂ تمنا کی تمہید بن سکے۔ روئداد سفر کی ایک گرد فراہم کی ہے کہ اگر دم لے تو دیواروں کو چہرہ شوق پر لا گرائے اور اعتبارات کے کچھ پیچ و تاب اکٹھے کر دیئے ہیں کہ اگر اس کو پیش کرے تو حیرت اپنے تحیر خانہ سے قدم نہ اٹھائے۔

بیراٹ کی سیاحت کر کے ایک ایسا تحفہ کہ معنوی تحائف پر قناعت کرنے والے اس قسم کی مختصر پیش کش کو کافی تصور کریں گے، نسخۂ طور معرفت کی شکل میں حاضر خدمت ہے۔ اس کی عام عبارت میں کچھ خاص مقاصد پوشیدہ ہیں اور اس کے مخصوص معانی میں ایک حقیقت رقص کر رہی ہے اور سلام نیاز پہونچائے گا۔ مضامین شوق کا ذخیرہ بے انتہا ہے لیکن عرض حضوری کی فرصت درکار ہے۔

بیدل خط کے ضمن میں اکثر اپنی تخلیقات پر ایک طرح کا تبصرہ بھی کر جاتا ہے جو اس کے ادب

پارہ کی تحلیل و تجزیہ میں نیز ان محرکات کے سمجھنے میں جو اس کی تخلیق کی وقت اس کے پیش نظر رہی ہیں بڑی حد تک معاون ثابت ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر دونوں احباب کے خطوط ان کے خوشگوار تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

محمد عاشق ہمت:

ہمت ایک باذوق شاعر تھا۔ بقول افضل سرخوش شعر میں انوکھے افکار و خیالات پیش کیا کرتا تھا (۲۸)۔ بیدل نے اس کو ''چمن طراز فطرت'' کا لقب دیا ہے۔ خان بہادر میاں لعل محمد کے نام جو شکر اللہ خاں کے متوسلین میں تھا، بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمت اجمیر کا باشندہ تھا اور خان بہادر لعل محمد کی سرپرستی کی امید میں اجمیر سے اسلام آباد (متھرا) کا سفر کیا۔ لیکن ناسازگار حالات کے باعث اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور صبر و شکیبائی کا شیوہ اپنایا۔ پھر اس کی نازک مالی حالت نے اسے مجبور کیا کہ طالب آملی کے قصیدہ کی زمین میں ایک قصیدہ اس کی تعریف میں کہہ کر اس کے تقرب کا خواہاں ہو۔ اس طرح وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ بیدل نے ہمت کے سارے حالات لکھ کر لعل محمد خاں سے درخواست کی کہ اس کی حاجت روائی کرے۔ اس مقصد کے لئے اس نے طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں حاجتمندوں کے ساتھ سلوک کرنے پر اسے آمادہ کیا ہے۔

''سرمایہ کیسہ گاہ ہستی نقد انفاسی است بی توقف از گنج خانہ غیب ہویت، مددفرمای تنگ مایگان بازار۔ و بی تشویش تردد غنا بخش بی بضاعتان چارسوی جہان آثار۔ شہود آمد و رفت او دلیلی است بر آنکہ این نقد ایثاری ست نہ اندوختنی۔ و در یافت معنی این عطیہ، نیز موہبتی است نہ آموختنی۔ ...... خلاصہ مدعا انتخاب فروش این معنی است کہ چمن طراز فطرت محمد عاشق ہمت، بالتفات خان بہادر لقب، محمل آرای یک کاروان تمنا گردید، ناقہ امید از اجمیر باسلام اباد کشید۔ و از نامساعد تہای زمان اقبال، کہ عوارضش ضعف طبیعت خان استغنا نشان بود، وصول سر منزل مراد، از وقوع احکام محال شمردہ، یاس مطلب را آبروی صبر و توکل فہمید ...... متوقع تحسین فطرت معنی تلقین است۔ و محتاج آفرین طبع بہار آفرین۔'' (۲۹)

ہستی کی تھیلی کا کل نقد سرمایہ لے دے کہ چند سانس ہے جو خدا کے ان دیکھے خزانہ سے لگاتار بازار کے کم پونجی والوں کو پہنچ رہی ہے اور بغیر کسی تشویش اور فکر مندی کے دنیا کے بے بضاعتوں کو غنا سے ہمکنار کر رہی ہے۔ اس کی آمد و رفت کا مشاہدہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نقد دوسروں پر نچھاور کرنے

گے لئے ہے جمع کرنے کے لئے نہیں ہے اور اس عطیہ کے مفہوم کا سراغ بھی اس کی دین ہے سیکھنے کی چیز نہیں۔ غرض یہ لکھنا منظور ہے کہ چمن طراز فطرت محمد عاشق ہمت خان بہادر لقب کے حصول توجہ کے لئے ایک پورے قافلۂ تمنا کا محمل آرا ہوا ہے۔ امید کی اونٹنی اجمیر سے اسلام آباد (متھرا) کھینچ لایا ہے اور زمانہ کی ناسازگاری کے باعث جس کہ وجہ خان استغنا نشان کی طبعی نقاہت، ضعف تھی منزل مقصود تک رسائی کو ناممکن سمجھ کر مایوسی کو صبر و توکل کی آبرو قرار دیا، امید کہ فطرت معانی تلقین کو داد تحسین دیں گے اور اس کی طبع بہار آفریں کو شاباشی دیں گے۔

بیدل کی سفارش کا انداز بتاتا ہے کہ ہمت ایک باذوق شاعر اور بیدل کا ایک مخلص دوست تھا۔ اپنے دوستوں کے لئے نوابوں سے سفارش کرنے سے متعلق بیدل کا یہ تیسرا خط ہے۔

مرزا سہراب رونق:

سہراب رونق سے متعلق تذکرے خاموش ہیں لیکن بیدل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مشہور شاعر تھا جو ''نثر شیوا'' اور ''نظم متین'' پر پوری قدرت رکھنے کے ساتھ شجاعت و بسالت کی صفت سے بھی موصوف تھا۔ بیدل نے اس کی ان خصوصیات کی تعریف کر کے مرزا محمد نعیم بخشی سرکار بہادر شاہ سے سفارش کی ہے۔

> ''بہار پیرای معانی، انجمن آرای بساط نکتہ دانی، سرخوش نشأ مطلق، میرزا سہراب رونق، کہ بالمعہ سطور نثرش، نفس صبح را، بغبار خجالت پیچیدن است۔ در حسرت متانت نظمش، موج گوہر را، آب از بُن دندان چکیدن۔ با آنکہ جوہر شجاعت، چوں تیغ، از ناصیہ اش روشن است۔ ونشأ تہور، چون بادہ، از طبعش مبرہن۔''

معانی کے بہار پیرا، بساط نکتہ دانی کے انجمن آرا، نشۂ مطلق کے مست مرزا سہراب رونق جس کی نثر کی آب و تاب کے سامنے نفس صبح کو شرم کی غبار میں اٹے رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور جس کی نظم کی متانت کی حسرت میں موج گوہر کو منہ سے رال ٹپکنے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ مزید برآں جوہر شجاعت تلوار کی طرح اس کی پیشانی سے نمایاں ہے اور نشۂ تہور شراب کی طرح اس کی طبیعت سے عیاں ہے۔

بیدل جیسا عظیم شاعر اگر کسی کے شاعرانہ ذوق اور ادبی لیاقت کی اس طرح تعریف کرتا ہے تو یقیناً وہ اپنے عہد کا اچھا اور مشہور شاعر رہا ہوگا۔ اگر چہ اس کی کوئی تخلیق ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ ورنہ جیسا کہ رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے خود بیدل کو سخن فہم حضرات کے قحط کی شکایت رہتی تھی اس لئے اس کا قلم اسی وقت کسی کے جوہر کی تعریف کرتا ہے جب واقعی وہ اس کے اندر موجود ہو۔ اس کے بعد

سفارش کرتا ہوا لکھتا ہے:

> ''بفضائلیکہ شمہ ای ازان بعرض رسید، آراستگی تمام دارد۔ شایستہ آنکہ این قسم روشن طبعی راز منسلکان جناب خورشید انتساب دوری نفرمایند۔ وازیں عالم بلند فطرتی را، ملازم بارگاہ آسمان جاہ تصور نمایند، تربیت ارباب، ثمرہ اجر عظیم دارد۔'' (۷۳۰)

وہ ان فضائل وشمائل سے جس کا ایک شمہ اوپر عرض ہوا پوری طرح آراستہ ہے۔ اس قسم کے روشن طبع حضرات اس لائق ہیں کہ ان کو اپنے متوسلین کے زمرہ سے نہ نکالیں اور اس نوع کی بلند فطرت شخصیتوں کو اپنی بارگاہ آسماں جاہ کا ملازم تصور کریں۔ ارباب علم و دانش کی تربیت کا بڑا اجر اور ثواب ہے۔

اس حصہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا محمد نعیم مرزا سہراب کی سرپرستی کرتے تھے لیکن دونوں کے بیچ کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اور اس کی وجہ سے محمد نعیم نے سہراب رونق کو اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا۔ بیدل کے چونکہ رونق اور نعیم دونوں سے مخلصانہ روابط تھے اس لئے اس نے صلح و صفائی کی کوشش کی۔

یہ چوتھا خط ہے جس میں بیدل نے اپنے ایک دوست کے لئے ایک نواب سے سفارش کی۔ مجموعی طور پر یہ خطوط اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بیدل کے تعلقات بااثر حضرات خصوصاً نوابوں سے کیسے مخلصانہ اور وسیع تھے نیز یہ کہ وہ لوگ بیدل کا کتنا خیال رکھتے تھے کہ اس کے احباب ان امراء تک رسائی یا ان سے صفائی کدورت کے لئے اس کو بیچ میں ڈالتے تھے اور وہ امراء کے نزدیک اپنے اثر ورسوخ اور اپنے اعتبار و ساکھ کی وجہ سے اس کام کے لئے تیار بھی ہو جاتا اور اس میں کامیاب بھی ہو جاتا تھا۔

میرزا عباد اللہ و روح اللہ:

مرزا عباد اللہ بقول خوشگو بیدل کے ماموں مرزا ظریف کے صاحبزادے تھے۔ رقعات میں مرزا عباد اللہ کے نام چار خطوط ملتے ہیں۔ چوتھا مرزا عباد اللہ و روح اللہ دونوں کے نام ہے۔ بیدل نے ان خطوط میں ان کو ''اخواں پناہ'' کے لقب سے مخاطب کیا ہے، اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ سگے بھائی ہوں اور مرزا ظریف کے صاحبزادہ ہوں۔ ڈاکٹر نورالحسن مرحوم کو غالباً اشتباہ ہوا انہوں نے روح اللہ سے روح اللہ خاں سمجھا جو اورنگ زیب کے ایک امیر کا نام تھا (۷۳۱)۔ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ''باخواں پناہ مرزا روح اللہ و مرزا عباد اللہ'' کی ترکیب راقم السطور کے موقف کی تائید کرتی ہے۔

مرزا عباد اللہ کے بارے میں تذکروں میں اس کے سوا کچھ نہیں ملتا کہ وہ بیدل کا ماموں زاد بھائی تھا لیکن رقعات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ قرابت کے علاوہ ان کے درمیان ادبی تعلق بھی قائم

تھا۔ عباداللہ اور روح اللہ دونوں بھائی شاعرانہ ذوق کے حامل تھے خصوصاً عباداللہ اپنی غزل غالباً بغرض اصلاح بیدل کو بھیجا کرتے تھے۔ ان خطوط میں بیدل کا انداز بیان اور لہجہ بتاتا ہے کہ وہ ان کے دوستوں میں تھا۔ لکھتا ہے:

''عنایات غزل تازہ بصلہ کرامت نواخت۔ وبشکر افادت نوازی مسرور اشارت معنوی ساخت۔ ہر چند آرزو مصروف حصول این دولت بود کہ از واسوختگیہای شعلہ افکار، رقص سپندی، بہ محفل حضور عرض خواہد داشت۔ واز نفس سوزیہای چراغ اندیشہ، پرتو تسلیمی دست در پیش خواہد گذاشت اما مطابق امریکہ از امتثال آن چارہ نیست، مسودہ شعری چند بانسخہ طور معرفت، کہ لمعات حقیقتش منکشف تامل خواہد گردید، بمعرض ارسال رسانید، عرض ماتقی واردات موقوف ورود آن نسخہ شفقت است۔'' (۷۳۲)

تازہ غزل کی عنایات نے صلہ شرافت بخشی اور افادت نوازی کے شکر میں اشارت معنوی سے محظوظ کیا اگرچہ آرزو اس دولت کے حصول میں مصروف تھی کہ شعلہ افکار وخیالات کے کچھ انگارے سپند کے رقص کی طرح جناب والا کی خدمت میں پیش کریں گے اور چراغ اندیشہ کی نفس سوزی سے شیوہ تسلیم و رضا کی جھلک دکھائیں گے لیکن حسب اقتضای قضا وقدر جس سے فرار کی کوئی شکل نہیں ہے چند اشعار کا مسودہ ''طور معرفت'' کے ہمراہ جس کی حقیقت کی آب وتاب غور وفکر کے بعد واضح ہوگی ارسال خدمت ہے بقیہ واردات کا عرض اس نسخہ شفقت کی آمد پر موقوف ہے۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بیدل سے درخواست کی تھی کہ اپنا کلام زیادہ سے زیادہ بھیجے لیکن بیدل نے بعض ناسازگار حالات کی وجہ سے طور معرفت کے ساتھ تھوڑی بہت غزلیات بھی بھیجدی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان مخلصانہ روابط تھے۔ دوسرے خط میں اسی قسم کے انتہائی محبت وتعلق کا اظہار وہ اس طرح کرتا ہے۔

بحیرت غنچہ ام یعنی بدلتنگی وطن دارم   خیالی در نفس خون می کند، طرح چمن دارم
نمی دانم چہ نیرنگ است افسون محبت را   کہ خود را ہم تو می پندارم و با خود سخن دارم (۷۳۳)

حیرت سے غنچہ بنا ہوا ہوں یعنی دل تنگی میں بسا ہوا ہوں، ایک خیال نفس میں عرق ریزی کر رہا ہے چمن کی اساس رکھ رہا ہوں۔

جانے محبت کے جادو کا کیا کرشمہ ہے کہ خود اپنی ذات کو تمہاری ذات تصور کر رہا ہوں اور آپ سے محو گفتگو ہوں۔

مرزا عباداللہ کے کسی عزیز کی وفات پر بیدل نے ایک تعزیت نامہ لکھا اور خود کو اس میں برابر کا

شریک وسہیم قرار دیا۔

''رنگ جمعیت برعدم وہستی ما بالی نیفشاندہ، کہ بتکلف اوہام فراہم تواں نمودن۔ وساز راحت بر بقا وفنای ما توجہی سرنکردہ کہ جز صور قیامت نوای دیگر تواں شنودن۔ تا خیال زندگی بار دوش است غبار رفتگان بر فرق شعور باید پاشید۔ وتا رخت ازیں ورطہ بر بندیم، گوش واماندگان، بافسانہ عبرت باید خراشید۔'' (۷۳۴)

ہمارے عدم و وجود پر رنگ جمعیت نے ایسی بال افشانی نہیں کی کہ بتکلف وہمیات اسے فراہم کیا جاسکے اور ساز راحت نے ہماری بقا اور فنا پر ایسی توجہ نہیں کی کہ صور قیامت کے سوا کسی اور چیز کی آواز سنی جاسکے۔ جب تک زندگی کا تصور بار دوش بنا ہوا ہے گذشتہ احباب کا غبار فرق شعور پر چھڑکنا چاہئے اور جب تک اس بھنور سے اپنا بوریا بستر باندھ کر نہیں نکلتے پسماندوں کے کان افسانہ عبرت سے بھر دینا چاہئے (عبرت کے واقعات سنا کران کی سمع خراشی کرنی چاہے۔)

بیدل کی تعزیت نگاری کا انداز بھی فلسفیانہ ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے مقامات میں دیکھا گیا بیدل اس موضوع پر کوئی نیا نکتہ نہیں پیش کرتا بلکہ غم واندوہ، تسلی وتشفی اور تسلیم ورضا کی فرسودہ باتیں ہی بیان کرتا ہے لیکن کلمات والفاظ کی ایسی خوش آئند ترکیب استعمال کرتا ہے جس سے اس میں ایک جدت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نیا نکتہ معلوم ہوتا ہے۔

چوتھے خط سے جس میں دونوں بھائی عباداللہ اور روح اللہ کو مخاطب کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا لیکن ان میں سخن فہم حضرات کی تعداد کم تھی اس لئے وہ یا تو کتابوں کے مطالعہ میں یا لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ دونوں بھائی سخن فہم تھے۔

''از درد تنہائی کہ رفیق طبیعت وحشت نصیب است چہ نگارد کہ باوجود کثرت یکعالم آشنا، از قحط سخن فہم، مقیم انجمن تصویر بستن است۔ وبہم صحبتی خوابناکان بساط غرور، بر ترجمان رنگینہای تعبیر گریستن۔ نفس شماری اوقات جمعیت، اینقدر مغتنم می داند، کہ گاہی از زبان خامہ، با دوات گرم سرگوشی می گردد۔ وگاہی بصحبت کتابی ہمدرس خموشی می شود۔'' (۷۳۵)

اپنی طبیعت وحشت نصیب کے ساتھی ''تنہائی'' کی تکلیف کا عالم کیا تحریر کروں کہ دوست احباب کا ایک وسیع حلقہ ہونے کے باوجود ان میں سخن فہم حضرات کے قحط کے سبب انجمن تصویر میں قیام پذیر ہوں اور بساط غرور اور شیخی پر محو استراحت غافل لوگوں کی ہمنشینی میں نت نئے انداز کے ترجمان پر گریہ کناں ہوں۔ اوقات جمعیت کی نفس شماری بس اس قدر غنیمت سمجھتا ہوں کہ کبھی زبان قلم سے

دوات کے ساتھ گرم سرگوشی ہوں (کچھ لکھتا رہتا ہوں) اور کبھی کسی کتاب کی معیت میں خموشی کا ہمدرس ہوتا ہوں (کچھ پڑھتا رہتا ہوں)۔

قاضی عبدالرحیم:

قاضی عبدالرحیم کے بابت کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ غلام حسن مجددی کا خیال ہے کہ قاضی موصوف شاہ ولی اللہ صاحب کے والد تھے (۷۳۶) لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم کے نام سے مشہور ہیں۔ ملا حامد کے حسب دستور چونکہ فتاویٰ عالمگیر کے مرتبین میں وہ بھی شامل تھے اس لئے ممکن ہے بیدل نے ان کو قاضی سے تعبیر کیا ہو۔ ''انفاس رحیمیہ'' کے تحت شاہ عبدالرحیم کے علمی اور روحانی حالات کے بارے میں جو کچھ ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم نے لکھا ہے وہ بیدل کے بیان سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے اس لئے قیاس ہے کہ یہ وہی رہے ہوں گے۔ انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

''شاہ عبدالرحیم شاہ ولی اللہ کے والد ہیں وہ اپنے وقت کے مشہور عالم اور صوفی تھے۔ ہندوستان میں حدیث کی باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ آپ سے شروع ہوتا ہے۔ ان کی ولادت دہلی میں ۱۰۵۴ھ ۴۵-۱۶۴۴ء میں ہوئی اور یہیں ان کا انتقال ۱۳ صفر ۱۱۳۱ھ جنوری ۱۷۱۹ء میں ہوا۔ ان کے والد کا نام وجیہ الدین تھا اور وہ اورنگ زیب کی فوج میں ملازم تھے انہوں نے اورنگ زیب کے استاد میر زاہد ہروی اور خواجہ خورد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ تصوف کا ذوق والد سے ملا تھا تعلیم کے بعد شاہ عبدالرحیم نے قرآن و حدیث کی تدریس کا کام شروع کیا۔ اپنے ہم سبق ملا حامد کی کوشش سے فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں شامل کر لئے گئے مگر اورنگ زیب ان کی کسی بات پر ناراض ہوگیا اور وہ اس کام سے سبکدوش کر دیئے گئے۔ شاہ عبدالرحیم بنیادی طور پر صوفی اور عالم دین تھے لیکن شعر و ادب سے وہ بے تعلق نہیں تھے انہوں نے فارسی اور ہندی میں اپنی فارسی شاعری کے کچھ نمونے چھوڑے ہیں۔ (۷۳۷)

رقعات میں قاضی عبدالرحیم کے نام بیدل کا صرف ایک خط ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب موصوف اس عہد کے مشہور عالم و فاضل اور عارف و خدا شناس تھے جن کا لوگ بڑا احترام کرتے تھے۔ بیدل نے ان کے لئے ایک اہم لفظ ''خاصان'' استعمال کیا ہے، جس سے لگتا ہے کہ موصوف اپنی علمی لیاقت اور بزرگی کی وجہ سے قاضی کے عہدے پر فائز رہے ہوں گے۔ وہ بیدل کے

کلام سے بہت متاثر تھے اسی وجہ سے انہوں نے بیدل کی تخلیقات کی بڑی تعریف کی۔ بیدل نے اسی ارادتمندی کے ساتھ جو چھوٹے کو بڑوں سے ہوتی ہے جواب دیا اور ان کی شفقت و مہربانی اور قدر دانی کا شکریہ ادا کیا۔ یہ خط اس عنوان سے شروع ہوتا ہے ''جواب مکتوب قاضی عبدالرحیم کہ نظم و نثر در تعریف فقیر انشاء نموده اند۔'' (قاضی عبدالرحیم کے خط کا جواب جنہوں نے خاکسار کی منظوم اور منثور دونوں انداز سے تعریف کی ہے۔)

''یاد فقرا حرکتی' است از نقاب ارادت بیچونی۔ در ہر دلیکہ پرتو توجہ آن تافت، خود را آئینہ دار ہمان کیفیت دریافت، خطرات قلوب خاصان کہ ملہم اسرار ربانی انداد ای شکر ایں شفقتہا از حق بحق تواند بود' وستائش وضع محقران نیز غیر رافت حقیقی پردہ اکرام نخواہد کشود، بہمہ حال از عجز پرستانم۔ امداد قدرت کبریا تغافل گر احوال حیرت مآل ما مباد۔ رباعی:

از قد دو تا ندامت انگیختہ ایم   در دامن نا امیدی آویختہ ایم
بر طاق گذار خواہ در خاک افگن   ما شیشۂ سرنگوں می ریختہ ایم (۷۳۸)

خاکسار کی یاد ایک ایسی حرکت ہے جو ارادہ خداوندی کے نقاب سے سرزد ہوئی ہے جس دل میں اس کی جھلک پڑتی ہے خود کو اسی کیفیت کا آئینہ دار محسوس کرتا ہے۔ خواص کے دلوں میں جو خطرات اور واردات گذرتے ہیں وہ ربانی اسرار سے ملہم ہوتے ہیں۔ ان عنایتوں کی کماحقہ شکر گذاری خدا ہی کی توفیق سے انجام پا سکتی ہے ناچیز کے حالات کی تعریف بھی حقیقی مہربانی کے سوا کسی اور چیز سے پردۂ اکرام نہیں اٹھائے گی۔ بہر حال ہم تو ایک عجز پرست عاجز و خاکسار انسان ہیں۔ کبریائی طاقت کی امداد ہمارے حیرت مآل حالات کا تغافل گر ثابت نہ ہو۔

جب سے اپنے قد دوتا (دوہری قامت) سے ندامت و شرمندگی محسوس کر رہے ہیں مایوسی کے دامن سے لٹکے پڑے ہیں۔ چاہے طاق پر بٹھاؤ چاہے زمین پر پھینک دو ہم تو گری ہوئی شراب کے سرنگوں جام ہیں۔

یہ خط واضح کرتا ہے کہ قاضی صاحب موصوف شاعرانہ ذوق طبع کے حامل تھے۔

مرزا خسرو بیگ:

مرزا خسرو بیگ کے بابت مآثر عالمگیری سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الثانی ۱۰۹۲ھ میں اس نے احمد آباد سے حافظ محمد امین خاں کے سارے اسباب و سامان بادشاہ سلامت اورنگ زیب کی خدمت میں لا کر پیش کیے (۷۳۹)۔ رقعات میں بیدل نے ایک خط تو اسے مستقل لکھا اور دوسرے

خط میں جو شکر اللہ خاں کے نام ہے ضمنی طور پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ان دونوں خطوط کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ موصوف بیدل کے مخلص احباب میں تھا جو خصوصیت سے دلکش اور رنگین نثر لکھنے پر قدرت رکھتا تھا۔ اسی لئے بیدل نے اس کے لئے ''خسرو لفظ و معنی'' کا لقب استعمال کیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ اس کے اسلوب نگارش سے بہت زیادہ متاثر تھا۔

''بارک اللہ امروز کہ نامہ خسرو لفظ و معنی ما، بعنوانی آئینہ ورود پرداخت کہ بیدل مشتاق را، در مطالعہ لمعات صفایش، چراغ خلوت اندیشہ افروختن است۔ وبہ نشا پیمائی کیفیت حضورش، ذخیرہ ہای انجمن دماغ اندوختن۔ بی تکلف در مقابل نشست این قلم، اگر خط جدار کوہ باشد، چوں صدا سینہ ہوامی خراشد و در برابر لطف عبارات نزاکت، اگر تحریر بوی گل بعرض آرد، خامہ از رگ خارامی تراشد''۔ (۷۴۰)

قلمت از چہ چمنستان قدح ناز کشید — کہ خط از لغزش مستاں می اعجاز کشید

اللہ برکت کرے کہ ہمارے ''خسروئے لفظ و معنی'' کا خط آج اس انداز سے آئینہ ورود میں مشغول ہوا (آیا) کہ بیدل مشتاق کو اس کی پاکیزہ آب و تاب کے مطالعہ کے لئے خلوت اندیشہ کا چراغ جلانا پڑا اور اس کی کیفیت حضور کی نشہ پیمائی کے لئے انجمن دماغ کے ذخیرے فراہم کرنے پڑے۔ بے تکلف اس قلم کی نشست کے مقابلہ پر اگر دیوار کوہ جیسا مضبوط خط بھی ہو تو آواز کے مانند ہوا کے سینہ میں خراش لگا دے اور نزاکت عبارت کے لطف کے مقابلہ پر اگر تحریر پھول کی خوشبو بھی پیش کرے تو قلم سخت پتھر کی رگ کو بھی تراش کر رکھدے۔ تیرے قلم نے کس چمنستان سے ناز کی قدح پیمائی کی کہ خط مستوں اور شرابیوں کی لغزش سے اعجاز کی میکشی کرنے لگا۔

یہ خط اسلوب نگارش کی ان خصوصیات کو واضح کرتا ہے جو نثر نویسی کیلئے بیدل کے نزدیک پسندیدہ سمجھی جاتی تھیں اس لئے بیدل کے نزدیک ایک فصیح نثر کی خصوصیات کے لحاظ سے اس پر بحث کی جا سکتی ہے۔ راقم السطور نے تیسرے باب ''بیدل ایک نثر نگار کی حیثیت سے'' میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

شکر اللہ خان ثانی کے نام بیدل کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بہادر شاہ کے دربار میں وہ کسی منصب پر فائز تھا۔ بیدل نے اپنی بعض خود ساختہ دوائیں جیسے اکسیر احمر وغیرہ اس کی معرفت بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تھیں جنھیں بادشاہ نے غالباً قبول کیا۔

''قبل ازیں بمعرفت مرزا خسرو بیگ قدری اکسیر احمر نیاز بار یافتگان جناب تقدس انتساب بادشاہ زادہ عالیان مآب گردیدہ بود بشرف قبول امتیاز یافتہ باشد۔'' (۷۴۱)

اس سے پہلے مرزا خسرو بیگ کی معرفت کچھ اکسیر احمر جناب شہزادہ تقدس مآب کی خدمت میں

پیش کیا تھا۔ امید کہ شرف قبول سے نوازا گیا ہوگا۔

ملا درویش والہ ہروی:

ملا درویش والہ ہروی عہد شاہجہاں کا ایک اچھا شاعر تھا۔ وہ ناظم بنگال قاسم خان کے عہد میں ہرات سے بنگال آیا، کچھ دنوں بعد وہاں سے اڑیسہ گیا، خوش فکر تھا (۷۴۲)، لغت نامہ دہخدا میں اس کا ایک شعر یوں نقل کیا ہے۔

ز بخت بد چہ طمع کردہ ای کہ ساز گار آید — زگوش کر چہ توقع کنی کہ سخن شنود (۷۴۳)

۱۰۷۱ تا ۱۰۷۵ھ/۶۱-۱۶۶۰ تا ۱۶۶۴ کے دوران جب بیدل کا قیام اڑیسہ میں تھا اور شاہ قاسم ہواللّٰہی کی صحبت سے وہ استفادہ کر رہا تھا، والہ ہروی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ شاید موصوف بھی شاہ صاحب کے ارادتمندوں میں تھا، اس موقع پر بیدل کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس کی طرز شاعری اور اسلوب نگارش سے بہت متاثر تھا۔ لکھتا ہے۔

''روزی جناب حقایق پناہ حضرت شاہ قاسم طاب ثراہ، بخانہ میرزا ظریف پرتو سعادت انداختہ بود و بساط آن تجلی کدہ بانوار مراتب فیض نواختہ معنی نواز طرز نوی ملا درویش والہ ہروی، کہ تمکین عبارات متینش، بررگ خارا، خط نسخ کشیدی۔ ونزاکت مضامین رنگینش، بر لطافت بوی گل، افسون تبسم دمیدی، از غاشیہ داران جنبیت اخلاص بود و از رکاب پرستان موکب اختصاص۔'' (۷۴۴)

ایک دن جناب حقایق پناہ حضرت شاہ قاسم طاب ثراہ مرزا ظریف کے گھر سعادت کی جھلک دکھا رہے تھے (تشریف فرما تھے) اور اس تجلی کدہ کی بساط کو انوار مراتب فیض سے نواز رکھا تھا، طرز نو کے معنی نواز ملا درویش والہ ہروی جنکی متین و استوار عبارت کی تمکینی رگ خارا پر خط نسخ کھینچتی تھی اور ان کے رنگین مضامین کی نزاکت بوئے گل کی لطافت پر قہقہے لگاتی تھی، سلاح اخلاص کے حاشیہ برداروں اور موکب اختصاص کے رکاب داروں میں تھا۔

منعم خانخاناں:

منعم خانخاناں ایک باذوق شاعر تھا، اکثر شعر کہا کرتا تھا۔ ''الہامات منعمی'' اور ''مکاشفات منعمی'' کے نام سے اس نے چند کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ خان موصوف مختلف ادوار میں سرکار بخشی سے لے کر وزیر اعظم تک کے مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ وہ ان تمام خوبیوں کا حامل تھا جن کی ایک لائق

وزیر سے امید کی جاتی ہے۔ منعم خاں بیدل کے احباب کی فہرست میں شامل ہے۔ بہادر شاہ نے اس کی وساطت سے بیدل سے اپنے خاندان کا شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ منعم خاں نے بیدل سے اس کا تذکرہ کیا لیکن مناعت نفس کی وجہ سے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور جب اس کی طرف سے اصرار ہوا تو بیدل نے تنگ آ کر یہ لکھ بھیجا:

''اگر خواہ مخواہ مزاج بادشاہ برین پلہ ست، من فقیرم، جنگ نمی توانم کرد، ترک ممالک محروسہ نمودہ، بولایت روم''۔ (۷۴۵)

اگر بادشاہ نے خوانخوہ یہی طے کر لیا ہے تو میں ایک فقیر آدمی ہوں لڑ سکتا نہیں ہاں ممالک محروسہ سے ہجرت کر کے ولایت چلا جاؤں گا۔

میر عبدالجلیل بلگرامی:

میر عبدالجلیل بلگرامی بیدل کے ایک عظیم معاصر شاعر اور عالم و فاضل آدمی تھے جو بقول خود ان کے لڑکے سید محمد کے غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کے حامل تھے۔ تمام عقلی و نقلی علوم میں ید طولیٰ رکھنے کے علاوہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں سے پوری طرح واقف تھے اور ان چاروں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ (۷۴۶)

غلام حسن مجددی کا خیال ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی مرزا بیدل سے صحبتیں رہی ہیں لیکن سید محمد کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ موقع صرف بیٹے کو حاصل ہوا (۷۴۷)۔ ہاں غلام علی آزاد نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ بیدل کی مجلس میں کبھی موجود تھے۔ آزاد کا بیان ہے:

''شخصی مصراعی از بیت میرزا بیدل در مجلسی خواند ''روز سوار شب کند اسپ چراغ پا'' وگفت: کسی می تواند کہ پیش مصرع بہم رساند' علامہ مرحوم فی البدیہ انشا کرد: غرہ مشو کہ ابلق ایام رام تست۔ روز سوار شب کند اسپ چراغ پا۔ ازان شخص بی اختیار آفرین سرزد و گفت: حق اینست کہ مصرع شریف بہ از مصرع میرزا واقع شدہ'' میرزا چنیں گفتہ است: باطبع سرکش اینہمہ رنج و وفا مبر۔ روز سوار شب کند اسپ چراغ پا''۔ (۷۴۸)

ایک آدمی نے ایک محفل میں بیدل کا درج ذیل ایک مصرعہ پڑھا ''روز سوار شب کند اسپ چراغ پا'' اور کہا کوئی ہے جو اس کا مصرع اول کہے، علامہ مرحوم نے برجستہ کہا ''غرہ مشو کہ ابلق ایام رام تست: روز سوار شب کند اسپ چراغ پا'' اس آدمی نے بے اختیار داد دی اور کہا سچی بات یہ ہے کہ یہ

مصرع مرزا کے مصرع سے بہتر ہے۔

بیدل نے یہ شعر یوں کہا ہے:

باطبع سرکش ایں ہمہ رنج وفا مبر — روز سوار شب کند اسپ چراغ پا

اگر تسلیم کریں کہ یہ واقعہ بیدل کی مجلس میں پیش آیا تو ممکن ہے بیدل نے اپنی مناعت نفس اور طبعی خودداری کی وجہ سے اس کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور شاید اسی وجہ سے مخلصانہ روابط ان کے بیچ برقرار نہ ہو سکے۔

صحائف شرائف میں محمد عسکری نے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے ایک دن نامور علامہ سید عبدالجلیل بلگرامی کی محفل میں مرزا بیدل مرحوم کے تصوف کا چرچا ہو رہا تھا۔ علامہ مرحوم نے گلستان سعدی کے ایک مصرع پر نہایت رنگین تضمین کرتے ہوئے بیساختہ کہا:

دی کسی گفت میرزا بیدل — خوب گفتہ در تصوف راز

مصرعی در جواب خواند جلیل — بیدل از بے نشاں چہ گوید باز (۷۴۹)

میر محمد علی رائج:

رائج کا نجیب الطرفین سادات سے تعلق تھا، اس نے اپنے والد میر محمد دوست متخلص بہ صانع کی خدمت میں تعلیم حاصل کی۔ مرزا عبدالقادر بیدل، شاہ ناصر علی اور فقیر اللہ آفرین اور دیگر معاصر شاعروں کا ہم مشرب و ہم نشیں تھا۔ لمبی عمر پائی، قصبہ سیالکوٹ میں قناعت و سیر چشمی کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ جن غیر مشہور بحروں میں بیدل نے غزلیں کہی ہیں اکثر انہی بحروں میں اس نے نہایت عمدہ غزلیں کہی ہیں۔ (۷۵۰)

محمد فاضل گجراتی آزاد:

آزاد کا احمد آباد گجرات کے علوی سادات سے تعلق تھا اور ستودہ صفت سید تھا۔ شاہ ناصر علی اور بیدل سے اس کی ملاقات رہی ہے، ۱۱۴۸ھ میں بھڑوچ میں اس کا انتقال ہوا۔ (۷۵۱)

مرزا محسن ذوالقدر:

ذوالقدر وہ واحد شاعر ہے جس کی بیدل سے ایام طفولیت ہی سے دوستی رہی ہے اور اس کے ساتھ اس کی نشست و برخاست کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ اس کے قدیم احباب میں تھا۔ ''ذوالقدر'' ایک برادری کا نام ہے اور اسی مناسبت سے اس نے اپنا تخلص اسے قرار دیا۔ شروع میں وہ شاہ شجاع کی فوج

میں ملازم تھا۔ شاعرانہ ذوق کا حامل تھا۔ خوشگو نے اسے نوے سال کی عمر میں مرزا بیدل کی صحبت میں دیکھا تھا۔ ''رقعات ملا محمد محسن ذوالقدر'' کے نام سے اس کے خطوط کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ (۷۵۲)

جعفر زٹلی:

جعفر بیدل کے معاصر اور آشناؤں میں تھا۔ زٹلی کا شمار ہجوگو بلکہ فحش گو شاعروں میں ہوتا ہے۔ موصوف نے ایک دفعہ بیدل کی تعریف میں ایک مثنوی کہی تھی۔ ایک دن مرزا کی مجلس میں جب اس نے اس کا پہلا مصرعہ پڑھا:

چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پھس

بیدل نے وہیں روک کر کہا بس ہو گیا۔ بہت شکر گذار ہوں کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت فرمائی۔ ہم فقراء کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرات اساتذہ کے بارے میں اس قسم کی ناشائستہ باتیں سننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد تھیلی سے ایک اشرفی نکال کر اسے دیا۔ خوشگو کا بیان ہے کہ حاضرین مجلس خصوصاً میں نے بیدل سے اجازت چاہی کہ دوسرے مصرعہ میں پھس کا قافیہ معلوم کریں لیکن بیدل نے اس کی اجازت نہیں دی۔ (۷۵۳)

محمد سعید اعجاز:

اعجاز مولانا عبدالرشید عزت کا شاگرد رشید تھا۔ اس کو اپنے استاد سے بے انتہا تعلق اور ارادت تھی اور اکثر ان کی صحبت میں حاضری دیتا تھا (۷۵۴)۔ ایسا لگتا ہے کہ عزت کی خدمت سے استفادہ کے دوران بیدل سے اس کا تعارف ہوا۔ خوشگو اعجاز کو ناصر علی اور بیدل کا ہمطرح قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ بلاشبہ اس فن کا استاد، عمدہ شاعر اور خوش لفظ و خوش معانی ہے۔ معقولات و منقولات میں بھی اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ (۷۵۵)

آقا محمد ابراہیم فیضان:

آقا ایک خوش بیان اور خوش فکر شاعر تھا۔ اسی کے ساتھ وہ معقولات اور منقولات سے بھی بہرہ مند تھا۔ رنگین نثر لکھتا تھا اور خط نستعلیق بہت خوبصورت لکھتا تھا۔ اکثر اپنے گھر پر محفل مشاعرہ منعقد کرتا، بیدل اس میں شرکت کرتا اور اس کے ساتھ رنگین صحبتوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا (۷۵۶)۔ رقعات میں مرزا محمد ابراہیم کے نام بیدل کے دو خطوط ملتے ہیں غالب گمان یہی ہے کہ یہ وہی محمد ابراہم ہے جس کو خوشگو نے آقا محمد ابراہیم فیضان کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ خطوط میں بیدل نے اس کو مقام عرفان کے

حصول پر متوجہ کیا ہے:

''ابواب فیض اقدس کہ مشعر حقیقت روحی است، بر ہر ذی حیات بی کلیدی مفتوح است تا ساغر بزم دوراں وجود فرصتی دارد مست این نشاء بخمار باید بودن۔ وچشم بر کیفیات ایں صاف بیدرد وغبار کشودن۔ مفت جمعیت سرخوشی کہ تشویش خیال باطلش جام تکلف نہ پیماید۔ وغنیمت شوق صاحب دماغی کہ صدای التفات وہم باطنش نفر ساید۔ شعور ایں نشاء را نتائج بسیارست وحضور ایں مقام را خواص بیشمار۔ نسق شریعت وسلوک طریقت کہ مادہ انتظام ومنشاء کمال ظہور وبطون ست، بوساطت انبیاء و وسیلۂ اولیا از شہود ایں حقیقت و حصول ہمین معرفت ست۔ وگرنہ معاد ومعاش انسان ہم وضع سائر حیوانات می بود۔ و افعال واحوال آدمی جز مطابق طیور وانعام نمی نمود۔ ہادی تحقیق زمرۂ آسمانیا را از صراط مستقیم ''من عرف نفسہ'' منحرف نگرداناد و بہ ننگ ضلالت ''من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی'' نرساناد۔'' (۷۵۷)

فیض اقدس کے دروازے جو ''حقیقت روح'' کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ہر ذی روح اور جاندار پر بغیر چابی کے کھلے ہیں جب تک بزم دوران ''وجود'' کے ساغر کو نوش کرنے کی فرصت حاصل ہے، اس نشہ سے مست و مخمور رہنا چاہئے اور اس صاف ستھرے تلچھٹ و گرد و غبار سے پاک شراب پر آنکھیں وا رہنی چاہئیں۔ مست و مولا آدمی کو جمعیت خاطر مفت حاصل ہے۔ خیال باطل کی تشویش اسے جام تکلف کا دور نہیں کراتی ہے۔ اور اہل دماغ غنیمت شوق ہے وہم باطن کی صدائے التفات ان کو خوف و ہراس میں مبتلا نہیں کرتی ہے۔ اس نشہ کے ادراک و شعور کے نتائج بے شمار ہیں اور اس مقام میں حاضری کے خواص ان گنت ہیں۔ نسق شریعت اور سلوک طریقت جو ظہور و بطون عالم کے منشا کمال اور مادہ انتظام ہیں، انبیاء اور اولیاء کی وساطت سے اسی حقیقت کا مشاہدہ اور اسی معرفت کے حصول کا نام ہے ورنہ انسان کا معاد و معاش تمام جانوروں کے احوال سے ملتا جلتا ہوتا۔ اور آدمی کے افعال و احوال چرند و پرند کے مطابق ہی انجام پاتے۔ جادۂ تحقیق کی طرف ہدایت کرنے والا آسمانیوں کی جماعت کو ''من عرف الخ'' کے صراط مستقیم سے منحرف نہ کرے اور ''من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ'' کی ضلالت کے ننگ و عار تک نہ پہنچائے۔

خواجہ عبداللہ ساقی:

ساقی کا تعلق ملا وجیہ کے خاندان سے تھا۔ اعظم شاہ کی خدمت میں ملازم تھا اور بیدل کے

دوستوں میں تھا۔ ساقی کا وطن اگرچہ لاہور تھا لیکن کچھ دنوں اس نے دارالخلافہ دہلی میں بھی قیام کیا۔ مشہور ہے کہ وہ خود بیں، خود پسند اور نازک خیال قسم کا آدمی تھا۔(۷۵۸)

مرزا محمد بقاء:

رقعات میں ''از جانب مرزا محمد بقاء بشکر اللہ خاں'' کے عنوان سے ایک خط ہے۔ اس خط کے مضامین شکر اللہ خان کو عید کی مبارکبادی اور ان کی صحت و سلامتی کی دعا سے وابستہ ہیں(۷۵۹)۔ غالباً یہ وہی شیخ محمد بقاء سہارنپوری ہیں جو ''مرآت جہاں نما'' کے مصنف (۷۶۰) اور بیدل کے دوست اور شکر اللہ خاں کے متوسلین میں ہیں۔ اظہار و ابلاغ پر بیدل کی غیر معمولی قدرت کی بنا پر ممکن ہے انہوں نے اس سے درخواست کی ہو کہ میری طرف سے شکر اللہ خاں کو خط لکھ دیں۔

شیخ علاء الدین متوکل:

عاقل خاں کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علاء الدین بیدل کا ایک دوست تھا جو کسی معاملہ میں شرکاء کی بے انصافی کا شکار ہو کر مشکلات سے دوچار ہوا تھا۔ بیدل نے عاقل خاں سے درخواست کی کہ اس کی مشکل دور کرنے کے لئے اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لائیں۔(۷۶۱)

ooo

بیدل کے شاگرد

معاشرہ کے مختلف طبقے سے بیدل کے وسیع تعلقات کے پیش نظر جن میں کچھ کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہوا ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے بیدل کی صحبت سے فیوض و برکات حاصل کئے صحیح طور پر نہیں بتائی جا سکتی۔ اسی طرح یقینی طور پر یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ فلاں اس کے دوستوں میں ہے یا شاگردوں میں۔ شیخ احمد علی سندیلوی لکھتے ہیں:

''بسا کس از دامن تربیت مرزا برخاستہ اند ذکر آنہا طول دارد۔''(۷۶۲)

مرزا کے دامن تربیت سے فیض حاصل کر کے بہت سے لوگ ابھرے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے ان کا تذکرہ طوالت کا خواہاں ہے۔ میر قاسم عرف قدرت اللہ لکھتا ہے:

''خلقی کثیری از انفاس شریفہ اش بہرہ وافی اندوخت۔''(۷۶۳)

ان کی صحبت سے بہت سے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ خوشگو کے بیان کی بنا پر، جو بیدل کا قریب ترین شاگرد تھا اور بیدل کے حالات کی طرح ان لوگوں کے حالات بھی جنہوں نے اس کی خدمت سے فائدہ اٹھایا اپنی تذکرہ میں لکھے، ایک حد تک بیدل کے دوستوں اور شاگردوں کے درمیان خط امتیاز کھینچا جا سکتا ہے۔ ذیل میں انہیں شاگردوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سراج الدین علیخان آرزو:

سراج الدین علیخان آرزو مشہور ادبی چہرہ ہے اور کسی تعارف کا محتاج نہیں، بیدل سے اس کے روابط استاد شاگردی کے روابط معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے:

''فقیر آرزو دو بار بخدمت این بزرگوار، اوائل عہد بادشاہ شہید محمد فرخ سیر رسیدہ مستفید گردیدہ''۔(۷۶۴)

فقیر آرزو بادشاہ شہید محمد فرخ سیر کے اوائل عہد میں دو دفعہ اس بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا اور مستفید ہوا۔ استفادہ کے اعتراف سے اگرچہ لازم نہیں آتا کہ وہ شاگرد رہا ہو کیونکہ استفادہ کا سلسلہ اکثر دوستوں کے بیچ بھی چلتا ہے۔ لیکن لفظ ''بزرگوار'' جو اس نے بیدل کے لئے استعمال کیا ہے واضح کرتا ہے کہ آرزو نے خود کو بیدل کے سامنے ایک نیازمند شاگرد تسلیم کیا۔ اس خیال کی تائید درگاہ قلی خاں صاحب ''مرقع دہلی'' کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ لکھتا ہے:

"روزِ عرس مرزا بیدل مرحوم بہ نسبت شاگردیش بزم آرا می گردد۔" (۷۶۵)

مرزا بیدل کے عرس کے دن اس کی شاگردی کی نسبت سے محفل آرائی کرتا ہے۔

آنند رام مخلص:

مخلص لاہور کا باشندہ تھا۔ اس کا باپ ہردی رام کھتری اپنے عہد کا ایک مشہور آدمی تھا۔ مخلص بھی باپ کی طرح مشہور ہوا۔ اکثر سراج الدین علی خاں آرزو کے ساتھ شعر و شاعری میں مصروف رہتا تھا۔ اس کا شمار نقادوں کی صف میں بھی ہوتا ہے۔ جوانی میں بیدل کا شاگرد رہا ہے۔ (۷۶۶)

آنند رام مخلص کو بیدل نے اپنے دیوان کی ایک نقل عطا کی تھی۔ یہ نسخہ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ مولانا نے اس کا تعارف مجلہ معارف شمارہ ا جلد ۳۳ میں کرایا ہے۔ اس دیوان کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے۔

"روز چہار شنبہ چہارم شوال سن یک ہزار و نود و ہشت در مقام نارنول بہ تحریر رسید۔ ایں اشعار از دیوان قدیم و جدید بطریق اختصار نوشت تا برائے نسخہ برداشتن دوستاں را عذر کاہل قلمی نہ باشد۔ والسلام

اور لوح دیوان کی عبارت یہ ہے:

"بہ دستخط حضرت مرزا بیدل علیہ الرحمہ فقیر آنند رام مخلص از نظر مرزا صاحب گذرانیدہ ایں معانی بصحت رسیدہ"۔ (۷۶۷)

بروز بدھ ۴ر شوال ۱۰۹۸ھ بمقام نارنول قدیم و جدید دیوان سے بطور اختصار یہ منتخب اشعار لکھے تاکہ نقل نویسی کے لئے دوستوں کو کاہل قلمی کا عذر نہ رہے۔ والسلام

حضرت مرزا بیدل علیہ الرحمہ کے دستخط کے ساتھ فقیر آنند رام مخلص نے مرزا کی نظر سے گذار کر اس کی توثیق کرائی۔

ان تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مخلص بیدل کا نہ صرف یہ کہ شاگرد اور ارادتمند تھا بلکہ اس حد تک مخلصانہ تعلق رکھتا تھا کہ بیدل نے اپنے دیوان کی ایک نقل اسے فراہم کی۔

شرف الدین علی پیام:

پیام ایک خوش طبع شاعر تھا، ایک دن رائے رایان مخلص کے گھر میں پیام، آرزو اور محمد عطا متخلص بہ عطا جو بیدل کے شاگردوں میں تھے پہنچے۔ عطا اور پیام دونوں باہم مذاق کر رہے تھے۔ عطا نے پیام سے کہا 'بوسہ بہ پیام خالی از تازگی نیست' باوجودیکہ یہ کوئی قابل ذکر بات نہ تھی پیام نے خوش

میں بیساختہ یہ شعر پڑھا:

دوستاں بکر نیست فکر عطا   ہست از نادانستش پیدا (۷۶۸)

عطاء اللہ عطا:

عطا بیدل کا ایسا شاگرد تھا جس کی طبیعت میں ظرافت اور مزاح کا عنصر غالب تھا۔ جب کبھی بیدل کی مجلس میں حاضر ہوتا بیدل جو اکثر توحید سے وابستہ اشعار پڑھا کرتا تھا، رک جاتا اور اس کی خاطر ہزلیات کا سلسلہ شروع کر دیتا اور اکثر کہا کرتا

"استحقاق تتبع و تلمذ دیوان ہزلیات ما عطا دارد۔"

میرے دیوان میں ہزلیات کے تتبع اور تلمذ کا حق عطا کو حاصل ہے۔ بیدل نے اپنا قلمدان اور بیاض اسے بخشا تھا عطا نے اس کے شکریہ میں ایک رباعی کہی:

بیدل شہ اقلیم کمال ہر فن   از گوشۂ چشم تا نظر داشت بمن
از روی عنایت قلمدان و بیاض   فرمود مرا وزارت ملک سخن (۷۶۹)

رقعات میں ایک خط خطاء اللہ کے نام نظر آتا ہے ممکن ہے یہ عطاء اللہ ہی ہو جو سہو کاتب سے خطاء اللہ ہو گیا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل اسے بہت چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ کچھ دنوں جب مرزا کی صحبت سے غیر حاضر رہا تو بیدل کو اضطراب لاحق ہوا اور اس نے یہ خط لکھا:

"وقت است اگر بہ نمی از رشحہ آب پیکاں، غبار خاطر ایں اندوہگیں فرونشاند و بساط کلفت ایں زمیں گیر بہ شمع خانہ کماں، منور گردانید۔" (۷۷۰)

ابھی وقت ہے اگر آب پیکاں (تیر یا برچھی کا پھل) کی نمی سے اس محزون کے غبار خاطر کو فرو کریں یعنی اس کے چھڑکاؤ سے دل کی گرد و غبار دبا دیں اور اس عاجز کی بساط کلفت کو شمع خانہ کمان سے منور کریں (یعنی حاضر ہو کر ہمیں خوش کریں)۔

بندرابن داس خوشگو:

پروفیسر عطا کاکوی کے مطابق بندرابن داس خوشگو، مرزا محمد افضل سرخوش، سراج الدین علی خاں آرزو، لالہ سکھ راج سبقت اور بھوپت رائے بیراگی بے غم کا شاگرد اور شاہ سعد اللہ گلشن اور مرزا عبدالقادر بیدل کا دائمی مصاحب تھا اس کے مظہر، ابرو اور دیگر معاصر شاعروں سے بھی دوستانہ روابط تھے۔ (۷۷۱)

پروفیسر عطا کاکوی کا دعوی مختلف تذکرہ نگاروں کے بیانات پر مبنی ہے جن کا مقدمہ میں انہوں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن خوشگو نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ اپنی زندگی میں ایک ہزار دفعہ سے

زیادہ مرزا کی خدمت میں حاضری دی اور استفادہ کیا:

’’فقیر خوشگو در عمر خود زیادہ از ہزار مرتبہ بخدمتش مستفید شدہ باشم‘‘۔(۷۷۲)

اس لئے بیدل کی صحبت سے استفادہ کے اس اعترافی بیان کی بنا پر ہم اسے بیدل کے شاگردوں کی صف میں رکھ سکتے ہیں۔ بیدل کی صحبت سے استفادہ کا نتیجہ یہ تھا کہ ’’ملفوظات‘‘ کے نام سے اس نے اس صحبت کی یادداشتیں جمع کی تھیں۔ لکھتا ہے:

’’فقیر ملفوظاتی نوشتہ کہ اکثر مذکورات آن صحبتہا در آں داخل است۔‘‘(۷۷۳)

اگر وہ ملفوظات حاصل ہو جاتے تو بیدل کی زندگی کے بہت سے مبہم پہلو پر بھی روشنی پڑ سکتی تھی۔ خوشگو کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس نے بیدل کے حالات بہ نسبت دوسرے تذکرہ نگاروں کے قدرے تفصیل سے لکھے اور اس کی زندگی کے بہت سے واقعات بیان کرنے کے علاوہ امراء، احباب اور شاگردوں سے اس کے روابط پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر سید علی رضا نقوی لکھتے ہیں:

’’چون مولف اکثر در خدمت بیدل بودہ، بنابراین بیانات او در بارہ بیدل مورد اعتماد و موثق تر از تذکرہ نویسان دیگری باشد۔ وی توان گفت کہ در بارہ بیدل ہیچ کتابی غیر از تالیفات خود بیدل معتبر تر ازین کتاب وجود ندارد۔‘‘(۷۷۴)

چونکہ مؤلف اکثر بیدل کی خدمت میں حاضر رہا ہے اس لئے بیدل کے بارے میں اس کے بیانات دوسرے تذکرہ نگاروں کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتماد ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ بیدل کے بارے میں اس کی اپنی تالیفات کے علاوہ اس کتاب سے زیادہ معتبر کوئی اور ماخذ نہیں ہے۔

اسی وجہ سے مشہور محقق قاضی عبدالودود نے بیدل کی جائے پیدائش کے بارے میں خوشگو کے بیان کو ترجیح دیتے ہوئے خاکسار سے کہا کہ چونکہ خوشگو کا بیدل سے براہ راست تعلق رہا ہے اور ہزار بار سے زیادہ اس کی خدمت سے اس نے استفادہ کیا ہے اس لئے اس کے قول پر کہ بیدل اکبرآبادی الوطن ہے زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

لیکن راقم السطور نے جب خوشگو کے بیانات کا خود بیدل کے بیانات سے موازنہ کیا تو پتہ چلا کہ بیدل کی جائے پیدائش، اعظم شاہ کی خدمت میں مدت ملازمت اور اس کے گجرات میں قیام اور دیگر امور سے متعلق اس کے بیانات غلط فہمی پر مبنی ہیں جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگا۔

میر عبدالصمد سخن:

میر عبدالصمد کا تعلق ایران کے نجیب سادات سے تھا۔ وہ شاعرانہ ذوق کا حامل تھا اور اس کا شمار بیدل کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ اس کا تخلص سخن بھی بیدل ہی کا عطا کردہ ہے۔ سخن کو فارسی زبان و ادب

پر مکمل قدرت حاصل تھی۔ خان آرزو نے اسے بیدل کے شاگردوں کے صف میں شامل کیا ہے(۷۷۵) شاید یہ وہی عبدالصمد ہے جس کو ڈاکٹر انصاری مرحوم نے شیخ عبدالصمد جونپوری کے نام سے متعارف کرایا ہے۔ موصوف وزیر اعظم جعفر خاں کے متوسلین میں تھا اور فن انشاء کے اساتذہ میں شمار کیا جاتا ہے(۷۷۶)۔ عبدالصمد کے نام ایک خط میں بیدل اسے ان دعائیہ الفاظ سے مخاطب کرتا ہے ’’رنگینی بہار سخن لایزال باد‘‘ بہار ’’سخن‘‘ کی رنگینی سدا قائم رہے۔ اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ یہ وہی عبدالصمد ہوگا۔ بیدل کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سخن اپنے نتائج فکر بیدل کے پاس بھیجا کرتا تھا۔ بیدل نے اس کی تحسین کی ہے نیز اس کی نامہ نویسی کی تعریف کی ہے:

’’ورود التفات نامہ، با اشعار سحر بیانیہا، ساغر کیفیتی می پیماید کہ شوق دیدار غیر از شہود جمال چشم باتمیاز [نہ] کشاید۔

نامہ ات آئینہ دارد کہ تا وا می شود — دست گاہ عالم دیدار پیدا می شود(۷۷۷)

سحر بیانی پر مشتمل اشعار کے ساتھ آج گرامی نامہ کا ورود ایسی کیفیت کے ساغر کا دور چلاتا ہے کہ ’’شہود جمال‘‘ کے سوا کسی اور چیز پر شوق دیدار اپنی چشم وا نہیں کر سکتا (ملاقات کے بغیر چین نہیں مل سکتا ہے)

تیرا خط ایسے آئینہ کا حال ہے کہ جب وہ کھلتا ہے تو عالم دیدار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

سید محمد ابن عبدالجلیل:

سید محمد ابن عبدالجلیل بلگرامی بیدل کے شاگردوں میں تھا اپنے روزنامچہ ’’تبصرۃ الناظرین‘‘ میں ۱۱۳۲ھ ۱۷۲۰ء کے واقعات کے ضمن میں بیدل کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’کاتب الحروف بارہا بخدمت شریفش رسیدہ و از فیض صحبت گرامی اش بہرہ اندوختہ۔‘‘(۷۷۸)

راقم السطور بارہا ان کی خدمت شریف میں حاضر ہوا اور ان کی صحبت گرامی سے فیوض و برکات حاصل کئے۔

انہی صحبتوں کی ایک یاد کا تذکرہ سید محمد نے اس طرح کیا ہے کہ ایک رات بیدل کے ایک ہندو شاگرد نے جس کا تخلص رامی تھا اور جو خود کو فارسی اور ہندی دونوں زبانوں کا شاعر سمجھتا تھا، ایک ہندی شعر پڑھا جس کا مضمون مبتذل اور سوقیانہ تھا میں نے اس سے کہا بزرگوں کی ایسی وقیع محفل میں مبتذل شعر نہیں پڑھنا چاہئے۔ غصہ سے آگ بگولہ ہو کر اس نے کہا اچھا تو آپ ہی سنائیے اگر اس سے اچھا شعر آپ کو یاد ہو۔ خاکسار نے مشہور ہندی شاعر چنتامنی کے کچھ اشعار سنائے۔ بیدل میری طرف متوجہ ہو کر بولے میں ہندی سے واقف نہیں ہوں اس کی وضاحت کرو۔ میں نے شعر کے مضمون کی وضاحت کی تو وہ بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک اس کا لطف لیتے رہے پھر رامی کی طرف متوجہ ہو کر بولے

اس قسم کے ہندی اشعار پڑھنے چاہئے جس میں سراسر لطف اور مزہ ہے۔ (۷۷۹)

سید مرتضیٰ قانع:

قانع بیدل کا شاگرد تھا اور صاحب ذوق اور بلند طبع شاعر تھا۔ (۷۸۰)

احمد عبرت:

احمد عبرت بیدل کا بہت ہی لائق شاگرد تھا۔ ناصر علی کے ساتھ ایک ادبی مقابلہ میں عبرت کی کامیابی اس کے شاعرانہ ذوق اور اعلیٰ صلاحیت کو واضح کرتی ہے۔ خافی خان نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

''گویند چوں ناصر علی سرہندی این غزل را کہ نوشتہ می شود، طرح کردہ در شاہجہان آباد آوازہ انداخت کہ ہر کدام این غزل را جواب تواند رسانید، اگر در ملک سخن دعوی خدائی نماید من بوی ایمان می آورم۔ از اتفاقات ہیچیک از صاحب طبعان، لب بجواب نکشاد مگر احمد عبرت تخلص کہ از خدمت میرزا عبد القادر بیدل فیض وافر داشت، باشارہ میرزا غزلی در جواب رسانید۔ شیخ ناصر علی بعد از استماع آن سکوت ورزید۔ شعر طرح از ناصر علی:

تو چوں در جلوہ آئی، مغز جان سیماب می گردد   تجلی می کند بر تیکہ آتش آب می گردد (۷۸۱)

کہتے ہیں ناصر علی سرہندی نے درج ذیل غزل کا شعر طرح کے طور پر پیش کیا اور شاہجہان آباد میں ڈنکا پٹوادیا کہ جو آدمی اس غزل کا جواب لکھ کر پیش کرے گا اگر وہ کشور شعر میں خدائی کا دعویٰ کرے تو میں اس پر ایمان لے آؤں گا۔ اتفاق سے کسی صاحب طبع نے لب کشائی کی جرأت نہیں کی البتہ احمد عبرت نام کے ایک شاعر نے جس نے بیدل کی خدمت سے بہت فیض اٹھایا تھا، مرزا کے اشارہ پر ایک غزل لکھ کر سنائی شیخ ناصر علی اسے سن کر خاموش ہوگیا۔ ناصر علی کا طرح شعر یہ ہے:

تو چوں در جلوہ آئی، مغز جان سیماب می گردد   تجلی می کند بر تیکہ آتش آب می گردد

خوشگو کے مطابق عبرت دار الخلافہ دہلی کا نہایت خوش آواز مغنی بھی تھا۔ وہ سارنگی خوب بجالیتا تھا۔ اس پر بیدل کی خاص توجہ رہتی تھی تا آنکہ وہ ایک خوش فکر شاعر کی شکل میں نمایاں ہوا۔ تخلص بھی بیدل ہی نے اس کو عطا کیا تھا۔ بیدل کی صحبت میں حاضری کی وجہ سے توحید سے تعلق اور اس کا مذاق اس میں بھی پیدا ہوا۔ ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو بیدل دیر تک روتا رہا۔ (۷۸۲)

مرزا برخوردار بیگ فردی:

فردی ایک خوش فکر اور شوخ طبع شاعر تھا اور بیدل سے شاگردی کی نسبت اسے حاصل تھی۔ (۷۸۳)

شیخ سعد اللہ گلشن:

گلشن ایک مشہور شاعر ہے جس کو علوم ظاہری و باطنی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ شیخ عبد الاحد عرف گل محمد وحدت کے مریدوں میں تھا۔ شعر گوئی کی طرف اس کی توجہ اور رجحان کا یہ عالم تھا کہ فکر شعر کے دوران اگر کوئی ملاقاتی حاضر ہوتا تو اسے دیر تک انتظار کرنا پڑتا۔ خوشگو خود کو گلشن کا شاگرد لکھتا ہے۔ فکر شعر میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دن ناصر علی نے اسے بغلگیر کر کے کہا ''دور دور شما است ماخود ضعیف شدیم'' یعنی یہ دور تو تمہارا ہے، ہم تو اب ناتواں ہو چکے۔ گلشن تخلص بھی بیدل کا عطا کردہ ہے۔ گلشن بیدل کے بارے میں اکثر کہا کرتا تھا: جبکہ وہ تقریباً تیس ہزار اشعار کہہ چکا تھا اور فکر شعر میں ترقی کر رہا تھا ناصر علی کا زوال شروع ہوگیا تھا (۷۸۴)۔ میر غلام علی شیر صاحب ''مقالات الشعراء'' نے گلشن کو بیدل کے شاگردوں کی صف میں شمار کیا ہے۔ (۷۸۵)

حافظ محمد جمال تلاش:

تلاش بیدل کا ایک باذوق اور بلند طبع شاگرد تھا جس کو تخلص بھی اسی سے ملا ہوا تھا۔ خوشگو سے اس کے مخلصانہ روابط تھے۔ بیدل اس کے اشعار سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

بروز عید ہر شاہ و گدا گم می کند خود را   تو رفتی بر سمند ناز و من از خویشتن رفتم
خانہ زادان وفا را نالہ می باشد مدام   شیون ایجاد دست چینی ماتم فغفور را (۷۸۶)

شیخ عظمت اللہ کامل:

کامل مراد آباد کا باشندہ اور بیدل کا شاگرد تھا تخلص بھی اسی کا دیا ہوا تھا اور اس کی شاعرانہ زبان بھی اس نے درست کی (۷۸۷)۔ فن شاعری اور تاریخ گوئی میں مہارت رکھتا تھا یہ فن اس نے مرزا عبدالقادر بیدل سے سیکھا تھا۔ یہ شعر جس کو اس نے نعت میں کہا تھا، شریف مدینہ سے درخواست کی کہ روضۂ منورہ پر لکھ دیا جائے:

نگاہ چشم ممکن نیست بیند جلوہ دوست   کہ اللہ نقش دیوار است در محراب ابرویت (۷۸۸)

سید محمد اشرف حسرت:

اشرف قصبہ سندیلہ کا رہنے والا تھا جو لکھنؤ سے سولہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہ بیدل کا شاگرد اور صاحب ذوق اور بلند طبع شاعر تھا (۷۸۹)۔ آخر حیات میں مراد آباد چلا گیا اور وہیں بس گیا اس کا ایک شعر درج ذیل ہے:

خوں شود آں دل کہ از درد ضعیفاں خوں شد   بشکند رنگی کہ نتواند بروی ما شکست (۷۹۰)

شیخ صدرالدین محمد:

صدرالدین محمد ایک پشاوری طالب علم تھا۔ بیدل کی صحبت میں حاضری کی وجہ سے اس کی زبان کی لکنت جو شعر خوانی کے وقت پیدا ہو جاتی تھی دور ہوگئی۔ اس نے صنف رباعی میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔(۷۹۱)

صاحب باغ معانی لکھتا ہے ''صدرالدین قادری سلسلہ کے مشائخ کا ارادتمند تھا۔ بیدل سے کثرت اختلاط کے نتیجہ میں شاعری سے رغبت اس میں پیدا ہوئی اور شعر گوئی کی صلاحیت بہم پہنچائی اکثر رباعی کہا کرتا تھا جیسے۔

صف پاکاں کہ خاص خلق باریست　　　از نسبت جنس پوچ محو زاریست
زیں شرم کہ با سراب تہمت زدہ است　　　دائم غرق جبین دریا باریست(۷۹۲)

ممکن ہے یہ وہی صدرالدین ہو جس کی غزل شکر اللہ خاں نے بغرض اصلاح بیدل کے پاس بھیجی تھی۔ بیدل نے جواب میں لکھا کہ اس نے شاعری پر اپنی قدرت کے اظہار کے لئے یہ اشعار برجستہ کہے ہیں اور ہم سے اس کی قبولیت و پسندیدگی کا امیدوار ہے اگر وہ خود اس پر غور کرتا تو خود اس کی اصلاح کر سکتا تھا۔ اس خط کا عنوان ہے ''جواب نامہ شکر اللہ خاں در تکلیف اصلاح غزل صدرالدین خاں''۔

''بفکر بدیہہ پرداخت و بامید قبول طبع معانی پسند، طبیعت را مستعد اموری شناخت لیکن باقی غزل وقتی بمعرض توہم آوردہ کہ از عہدۂ آن مگر ہماں خودش تواند برآمد''(۷۹۳)

میر معصوم وجدان:

معصوم وجدان میر محمد زمان راسخ کا لڑکا تھا جو بیدل کے احباب میں تھا جس کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ اپنے باپ کی طرح وجدان بھی شاعرانہ ذوق کا حامل تھا۔ شروع میں بیدل سے مشق سخن کرتا تھا۔ اس کے بعد پنجاب جا کر یگانہ روزگار ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے لگا(۷۹۴)۔ بقول آزاد بلگرامی وجدان شاعری میں اپنے باپ سے گوے سبقت لے گیا(۷۹۵)۔ حاکم لاہوری کے مطابق وہ حضرت سید میر کلال سادات سرہند کی اولاد سے تھا۔ فرخ سیر کے زمانے میں میر جملہ کے ہمراہ لاہور آیا۔ کچھ عرصہ کے لئے دہلی چلا گیا لیکن جب وہاں کوئی سلسلہ نہ بنا تو واپس لاہور چلا آیا۔ یہاں سیف الدولہ عبدالصمد کے پاس ملازم ہوگیا۔ نواب مذکور شعر فہم اور شاعر نواز تھا، اس نے اس کی خاصی مدد کی اور اپنا ہمدم بنا لیا اور ہر روز عصر سے پہلے یہاں ایک مشاعرہ ہوتا جس میں یہ سرخیل شعرا ہوتا۔ نواب سیف الدولہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے زکریا خاں کے پاس رہا۔ ۱۱۱۰ھ میں لاہور میں وفات پائی۔(۷۹۶)

محمد پناہ قابل:

قابل کشمیر کا باشندہ تھا ذاتی فضل و کمال کے ساتھ فارسی زبان پر بھی اسے مکمل قدرت تھی اور بیدل کی خدمت میں مشق سخن کرتا تھا۔(۷۹۷)

شیخ محمد احسن سامع:

سامع راجہ ٹوڈرمل کی نسل سے تھا، اس کے دادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ شروع میں بیدل کی صحبت سے استفادہ کرتا تھا اور اکثر اس کے پاس حاضری دیا کرتا تھا۔ بیدل کے انتقال کے بعد حکیم الممالک شیخ حسین شہرت کی شاگردی اختیار کی۔(۷۹۸)

مغل خان قابل:

مغل خان بیدل کا شاگرد تھا جو طبع موزوں کا حامل تھا۔(۷۹۹)

معنی یاب خان شاعر:

گل محمد نام اور شاعر اس کا تخلص تھا۔ شاعر بیدل کا ایک شاگرد رشید تھا، وہ بسیار گو اور خوب گو تھا۔ غزل، مثنوی، قصیدہ اور رباعی وغیرہ مختلف اصناف کلام میں طبع آزمائی کرتا تھا۔ بیدل کی شاگردی کے سبب اکثر اس کی خدمت میں حاضری دیتا۔ بیدل اسے بہت عزیز رکھتا تھا اور اپنی عصا اور شمشیر بھی اسے عطا کی تھی۔ بیدل کی وفات کے بعد یہی شاعر تھا جو عرس بیدل کا اہتمام کرتا تھا(۸۰۰)۔ درگاہ قلی خاں نے مرقع دہلی میں عرس بیدل کی جو تفصیلات پیش کی ہیں اس میں اس کا ذکر آتا ہے آگے چل کر 'عرس بیدل' کے عنوان سے اس پر بحث کی جائے گی۔

مہر علی بیکس:

بیکس متھرا کا باشندہ تھا اور قاضی زادہ تھا۔ بیدل کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی وجہ سے وہ ایک شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوا(۸۰۱)۔ بیکس کی ایک رباعی ملاحظہ ہو:

بیکس ز فراق داغ بر دل ماندی　　　بی وصل نگار پای در گل ماندی
ہر چند تلاش وصل دریا گوئی　　　لیکن چوں موج سر بساحل ماندی(۸۰۲)

ابوالفیض مست:

مست کا اگرچہ دعویٰ تھا کہ وہ باطنی طور پر سعدی کا شاگرد ہے۔ درج ذیل شعر کے ذریعہ اس نے خواب میں سعدی سے اپنی ارادتمندی اور شاگردی کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

رفتم بخواب جانب شیراز در سخن — شاگرد شیخ سعدی شیریں زبان شدم

لیکن بظاہر اس نے ایک خاص مدت بیدل کی صحبت میں گذاری ہے، اس سے استفادہ کیا اور اپنے کلام میں اصلاح لی ہے۔(۸۰۳)

میر رضی وحدت:

وحدت کے متعلق اگرچہ تذکروں میں کچھ نہیں ملتا تاہم تخلص بتاتا ہے کہ وہ شاعر تھا۔ رقعات بیدل میں ایک خط اس کے نام موجود ہے اس لئے ممکن ہے وہ بھی بیدل کا شاگرد رہا ہو۔ وحدت نے بیدل کو ایک حقہ بھیجا تھا بیدل نے اس کی شکرگزاری کے ساتھ یہ شکایت کی ہے کہ میرے پاس آمد ورفت میں تم کچھ کوتاہی کرنے لگے ہو۔

"ہرگاہ اقتضای اتفاق صحبتہا، نقاب آرزو می کشاید، قدم محبان در دیدہ مردمی می نماید ......حقہ ہای تحایف بہ قلقل خموشی مینائی کردہ اند"۔(۸۰۴)

لالہ حکم چند ندرت:

ندرت قصبہ تھانیسر کا باشندہ تھا۔ وہ خوشگو کا ہمدرس اور دوست رہا ہے۔ بچپن سے ہی لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھا اور شاعرانہ ذوق، ذہن رسا اور طبع بلند کا حامل تھا۔ اکثر بیدل اور شاہ گلشن کی صحبت سے استفادہ کرتا تھا۔(۸۰۵)

کر بخش حضوری:

حضوری پنجاب کا باشندہ تھا لیکن یہاں سے ہجرت کر کے اسلام آباد متھرا میں بس گیا تھا۔ بیدل کا شاگرد تھا اور سالوں اس کی صحبت سے فیضیاب ہو کر درجہ کمال کو پہونچا۔(۸۰۶)

سری گوپال تمیز:

تمیز برہمنوں کے سورج نسل سے تعلق رکھتا تھا وہ بھی بیدل کا شاگرد تھا۔(۸۰۷)

لالہ سکھ راج سبقت:

سبقت بیدل کے ہونہار ہندو شاگردوں میں تھا جو خود بیدل کے بقول اس کے تمام ہندو شاگردوں سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔(۸۰۸)

لالہ شیورام داس حیا:

حیا بیدل کا تخلص یافتہ شاگرد تھا۔ وہ طبع بلند اور شاعرانہ ذوق کا حامل ہونے کے علاوہ بیدل کی

کتاب "چہار عنصر" کے اسلوب میں اس نے ایک کتاب تصنیف کی تھی اور اس کا نام "گلگشت بہار ارم" رکھا تھا۔(۸۰۹)

امانت رام امانت:

بیدل کا ایک ہندو شاگرد تھا۔ خان آرزو نے لکھا ہے کہ خاکسار کا شاگرد ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ نواب علی امجد خان مرحوم کا منشی تھا۔ نواب کے انتقال کے بعد اس کی ہمشیرہ رحیم النساء بیگم سے اس کو وظیفہ ملتا تھا۔ اس نے ہندی کی مبسوط کتابوں کو فارسی نظم کا قالب دیا اور ایک ضخیم دیوان ترتیب دیا۔ وہ موزوں طبع شاعر تھا۔(۸۱۰)

رامی:

رامی کا تذکرہ سید محمد ابن عبدالجلیل نے اپنے روزنامچہ تبصرۃ الناظرین میں کیا ہے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یہ بھی بیدل کا شاگرد تھا۔(۸۱۱)

شاہ فصیح افصح:

شاہ فصیح بیدل کا شاگرد تھا اور افصح اس کا تخلص تھا۔ اس نے لمبی عمر پائی اور لکھنؤ میں ایک تکیہ بنا کر اپنی پوری زندگی درویشی اور فقیری میں گذار دی۔(۸۱۲)

ایجاد عبدالعزیز:

ایجاد بیدل کا ایک شاگرد تھا اس کا ایک شعر ہے۔

بصحرائے جنوں دیوانہ سامان چمن دارد — چو نرگس چشم حیرانی چو گل چاک گریبانی(۸۱۳)

ہنرور خاں عاقل:

عاقل خواجہ کامل کا بھائی تھا۔ آرزو کا بیان ہے کہ مجھ سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ چنانچہ اس عاصی کی تعریف میں اس نے ایک غزل بھی کہی ہے۔ ۱۷ سال پہلے اس کی وفات ہوئی۔ زندگی کا ایک حصہ اس نے آصف جاہ نظام الملک کی خدمت میں گذارا۔ آخر دکن سے شاہجہان آباد دہلی آیا اور یہیں خدا کو پیارا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بیدل کا شاگرد تھا کیونکہ اس کا انداز بیان بیدل کے انداز سے ملتا جلتا ہے۔ اس نے بیدل کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے:

سال تاریخ وفات بیدل رضواں مقام — از سر بیتابی دل گفتہ شد ختم کلام(۸۱۴)

✪✪✪

بیدل کے رقیب

چہار عنصر، رقعات اور تذکروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی عام مقبولیت، شہرت اور امراء و نوابین کے نزدیک اس کی غیر معمولی عزت اور اثر و رسوخ کی وجہ سے کچھ مشہور معاصر اس سے جلتے اور دل میں کدورت رکھتے تھے۔ شاید اسی بنا پر بیدل کے ان کے ساتھ دوستانہ اور مخلصانہ روابط قائم نہ ہو سکے۔

شاہد:

شاہد کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ شاعر تھا یا نہیں لیکن جیسا کہ نواب شکر اللہ خاں کے تذکرہ میں گذرا، یہ پہلا آدمی تھا جس نے بیدل سے اپنے حسد کا اظہار اعلانیہ طور پر کیا۔ شاہد نے دراصل بیدل کے شکر اللہ خاں اور شاکر خاں کے ساتھ نامہ نگاری کے انداز پر تنقید کی تھی لیکن اس کے پردہ میں اس کا اصل مقصد پوشیدہ تھا۔ بیدل کے ساتھ نواب کے روز افزوں مخلصانہ روابط، احترام اور محبت اس کے حسد اور جلن کا سبب ثابت ہوئی۔ اسی وجہ سے در ''تنبیہ شاہد'' کے عنوان سے اس کے نام ایک مخصوص خط میں بیدل نے نہ صرف یہ کہ اس پر سخت حملہ کیا بلکہ ایک طرح سے دشنام طرازی سے بھی باز نہیں آیا:

''ملحد بوزنیہ، حق ناشناس، مائدہ مفت خوری، خرس غولہ رنگ، سلسلہ نسناس آثاری'' (۸۱۵)

ناصر علی سرہندی:

ناصر علی سرہندی بقول ڈاکٹر انصاری بلاشبہ بیدل کے بعد عہد اورنگ زیب کا ایک بڑا شاعر ہے (۸۱۶)۔ بالکل اسی طرح اسے بیدل کا سب سے بڑا رقیب اور حریف بھی کہا جا سکتا ہے۔

ناصر علی کی شاعرانہ اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک بار نواب ذوالفقار خاں ابن اسد خاں کی تعریف میں اس نے ایک قصیدہ کہا۔ جب اس کا درج ذیل مطلع پڑھا:

ای شان حیدری ز جبین تو آشکار   نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

تو نواب موصوف نے اسے صلے میں ایک زنجیر ہاتھی اور خاصی رقم عطا کی اور کہا بس کرو کہ دوسرے اشعار کا صلہ دینے کی سکت مجھ میں نہیں ہے۔ (۸۱۷)

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے ناصر علی کو خاصی شہرت حاصل ہوئی اور اس دور کے شاعروں کا سرخیل ہو گیا تھا حتیٰ کہ سرخوش لکھتا ہے:

''در زمان بی فیض واقع شدہ والا چنیں نازک خیال می باید ملک الشعراء عصر باشد'' (۸۱۸)

بے فیض زمانہ میں پیدا ہوا تھا ورنہ ایسے نازک خیال شاعر کو تو اس دور کا ملک الشعراء ہونا چاہئے تھا۔ عظمت اللہ بیخبر لکھتا ہے:

''(بیدل) اگر چہ ہمعصر ناصر علی بود، اما بعد وفات او اعتبار تمام پیدا کرد۔'' (۸۱۹)

بیدل اگر چہ ناصر علی کا معاصر تھا پر اس کی وفات کے بعد ہی اسے مکمل عزت و اعتبار حاصل ہوا۔
لیکن شیخ احمد علی کا خیال ہے:

''ہر چند میاں ناصر علی غالب حریفی بمیرزا دارد لیکن باو نمی رسد'' (۸۲۰)

شیخ ناصر علی اگر چہ مرزا بیدل کا بڑا حریف تھا پر اس کے پائے کو نہیں پہونچ سکا۔
خوشگو شاہ گلشن کا درج ذیل مقولہ لکھتا ہے:

''ہنگامی کہ وی در حدود سی ہزار بیت گفتہ بود و در فکر شعر پیش رفت می کرد ناصر رو بکاہش کردہ بود۔'' (۸۲۱)

جس زمانہ میں بیدل تقریباً تیس ہزار اشعار کہہ چکا تھا اور شعر گوئی میں ترقی کر رہا تھا ناصر علی رو بہ زوال تھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنے عہد کے باکمال شاعر تھے اور اسی وجہ سے دونوں کے درمیان معاصرانہ چشمک جاری تھی اور دونوں کے اپنے اپنے کچھ حامی اور طرفدار تھے جو اپنے پسندیدہ شاعر کو دوسروں پر فوقیت دیتے تھے۔ خوشگو اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ انہیں حالات کے پیش نظر وہ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ میں نے شیخ گلشن سے کہا کہ کسی طرح ناصر علی کو آمادہ کیا جائے کہ مرزا بیدل کے گھر جا کر ان سے بات چیت کریں اور باہمی کدورت کو جو ان کے بیچ پیدا ہو گئی ہے دور کریں۔ گلشن نے جواب دیا ''ہوس تماشای جنگ فیلاں دارید'' یعنی ہاتھیوں کی کشتی کا تماشہ دیکھنے کا ارادہ ہے کیا؟ اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

از فضل حق ز ہر دو جہان رم گرفتہ ایم   یک در گرفتہ ایم و چہ محکم گرفتہ ایم (۸۲۲)

اب کچھ ادبی مناظرے کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان دونوں کے درمیان ہوئے تھے۔ شیر خاں لودی

کا بیان ہے کہ ایک دن بیدل شکراللہ خاں کی خدمت میں پہونچا، ناصر علی وہاں پہلے سے موجود تھا، بیدل جو غزل وہاں سنانے کو لایا تھا اسے پڑھنا شروع کیا، جس کا مطلع ہے:

نشد آئینہ کیفیت ما ظاہر آرائی   نہان ماندیم چون معنی بچندین لفظ پیدائی

ناصر علی نے دوسرے مصرعہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: یہ دعویٰ مسلمہ اصول کے خلاف ہے کیونکہ معنیٰ ہمیشہ لفظ کے تابع ہوا کرتا ہے، جب کوئی لفظ سامنے آتا ہے تو اس کا معنیٰ روشن ہو جاتا ہے۔ مرزا نے مسکرا کر جواب دیا جس معنیٰ کو آپ لفظ کا تابع کہتے ہیں وہ لفظ ہی ہے اس سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ لیکن اس حیثیت سے کہ وہ ایک حقیقت کا حامل ہے کسی لفظ کے جامے میں نہیں آتا ہے۔ پھر اپنے دعوے کی ایک مثال کے ذریعہ وضاحت کی جس طرح لفظ ''انسان'' تمام ان شرحوں کے باوجود جو کتابوں میں لکھا ہے اب تک اس کی حقیقت صیغۂ راز میں ہے۔ اس معقول جواب پر ناصر علی کو خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔ دوسرے اشعار اس قدر اسے پسند آئے کہ ان کو سن کر وجد کرنے لگا۔ منجملہ ان کے یہ شعر ہے:

از ہجوم کلفت دل نامہ بی آہنگ ماند   بوی این گل از ضعیفی در طلسم رنگ ماند (۸۲۳)

ایک اور واقعہ میر حسین دوست نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ناصر علی اس قدر خود بین و خود پسند واقع ہوا تھا کہ اپنے مقابلے پر کسی شاعر کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ ایک دن بیدل کی اس سے ملاقات ہوئی۔ ناصر علی نے پوچھا کیا نام ہے آپ کا؟ ''میں عبدالقادر بیدل ہوں'' بیدل نے جواب دیا۔ ناصر علی نے کہا ''اچھا آپ ہیں۔ آپ کے کچھ بہکائے ہوئے شاعر یہاں آئے تھے۔ اب بتاؤ کہ ان دنوں کتنے مضامین کا خون تم نے کیا ہے؟ مرزا اس وقت تو نرمی سے جواب دے کر گذر گیا۔ دوسرے دن ناصر علی مرزا کے گھر آیا۔ بیدل نے اسے اپنی مثنوی طور معرفت سنانی شروع کی جب اس شعر پر پہونچا:

مزن بر ہیچ سنگی سخت دستی   کہ مینا در بغل خفتہ است مستی

(کسی سخت پتھر پر ہاتھ نہ مارنا کہ وہاں پر کوئی مست بغل میں شیشہ لئے سویا ہوا ہے)

ناصر علی نے کہا دوسرا مصرعہ اچھا کہا ہے، بیدل نے کہا تو پہلا مصرعہ آپ ہی تضمین فرمائیے، ناصر علی نے جواب دیا مصرعہ اول کہنا میرے وقار کے خلاف ہے۔

تیسرا واقعہ عبدالرزاق خاں خوافی نے بیان کیا ہے جس کا تذکرہ احمد عبرت کے احوال کے ضمن میں ہوا۔ (۸۲۴)

یہ واقعات کتنے سچے ہیں یہ کہنا مشکل ہے البتہ ان تین واقعات کے درمیان شیر خان لودی کا

بیان اس لحاظ سے زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ شکراللہ خاں کے متوسلین میں تھا اور اس کے اور بیدل کے درمیان خوشگوار تعلقات تھے۔ اس لئے ایسا لگتا ہے کہ اس نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہو۔ ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

نواب شکراللہ خاں کے نام جو خط ناصر علی کا ہے وہ انانیت سے بھرپور ہے اور خودستائی کا بہترین نمونہ ہے۔

''مرا از وکالت خود برآوردند و بہ حضرت کبریای خود تسلیم نمودند ''سخن'' نام دولت دادند مصئون از زوال۔ اگر بہ پشت گرمی اوشکم چون کمان بر پشت بندم، زور تن وقوت دل بجاست۔ و معنی لقب لشکری کہ اگر بعالم گیری سر برآورم، رواست......حرفی کہ بخاطر نکذ شتہ، فکر دنیاست، ونقشیکہ در سینہ جا نگرفتہ، یاد عقبی۔'' (۸۲۵)

اس لئے کچھ بعید نہیں کہ یہ واقعات پیش آئے ہوں۔ ان تینوں واقعات سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ناصر علی کو ہمیشہ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس پس منظر میں شیخ احمد کا بیان زیادہ صحیح اور مستند معلوم ہوتا ہے۔

ناصر علی کی اس عجب و خود پسندی کی وجہ سے ۱۱۰۸ھ میں ناصر علی کی وفات کے موقع پر بیدل نے جو تاریخ کہی وہ ایک حد تک طنز پر مشتمل ہے۔

''رنگ ناز بہ شکست''۔ (۸۲۶)

افضل سرخوش:

سرخوش بھی ایک مشہور شاعر ہے جس کو بیدل کے حریفوں میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ناصر علی کے تعاون اور اس کے اشارہ پر اکثر وہ ایسے کام کرتا جو بیدل کی کدورت کا سبب ہوتا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ اپنے تذکرہ میں اس نے لکھا ہے:

''فقیر سرخوش، باشارہ میان ناصر علی، چند بیت ایشان را پیش مصرع رسانده، مطلع برجستہ ساختہ، اگر چہ ایشان شنیده محظوظ نشدند، از روی غیرتیکہ تلامذہ رحمانی رامی باشد بردند، اما یاران منصف مزاج و عزیزان نازک فہم بسیار پسندیدند۔'' (۸۲۷)

خاکسار سرخوش ناصر علی کے اشارہ پر ان کے چند اشعار کے پیش مصرعہ بنا کر برجستہ مطلع کہے اگر چہ ان کو سن کر اس غیرت کی بنا پر جو تلامیذ الرحمٰن کو ہوتی ہے محظوظ نہ ہوئے لیکن منصف مزاج اور نازک فہم احباب نے بہت پسند کیا۔

بیدل	سرخوش
به فرصت گه آخرست تحصیلم	ز بی ثباتی عشرت سرشته اندمرا
برات رنگم و برگل نوشته اندمرا	برات رنگم و بر گل نوشته اندمرا

☆

بیدل	سرخوش
عوارض کثرت وہمی ست ذات وحدت مارا	دوئی کی ذات وحدت را به کثرت رہنما گردد
خلل در شخص یکتا نیست گر قامت دوتا گردد	خلل در ذات یکتا نیست گر قامت دوتا گردد

☆

بیدل	سرخوش
شخص پیری، نفی ہستی می کند ہشیار باش	جلوه گاه نقش پیری تختۂ مشق فنا ست
صورت قد دو تا آئینہ ترکیب ماست	صورت قد دو تا آئینہ ترکیب ماست

☆

بیدل	سرخوش
بے تکلف مرگ هم آسان نمی آید بکف	نیست از شمع اجل آسان نگاه افروختن
از تماشائے جہانے چشم باید دوختن	از تماشائے جہانی چشم باید دوختن

سرخوش شیعی مذہب کے پیرو تھے، اور بیدل سنی تھے، مرزا سرخوش نے نعت اور منقبت میں ایک ایک رباعی لکھ کر بیدل کے پاس بھیجی۔

در فضل و کمال ذات احمد یکتاست — اسلام قوی ز یاری شیر خداست
عین ایشان نتایج ایشانند — ہچوں دو الف کہ یازده زاں پیدا است

بیدل نے بھی جواب میں یہ رباعی لکھ کر بھیجدی۔

آن چار خلیفه رسول معبود — کز ابجد وضع شان عشر شد موجود
بے نقطہ شک بذات یکتائے نبی — چوں جمع کنند یازده خواہد بود

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ اس کی سرگرمیوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بیدل کی عام مقبولیت اور امراء کی نگاہ میں اس کی عزت کو بٹہ لگے اس لئے کوئی عجب نہیں اگر وہ بیدل کی کدورت کا سبب ہوا ہو۔

لیکن ۱۱۱۵ھ میں اپنے اصلاح کردہ تذکرہ میں بیدل کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ اس سے اس کی غیر معمولی ستائش کی بو آتی ہے۔

''......بالفعل کسی در عالم نیست مگر در زمان سلف امیر خسرو و مولوی جامی خواہند بود۔ درین عہد وجود او از مغتنمات است۔'' (۸۲۸)

سردست اس وقت دنیا میں کوئی اس کا مقابل نہیں البتہ گذشتہ ادوار میں امیر خسرو اور مولوی جامی رہے ہیں۔ اس دور میں ان کا وجود غنیمت ہے۔

ممکن ہے یہ اعتراف ناصر علی کے انتقال کے بعد کیا ہو اگر سرخوش کا ذکر کرتے ہوئے خان آرزو لکھتا ہے:

''انصافی کہ در مزاج آں عزیز بزرگ دیدہ شد کم بنظر آمدہ، در طبع مرزا بیدل عشر عشیر آں نہ بود۔'' (۸۲۹)

اس عزیز یعنی سرخوش کے مزاج میں جو اعتدال اور انصاف تھا بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آیا، بیدل کی طبیعت میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔

حکیم میرزا نعمت خان عالی:

نعمت خان عالی ایک زبردست اور قادر الکلام شاعر اور ادیب تھا، خصوصاً اپنے علمی و ادبی مناظرہ کے لئے سارے ہندوستان میں مشہور تھا۔ بقول خوشگو عالی ایک عالم اور فاضل آدمی تھا اور اکثر علوم میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ انہیں اوصاف کی بنا پر وہ پانصدی سے لیکر سہ ہزاری تک کے مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ اس کا وہ واحد عیب جو اس کے سارے کمالات پر پانی پھیر دیتا ہے اس کی ہزل گوئی ہے۔ جو اس کے مزاج اور طبیعت کی خمیر بن چکی تھی۔ بیدل کی زبان پر جب بھی اس کا نام آتا تو ''حاجی ہجوی'' سے اسے خطاب کرتا (۸۳۰)۔ خوشگو کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ بیدل اور نعمت خاں عالی کے درمیان اختلاف رہا ہے اور چونکہ عالی ہزل گوئی کا عادی تھا اس لئے امکان اس بات کا ہے کہ اس نے بیدل کی بھی ہزل کی ہوگی اور بیدل نے اسے جواب میں حاجی ہجوی سے تعبیر کیا ہو۔ ڈاکٹر نور الحسن انصاری لکھتے ہیں:

''تعجب ہے کہ عالی نے اپنے ہمعصر شاعروں اور ادیبوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی ان کی کلیات میں کسی شاعر کی ہزل نہیں ہے پھر بھی بیدل خائف رہتے تھے اور انہیں حاجی ہجوی کہا کرتے تھے۔ البتہ عالی نے حکیموں اور طبیبوں کی خوب خبر لی ہے۔'' (۸۳۱)

لیکن ''ہجو'' سے مراد بیدل کی شاید عام ہجو ہو جیسا کہ مآثر الامراء میں لکھا ہے:

''اکثر امراء و نوینان زخمی تیغ زبان او بودند و تشنہ خونش بودند و او دست از کنایہ و ہجو بر نمی داشت۔'' (۸۳۲)

یعنی اکثر امراء اور تعلقدار اس کی شمشیر زبان سے گھائل تھے اور اس کے خون کے پیاسے

رہتے تھے لیکن وہ کسی طرح کنایہ اور اشارہ اور طنز و ہزل سے باز نہیں آتا تھا۔

انہیں امراء میں میر کامگار خاں ابن جعفر خاں تھا جس کی والی حیدر آباد ابوالحسن کے وزیر اعظم سید مظفر کی جوان لڑکی سے (۱۰۹۹ھ-۱۶۸۷ء میں) شادی کے موقع پر اس نے ایک نظم کہی جو طنز و استہزا اور فحش گوئی پر مشتمل ہے۔

کد خداشد بار دیگر خان عالی مرتبت   باکمال عز و تمکین و وقار و زیب و زین (۸۳۳)

جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا، کامگار خاں بیدل کا بہت ہی مخلص دوست تھا۔ بیدل سے اسے بڑی عقیدت اور ارادت تھی، وہ اس کی قدر افزائی اور دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ خود بیدل بھی اس کا بڑا احترام کرتا اس لئے ظاہر ہے کہ بیدل اس کی شان میں اس گستاخی کو کیسے پسند کرتا۔ شاید اسی بنا پر اس نے اسے حاجی ہجوی کا خطاب دیا ہو۔ ممکن ہے کامگار خاں کے علاوہ دیگر امراء جیسے شکر اللہ خاں اور آصف جاہ اول کی شان میں بھی ہجویہ نظمیں کہی ہوں اور یہ سب بیدل کے نہایت محبوب دوست تھے۔ بیدل کا نظریہ ہے کہ

ستم می پرورد آغوش گل از خار پروردن   زبانی را کز و کار درود آید بسب مکشا

پھول اپنی آغوش میں کانٹے کی پرورش کر کے خود آپ پر ستم ڈھا رہا ہے۔ جو زبان درود و سلام کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے اسے گالم گلوج اور سب و شتم کیلئے استعمال مت کرو۔

خان آرزو نے نعمت خان کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے درج ذیل شعر

دارد چہ سر انجام خوشی خانۂ دنیا   جاں ہیچ، جسد ہیچ، بقا ہیچ، فنا ہیچ

کا بیدل کے ایک شعر سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے

''فقیر آرزو گوید کہ مصرعہ مذکور باندک تغیر مرزا عبدالقادر بیدل نیز گفتہ چناں کہ گوید:

ای ہستی تو تنگ عدم تا بہ کجا ہیچ   جاں ہیچ، جسد ہیچ، بقا ہیچ، فنا ہیچ

لیکن بر سخن فہم پوشیدہ نیست کہ شعر مرزا بیدل بسیار بلند رتبہ است۔ (۸۳۴)

آرزو کا خیال ہے نعمت خاں عالی کے مذکورہ مصرعہ کو بیدل نے تھوڑی تبدیلی کیساتھ کہا ہے لیکن سخن فہم حضرات پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ بیدل کا شعر بہت بلند پایہ ہے۔

عبدالرحیم:

عبدالرحیم کے بابت خوشگو کے بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اکبر آباد کے قیام کے دوران بیدل کا اس سے سابقہ پڑا۔ وہ ایک موزوں شاعرانہ طبع کا حامل تھا۔ ایک دن بیدل پالکی پر سوار

ہو کر کہیں جا رہا تھا کہ اس نے درج ذیل شعر لکھ کر پالکی میں ڈال دیا۔

چہ خطا در خط استاد ازل دید آیا   کہ باصلاح عزیزانش نیاز افتادہ است

استاد ازل کے خط میں کیا غلطی اسے نظر آئی کہ اس کی پیاری چیز (داڑھی) کی اصلاح کی ضرورت اسے پڑی۔

بیدل نے اسی وقت اس کا جواب لکھ کر اسے دیا

مختصر کن بہ تغافل ہوس جنگ وجدل   مد سررشتہ تحقیق دراز افتادہ است (۸۳۶)

لڑائی دنگے کی خواہش کو تغافل سے کام لیکر کم کرو، سر رشتہ تحقیق کا سرا بہت لمبا واقع ہوا ہے۔

عبدالرحیم نے اپنے شعر میں بیدل کی خطا یعنی ''ریش تراشی'' پر اعتراض کیا تھا لیکن در پردہ اصل محرک وہ مناظرے معلوم ہوتے ہیں جن سے بیدل کو اکثر اپنے معاصر شاعروں اور ادیبوں کی طرف سے سابقہ پڑتا تھا۔ چنانچہ اکبر آباد میں میر کامگار خاں کے اشارہ پر جو ادبی مناظرہ ہوا اور جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گذری اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے۔ یہاں بیدل کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اکبر آباد کے شاعروں کی ایک خاص تعداد اس سے جلتی تھی اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ چنانچہ از راہ تحقیر انہوں نے بیدل سے کہا:

''......بیدل را از طور افکار آنقدر بعد و بیگانگی نیست کہ بوسیلہ بیتی یا مصرعی، قرب آشنائی تواند جستن یا بعرق جبہہ فکری، گرد انفعال نا مناسبتی تواند شستن۔'' (۸۳۷)

یعنی بیدل کو اعلیٰ افکار و خیالات سے اتنی بیگانگی اور بے تعلقی نہیں ہے کہ ایک شعر یا مصرعہ کہہ کر ہم شاعروں کا تعارف اور تقرب حاصل کر سکے۔

ناظم خان فارغ:

تاریخ فرخ شاہی کا مصنف ناظم خان فارغ کو اس واقعہ کی بنا پر جس کا تذکرہ خوشگو نے کیا ہے بیدل کا حریف کہا جاسکتا ہے۔ فارغ نے ایک دن اپنے گھر پر ضیافت کا انتظام کیا۔ اس میں بیدل کو بھی دعوت دی، ضیافت سے فراغت کے بعد ناظم خاں نے بیدلؔ سے مخاطب ہو کر طنزیہ انداز میں کہا۔ جناب والا کے درج ذیل شعر میں ایک نہایت ہی انوکھے روزمرہ کا استعمال ہوا ہے:

تونگری کہ دم از فقر می زند، غلط است   بموی کاسہ چینی نمد نمی بافند

مرزا نے جواب دیا: خاں صاحب میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ آپ کے طنز کو نہ سمجھ سکوں۔ خاں موصوف نے دوبارہ کہا واللہ جناب والا کا ایجاد کردہ یہ ایک انوکھا روزمرہ ہے، بیدل نے پوچھا: اچھا تو

قدیم شاعروں میں آپ کس کو مستند اور معتبر سمجھتے ہیں؟ اس نے کہا قدیم شاعروں میں جا ہے جو ہو۔ بیدل نے اسی وقت قدیم شاعروں میں عسجدی، فرخی، معزی، مسعود سعد سلمان اور دوسرے شاعروں کے کلام سے سترہ معتبر سندیں ''نمد بافتن'' کی پیش کر دیں۔ ناظم خاں انتہائی حیرت زدہ ہو کر بولا:

''واللہ ہر کہ دراستادی این عزیز شک آرد، بی شک کافر باشد۔'' (۸۳۸)

خدا کی قسم جس آدمی کو اس عزیز کی استادی میں شبہ ہو وہ بلاشبہ کافر ہے۔

خوشگو کا بیان ہے کہ اس مناظرہ میں شکست کھانے کے بعد وہ ساری زندگی بیدل کا ارادتمند رہا۔

بہر حال ایک ضیافت کا انتظام کرنا، بیدل کو اس میں دعوت دینا، شاعروں کی محفل میں اس کے ایک شعر کو پڑھنا اور اس پر اعتراض کرنا پھر بھری محفل میں بیدل سے بحث کرنا اس نیت کو واضح کرتا ہے جو اس کے دل میں چھپی تھی ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ خلوت میں یا خود بیدل کے گھر جا کر اس محاورہ کی بابت تبادلہ خیال کرتا۔ خوش قسمتی سے بیدل کو اس مناظرہ میں کامیابی ہوئی اور ناظم خاں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

✪✪✪

غیر شاعر احباب

بیدل کے رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تعلقات ایسے لوگوں سے بھی تھے جو شاعر یا ادیب نہ تھے۔ ان سے تعلقات کی نوعیت محض سماجی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ بیدل کی خوش اخلاقی، انسان دوستی اور خلوص و محبت کی وجہ سے اس سے مخلصانہ روابط رکھتے تھے۔

مرزا ابوالوقار:

مرزا ابوالوقار کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیدل کے ان دوستوں اور عقیدتمندوں میں تھا جو اکثر اسے ہدیے اور تحائف بھیجا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے اخلاق کی شکر گذاری میں لکھتا ہے۔

از نعمت بیخواست کفران نتواں زد　　محتاج نیم لیک کریم است کریم

''تحائف آثار اخلاق، از عالم بی شائبہ اطلاق، ورود نوازشہا فرمود۔'' (۸۳۹)

بے مانگے ملنے والی نعمت کی ناشکری نہیں کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ میں محتاج نہیں ہوں پر میرا کریم بہت ہی مہربان ہے۔ اخلاق حمیدہ کی نشانیوں پر مشتمل تحفوں نے اطلاق کے عالم بے شائبہ سے نوازشیں فرمائیں۔

میرزا محمد معین:

مرزا محمد معین بیدل کا ایک ایسا دوست تھا جو چھری چاقو پر سان لگانے کا کام کرتا تھا۔ بیدل اپنے چاقو پر سان لگانے کے واسطے اس کے پاس بھیجا کرتا تھا اور وہ اس کام کو نہایت خوبی سے انجام دیتا تھا۔ بیدل اس کی تعریف میں لکھتا ہے:

''از ناز کیہای پرداز کارد چہ نویسد، کہ اگر بسمل، تصور لطافتش بخاطر آرد محتاج زخم دوبارہ می تواند گردید۔ واز کیفیت اختراع غلاف چہ نگارد، کہ اگر معنی، شوخی عریانی بخیال اندیشد، خود را باین لباس تواند پوشید۔'' (۸۴۰)

چاقو کے سان کی نزاکت کی بابت کیا تحریر کریں بس یہ سمجھئے کہ مقتول اگر اس کی لطافت کا تصور کرے تو دوبارہ مقتول ہونے کی تمنا کرے اور اس کے دستے کی کیفیت کی بابت کیا لکھیں کہ اگر معنی شوخی عریانی کا خیال کرے تو خود کو اس لباس سے زیب تن کر لے۔

ملا باقر گیلانی:

ملا کے لفظ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ان احباب میں تھا جو شاعر یا ادیب تھے۔ اگرچہ اسے خارج از امکان نہیں قرار دیا سکتا لیکن اس کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر بیدل کی صحبت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ بیدل نے اسے طول امل اور ناپائداری عمر کی بابت دلنشیں انداز میں کچھ نصیحت کی۔

''حصر حدود طول امل، دراحاطہ ادراک عمل محال۔ وحمل دوام عمر دردل آگاہ واسطہ گرد ملال الخ''(۸۴۱)

''طول امل'' کے حدود کو عمل کے احاطہ ادراک میں منحصر اور موقوف کرنا محال ہے اور ''دوام عمر'' کی خواہش کو دل آگاہ پر زبردستی تھوپنا گرد ملال کا ذریعہ ہے۔

شیخ غلام محی الدین:

شیخ غلام محی الدین بیدل کا ایک دوست تھا، بیدل سے ارادت کی بنیاد پر اکثر اسے آم بھیجا کرتا تھا۔ بیدل شکریے میں لکھتا ہے:

''ارسال انبہ ہای منتخب، کہ ہر یک از لذتی سربستہ، نوید ذوقی تمام داشت، تلخکامان زاویہ بیدلی را، تا زبان بچاشنیہای حصول شکر انباشت۔''(۸۴۲)

منتخب آموں کے ارسال نے، جس میں سے ہر ایک آم لذت سربستہ کی وجہ سے مکمل لطف کی نوید کا حامل تھا، گوشہ بیدل کے تلخ کاموں کو زباں تک شکر کی چاشنی سے بھر دیا۔

میرزا ابوالخیر:

مرزا ابوالخیر ان لوگوں میں تھا جن سے بیدل کے مخلصانہ روابط برقرار تھے۔ اس کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر بیدل کی صحبت میں حاضر رہتا تھا ایک دفعہ جب کچھ مدت کے لئے بیدل کی صحبت سے غیر حاضر رہا تو بیدل نے مضطرب ہو کر اسے لکھا:

''شرح آشفتگیہای طرہ احوال، بشانہ پردازی سعی قلم، کہ در زبان بیدل بیش ندارد محال ......حیف قدر شناسیہا، کہ آن شمع انجمن وفاق، کدورت غریب اوہام را، فانوس چراغ یگانگی پسندد، وخلاف عہد انصاف، بالتفات پروانہای بیدل نہ پیوندد

سیر این گلشن غنیمت دان کہ فرصت بیش نیست   در طلسم خندۂ گل، بال و پر دارد بہار (۸۴۳)

زلف احوال کی آشفتگیوں کی شرح سعی قلم کی شانہ کشی سے جو بیدل کی زبان میں ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ محال ہے افسوس ہے قدر شناسی کا کہ انجمن وفاق و دوستی کی وہ شمع اوہام کی انوکھی کدورت کو چراغ یگانگی کا فانوس ہونا پسند کرے؟ اور عہد انصاف کے خلاف بیدل کے پروانوں پر توجہ نہ کرے۔ اس باغ کی سیاحت کو غنیمت سمجھو کیونکہ فرصت کچھ زیادہ نہیں ہے خندہ گل کے طلسم میں بہار کے بال و پر چھپے بیٹھے ہیں کہ وہ کسی وقت بھی اڑ سکتے ہیں۔

میرزا فاضل بیگ ترک:

مرزا فاضل بیگ کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بیدل کے سماجی روابط برقرار تھے۔ بیدل نے اسے ایک مفرح حقہ بھیجا تھا۔

''حقہ مفرحی کہ چون سر سودائیان شوق، خالی از گرمی خیالی نیست، بذوق نشأ قبول آن محفل آرای دماغ فطرت رسول بود۔''(۸۴۴)

حقہ مفرح جو سودائیاں شوق (مجنونوں) کے سر کی طرح خیالی گرمی و حرارت سے خالی نہیں ہے، اس محفل آرای دماغ فطرت کے نشہ قبول کی امید کے ساتھ روانہ خدمت ہے۔

مرزا فاضل بیگ ترک کے بعد پانچ اور رقعات بغیر عنوان کے پائے جاتے ہیں اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ منجملہ ان کے ایک خط ہے جو بہار کے کسی شخص کے نام لکھا گیا ہے۔ اس خط میں بیدل ان ایام کو جو بہار میں گذارے ہیں نہایت خوشی کے ساتھ یاد کرتا ہے۔

''نعیم عیش صوبہ بہار مبارکباد۔ قبلہ آرزوی بیدلان! ہرچند عبودیت قدیم ہیچ حالتی از ادای خدمات سر برنمی آرد قوی از بستر آرایان حرکات نارساست۔ وحواس از گوشہ گیران انتظار کمین، در امور جرات سراپا منفعل نفس شماری ست۔ و در سعی طاقت آئینہ وار نگونساری۔ درین اوقات صوابی بقبول عذر بیدلان ملاحظہ نہ نمایند۔ السنہ بترحم احوال بیدست و پایان تصور نہ فرمایند۔

در پیریم آخر بته یار امید   اعضا درہم شکست چون سایه بید
از بسکه نگاه ہرزه تازیہا داشت   مژگان یکسر چو جاده گردید سپید(۸۴۵)

والسلام

ممکن ہے اس خط کے مکتوب الیہ خواجہ پیر محمد کے بیٹے ہوں جن کا مکان مہسی ضلع چمپارن میں مرزا قلندر کے پڑوس میں تھا اور جن کے اخلاق حمیدہ سے بیدل بہت متاثر تھا۔

یہ فہرست ہے ان لوگوں کی جن کے بارے میں رقعات یا تذکروں میں کچھ تفصیلات موجود ہیں اور ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی طرف بیدل نے رقعات اور قطعات میں صرف اشارہ کیا ہے ان کے بابت کسی اور مآخذ میں کچھ نہیں ملتا۔ منجملہ ان کے ہیں مرزا عمر (۸۴۶)، مرزا حیدر (۸۴۷)، احمد بیگ (۸۴۸)، آتش خاں (۸۴۹) جو غالباً ایک امیر تھا جو ۱۰۹۶ھ میں شہزادہ کام بخش کے ساتھ ایک بڑی فوج اور پانچ سو سواروں کیساتھ گولکنڈہ روانہ ہوا۔ (۸۵۰)، صلاح خاں (۸۵۱) یا رقعات میں بیدل نے ان کا تذکرہ ضمنی طور پر کیا ہے لیکن ان کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے جیسے احمد خاں (۸۵۲) مرزا ملتانی (۸۵۳) فتو خاں (۸۵۴) شیخ غلام مصطفیٰ ناطق (۸۵۵) حکیم فیض علی و (۸۵۶) ظفر جنگ (۸۵۷) یہ بھی امرا میں تھا پورا نام خان جہاں ظفر کوکلتاش ہے۔ ۱۰۹۵ھ میں بہادر گڈھ کے قلعے کو فتح کرنے والوں میں تھا (۸۵۸)۔ بیدل نے دیوان میں ایک غزل اسی کے بابت کہی ہے۔

تو شمشیر حقی، ہرکس بغفلت با تو بستیزد   ہماں در کاسه سر خوں او را کردنش ریزد

تو خدائی تلوار ہے، جو آدمی از راہ غفلت تجھ سے الجھے گا اس کا خون کاسہ سر میں بہہ کر ہی رہے گا۔

دعای بیدلاں از حق امید ایں اثر دارد   که یارب آتش از بنیاد اعدای تو برخیزد

خدا سے بیدل نے جو دعا کی ہے اس میں اس اثر کی امید پائی جاتی ہے کہ خدایا تیرے دشمن کی بنیاد سے آگ بھڑکائے۔

بہرجا در رسد آوازۂ کوس ظفر جنگت   ہمہ گر شیر باشد زہرہ اش چوں آب می ریزد

ظفر جنگ تیرے نقارہ کی آواز جہاں جہاں بھی پہنچتی ہے اگر وہ شیر کی طرح بہادر ہو تو بھی اس کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔

غبار موکبت ہر جا نماید غارت آہنگی   حسود از بی پرو بالی بدوش رنگ بگریزد

تیری سواری کا غبار جہاں بھی غارت آہنگی کی نمائش کرتا ہے حاسد اپنی بے پر و بالی کے سبب رنگ کے دوش پر سوار ہو کر فرار کر جاتا ہے۔

ببالد آفتاب اقتدار از چرخ اقبالت   بفرق دشمن جانت فلک خاک سیه بیزد(۸۵۹)

تیرے چرخ اقبال کی وجہ سے آفتاب اقتدار میں بالیدگی ہے، تیرے جاہ و مرتبے کے دشمن کی پیشانی پر آسمان سیاہ خاک اڑاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور غزل میں اس کو مخاطب کیا ہے۔

اے "ظفر" شیفتۂ ہمت نصرت فالت   چمن فتح تبسم کدۂ اقبالت
آیت فضل و سخا شان ترا آیینه دار   نص تحقیق وفا ترجمۂ اقوالت
در مقامیکه شکوہت فشرد پای ثبات   کوه بازد کمر از سایۂ استقلالت
روح اعدا ہمه گر ہمسر سیمرغ شود   نیست جز صعوه شاہین قضا چنگالت
سرگردن شکنان دوختۂ نقش قدم   تاج شاہان غیور آبلۂ پامالت
یارب از ملک اجابت بداعی بیدل   کند اقبال ازل تا ابد استقبالت

(دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص ۱۷۹)

غلام حسن مجددی نے کچھ اور لوگوں کے بابت معلومات فراہم کیے ہیں لیکن ان کے مآخذ کا تذکرہ نہیں کیا ہے:

۱۔ سید جعفر روحی (وفات ۱۱۵۴ھ) شاہ عالم کی سلطنت کے عہد میں شاہجہاں آباد دہلی آیا اور بیدل سے ملاقات کی۔ (۸۶۰)
۲۔ عمدۃ الملک نواب امیر خان انجم (وفات ۱۱۵۹ھ) بیدل کے شاگردوں میں تھا (۸۶۱)۔
۳۔ مرزا مبارک اللہ ارادت خاں واضح (وفات ۱۱۲۸ھ) بیدل کا شاگرد تھا۔ آنند رام مخلص نے اسے فرخ سیر کے عہد میں بیدل کے ساتھ دیکھا تھا۔ (۸۶۲) لیکن ڈاکٹر نورالحسن انصاری نے اس کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کا تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ شیر خاں لودی کے حسب تصریح اسے راسخ سرہندی کا شاگرد لکھا ہے (۸۶۳)۔
۴۔ میر محمد ہاشم جرأت موسوی خان امیر الامراء سید حسین علی خاں کی خدمت میں زندگی بسر کرتا تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں اس کے ساتھ دکن سے دہلی آیا اور بیدل سے ملاقات کی۔ (۸۶۴)

✪✪✪

بیدل کے اعزہ

وارستہ مزاج، آزاد منش اور مست مولا بیدل اپنی ادبی تخلیقات میں اتنا مصروف و منہمک دکھائی دیتا ہے جیسے اس نے اپنی تمام توانائیاں اس میں لگادی ہوں۔ شیر خاں لودی نے اس کے انہیں رجحانات کے پیش نظر لکھا ہے۔

''درمدت العمر بجز تعلق جمال معنی ہیچ تعلقی سر ہمت فرود نیاوردہ۔ واز بدو شعور بجز لذت سخن، ہیچ لذتی میل نکردہ۔'' (۸۶۵)

ساری زندگی جمال معنیٰ کے سوا کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رکھا اور ابتدائے شعور سے لذت سخن کے سوا کسی اور لذت کی طرف مائل نہیں ہوا۔

بیدل خود بھی شکر اللہ خاں کے نام ایک خط میں احمد خاں کے بابت یہ پوچھے جانے پر کہ کیا وہ آپ کے عزیزوں میں ہے اور کیسا آدمی ہے لکھتا ہے:

''از مرأت معنی نما مخفی نیست کہ دعا گو بکیفیت اعمال اعزہ کمتر وارسیدہ است۔'' (۸۶۶)

(نواب صاحب) کے مرأت معنیٰ نما سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ بیدل عزیز و اقارب کی سرگرمیوں پر بہت کم دھیان دیتا ہے۔

شاید اسی وجہ سے اس کے عزیز و اقارب کے بابت کچھ زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ مرزا ظریف اور مرزا قلندر کے علاوہ جو بالترتیب اس کے ماموں اور چچا تھے وہ مرزا روح اللہ اور مرزا عباداللہ کا نام لیتا ہے جو اس کے ماموں زاد بھائی تھے اور وہ بھی اس انداز سے کہ گویا ان کے ادبی اور معنوی پہلو کو پیش نظر رکھا ہو۔

بیدل کی شریک حیات:

بیدل کی شریک حیات کے بابت خوشگو کا بیان ہے:

''چہارم حرم در حریم داشت واینجا اتفاق خوردن زرنیخ کشتہ اش افتاد''۔ (۸۶۷)

چوتھی شریک حیات ان کے حرم میں تھی اور اس وقت ان کو ہرتال کشتہ کھانے کی ضرورت پڑ گئی۔

خوشگو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل کی چار شریک حیات تھیں لیکن یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ یہ سب بیک وقت اس کے تحت تھیں یا ایک کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد دوسری عورت سے وہ شادی کرتا چلا گیا۔

چہار عنصر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے اول ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء کے آس پاس تقریبا ۲۶ سال کی عمر میں شادی کی جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا لیکن شب زفاف میں اس کو اندازہ ہوا کہ وہ قوت مردانگی سے عاری ہے یا شادی اس کی آزاد منشی میں رکاوٹ ہے۔ توالد و تناسل کا خیال صفحہ ذہن سے نکال دینا چاہئے لیکن چونکہ اب شادی ہو چکی تھی اس لئے ازدواجی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لکھتا ہے:

''شبیکہ عقدہ تزویج گوہر آرای رشتہ اتفاق می گردید، در عالم معاملہ، بر کاشفہ طبع متحیر رسیدہ کہ گل کردن آثار این کیفیت مقتضی مصلحتی است۔ خاطر از وسوسہ انتظار توالد و تناسل باید پرداخت...... بحکم انشاء دیوان عبودیت، جبین سجدہ تمکین، غیر از اقبال نقش رضا سر خط دیگری نتوانست خواند۔'' (۸۶۸)

شادی کی گرہ جس رات رشتہ اتفاق میں گوہر آرا ہوئی (شادی ہوئی) عالم معاملہ یعنی شب زفاف میں (بیدل نے لفظ ''معاملہ'' کا استعمال ہمبستری کے لئے کیا ہے۔ مثنوی عرفان کا ایک شعر ہے۔

گاژرش صاحب معاملہ شد   چند روزی نرفتہ حاملہ شد (۸۶۹)

میں طبع حیرت پرست کو کشف سے معلوم ہوا کہ اس کیفیت (نامردی یا ازدواجی زندگی سے بے تعلقی) کے اثر کا نمودار ہونا کسی مصلحت کا مقتضی ہے لہذا توالد و تناسل کے انتظار کا وسوسہ دل سے نکال دینا چاہئے۔ دیوان بندگی کے حسب حکم جبین سجدہ تمکیں نقش رضا کو قبول کرنے کے سوا کوئی اور تحریر نہیں پڑھ سکتی تھی۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل یا تو قوت رجولیت کھو چکا تھا جیسا کہ نبی ہادی صاحب کا خیال ہے یا عورت کو اپنی آزاد منشی اور وارفتگی یا ادبی سرگرمیوں کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ محسوس کرتا تھا مگر اب جبکہ شادی ہو چکی تھی شیوہ تسلیم ورضا کے مطابق اس کو نبھانے کے سوا کوئی اور چارہ کار اس کے سامنے نہ تھا۔ مثنوی عرفاں میں بیدل نے ازدواجی زندگی کی اہمیت جتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی کامیابی بڑی حد تک شادی شدہ جوڑے کے تعلقات میں اعتدال اور میانہ روی پر موقوف ہے۔

عدل یک کن زن و مرد است   ورنہ ہر یک بطبع خود فرد ست

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک اچھے اور ذمہ دار شوہر کی حیثیت سے اس نے اپنی شریک

حیات کے ساتھ زندگی گذاری ہے اور اس کے جذبات ورجحانات کا پاس ولحاظ رکھا ہے۔

اس کے بعد وہ اپنی شریک حیات کے بابت کچھ نہیں لکھتا ہے یہاں تک کہ ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء میں متھرا اور اس کے آس پاس میں بدامنی پھیل جانے کے سبب وہ وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہوتا ہے اور اس سفر میں جو لوگ اس کے ساتھ تھے ان کے لئے ''بی دست و پای چند'' کی ترکیب استعمال کی ہے اور دو صفحہ کے بعد اپنے رفقائے سفر کی اس طرح وضاحت کی ہے۔

''فقیر با دو خادم کہ یکی را امتداد بیماری، بناز مخدومی پرورده بود و دیگری را عذر ناتوانی، از سلسلہ تکلیف خدمت آزاد کرده فسخ عزیمت جائز نداشت۔'' (۸۷۰)

یعنی خاکسار نے دو خادموں کے ساتھ جس میں سے ایک کی طویل علالت نے ناز مخدومی سے اس کی پرورش کرنی شروع کردی تھی (اس کو خادم سے مخدوم بنادیا تھا) اور دوسرے کو اس کی ناتوانی کے عذر نے خدمت کی ذمہ داریوں سے آزاد کردیا تھا، ارادہ سفر کو ملتوی کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اس تصریح کے باوجود ڈاکٹر عبدالغنی کا خیال ہے کہ اس سفر میں بیدل کے ہمراہ اس کی شریک حیات بھی تھی، موصوف نے شاید ''بی دست و پای چند'' کی ترکیب سے جس کو بیدل نے چہار عنصر میں استعمال کیا ہے (۸۷۱) اور ''با پا شکستہ چند کہ بار گردن زندگی اندر رخت سلامت برون کشید'' کے جملہ سے جس کو رقعات میں استعمال کیا ہے (۸۷۲) یہ استنباط کیا ہو کہ بیدل کے ساتھ اس کی شریک حیات بھی تھی۔ اگر چہ اس احتمال کو رد نہیں کیا جاسکتا لیکن ڈاکٹر عبدالغنی کے دعوے کو اگر ہم درست مان لیں تو بھی واضح نہیں ہوتا کہ یہ اس کی دوسری اور تیسری بیویاں تھیں یا وہی پہلی، خوشگو کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۹۶ھ میں دہلی پہنچ کر جب بیدل کو گھر اور معاش کی طرف سے یک گونہ اطمینان حاصل ہوا تو اسے گھر بسانے کی فکر ہوئی۔ چوتھی بار اس نے شادی کی لیکن اس وقت چونکہ قوت مردانگی کمزور ہو چکی تھی اس لئے اسے ہرتال کشتہ کھانے کی ضرورت پڑی۔

''تاہل گزید و چہارم حرم در حریم داشت و اینجا اتفاق خوردن زرنیخ کشتہ اش افتاد۔'' (۸۷۳)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دہلی میں مستقل قیام کے دوران بیدل کے گھر اس کی شریک حیات رہی ہے کیونکہ اس نے متعدد خطوط میں دوستوں کو لکھا ہے کہ ۱۱۲۱ھ میں اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ''عبدالخالق'' رکھا ہے جیسا کہ اگلے صفحات میں پڑھیں گے لیکن ایک سوال سنجیدہ قارئین کے ذہن میں ابھرتا ہے اور بظاہر سنجیدہ نظر آتا ہے کہ بیدل نے اپنی نامردی کے ظہور یا آزادی میں رکاوٹ کے خوف سے پہلی بیوی کو بادل ناخواستہ قبول کیا تو کیونکر ممکن ہے کہ اس نے یکے بعد دیگرے چار چار شادیاں کی ہوں؟

اس لئے راقم السطور کا خیال ہے کہ بیدل کی یہ وہی پہلی بیوی ہوگی اور چونکہ قوت مردانگی سے عاری تھا اور اس کا دل ایک وارث کے لئے فطری طور پر مضطرب تھا اس لئے ایک طرف خدا سے دعا کرتا تھا دوسری جانب اپنے بعض احباب کے حسب مشورہ اس نے کشتے کا استعمال کیا ہوگا اور آخر اس میں کامیاب ہوا۔ اس خیال کی تائید بیدل کی اس تحریر سے بھی ہوتی جو اس نے اپنے لڑکے کی ولادت کی مناسبت سے شاکر خاں کے نام ایک خط میں لکھا ہے، لکھتا ہے:

''عمر ہا، اندیشہ نیاز پیشہ، نقاشی کارگاہ دعا داشت۔ وبحکم قصور استعداد، چون کلک تصویر، جز از رنگ انفعال سری نمی افراشت۔ اعانت استاد قدم، نقش تازہ ای، بعرصہ ارشاد آورد۔'' (۸۷۴)

ایک طویل مدت تک اندیشہ نیاز پیشہ کارگاہ دعا کی نقاشی میں مصروف رہا (اولاد کے لئے دعائیں کرتا رہا) لیکن استعداد میں خامی کے سبب کلک تصویر کی طرح انفعال وشرمندگی کے سوا کسی اور چیز کا رنگ اس میں نہیں بھرتا تھا (قوت مردانگی کی کمی اور کوتاہی کے سبب سوائے ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا تھا) استاد قدم (خدائے تعالیٰ) کے فضل و کرم نے ایک تازہ نقش عرصہ ارشاد میں ابھارا (خدا نے محض اپنی مہربانی سے ایک لڑکا عطا فرمایا)۔

بیدل کا لڑکا عبدالخالق:

بیدل کے لڑکے کی بابت خوشگو لکھتا ہے:

''در عمر شصت و پنج سالگی، فرزندی قدم بہ بیت الشرف او گذاشت۔ ازین عنایت غیر مترقبہ شادیہا کرد و صدقہ ہا داد۔'' (۸۷۵)

پینسٹھ سال کی عمر میں بیدل کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس غیر مترقبہ عنایت پر اس نے خوشیاں منائیں اور صدقے خیرات دیئے۔

بیدل نے اپنے دو خطوط میں اپنے لڑکے کا تذکرہ کیا ہے۔ شاکر خاں کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۲۱ھ/۱۷۰۹ء میں اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام عبدالخالق رکھا جو اتفاق سے بیدل کے باپ کا بھی نام تھا۔ پہلے اس نے شکر اللہ خاں کے ایک بیٹے عاقل خاں کو اس کی اطلاع کی۔ موصوف نے اس کے لئے نثر و نظم میں کئی تاریخیں نکالیں اور بیدل کو روانہ کیں۔ منجملہ ان کے ہے ''آئینہ فیض قدس'' اور ''سرخوش شراب ازلی''۔ ان میں سے ہر ایک سے ۱۱۲۱ھ/۱۷۰۹ء نکلتا ہے۔ عاقل خاں کے علاوہ دیگر احباب نے بھی اس موقع پر تاریخیں نکال کر بھیجی تھیں، لیکن عاقل خاں کی

تاریخیں بیدل کو زیادہ پسند آئیں۔ اس کے بعد شاکر خاں کو اطلاع دی کہ ایک مدت تک لڑکے کے لئے دعا کرتا رہا لیکن استعداد کی خامی کی وجہ سے ندامت محرومی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ آخر بڑھاپے میں وہ دعا قبول ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیروں کو بھی اپنی اس غیر مترقبہ نعمت سے محروم نہیں فرماتا ہے۔

"عمرہا، اندیشہ نیاز پیشہ، نقاشی کارگاہ دعاداشت......درظہور این نتیجہ عمر، از افکار مشتاقان بیریا، تاریخہای بی تعداد، بمراتب تحریر پیوست۔ خاصہ از عالم اکرام عاقلخان صاحب، چہ بہ نظم ونثر، کہ بکرسی شفقت نہ نشست "آئینہ فیض قدس" از آنجملہ مخبراست و "سرخوش شراب ازلی" ازان اشارات مشعر۔ از ینجا معلوم می شود کہ فقرا راہم بی بہرہ نصیب اقبال نمی گذارد یعنی بیکسان رانیز قابل درجات برمی آرند۔" (۸۷۶)

ایک مدت تک اندیشہ نیاز بیشہ کارگاہ دعا کی نقاشی میں مصروف رہا............... اس نتیجہ عمر کے ظہور کی مناسبت سے مخلص احباب کی طرف سے بے شمار تاریخیں رشتہ تحریر میں آئیں خصوصاً جناب عاقل خاں صاحب کی عنایتوں سے بہت سی تاریخیں کیا نظم میں اور کیا نثر میں کرسی شفقت پر جلوہ افروز ہوئیں منجملہ انکے "آئینہ فیض قدس" اور "سرخوش شراب ازلی" کی تاریخیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ فقیروں کو بھی خدا بے نصیب اور محروم نہیں فرماتا یعنی بے کسوں کو بھی کسی درجے میں قابل بناتا ہے۔

شکر اللہ خاں کے نام ایک خط میں اس نعمت پر جو بڑھاپے میں اسے ملی حیرت کا اظہار کرتا ہوا لکھتا ہے:

"......خامہ صنع رقم قدرتی بمطالعہ تامل رسانید۔ وسطر ندرتی قرین طومار حیرت گردانید۔ درمعنی، مضمون تازہ ایست ازدرسگاہ دعاسبقان آنجناب۔ وعبارت جدیدی از افکار سپاس آہنگان بارگاہ تعظیم انتساب۔ جبین انکسار برخط تسلیم می گذارد۔ وآداب سجدات مبارکباد بجامی آرد"۔ (۸۷۷)

خامہ ایزدی نے قدرت کی ایک تحریر بہ غور مطالعہ کرنے کے لئے دی ہے اور ایک نادر سطر طومار حیرت سے ہم آہنگ کیا ہے معنوی طور پر جناب والا کی درسگاہ دعا کا ایک تازہ مضمون ہے اور بارگاہ پر عظمت کے سپاس آہنگوں کے افکار و خیالات کی جدید عبارت ہے۔ جبیں فروتنی خط تسلیم پر ٹیکتا ہے اور سجدہ مبارکباد کے آداب بجالاتا ہے۔

قطعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بیدل نے بھی اس مناسبت سے ایک قطعہ کہا ہے:

عبد الخالق بعالم کسب ادب   درلیل زغائب آمد از قدرت رب
اقبال ازل شامل ایں تاریخ است   آدینہ اول شب شہر رجب ۱۱۲۰، (۸۷۸)

اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالخالق ساتویں رجب المرجب ۱۱۲۰ھ روز جمعہ بہ وقت شب پیدا ہوا جبکہ عاقل خاں کی تاریخوں سے ۱۱۲۱ھ نکلتا ہے اور خوشگو کا بیان ہے کہ ۱۱۱۹ھ میں پیدا ہوا۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ ہم خود بیدل کے بیان پر اعتماد کریں جس نے تاریخ کے ساتھ دن، وقت اور مہینہ سب کی تعین کر دی ہے۔

بہر حال اس مناسبت سے بیدل نے بہ قول خوشگو خوشی کے جشن منائے اور صدقے خیرات کئے چنانچہ لکھتا ہے:

"ازیں عنایت غیر مترقبہ شادیہا کرد وصدقہا داد"۔

لیکن افسوس کہ عبدالخالق کو دنیا میں قدم رکھے ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ باپ کو داغ مفارقت دے گیا۔ خوشگو کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عبدالخالق اپنی عمر کی چوتھی منزل میں تھا (۸۷۹) بیدل نے بھی اس مناسبت سے ایک قطعہ کہا ہے:

عبد الخالق آہ بدیر فانی   دیر آمد وزود کرد بال افشانی
زین مصرع تاریخ و داعش دریاب   صبح نہم از ماہ ربیع الثانی" (۸۸۰)

افسوس کہ عبدالخالق اس دنیائے فانی میں دیر سے آیا اور جلد یہاں سے رخصت ہو گیا مصرع "صبح نہم از ماہ ربیع الثانی" سے اس کی وفات کی تاریخ معلوم کرو۔

اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالخالق نے نو ربیع الثانی ۱۱۲۳ھ کو بہ وقت صبح دار فانی سے کوچ کیا۔ اس طرح اس کی کل عمر لگ بھگ تین سال نو مہینے تین دن کی ہوتی ہے۔

بیدل نے بہ قول خوشگو، اس سانحہ کو بڑے صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کیا، اس کی تجہیز و تکفین سے وابستہ سارے امور انجام دیئے اور دروازے تک اس کی مشایعت کی۔ جو لوگ پُرسے میں آکر گریہ وزاری کر رہے تھے بیدل نے ان سے کہا یاراں! جای تعجب است کہ فرزند من مردہ و گریہ بہ شما می آید۔ (۸۸۱)

دوستو! حیرت کا مقام ہے کہ لڑکا میرا رخصت ہوا اور گریہ وزاری آپ پر طاری ہے۔ پھر ایک مخمس کے ذریعہ اس نے اپنے اندرونی حزن و غم کا اظہار نہایت دردناک انداز سے کیا ہے جس کے دو بند درج ذیل ہیں:

ہیہات ؎ برق پر فشان رفت — کآشوب قیامتم بجان رفت
گر تابی بود ور توان، رفت — طفلم زین کہنہ خاکدان رفت
بازی بازی بر آسمان رفت
ہر گہ دو قدم خرام می کاشت — از انگشتم عصا بکف داشت
یارب چہ علم بوحشت افراشت — دست از دستم چگونہ برداشت
بی من راہ عدم چسان رفت (۸۸۲)

مرزا روح اللہ و مرزا عباداللہ:

ان دونوں بھائیوں کا تذکرہ بیدل کے احباب کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ خوشگو کے مطابق مرزا عباداللہ بیدل کے ماموں زاد بھائی تھے یعنی مرزا ظریف کے لڑکے تھے۔ بیدل نے ایک خط میں روح اللہ اور عباداللہ دونوں کے لئے ''اخواں پناہ'' کی تعبیر استعمال کی ہے (۸۸۳)۔ اخوان جمع اخ (بھائی) کی ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ دونوں بھائی مرزا ظریف کے لڑکے تھے۔ یہ لوگ کہاں تھے اور کیا کرتے تھے بیدل کے بیان سے واضح نہیں ہوتا لیکن ماموں سے غیر معمولی تعلق کی بنا پر اپنے ماموں زاد بھائیوں سے بھی وہ بڑی محبت کرتے تھے جیسا کہ ترکیب ''اخوان پناہ'' سے مترشح ہوتا ہے۔

مرزا محمد سعید:

خوشگو کے مطابق مرزا محمد سعید مرزا عباداللہ کا بیٹا تھا۔ جو بیدل کے انتقال کے بعد بیدل کے مزار کا سجادہ نشین تھا اور عرس بیدل سے متعلق تمام امور کا انتظام کرتا تھا (۸۸۴)۔ درگاہ قلی خاں محمد سعید کے بابت لکھتا ہے:

''محمد سعید برادر زادہ اش، کہ چون معنی بیگانہ، از نسبت معنوی میرزا بیگانہ است، بتواضع حاضران مجلس و ترتیب شمع و چراغ، دماغ خود را می سوزد۔'' (۸۸۵)

بیدل کا بھتیجا محمد سعید، جو معنیٰ بیگانہ کی طرح مرزا بیدل سے کوئی معنوی نسبت نہیں رکھتا ہے، حاضرین محفل کی خاطر تواضع اور شمع و چراغ کے جلانے کے اہتمام میں دماغ سوزی کیا کرتا ہے۔

حکیم محمد حفیظ خاں و حکیم مرزا فضل اللہ:

حکیم محمد حفیظ خاں، قدرت اللہ شوق کے مطابق مرزا عباداللہ کے پسماندوں میں تھا اور

حکیم مرزا فضل اللہ پانی پتی محمد حفیظ خاں کا داماد اور اردو زبان کا شاعر ہے لکھتا ہے:

''حکیم فضل اللہ پانی پتی المعروف بہ میرزا نیناوی جوانیست ظریف الطبع ...نسبت خویشی بہ حکیم محمد حفیظ خان سلمہ الرحمٰن، کہ از احفاد امجاد برادر بزرگ سخن ساز حق مشتغل میرزا عبد القادر بیدل، کہ میرزا عباداللہ نام داشت ہستند، دارد۔ و بہر دو زبان سخن از زبانش می تراود۔'' (۸۸۶)

حکیم فضل اللہ پانی پتی عرف مرزا نیناوی ایک ظریف الطبع جوان ہیں۔ حکیم محمد حفیظ خاں سلمہ سے دامادی کا رشتہ رکھتے ہیں۔ حفیظ خاں خدا سے تعلق رکھنے والے شاعر مرزا عبدالقادر بیدل کے بڑے بھائی مرزا عباداللہ کے پوتوں میں ہیں حکیم فضل اللہ دونوں زبان میں شاعری کرتے ہیں۔

احمد خان:

شکراللہ خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد خاں نام کا کوئی عزیز بیدل کا تھا۔ نواب موصوف نے اس کے حالات بیدل سے دریافت کئے تھے۔ بیدل نے جواب میں لکھا:

''از مرآت معنی نما مخفی نیست کہ دعا گو بکیفیت اعمال اعزہ کمتر وارسیدہ است۔ اما می داند کہ این عزیز را در آں حدود بدیانت و امانت می ستودند۔'' (۸۸۷)

آئینہ معنیٰ سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ دعا گو (بیدل) عزیز و اقارب کے اعمال و احوال کی کھود کرید بہت کم کیا کرتا ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ اس عزیز کو اس علاقے میں دیانت و امانت کی صفات سے متصف اور آراستہ مانتے ہیں۔

✪✪✪

اخلاق بیدل

بیدل کے معاشرہ کے مختلف طبقے سے روابط اور بیدل سے ان لوگوں کی ارادت اور خلوص اس نکتے کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ بہت سے اوصاف پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ کا مالک تھا جو لوگوں کو پروانے کی طرح اس کے گرد طواف کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ ذیل میں ہم اس کی ان خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں۔

فقر واستغنا:

''نوابوں اور امراء'' کے زیر عنوان پچھلے صفحات میں ازاد بلگرامی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

''چون میرزا خود را از در اغنیاء کشید، حق تعالی امراء عصر را بر آستان او فرستاد۔'' (۸۸۸)

بیدل نے چونکہ اغنیا اور مالداروں کے آستانے سے خود کو الگ تھلگ رکھا اس لئے اللہ تعالی نے ان کے معاصر امراء کو خود ان کے دروازے پر پہونچا دیا۔ سرخوش لکھتا ہے:

''در فقر و توکل بادشاہ وقت خود است''۔ (۸۸۹)

فقر و توکل میں اپنے عہد کا بادشاہ رہا ہے۔

خان آرزو لکھتا ہے:

''از در توکل پا بیرون نہ نہادہ۔'' (۸۹۰)

توکل کے آستانے سے اس نے قدم کبھی باہر نہیں رکھا۔

بیدل کی سوانح حیات کو اگر مدنظر رکھئے تو یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے واقعی در توکل سے قدم باہر نہیں رکھا۔ بعض واقعات البتہ ایسے نظر آتے ہیں جو اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہیں جیسا کہ اس کے قصائد پر بحث کے دوران ہم آگے چل کر پڑھیں گے لیکن اگر فیصلے کا مدار زندگی کے بیشتر واقعات پر ہو تو ماننا پڑے گا کہ بیدل نے بہت سے مواقع پر اپنی ان خصوصیات کا مظاہرہ کیا ہے۔

۱۔ اعظم شاہ کی ملازمت سے استعفا دینے کے بعد جب شہزادے کی طرف سے بار بار اصرار ہوا کہ ملازمین کے زمرے میں شامل ہو جائے تو بیدل نے قابل خاں منشی کے نام ایک خط میں

اپنے شیوہ فقر و آزادمنشی کی توجیہ کرکے اس خدمت سے معذرت کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''در مدت اختیار فقر، خاکساری این غبار موہوم، باشکستگی در نساختہ، کہ ہرگاہ بر پستی اقتدار خود نظر اندازد، بی اختیاریہای وضع زمانہ را غنیمت بشمارد...... متوقع این توجہ است کہ ہرگاہ تقریبی بظہور پیوندد، در استعفاء جرایم زمین گیری، ہمیں قدر معروض دارند۔'' (۸۹۱)

''شیوہ فقر'' اختیار کرنے کی اس مدت میں اس غبار موہوم (بیدل) کی خاکساری کو شکست کا نہیں دیکھنا پڑا۔ جب کبھی اپنے اقتدار کی پستی پر نظر ڈالی وضع زمانہ کی بے اختیاری کو غنیمت سمجھا ......امید ہے کہ (شہزادے سے) آپ کے ملاقات کی اگر کوئی سبیل نکلتی ہے تو جرم زمین گیری کے استعفا میں اتنی معذرت ضرور پیش کردیں۔

۲۔ اکبر آباد کے قیام کے دوراں بیدل کو ایک دفعہ شدید گرسنگی سے سابقہ پڑا، ظاہری وضع قطع ایسی نہ تھی کہ اس کو کوئی بھکاری تصور کرتا اس لئے بھوک کی ساری کلفتوں کو برداشت کرتا پر کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا ہمت فقر کے خلاف تصور کرتا۔ اس واقعہ کے آخر میں لکھتا ہے:

''کامروای منعم حقیقی، بی نیازی بر طبیعتم گماشتہ بود، کہ خود را در ہیچ صورتی، آئینہ دار احتیاج نمی دیدم۔ وغناء تعلیمی معلم اسرار، سرخوشی در مزاجم انباشتہ کہ از ہیچ المی غیر از نوای خرسندی نمی شنیدم''۔ (۸۹۲)

کامروائے منعم حقیقی (خدا) نے میری طبیعت میں ایسی بے نیازی بھر دی تھی کہ کسی بھی شکل میں خود کو احتیاج کا آئینہ دار نہیں سمجھتا تھا اور معلم اسرار نے غنا کی تعلیم دے کر ایسی سرخوشی میرے مزاج میں بھر دی تھی کہ کسی بھی دکھ سے سکھ کی آواز کے سوا کوئی اور آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

۳۔ جب شاکر خاں دکن میں کسی منصب پر فائز تھا تو اورنگ زیب سے اس نے اس کے لئے جاگیر حاصل کرکے بیدل کو اطلاع دی، بیدل نے اسے نامنظور کردیا جیسا کہ شاکر خاں کے تذکرے میں ہم نے پڑھا۔

۴۔ نظام الملک نے اس کو دکن آنے کی دعوت دی اسے بھی اس نے نامنظور کردیا جیسا کہ اس کے حالات کے ضمن میں گذرا۔

۵۔ بیدل سے بہادر شاہ نے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی لیکن اس نے اسے قبول نہیں کیا۔

۶۔ فرخ سیر نے اسے اپنے دربار میں بلایا۔ وہاں جانے سے بھی انکار کردیا۔ اسی قسم کے اور واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے نہایت استغنا اور بے نیازی سے زندگی گذاردی۔ خود کہتا ہے:

زیر دست التفات چتر شاہی نیستم — موی سر درسایه پرورد است مجنون مرا
ساز من آزادگی، آہنگ میں آوارگی — از تعلق تار نتواں بست قانون مرا

آزادگی میری ساز ہے آوارگی میری آہنگ ہے، میرے قانون (باجے) کو تار کے تعلق سے باندھا نہیں جاسکتا۔

قناعت واستغنا پر اس کے دوسرے اشعار ملاحظہ ہوں:

قناعت کو کہ فرش دل کند آئینہ کردارم — چو چشم حرص تا کی بایدم حلقه بر درہا
تا قناعت رشتہ دار گوہر جمعیت است — خاک برجا مانده من آبرو دارد خطاب
با قناعت ساز، گر حسرت پرست راحتی — بالش آرام گوہر قطرہ واری آبروست
مخواہ ای مفلسی ذلت کش تسلیم دو نانم — زمیں تا چند زیر پا نشاند آسمانم را
کافرم گر مخمل و سنجاب می باید مرا — سایہ بیدی کفیل خواب می ماند مرا
دست از دنیا بدار و دامن آہی بگیر — تا بدانی ہچو بیدل قدر دار و گیر را
پادشاہی در طلسم سیر چشمی بستہ اند — کاسہ چشم گدا گر پر شود جام جم است

اس کے باوجود ایک جگہ کہتا ہے ع

طبعت آن نیست کز افلاس شکایت نکند

تواضع وانکساری:

تواضع وکسر نفسی اور انکساری وخاکساری درحقیقت ایک غیرتمند اور خوددار طبیعت کی خصوصیت ہے۔ روحانی مرشدوں کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اس میں مزید جلا پیدا ہوجاتی ہے۔ بیدل کی بے نیازی خاکساری کے ساتھ ہم آہنگ تھی۔

از تواضع نگذری گر آرزوی عزتست — بیدل ایں وضعت بچشم ہر کس ابرو می شود

تواضع کی روش کو نہ چھوڑنا اگر عزت مطلوب ہے۔ بیدل تیری یہ روش ہر آدمی کی نگاہ میں تیری عزت کی ضامن ہے۔

بیدل بخاکساری خود ناز می کند — ای در غبار دل ز خیالت دفینہ ہا
دیدہ تا دل فرش راہ خاکساری کردہ ام — ازنفس تا موج مژگاں بوریا افتادہ است

اس نے اپنے خطوط میں کبھی ایسا انداز بیان اختیار نہیں کیا جس سے کبر ونخوت اور عجب وخود پسندی کی بو آتی ہو۔ چنانچہ اپنے معاصر عظیم شاعر ناصر علی کے برخلاف نہایت فروتنی اور انکساری کا انداز

اختیار کرتے ہوئے نواب شکراللہ خاں کو ایک خط میں لکھتا ہے:

بیدل ہر چند شور نظم بیش است — گروارسم اندیشه خجالت کیش است
درسلک سخنوران گہرہای مرا — چون ژالہ ہماں آب شدن درپیش است (۸۹۳)

بیدل! اگرچہ میری شاعری کا بڑا چرچا ہے پر غور سے اپنے کلام کو دیکھتا ہوں تو میری قوت فکریہ شرمندہ ہوجاتی ہے۔ شاعروں کی صف میں میرے کلام گو ہر نظام کی وہی حیثیت ہے جو اولے کی ہے کہ مارے شرم کے پانی پانی ہوا جارہا ہے۔

اور شاعری میں تمام تر شہرت، لیاقت اور صلاحیت کے باوجود کہتا ہے:

''عناں وضع بیدلی بادعوی شاعری نسبتی ندارد۔'' (۸۹۴)

وضع بیدل کو دعوی شاعری سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:

آنجا کہ تکبر منشاں ناز فروشند — مائیم و شکستیم کہ سزاوار کلاہست (۸۹۵)

جہاں مغرور لوگ ناز فروشی کرتے ہیں ہمارا شیوہ شکست و خاکساری کا ہے جو ہماری ٹوپی کو زیب دیتا ہے۔

ما ہیچ کساں بیہدہ مغرور کمالیم — گر ذرہ بافلاک پرد درچہ حسابست

ہم ناچیز لوگ بلاوجہ اپنے کمال پر مغرور ہیں۔ ذرہ اگر آسمان پر پہنچ جائے تو کس شمار میں ہے۔

جبکہ ناصر علی اسی شکراللہ خاں کو اس انداز سے لکھتا ہے:

''مرا از وکالت خود برآوردند و بہ حضرت کبریائی خود تسلیم نمودند۔ سخن نام دولت دادند مصمون از زوال۔'' (۸۹۶)

مجھ کو اپنی وکالت سے نکال کر حضرت کبریا جل وعلی کے حوالے کیا جس نے ''سخن'' نام کی وہ دولت مجھے عطا کی جو زوال سے محفوظ ہے۔

حسن خلق:

خوشگو لکھتا ہے:

''بسیار آرمیدہ و بہ حسن خلق گذاشتہ است۔'' (۸۹۷)

بہت ہی پروقار اور حسن اخلاق سے آراستہ ہیں۔

بیخبر بلگرامی لکھتا ہے:

''فقیر را اتفاق دید وادید ایشان افتاد۔ حقا کہ درکمال خلق ومزہ ودرد وشوق یافتم۔'' (۸۹۸)

فقیر (بیخبر) کو اُن سے بار ہا ملاقات کا اتفاق ہوا سچی بات یہ ہے کہ انہیں انتہائی خلیق، خوش گفتار اور صاحب درد واہل شوق پایا۔

شیر خاں لودی لکھتا ہے:

''فرشتہ خوی صاحبدل میرزا عبدالقادر بیدل۔'' (۸۹۹)

فرشتہ خوی صاحبدل میرزا عبدالقادر بیدل۔

محمد شفیع وارد طہرانی لکھتا ہے:

''میرزا بہ پیرایہ اہلیت آراستہ وزیور صاحب کمالی پیراستہ بود''۔ (۹۰۰)

مرزا بیدل میں بڑی اہلیت ولیاقت تھی اور وہ کمالات کے زیور سے آراستہ تھا۔

لیکن حسن اخلاق کیا ہے؟ اس کا مفہوم اور مصداق مختلف لوگوں کے نقطہ نظر سے مختلف ہے۔ راقم السطور کے نزدیک حسن اخلاق کا مطلب حسن گفتار اور حسن کردار کی خصوصیات سے آراستہ ہونا ہے۔ زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہ اگر کوئی نرم لب ولہجے میں، محبت بھرے انداز میں اور خندہ پیشانی کے ساتھ مسکراتے ہوئے گفتگو کرتا ہے، سختی، تندخوئی اور ترش روئی سے گریز کرتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ حسن اخلاق سے آراستہ ہے اگرچہ وہ ایک گلاس پانی یا ایک پیالی چائے سے ہماری خاطر تواضع نہیں کرتا ہے۔ خوش قسمتی سے بیدل کو ہم ان اوصاف سے آراستہ پاتے ہیں تذکرہ نگاروں کی ان شہادتوں کے علاوہ بیدل کے مکتوب الیہم میں محمد امین عرفان بیدل کے انداز گفتگو اور اس سے غیر معمولی تاثر کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

''طبیعت خوکردہ حضور تربیت گنجور، دمبدم ساغر لبریز شوق می پیماید۔ وبیتابانہ آرزوی مکالمہ زبانی، کہ عبارت از صحبت سراپا الفت وحشت نسیان است، می نماید۔'' (۹۰۱)

حضور تربیت گنجور (آپ کی صحبت) کی عادی طبیعت رہ رہ کر ساغر شوق کو گردش میں لاتی ہے۔ بڑی بیقراری سے زبانی گفتگو کی جو صحبت سراپا الفت اور وحشت نسیان ہے آرزو کرتی ہے۔

افسوس کہ دوسرے مکتوب الیہم کے خطوط دستیاب نہ ہو سکے ورنہ وہ اس پہلو کی صحیح تشریح وتوضیح میں معاون ہوتے پھر بھی خوشگو اس کی تھوڑی وضاحت کرتا ہوا لکھتا ہے:

''ہنگام تکلم سخن بسیار آہستہ آہستہ وجدا جدا می فرمود، گویا گہر باری می کند، یا گلفشانی می نماید۔ وآہستگی کلامش بحدیکہ صف نشینان موخر کم می شنیدند۔ اکثر کلام بی قیدانہ بر زبان می آوردی۔ اما شعر را با صلابتی ومہابتی خواندی کہ گوش مستمعان باز شدی واز بیرون دروازہ

درکوچہ معلوم شدی کہ آنحضرت شعری خواند۔'' (۹۰۲)

بیدل نہایت دھیمی آواز میں اور واضح تلفظ کے ساتھ بات کرتے تھے لگتا تھا گہر باری یا گل فشانی کر رہے ہوں، گفتگو کا انداز اتنا ہی دھیما تھا کہ آخری صف میں بیٹھنے والوں کو کم سنائی دیتا تھا۔ ان کی گفتگو کا دائرہ وسیع ہوتا اس میں کسی موضوع کی قید نہیں ہوتی۔ لیکن شعر کو ایسی صلابت ومہابت اور گرجدار آواز میں پڑھتے تھے کہ سامعین کے کان کھل جاتے اور باہر گلی میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آنحضرت (بیدل) شعر پڑھ رہے ہیں۔ خود بیدل نے اپنی گفتگو کی خصوصیت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

مہر خاموشیست چوں آئینہ سرتاپای من   گر بعرض گفتگو ایم زبانم جوہر است

آئینے کی طرح میرا سراپا وجود مہر خاموشی ہے لیکن اگر گفتگو پر اتر آؤں تو میری زبان سے موتی جھڑتے ہیں۔

بحرف ناملائم زحمت دلہا مشو بیدل   کہ ہرجا جنس سنگی ہست باشد دشمن مینا

ناموزوں اور نامناسب بات کہہ کر دلوں کو ٹھیس نہ پہونچاؤ کیونکہ جہاں پتھر کی جنس ہوتی ہے وہ جام کی دشمن ہوتی ہے۔

جہاں تک اس کے ''حسن رفتار وکردار'' کا تعلق ہے ''بیدل کے احباب'' کا تفصیلی مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اپنے دوست احباب اور شاگردوں کے ساتھ اس کا سلوک نہایت محبت آمیز رہا ہے۔ اس کے آشناؤں میں اگر کوئی عرصہ تک ملاقات کو نہ آسکا یا اس کی مجلس سے غائب رہا تو فوراً خط کے ذریعہ اس کی مزاج پرسی کرتا اور ملاقات کے لئے غیر معمولی اشتیاق کا اظہار کرتا۔ اگر کوئی نامساعد حالات سے دوچار ہوتا یا کوئی مالی دشواری اسے درپیش ہوتی تو فوراً اس کی مشکل حل کرنے کی کوشش کرتا یا خود اس کی مدد کرتا یا دوسروں سے کرانے کے لئے سارا اثر ورسوخ استعمال کرتا۔ نواب شکر اللہ خاں سے شاہ زین العابدین کیلئے سفارش کرتے ہوئے کیا خوب لکھتا ہے۔

کم ظرفی ما فیض ترا مانع نیست   گر قطرہ بود قطرہ، محیط است محیط (۹۰۳)

ہماری کم ظرفی آپ کے جود وکرم کی راہ میں آڑے نہیں آتی۔ قطرہ اگر قطرہ ہے تو سمندر بھی سمندر ہے۔ یعنی اگر میں قطرہ کی طرح بے وقعت ہوں تو آپ سمندر کی طرح وسیع الظرف ہیں اس لئے آپ اپنے جود وکرم سے کسی کم ظرف کو کیوں محروم رکھیں۔

اسی طرح ان کے وہ خطوط ہیں جو انہوں نے میر محمد زمان راسخ اور ان کے ساتھیوں کی سفارش میں رفیع خاں باذل کو لکھے، مرزا سہراب رونق کی سفارش کے لئے مرزا محمد نعیم بخشی سرکار کو لکھے، محمد عاشق ہمت کی سفارش کے لئے خان بہادر لعل محمد خاں کو لکھے، میر محمد احسن ایجاد کی سفارش کے لئے نواب

چین قلیچ خان کو لکھے، شیخ علاء الدین متوکل کی سفارش کیلئے نواب عاقل خاں کو لکھے اور سونی پت کے ایک مظلوم شخص کی سفارش کے لئے نواب شکر اللہ خاں کو لکھے۔ اس خط میں لکھتا ہے:

''محرک این سلسلہ تظلم مظلومی از مقیمان زوایای سونی پت است...... امید کہ بتوجہ معدلت نشینان بارگاہ حضور۔ از نصیبہ نتائج عدل محروم نماند۔'' (۹۰۴)

اس نامہ نگاری کا محرک سونی پت کے علاقہ کے ایک مظلوم باشندہ کی فریاد رسی ہے امید کہ بارگاہ حضور کے انصاف پسندوں کی توجہ سے عدل وانصاف کے نتائج سے وہ محروم نہ رہے گا۔

ان واقعات کے علاوہ اگر خود اس کی مالی حالت مدد کرنے کی اجازت دیتی تو اس میں بھی دریغ نہیں کرتا تھا جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا۔ نواب ذوالفقار خاں نے ایک دفعہ اسے دو سو اشرفیاں ہدیے میں بھیجیں، بیدل نے اسی وقت اسے نواب عاقل خاں ابن شکر اللہ خاں کو بھیج دیئے جو اس وقت مالی مشکلات سے دوچار تھا۔

یہ واقعات مجموعی طور پر انسانی ہمدردی کے ان جذبات واحساسات کی نشاندہی کرتے ہیں جو دوست احباب کے لئے اس کے دل میں تھے اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتے ہیں کہ نوابوں اور امیروں کے یہاں اس کا کتنا اثر ورسوخ تھا کہ وہ ان کی سفارش کو قبول کرنا اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتے تھے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے دوست احباب میں تو مقبول تھا ہی نوابوں اور امراء کی نظر میں بھی محبوب تھا۔ اسی لئے دوستوں کے بابت کہتا ہے:

شاخ از گلبن جدا مصروف گلخن می شود　　زندگی با دوستاں عیش است وتنہا آتش است

شاخ جڑ سے جدا ہونے کے بعد آتشدان کی نذر ہوجاتی ہے، زندگی دوستوں کے ساتھ عیش ہے اور اکیلے سراپا آتش ہے۔ خود کہتا ہے:

بسکہ عالم را بہ حسن خلق ممنون کردہ ام　　رنگ ہم نتواند از جرأت بروی ما شکست

اپنے حسن اخلاق سے میں نے دنیا کو اسقدر ممنون کیا ہے کہ اس کا رنگ جرأت کرکے بھی میرے سامنے نہیں اڑ سکتا۔ لیکن بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے درپے آزار رہتے تھے اس لئے ان کے بارے میں کہتا ہے:

تا توانی قطع کن بیدل زا بنائے زماں　　آشنای کس نگردند این حیا بیگانہ ہا

در حق انصاف ابنای زماں　　داد تحسین می دہد دشنام ما

ان حالات میں جودوکرم سے متعلق اس کے درج ذیل اشعار کا مطالعہ کیجئے جن میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے:

از سائلاں دریغ نہ شاید تبسمت　　گیرم کفت تہیست لب آفریں کشا

سائلوں سے کم از کم خندہ پیشانی سے ہی پیش آؤ، مانا کہ تمہارا ہاتھ خالی ہے مگر لب آفریں کھولنے میں کیا پریشانی ہے۔

تا از گلت جز ایثار رنگ دگر نہ خندد　　سرتا قدم چو خورشید دست کرم بروں آ

تیرے پھول سے ایثار کے سوا کوئی اور شیوہ ظاہر نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ سورج کی طرح سرتاقدم کرم بن جا۔

اگر اہل جود و کرامتی بکشا کفی بشگفتنی　　کہ سحر طواف چمن کند ز تبسم لب سائلت

اگر تو اہل جودوکرم ہے تو خندہ پیشانی سے دینے کے لئے ہتھیلی پھیلا دے کہ تیرے سائل کی مسکراہٹ سے سحر بھی چمن کا طواف کرتی ہے۔

کمالات بیدل:

ماہیچکساں بیہدہ مغرور کمالیم　　گر ذرہ بافلاک پرد در چہ حسابست

ہم ناچیز لوگ بلاوجہ اپنے کمال پر مغرور ہیں ذرہ اگر آسمان پر پہنچ جائے تو اس کی کیا حقیقت ہے۔

شخص تصویریم بیدل از کمال ما مپرس　　حرف ما نا گفتنی و کار ما ناکردنی است

بیدل! ہم ایک مجسم تصویر ہیں ہمارے کمال کا حال نہ پوچھو ہماری کوئی بات ایسی نہیں جس کو سنایا جائے اور کوئی کام ایسا نہیں جس کا ذکر کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ عوام اور خواص کی نظر میں مقبولیت پیدا کرنے کے لئے حسن اخلاق کا بڑا اہم رول ہوتا ہے۔ حافظ نے صحیح کہا ہے:

بحسن خلق توان کرد صید اہل نظر　　بہ بند و دام نگیرند مرغ دانا را

اہل نظر کو حسن اخلاق ہی سے اپنا بنایا جاسکتا ہے۔ مرغ دانا کو پھندوں سے گرفتار نہیں کرسکتے۔

خود بیدل کا ایک شعر اس موضوع پر بہت عمدہ ہے:

بحسن خلق بیدل تا تواں در جنت آسودن　　چہ لازم در دل دوزخ نشستن از شرارتہا

حسن اخلاق کے ذریعہ جب تک آدمی جنت میں آسودہ ہوکر رہ سکتا ہے، کیا ضروری ہے کہ اپنی شرارتوں اور بدمعاشیوں کے ذریعہ وہ دوزخ کے بیچ میں جا بیٹھے اور اپنا چین وسکون کھو بیٹھے۔

بہرحال حافظ ہی کا دوسرا شعر ہے:

بس نکتہ غیر حسن بباید کہ تا کسی　　مقبول طبع صاحب و اہل نظر شود

حسن کے علاوہ اور بھی خوبیاں درکار ہیں تب کہیں جا کر انسان اہل نظر کی نگاہ میں جچتا ہے۔

اب ہم انہیں خوبیوں پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں جنہوں نے معاصر اور غیر معاصر دانشوروں کے ایک طبقے کو بیدل کا عاشق و گرویدہ بنا دیا ہے۔ خوشگو بیدل کے کمالات پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے:

"آنجناب از الٰہیات و ریاضیات و طبعیات کم و بیش چاشنی بلند کردہ بود۔ و طبابت و نجوم و رمل و حفر و تاریخ دانی و موسیقی بسیار آشنا بود۔ تمام قصہ مہابھارت کہ در ہندیان از ان معتبر تر کتابی نیست، بیاد داشت۔ و در فن انشاء، منشی بی نظیر چنانچہ چہار عنصر و رقعات او برین دعوی دلیل ساطع است و در نثر چیز یکہ عیانست چہ محتاج بیان است۔" (۹۰۵)

بیدل نے الٰہیات (وہ علم جس میں وجود ذات و صفات باری تعالیٰ سے بحث ہوتی ہے) ریاضیات (وہ عقلی علوم جو وجود خارجی میں مادہ کے محتاج ہیں) اور طبعیات (وہ علم جس میں اجسام کے تغیر و تبدل اور ان کی خاصیت کا حال درج ہوتا ہے) کا کم و بیش علم رکھتے تھے۔ طبابت، نجوم (ستارہ شناسی) رمل (وہ علم جس سے گذشتہ اور آئندہ کے احوال کا علم ہوتا ہے) جفر (وہ علم جس سے غیب کے حالات معلوم ہوتے ہیں) تاریخ اور موسیقی سے اچھی طرح واقف تھے، مہابھارت ہندوؤں میں سب سے معتبر کتاب مانی جاتی ہے اس کی ساری کہانیاں ان کو ازبر تھیں۔ فن انشا میں بے نظیر منشی تھے، ان کی کتاب چہار عنصر اور رقعات اس دعویٰ کی واضح دلیل ہے۔ نثر میں جو چیز عیاں ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

خوشگو کے بیان کے اساس پر کہا جا سکتا ہے کہ بیدل کی شخصیت مجموعہ کمالات واقع ہوئی تھی جس کی صحبت سے استفادہ کی خاطر دہلی کا دانشور طبقہ اکثر ان کے گھر ارادتمندی سے آمد و رفت رکھتا تھا۔

بیدل کی شعری اور نثری تخلیقات خصوصاً مثنویوں کی تحلیل و تجزیہ خوشگو کے بیان کے مکمل توثیق کرتی ہے۔

بیدل نے صرف دس سال کی عمر تک اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ فارسی میں گلستاں و بوستاں، عربی میں کافیہ تک اس نے مطالعہ کیا۔ پھر چچا مرزا قلندر کے حسب ہدایت قدیم اساتذہ کے کلام کا بالاستیعاب اور بغور مطالعہ کیا اور اس کا ایک انتخاب بھی تیار کیا۔ "بیاض بیدل" جو اس وقت دو جلدوں میں برٹش میوزم میں محفوظ ہے اس کے پاکیزہ ذوق انتخاب اور وسعت مطالعہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ڈاکٹر ریو کے مطابق اس بیاض میں خاقانی سے لیکر خود بیدل کے عہد تک کے شاعروں کے کلام کا ایک انتخاب ہے (۹۰۶)۔ قدیم اساتذہ کے کلام کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر وہ صوبہ بہار اڑیسہ و دہلی کے علماء اور اولیاء کی صحبت سے بھی استفادہ کرتا رہا۔ مرزا ظریف اور شاہ قاسم ہواللہی کی خدمت میں اس نے قرآن پاک کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ اسی مجلس میں تذکرۃ الاولیاء وغیرہ تصوف کی کتابیں بھی

اس کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ مثنوی عرفان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نہج البلاغہ کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ یہ تھی اس کے مطالعہ کی کل کائنات جس کا اس نے چہار عنصر اور دیگر مقامات میں اعتراف کیا اور شاید اسی بنا پر خان آرزو مجمع النفائس میں لکھتا ہے:

"اگر چہ از علم ظاہر بہرہ وافی نہ داشت اما از صحبت بزرگان و سیر کتب صوفیاء آنقدر مایہ در بود کہ در سرزمین شعر، تمام تخم تصوف می کاشت۔" (۹۰۷)

اگر چہ ظاہری علوم سے کچھ زیادہ بہرہ مند نہ تھا تاہم بزرگوں کی صحبت اور صوفیاء کی کتابوں کے مطالعہ سے اس نے اس قدر سرمایہ اکٹھا کر لیا تھا کہ شاعری میں سراسر تصوف کی تخم ریزی کیا کرتا تھا۔

آرزو کی یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے۔ بزرگوں کی صحبت اور صوفیاء و شعراء کی کتابوں کا مطالعہ یہ دو عامل تھے جس نے بیدل کے دماغ میں معانی اور مضامین کے انبار لگا دیئے تھے اور اس کی شاعری کے لئے بہترین مصالحہ فراہم کیا۔ دہلی میں اپنے معمولات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیدل ایک خط میں لکھتا ہے:

"گاہی از زبان خامہ با دوات گرم سرگوشی می گردد، و گاہی بصحبت کتابی ہمدرس خموشی می شود۔" (۹۰۸)

کبھی تو دوات گرم کے ساتھ زبان خامہ سے سرگوشی کا سلسلہ رہتا ہے یعنی کچھ لکھنے میں مصروف رہتا ہوں اور کبھی کسی کتاب کی صحبت میں خموشی کا ہمدرس بن جاتا ہوں یعنی مطالعہ میں مصروف رہتا ہوں۔

ایک شعر میں علم و دانش کے پیشے کو اعجاز سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی اہمیت جتاتا ہے۔

گرچہ ہر پیشہ سحر پردازیست   پیشہ علم و فضل اعجازیست

جہاں تک اس کے مطالعہ کا تعلق ہے اس کا دائرہ صرف صوفیاء کی کتابوں تک محدود نہ تھا۔ مثنویوں کا دقیق مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اس کے مطالعہ میں تنوع اور رنگا رنگی تھی۔ ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ دلی کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا صرف جمع نہیں کرتا تھا۔

بیدل اگر افسردہ دلی جمع کتب کرد   در مدرسہ دانش ما جلد کتابست

مثنوی عرفان نہ صرف یہ کہ اس کے صوفیانہ ذوق اور عارفانہ مطالعہ کی نشاندہی کرتی ہے بلکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ اس نے علم الاخلاق، علم الاجتماع، علم کیمیا، جفر و رمل حتی کہ اقتصادیات، علم تجارت اور علم زراعت کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ مثنوی طلسم حیرت علم تشریح الاعضاء، علم وظائف الاعضا اور نفسیات سے اس کی گہری واقفیت کو واضح کرتی ہے۔ مثنوی محیط اعظم ہندوستانی قصے کہانیوں سے اس کی آشنائی کو واضح کرتی ہے، اور طور معرفت قدرتی مناظر کی تصویر کشی پر اس کی غیر معمولی توانائی کو ظاہر کرتی ہے۔

ان تمام تر علمی کمالات کے باوجود بیدل کو احساس تھا کہ داغ جہالت ہنوز برقرار ہے۔ علمی تشنگی کا یہی عالم ہوتا ہے اور کتابوں کے مطالعہ نے اسے علمہائے بے عمل بنا دیا۔

عالم معنیٔ شدیم و داغ جہل از ما نرفت — ساخت بیدل علمہای بی عمل ما را کتاب
بیدل اگر اینست سرو برگ کمالت — تحقیق معانی غلط و فکر رسا ہیچ

اس سلسلے میں خوشگو کا بیان حقیقت پر مبنی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کی تمام تخلیقات کو پیش نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ بیدل کا طبعی رجحان تصوف کی طرف زیادہ تھا جیسا کہ نواب نظام الملک کے حالات کے ضمن میں اس کا تذکرہ آچکا ہے۔ بقول خوشگو نواب موصوف نے جب بیدل سے ملاقات کر کے واپس جانا چاہا تو بیدل نے کیمیائے سعادت اور نفحات الانس وغیرہ کتابیں ہدیہ کے طور پر پیش کیں۔ یہ واقعہ اور اسی طرح بینجر بلگرامی کا بیان بیدل کے طبعی رجحان کو واضح کرتا ہے۔ مختلف علوم وفنون میں بیدل کی اسی جامعیت کی بنا پر اس کے معاصر دانشور اس کی غیر معمولی تحسین کیا کرتے تھے۔ خوشگو نے اس سلسلہ میں اپنے مشاہدات کا خلاصہ اس طرح پیش کیا ہے:

''فقیر درین مدت عمر، کہ پنجاہ وشش مرحلہ طی کردہ، باہزاران مردم ثقہ برخوردہ می باشم، لیکن بجامعیت کمالات وحسن اخلاق و بزرگی وہمواری وشگفتگی ورسائی وتیزفہمی وزودرسی واندازسخن گفتن وآداب معاشرت وحسن سلوک ودیگر فضائل انسانی ہیچواوئی ندیدہ ام۔ واز کسی کہ او را بسیار وکم دیدہ است انصاف می خواہم بشرطیکہ منصف باشد نہ متعصب۔'' (۹۰۹)

خاکسار کو اپنی اس چھپن سالہ زندگی میں ہزاروں ثقہ اور معتبر لوگوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا لیکن جامعیت کمالات، حسن اخلاق، عظمت و بزرگی، ہمواری ونرمی، شگفتگی وزندہ دلی، ذہنی رسائی وتیز فہمی، زود رسی، شیریں بیانی، آداب معاشرت اور حسن سلوک وغیرہ انسانی فضائل وکمالات میں ان جیسا کوئی نظر نہیں آیا۔ جنہوں نے ان کو کم وبیش دیکھا ہے ان سے انصاف سے پوچھتا ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں شرط یہ ہے کہ متعصب اور تنگ نظر نہ ہوں۔

بیدل کا پیشہ:

اب جبکہ بیدل کی جامعیت کی گفتگو اس منزل پر پہونچی ہے بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ ایک طبیب بھی تھا اور اپنی گذر اوقات کے لئے طبابت کا پیشہ اس نے اختیار کیا تھا۔ خود راقم السطور کا خیال تھا کہ نواب اور امراء اس کی سرپرستی اور حاجت روائی کرتے تھے، اس لئے اس کی معاشی زندگی مکمل طور پر ان کے ہدایا اور عطایا پر منحصر تھی۔ لیکن مثنوی عرفان میں جہاں تجارت کی اہمیت پر روشنی ڈالی

ہے وہاں خود اپنے بابت درج ذیل شعر کہا ہے:

دل بر این پیشہ مستقل گیریم — از تجارت مراد دل گیریم (۹۱۰)

اب مستقل طریقے پر اس پیشے میں لگیں اور تجارت سے اپنی دلی مراد حاصل کریں (روزی روٹی کمائیں)۔

تب سے یہ فکر ستاتی رہی کہ بیدل نے آخر وہ کون سی تجارت اختیار کی تھی جس کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔ راقم السطور کی جستجو آخر ٹھکانے لگی۔ درگاہ قلی خاں نے ''مزار بیدل'' کے عنوان سے بیدل کے بھتیجے محمد سعید کے بابت لکھا ہے۔

''محمد سعید برادرزادہ اش...... بتواضع حاضران مجلس (عرس) وترتیب شمع وچراغ، دماغ خود رامی سوزد و باتباع ہم مواجین وحبوب اختراعی میرزا، کہ ازاں قبیل کیمیاست ودر ہمہ دہلی انگشت نما، صرف معیشت می نماید۔'' (۹۱۱)

اس (بیدل) کا بھتیجہ محمد سعید مجلس عرس کے حاضرین کی خاطر تواضع اور شمع وچراغ کے انتظام میں دماغ سوزی کرتا ہے اور ضمنی طور پر مرزا کے ایجاد کردہ معاجین اور حبوب جو کیمیا قسم کی چیزیں اور دہلی میں انگشت نما ہیں بنا کر اپنی گذر اوقات کرتا ہے۔

اس اقتباس سے واضح ہے کہ بیدل نے کچھ مخصوص قسم کے معجون اور حبوب تیار کئے تھے جو دہلی میں ایک طرح سے کیمیا تصور کئے جاتے تھے۔ بیدل کے بعد اس کے بھتیجے نے اس روایت کو قائم رکھا۔ وہ ان دواؤں کو بنا کر اپنی گذر بسر کیا کرتا تھا۔ اب ہم شکر اللہ خاں ثانی کے نام بیدل کے ایک خط کا اسی پس منظر میں مطالعہ کرتے ہیں، لکھتا ہے:

''...... برفع انفعال دوری، ارسال حب اعجاز واکسیر احمر واوجی ورنجک عذرخواہ است مسبب حقیقی از حصول دولت دیدار محروم نگرداناد۔ مرجع تمنای بیدلان! قبل ازین بمعرفت میرزا خسرو بیگ، قدری اکسیر احمر نیاز بار یافتگان جناب تقدس انتساب، پادشاہزادہ عالیان مآب، گردیدہ بود، بشرف قبول امتیاز یافتہ باشد، بالفعل ازین اشیاء مرسولہ آنچہ شایستہ پیشکش بارگاہ دانند، از نظر اشرف بگذرانند۔ درمعنی دعاء مجسمی است، درصورت دوا کہ اثرش باحصول اجابت مناسبتی قریب دارد۔'' (۹۱۲)

(جناب عالی کے آستانے سے) دوری کی ندامت کو ختم کرنے کی غرض سے حب اعجاز، اکسیر احمر، اوجی اور رنجک (یہ چاروں دوائیں) بھیج کر معذرت چاہتا ہوں۔ مسبب حقیقی دولت دیدار سے محروم نہ کرے۔

مرجع تمنائے بیدلاں! اس سے پہلے مرزا خسرو بیگ کی معرفت کچھ اکسیر احمر جناب تقدس انتساب شہزادہ عالیان مآب (اعظم شاہ) کی نذر کی تھی (امید کہ) شرف قبول سے ممتاز ہوئی ہوگی۔ ان چیزوں میں جو چیز آپ شہزادہ کی بارگاہ کی پیشکش کے لائق سمجھیں ان کی نظر سے گذاریں۔ صورتاً دوا ہے مگر معنوی لحاظ سے دعاء مجسم ہے۔ جس کا اثر حصول اجابت سے بہت قریبی مناسبت رکھتا ہے۔

اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ دوائیں اور معاجین حب اعجاز، اکسیر احمر، اوجی اور رنجک ہیں۔ نیز یہ کہ بیدل تحفہ کے طور پر انہیں نواب اعظم شاہ اور بہادر شاہ کو بھیجا کرتا تھا، ممکن ہے اس کے علاوہ اور بھی دوائیاں اور معاجین وہ بناتے ہوں اور اپنے مخلص احباب کو ہدیۃً ارسال کرتے ہوں لیکن اس اعتراف کی بنا پر جو اس نے مثنوی عرفان میں کیا ہے کہا جاسکتا ہے کہ بیدل ان دواؤں کو بنا کر اور انہیں فروخت کر کے بھی اپنی گذر بسر کرتے تھے۔ خوشگو صرف اتنا لکھتا ہے:

''در فصل زمستانی معجونی می ساخت و آنرا ''اوجی'' نام می گذاشت۔'' (۹۱۳)

موسم سرما میں وہ ایک معجون تیار کرتے تھے اور اس کا نام اوجی رکھا تھا۔

بیدل کا حلیہ:

ان معنوی کمالات کے دوش بدوش بیدل کے حلیہ نے بھی اس کی شخصیت کو نہایت پر کشش بنا دیا تھا۔ خوشگو بیدل کے سراپا کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

''بالای والایش در طول میانہ بود و عرض پہناوری بسیار داشت۔ جمالی داشتہ بود ہم رنگ کمال، باچشمہای خجستہ و ابروان کلید درہای بستہ۔ تختہ پیشانی وسعتی داشتہ کہ گوئی قلم تقدیر جمیع کمالات انسانی برو مرتسم کردہ۔ مقدار شش گرہ بود کہ ہرگز برونمی افتاد...... بی باکی تمام داشت، وضع تراش ریش و بروت تراشیدہ بود۔'' (۹۱۴)

قد و بالا کی لمبائی اوسط درجے کی تھی پر جسم کی چوڑائی زیادہ تھی۔ وہ ایسے جمال کے حامل تھے جو کمال سے ہم رنگ تھا، آنکھیں مبارک و مسعود اور بھنویں گویا بند دروازے کی کلید ہوں۔ پیشانی اتنی کشادہ کہ گویا قلم تقدیر نے سارے انسانی کمالات اس پر نقش کردیئے تھے۔ سر کے بال تقریباً چھ گرہ کے برابر تھے جو چہرے پر نہیں گرتے تھے........... انتہائی بے باک تھے داڑھی مونچھ سب منڈاتے تھے۔

ڈاڑھی مونچھ مونڈانے کے بابت بہت سے سوالات قاری کے صفحہ ذہن پر ابھرتے ہیں۔ چونکہ اس موضوع پر الگ سے بحث ''بیدل کے افکار و خیالات'' کے زیر عنوان باب میں کی گئی ہے اس لئے یہاں اسے ترک کیا جاتا ہے۔ ایک شعر میں اس نے اپنی ظاہری شکل و صورت کے بابت کہا ہے۔

بصورت گر تہی دستم، بمعنیٰ گنجہا دارم   کہ گر یک چشم من دامن افشاند گہر ریزد

صورتاً میں تہی دست ہوں معنوی لحاظ سے خزانوں کا انبار میرے پاس ہے اگر میری ایک آنکھ دامن افشانی کرے تو سیکڑوں موتی جھڑنے لگے۔ دوسرے شعر میں کہتا ہے صورو معنیٰ دونوں میں بے نظیر ہوں۔

بمعنیٰ گوہر تک معنیت پیدا نہ شد بیدل   جہاں گشتم، بصورت نیز نتواں یافت مانندت

بیدل کی جسمانی طاقت:

خوشگو نے ''بیان زور مرزا'' کے تحت بیدل کی جسمانی توانائی کی تعریف کرتے ہوئے بعض ایسے واقعات لکھے ہیں جس سے مبالغہ کی بو آتی ہے:

''آنحضرت را از بدو شعور توجہ بر کسب زور بیشتر بود۔ چنانچہ شمار و ایام ہر روزہ کہ موجود فیض آمود می نمود، چہار ہزار و اکثر بہ پنج ہزار کشیدی۔ و بسکہ در کشتی کردن و مصارعہ جستن حریفان را بہر دو دست برداشتی و بر زمین زدی۔ ہیچ کس را تاب پنجہ آزمائی و زور آزمائی او نبود۔'' (۹۱۵)

بیدل کو ابتداء شعور ہی سے اپنی جسمانی توانائی بڑھانے کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ روزانہ چار ہزار اور بسا اوقات پانچ ہزار ڈنڈ بیٹھک لگاتے تھے اور کشتی کھیلنے اور پچھاڑنے میں مد مقابل کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر زمین پر پٹک دیتے تھے کسی کو ان سے پنجہ آزمائی اور زور آزمائی کی جرأت نہیں تھی۔

اس میں شک نہیں کہ بیدل کی جسمانی طاقت غیر معمولی تھی جو ابتدائے سن شعور سے لگاتار ریاضت کا نتیجہ تھی ورنہ پندرہ سال کی عمر میں وہ شاہ شجاع کی فوج (مرزا عبداللطیف کے دستے میں) شریک ہونے کے لائق نہ ہوتا۔ ہمیں معلوم ہے کہ تین مہینے تک وہ مرزا عبداللطیف کے دستے میں داد شجاعت دیتا رہا اور ان فوجیوں کی بہادری کے بابت جس میں خود بیدل بھی شامل تھا۔ لکھتا ہے:

''ہر پیادہ را کہ می دیدم داد مقابلہ صد سواری داد۔ و ہر سوار یکہ می سنجیدم با فوجہای جرار گران سنگ می افتاد۔'' (۹۱۶)

جس پیادہ فوجی کو دیکھتا تھا وہ سو سواروں کے مقابلے کی داد دے رہا تھا اور جس سوار کو جانچتا تھا۔ وہ ایک لشکر جرار سے برسر پیکار تھا۔

اس لئے خوشگو کا یہ بیان کہ کشتی میں وہ اپنے حریفوں کو پچھاڑ دیتا تھا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ٹیلے پر جاتا اور وہاں اپنی تمام تر جسمانی قوت کے ساتھ گھوڑے سے لڑتا

اور اسے زمین پر پچھاڑ دیتا پھر وہ خود اور گھوڑا ٹیلے سے لڑھکتا ہوا نیچے آتا۔ یہ عمل کئی بار کرتا تب کہیں اس کے دل کو سکون ملتا۔

یا یہ کہ ایک دن اس نے حجام کے بچے کو جس سے بیدل کو ایک طرح کا تعلق خاطر ہو گیا تھا ایسی حالت میں دیکھا کہ اس سے غیر شایستہ حرکت سرزد ہو رہی تھی اور بیدل کے طبع نازک پر گراں گذر رہی تھی ایسا طمانچہ مارا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

یا پٹنہ کے دوران قیام ایک تاجر نے عراقی نسل کا ایک گھوڑا لایا اور ایک ہزار روپے میں اسے بیچنا چاہا۔ بیدل کے دل میں آیا کہ وہ اسے خرید لے۔ اس نے تاجر سے کہا کہ تمہارا گھوڑا اگر دوڑ میں مجھ سے آگے بڑھ جائے گا تو دو ہزار روپے تم کو دونگا ورنہ یہ گھوڑا تم کو مفت دینا ہوگا۔ تاجر نے یہ شرط قبول کرلی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بیدل پا پیادہ چلا۔ دونوں ایک لمبے چوڑے وسیع میدان میں دوڑنے لگے۔ دوڑتے وقت بیدل جب کبھی پیچھے مڑ کر دیکھتا تو سوار کو اپنے سے ایک میٹر کے فاصلے کے برابر دور پاتا یہاں تک کہ وہ دوڑ میں بازی لے گیا۔ اس کے باوجود گھوڑے کو مفت لینا اس نے انسانیت اور شرافت کے خلاف تصور کیا۔(۹۱۷)

یہ تینوں واقعات جن کا ذکر خوشگو نے اپنے تذکرہ سفینہ خوشگو، میں کیا ہے عقل و درایت کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور نہ بیدل کے حالات کے لحاظ سے وہ درست نظر آتے ہیں کیونکہ گھوڑے کے ساتھ کشتی کھیلنا یا گھوڑ دوڑ میں سبقت لے جانا ایسی غیر سنجیدہ حرکتیں ہیں جن کو عوام بھی پسند نہیں کرتے، پھر بیدل جیسا سنجیدہ طبع اور صاحب ذوق دانشمند ان کاموں میں کیونکر پڑ سکتا ہے۔ ہم نے بیدل کے حالات میں پڑھا ہے کہ ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء میں پٹنہ سے مہسی کے سفر کے دوران اس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور جمنا پور پار کیا تو اس کی طاقت جواب دے چکی تھی اور خادم کے تمام تر اصرار کے باوجود ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیادہ چلنے کا اتنا عادی نہ تھا پس کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کہ عراقی گھوڑے سے مقابلے میں وہ بازی لے گیا اور شاید انہی وجوہ سے قاضی عبدالودود مرحوم اور یٰسین خان نیازی نے انکار کیا ہے۔(۹۱۸)

خوشگو نے ایک اور واقعہ لکھا ہے: ایک دن بیدل کا پاؤں پھسلا، اتفاق سے وہاں ایک دیوار تھی۔ بیدل نے دیوار کا سہارا لینا چاہا تو اچانک وہ بیدل کی طاقت کی تاب نہ لاکر زمیں بوس ہو گئی (۹۱۳)۔ دیوار کے بارے میں تو یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ وہ پرانی رہی ہوگی اور ڈھ جانے کے قریب ہوگی اور بیدل کا اس کا سہارا لینا اس کے انہدام کا سبب ہوا۔ اسی طرح حجام کے بابت کہا جا سکتا ہے کہ وہ بیدل کے زوردار طمانچہ کی تاب نہ لاکر اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔(۹۱۹)

ڈاکٹر عبدالغنی نے اپنے ایک مقالہ ''بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب'' میں لکھا ہے کہ اعظم شاہ کی ملازمت کے دوران بیدل نے ایک شیر سے پنجہ آزمائی کی جس نے شاہ کے ہمراہیوں پر حملہ کر دیا تھا اور اسے مار ڈالا (۹۲۰)۔ مجھے نہیں معلوم ان کا ماٰخذ کیا ہے لیکن بیدل کے اس سفر کو جو ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء میں اس نے متھرا سے دہلی کا کیا تھا، پیش نظر رکھیں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ سارے واقعات جو اس کی دلیری، بہادری اور پہلوانی سے وابستہ لکھے گئے ہیں افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ اس سفر میں شیر گڑھ نام کے ایک مقام پر پہنچ کر جیسے ہی آگے بڑھنا چاہا ڈاکوؤں کی ایک جماعت سے اس کا سابقہ پڑا اس وقت بیدل کے ساتھ دو خادم اور شاید بیوی بھی رہی ہے وہاں بیدل کو کسقدر اضطراب و پریشانی لاحق ہوئی اور کس قدر خوف و ہراس اس پر طاری ہوا اس کے درج ذیل بیان سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

> ''غبار این فتنہ، صبح زندگی را در چشم امید ما شام کرد۔ وشور قیامت، از شش جهت هجوم یاس آورد۔ نہ عنان بازگشتن در پنجہ اختیار، نہ زمام استقامت در قبضہ اقتدار۔ تا رنگ باختہ تہیہ گردیدن پردازد، فوج بیخودی از قفائی رسید۔ وتا اشک بیدست و پا گام تلاش پیش گذارد، سعی قدم بسر کوبی انجامید۔ صدا را از آفت بلندی رو بگریبان نالیدنی بود۔ ونگاہ را از ہراس مقابل در سایہ مژگاں خزیدنی۔'' (۹۲۱)

اس فتنے کی گرد نے صبح زندگی کو ہماری نگاہ میں شام زندگی میں بدل دیا تھا۔ اور چاروں طرف سے قیامت کا سماں کچھ اس طرح نگاہوں کے سامنے پھر گیا کہ ہم اپنی آس توڑ بیٹھے۔ اب نہ تو واپسی کی باگ ہمارے اختیار میں تھی اور نہ ہی استقامت اور پامردی کی ڈور ہمارے قبضہ میں تھی۔ جب تک (چہرے کا) اڑا ہوا رنگ لوٹے بیخودی کی فوج پیچھے سے آدھمکی اور بے دست و پا اپاہج آنسو جب تک قدم آگے بڑھائے قدم کی کوشش نے ان کی سرکوبی کر دی۔ اور آواز کو ایک بڑی آفت کی وجہ سے منہ گریباں میں رکھ کر آہ و نالے کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور نگاہ کو حریف مقابل کے خوف سے پلکوں کے سایے ہی میں سمیٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

یہ تھی بیدل کی کل پہلوانی۔ اتنا خوف اسے لاحق ہوا کہ آواز حلق میں اٹک کر اور نگاہ پلکوں میں پھنس کر رہ گئی پھر حریف کو شکست دینے کیلئے گھوڑے سے کشتی کھیل کر اسے پچھاڑنے اور شیر کو مارنے کی بات کہاں تک درست ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے۔

ممکن ہے کہا جائے کہ یہ واقعات چونکہ مختلف حالات اور مختلف زمانے میں پیش آئے اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ یہ واقعہ تب کا ہو جب طاقتور تھے پھر بھی اسے مبالغہ آرائی سے خالی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

عصای بیدل:

بیدل کی پہلوانی اور اس کے کس بل کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے خوشگو نے اس کی ایک مخصوص لاٹھی کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ لوہے کی ایک چھوٹی سی لاٹھی تھی جو ہر وقت بیدل کے ہاتھ میں رہتی تھی اس کا وزن ۳۶ شیر شاہجہانی تھا اور اس کا نام اس نے ''نولاسی'' رکھا تھا۔ پھر اس کے معنی کی وضاحت کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ''نولاسی'' ہندی زبان میں باریک شاخ کو کہتے ہیں۔ خوشگو نے اپنے دعویٰ کی تصدیق کے طور پر لوگوں کو اس کی زیارت کرنے کی دعوت دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اب بھی عرس کے دن بیدل کی قبر کے پہلو میں اسے رکھتے ہیں۔ طاقتور لوگ بڑی مشکل سے دونوں ہاتھوں کی طاقت لگا کر ہی اسے اٹھا پاتے ہیں اگر کسی کو یہ بات مبالغہ پر مبنی معلوم ہو تو آ کر خود اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ (۹۲۲)

دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی قدرے اختلاف کے ساتھ بیدل کی لاٹھی کا ذکر کیا ہے۔

شیخ احمد علی لکھتا ہے:

''گویند کتک آہن دہ من تبریز کہ سی آثار دہلی باشد ہمیشہ در دست داشت وہمیں حربہ اش بودہ، در دو انگشت گرفتہ پشت خودمی خارید۔'' (۹۲۳)

کہتے ہیں ایک موٹا آہنی ڈنڈا جس کا وزن دس من تبریزی تھا جو دہلی کے تیس سیر کے برابر ہے ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور یہی اس کا ہتھیار تھا۔ دو انگلیوں سے پکڑ کر اس سے اپنی پیٹھ کھجاتا تھا۔

درگا داس لکھتا ہے:

''روزی چوب دستی کہ در ہندوی لٹھ می گویند بدست کردہ از خانہ برآمدند، شیخ لبیری کہ از آشنایان ایشان بود، ذکر عصا بر زبان آورد۔ آنحضرت پنج فقرہ در تعریف عصا فرمودند: ''سُنّۃ الانبیاء، زینۃُ الصُّلحاء، مُونسُ الاعمی، ممدُّ الضُّعفا، دافع الاعداء۔'' (۹۲۴)

ایک دن لکڑی کی ایک چھڑی جسے ہندی میں لٹھ کہتے ہیں ہاتھ میں لے کر بیدل گھر سے نکلا۔ شیخ لبیری نے جو اس کے دوستوں میں تھے، چھڑی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ جناب والا نے چھڑی کی تعریف میں پانچ فقرے استعمال کئے: انبیاء کی روایت، صلحا کی زینت، اندھوں کا مونس، کمزوروں کا مددگار، دشمنوں کا بھگانے والا۔

ان تینوں تذکرہ نگاروں میں خوشگو کو اس حیثیت سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ بیدل کا ہمعصر اور شاگرد تھا نیز بہ قول خود ایک ہزار سے زیادہ دفعہ اس کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع اس کو ملا تھا اور اپنے دعوے کو بچشم خود مشاہدہ کرنے کی دعوت دے کر مؤکد کر دیا ہے۔

راقم السطور کے خیال میں ہاتھ میں چھڑی رکھنے کے واقعہ سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ اصول اکثر دانشوروں کا خصوصاً آخری عمر میں اب تک چلا آ رہا ہے۔ لیکن اس کے آہنی اور اس قدر وزنی ہونے میں اس کی پہلوانی کے واقعات کی طرح شک وشبہے کی گنجائش ہنوز باقی ہے۔ شیخ احمد علی کا خیال کہ اپنی دو انگلیوں سے پکڑ کر اپنی پیٹھ کھجاتا تھا سراسر مبالغہ آرائی پر مبنی نظر آتا ہے۔ درگا داس کا بیان کہ وہ لکڑی کی ایک چھڑی ہاتھ میں لئے رہتا تھا، عقلی لحاظ سے بھی اور دانشوروں کے روایتی اصول کے لحاظ سے بھی معقول تر نظر آتا ہے۔ بیدل کے ایک شعر سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

شد قامت جوانی در پیریم فراموش — آخر عصای چوبیں از دستم آن عصا برد (۹۲۵)

عہد جوانی کی قد وقامت بڑھاپے میں طاق نسیان کی زینت بن گئی اور بالآخر عصای چوبیں (لکڑی کی چھڑی) نے اس عصائے قامت کو میرے ہاتھ سے لے لیا۔

لیسین خاں نیازی نے ''نولاسی'' کے واقعہ کا سراسر انکار کیا ہے۔ (۹۲۶)

بیدل کے عادت واطوار:

بیدل کے خورد ونوش سے وابستہ عادات کے سلسلے میں بعض ایسی باتوں سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے جن کی حیثیت اس کی پہلوانی کے واقعات کی طرح فرضی افسانے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے ہے یا کم از کم اس کے حالات اور اصول کے پیش نظر اس کی زندگی سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

غذا:

بیدل کے قریب ترین شاگرد خوشگو کا اس سلسلے میں بیان ہے کہ:

''در وقت جوانی غایت گرسنگی قریب ہفت وہشت سیر بود و اکثر بسبب ورزش فقر، بطوع ورغبت فاقہ ہم کشید۔ درین وقت کبرسن کہ فقیر خوشگو ہر روز بخدمتش می رسید خوردن دو ونیم سیر بہ سیر طعام بچشم خود دیدہ۔ ودر عالم شباب اگرچہ بشرب شراب ارتکاب کردہ لیکن در پیریہا بمزاج مبارکش گوارا نمی آمد۔ لہذا از جمیع مکیفات ومغیرات بیگانگی نمودہ بہ بنگ اختیار فرمود۔ آنرا باسم ''موجی'' یاد می نمود۔ ودر فصل زمستان معجونی مرتب می ساخت وآنرا اوجی نام گزاشت۔ شعری ازین عالم گفتہ۔'' (۹۲۷)

جوانی کے زمانے میں انتہائی بھوک کے عالم میں اس کی خوراک لگ بھگ سات آٹھ سیر تھی اور فقر کی ریاضت کی خاطر بسا اوقات اپنی رغبت سے فاقہ کشی بھی کرتا تھا۔ اس وقت اس بڑھاپے میں بھی

جبکہ یہ خاکسار خوشگو روزانہ ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتا ہے۔ ڈھائی تین سیر کھانا کھاتے ہوئے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جوانی میں اگر چہ شراب نوشی بھی کرتے تھے لیکن بڑھاپے میں یہ چیز ان کے مزاج مبارک کو گوارا نہ ہوئی اس لئے تمام مسکرات سے پرہیز کرتے تھے۔ لے دے کے بھنگ کا استعمال برقرار رکھا اور اسے موجی کا نام دے رکھا تھا۔ موسم سرما میں ایک معجون تیار کرتے تھے اس کا نام 'اوجی' رکھا تھا۔ چنانچہ ایک شعر میں بھی اس کی طرف کیا ہے۔

شادم کہ فطرتم نیست تریاکی تعین وہمیکہ می فروشم بنکست دگاه گاه است

مجھے خوشی ہے کہ میری فطرت تریا کی تعین نہیں ہے یعنی افیم خوری اور شراب نوشی کا میں فطری طور پر عادی نہیں ہوں اگر کوئی وہم فروشی کرتا ہوں تو وہ بھنگ کا استعمال ہے اور وہ بھی کبھی کبھی۔

جوانی میں سات آٹھ سیر اور بڑھاپے میں ڈھائی تین سیر غذا کا استعمال اور وہ بھی شاہجہانی عہد کے وزن کا جو یقیناً موجودہ کیلو سے کہیں زیادہ رہا ہوگا۔ اگر چہ خارج از قیاس نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن یہ اس بات کی علامت ہے کہ بیدل بہت بسیار خور آدمی تھا اور یہ عمل اس کے قول سے ہم آہنگ نہیں ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے:

''حصول نعمت کمال، بی وساطت گرسنگی محال، وسیراب زلال جمعیت، بی وسیلہ تشنہ لبی سراب خیال۔ ہلال تا از خود تہی نگردیدہ، بآئینہ داری آفتاب نرسید...... خلای معدہ در ہمہ حال مستعد جرأت کمال است وامتلاء در جمیع اوقات مادہ غصیان وانفعال۔'' (۹۲۸)

''کمال'' کا حصول بھوک برداشت کئے بغیر ممکن نہیں ہے اور سکون خاطر کے آب زلال سے سیرابی پیاس سہے بغیر خواب وخیال ہے۔ ''ہلال'' جب تک خود آپ سے خالی نہ ہوا آفتاب کا آئینہ دار نہیں بنا۔ اگر معدہ خالی ہوتا ہے تو انسان حصول کمال کے لئے ہر حال میں آمادہ رہتا ہے اور اگر بھرا ہوتا ہے تو ہر وقت اس کی طبیعت مضمحل رہتی اور بدہضمی کا شکار ہوجاتا ہے۔

یہاں بیدل نے پرخوری اور شکم سیری کو بدہضمی اور اضمحلال کا سبب قرار دیا ہے۔ دوسری جگہ غذا میں افراط وتفریط سے ہٹ کر میانہ روی کو نہایت فلسفیانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

''گواہ قوت جسم آدمی است سعی در اداء شرایط عبادت۔ وشاہد قوت عقل توجہ بر اکتساب علوم وحکمت۔ ودلیل قوت روح پرواز ہمت بعروج نسبت وحدت۔ مادہ ایں ہر سہ قوت مقدار اعتدال غذا است، کہ بتقویت آں جسم توانا شود بر قدرت اعمال، وعقل اعانت یابد در سعی تحصیل کمال، وروح بال کشاید بفضای محبت ذوالجلال۔ اگر اسباب غذا مفقود باشد تردد جسم در طلب وجہ معاش مانع ذوق عبادت است۔ وتصرف عقل در تدبیر حصول آن محروم

کسب علم وحکمت، وتوجہ روح از تشویش لہٰذا بر جوع سر منزل جمعیت۔'' (۹۲۹)

انسان کی جسمانی توانائی کی علامت یہ ہے کہ وہ شرائط بندگی کی ادائیگی میں لگا ہوا ہو، اور عقلی توانائی کی علامت یہ ہے کہ علوم وفنون اور حکمت ودانائی کے حصول پر متوجہ ہو اور روحانی توانائی کی دلیل یہ ہے کہ ''وحدت'' کی نسبت کے مطابق اس کی ہمت پرواز کررہی ہو۔ ان تینوں قسم کی توانائیوں کا مادہ غذا کی معتدل مقدار ہے جس کے سہارے جسم میں اپنے وظائف کی ادائیگی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، عقل کو حصول کمال کی کوشش میں مدد ملتی ہے اور روح کو عشق الٰہی کی فضا میں بال کشائی کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ اسباب غذا اگر مفقود ہو تو وجہ معاش کے حصول میں جسم کی فکر ذوق بندگی کے لئے رکاوٹ ثابت ہوگی اور اس کی تدبیر میں عقل کی کارفرمائی علم وحکمت کے حصول سے اسے محروم رکھے گی اور ذہنی پراگندگی کی وجہ سے جمعیت قلب کی منزل تک پہنچنے میں روح کی توجہ بٹے گی۔

جو آدمی غذا کے معاملے میں اعتدال کی اس طرح فلسفیانہ انداز سے توجیہ وتشریح کرتا ہو اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہو اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ اس نے دائرہ اعتدال سے قدم باہر رکھا ہوگا اور صرف خوشگو کے بیان کی بنیاد پر اس کو پرخور اور بسیار خور سمجھنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ بہت سے دوسرے معاصر تذکرہ نگاروں مثلاً شیر خاں لودھی، عظمت اللہ بیخبر، افضل سرخوش، خان آرزو، سید محمد ابن عبدالجلیل اور محمد شفیع وارد نے اس امر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ خود بیدل نے ایک شعر میں پرخوری یا امتلا کے بابت کہا ہے۔

ز امتلا مپسندید خواری نعمت کہ شاخ میوه بہ سیری بخاک فگند

پرخوری کی وجہ سے نعمت کی بے حرمتی مت پسند کرو کیونکہ شاخ میوہ جب آسودہ ہوجاتی ہے تو زمین پر آرہتی ہے۔

جہاں تک بیدل کی شراب نوشی اور بھنگ کشی کا تعلق ہے اس کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی شراب کا عادی تھا۔

ما بزور می پرستی زندگانی می کنیم چوں حباب می بنای ماست سرتا پا شراب

لیکن اس می سے مراد بظاہر دنیاوی شراب نہیں لگتی ہے کیونکہ اس کی جوانی بزرگوں کی صحبت میں گذری ہے۔ اور خوشگو کے بیان پر آنکھ بند کرکے اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دوسری جگہ بیدل نے صراحت کیساتھ کہا ہے۔

از می حذر کنید کہ ایں دشمن حیا کاریکہ از ادب نتواں کرد، می کند

شراب سے پرہیز کرو کہ یہ دشمن حیا وہ کام انجام دیتا ہے جو ادب سے ممکن نہیں ہے جو شراب

سے دوسروں کو روکتا ہو وہ خود شراب کیا پئے گا۔

یٰسین خاں نیازی اپنے ایک مقالہ ''مرزا عبدالقادر بیدل'' میں لکھتے ہیں:

''شراب نوشی اور بھنگ کشی جس کا تذکرہ خوشگو نے کیا ہے یقیناً درست نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ محیط اعظم میں شراب کی مذمت میں بہت سے اشعار پائے جاتے ہیں۔'' (۹۳۰)

ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

اس عہد کی تصنیفات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ مسکرات سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ بندرابن داس خوشگو رقمطراز ہے کہ ''بیدل گاہے گاہے برگ حشیش استعمال کیا کرتے تھے'' لیکن اول تو یہ بڑا نا کافی ہے دوسرے جو شخص بہترین اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتا تھا وہ عیش و عشرت کے لئے کس طرح معمولی چیز کو بھی روا رکھتا ہوگا۔ (۹۳۱)

مثنوی محیط اعظم میں بیدل نے شراب نوشی کی مذمت سے وابستہ جو اشعار کہے ہیں راقم السطور کو تلاش کے باوجود نہیں ملے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ بیدل کی پوری سوانح عمری میں کہیں بھی شرابیوں کی صحبت اور ہم نشینی کا ذکر نہیں ملتا بلکہ اپنی طفولیت اور جوانی اس نے بلند پایہ بزرگوں اور مجذوبوں کی صحبت میں گذاری۔ البتہ ہوسکتا ہے بعض مجذوب جیسا کہ عہد حاضر میں دیکھا جاتا ہے بھنگ کا استعمال کرتے ہیں اس لئے کبھی ان کی پیروی میں ایسا کیا ہو۔ جیسا کہ ان کے درج ذیل شعر سے واضح ہوتا ہے۔

شادم کہ فطرتم نیست تریاکی تعین   وہمینکہ می فروشم بنگ است وگاہ گاہ است

خوشی ہے کہ میری فطرت میں تریاک یعنی افیون کی عادت نہیں ہے ہاں اگر وہم فروشی کرتا ہوں تو وہ بھنگ (نشے کی پتی) کا استعمال ہے اور وہ بھی گاہے گاہے۔

اب ہم رقعات بیدل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بیدل کو کن کن چیزوں کی لت لگ گئی تھی ان کا سراغ یہاں سے لگاتے ہیں:

(الف) بیدل کو حقہ کشی بہت پسند تھی۔ جن احباب کو بیدل کے اس ذوق کا علم تھا وہ اسے حقے کی پیشکش کرتے تھے چنانچہ میر رضی وحدت کے نام ایک خط میں اس نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حقہ ہای تحایف بہ قلقل خموشی مینائی کردہ اند'' (۹۳۲)

تحفے میں بھیجے گئے حقے خموشی کے قلقل سے مینائی کا رول انجام دے رہے ہیں۔ اور کبھی خود بیدل اپنے احباب کو بھیجا کرتا تھا جیسا کہ مرزا فاضل بیگ کے نام ایک خط سے مستفاد ہوتا ہے۔

''حقہ مفرحی، کہ چوں سر سودائیان شوق، خالی از گرمی خیالی نیست، بذوق نشاء قبول آں محفل آرای دماغ فطرت مرسول گردیدہ بود۔'' (۹۳۳)

فرحت بخش حقہ جو سودائیان شوق کے سر کی طرح گرمی خیال سے خالی نہیں ہے دماغ فطرت کے اس محفل آراء کے ذوق نشہ قبول کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے روانہ خدمت ہوا تھا۔

یہاں لفظ ''حقہ مفرحی'' کی ترکیب بتاتی ہے کہ بیدل شاید تمباکو میں ایسی کوئی چیز شامل کرتا تھا جو سرور وانبساط میں اضافہ کردے۔ خوشگو نے بھی بیدل کی حقہ کشی کا ذکر کیا ہے۔

''یک غلامی داشتند ''مضمون'' نام چنانکہ فقیر گفتہ:

بیدل کہ تخت گاہ فصاحت مقام اوست   معنیٰ کنیز او شد و مضمون غلام اوست

اکثری آں غلام را برای تازہ کردن چلم قلیان یا امر دیگر طلبید۔'' (۹۳۴)

''مضمون'' نام کا ایک غلام بیدل کے یہاں رہتا تھا جیسا کہ فقیر خوشگو نے کہا ہے (بیدل جس کا مقام تخت گاہ فصاحت ہے معنیٰ اس کی کنیز ہے تو مضموں اس کا غلام ہے) بسا اوقات اس غلام کو چلم تازہ کرنے یا کسی اور کام کے لئے آواز دیا کرتا تھا۔

(ب) بیدل کو اکثر موسمی پھل جیسے آم، خربوزہ، اناس اور قند وغیرہ بہت پسند تھے۔ اس کے احباب خصوصاً نواب شکر اللہ خاں، شاکر خاں اور دوسرے لوگ اکثر یہ پھل اسے تحفے میں بھیجا کرتے تھے اور بیدل ان کو شکریے کا خط لکھا کرتا تھا (۹۲۹)۔ جیسا کہ بیدل کے احباب کے ضمن میں لکھا گیا۔ شکر اللہ خاں کے نام ایک خط میں لکھتا ہے:

ہمہ گر در سہارنپور بالد   بدہلی بایدش محمل کشیدن (۹۳۵)

اگر یہ آم سارے سہارنپور میں پیدا ہوتے ہیں تو سب کو لاد کر دہلی لانا چاہئے۔

آم کے لئے اس کے اشتیاق کا یہ عالم تھا، جس کی بنا پر نواب شکر اللہ خاں سہارنپور سے برابر اس کو دہلی بھیجا کرتے تھے۔

(ج) روغنیات سے متعلق چیزیں جیسے روغل گل اور روغن بادام بیدل کی پسندیدہ چیزیں تھیں۔ ایسا لگتا ہے کہ لکھنے پڑھنے میں کثرت سے مصروف رہنے کی وجہ سے، جیسا کہ ایک خط میں اس کا تذکرہ کیا ہے، بیدل کے دماغ میں اکثر خشکی پیدا ہوجاتی تھی اس وقت اسے اس قسم کی روغنیات کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس کے احباب خصوصاً نواب شکر اللہ خاں و نواب شاکر خاں جیسا کہ متعدد خطوط سے معلوم ہوتا ہے اسے روغن گل اور روغن بادام بھیجا کرتے تھے۔ (۹۳۶)

(د) موسیقی سے بھی بیدل کو کافی دل دلچسپی تھی۔ اس سے پہلے اس سلسلے میں خوشگو کا قول نقل ہوا اور

اب مرزا فضائل کے نام بیدل کا ایک خط "بہ مرزا فضائل در طلب غچک مرتب" کے عنوان سے ملاحظہ ہو:

"مخلص نوازا! اگر حسن بیساختۂ غچک بآرایش گیسوی تار سلسلہ پیرای نغمات وفاق گردیده باشد، بی نوایان محفل آرزو را صدا واری موصول مقامات سرور گردانند، کہ نفس متردد چون کمانچہ مقید خراش سینہ است۔ و نگاہ منتظر چون موی چینی محو کاسہ چشم۔ مضراب شوق را متحرک وزمزمہ تمنا را متصاعد انگارند۔" (۹۳۷)

مخلص نوازا! اگر "غچک" (سارنگی) کا حسن بے ساختہ گیسوئے تار کی آرایش کی خاطر نغمہ ہای وفاق کا سلسلہ پیرا ہو تو محفل آرزو کے بینواؤں کو آواز کی مانند مقامات سرور تک پہونچانے کی زحمت کریں۔ کیونکہ نفس متردد کمانچہ کی طرح خراش سینہ کی پابند ہے اور نگاہ منتظر موئے چینی کی طرح کاسۂ چشم میں محو ہے۔ مضراب شوق کو رواں اور زمزمہ تمنا کو دواں تصور کریں۔

غیاث الدین کی تشریح کے مطابق غچک ایک قسم کے باجے کا نام ہے جو ہندی زبان میں سارنگی کی طرح کا ہوتا ہے اور اسے کمانچہ کہتے ہیں (۹۳۸) اگر یہ سارنگی وہی ہے جس کو ہم اپنے معاشرے میں بعض فقیروں کے پاس بھیک مانگتے ہوئے دیکھتے ہیں تو پھر کہنا چاہئے کہ بیدل کا ذوق کچھ زیادہ اچھا نہ تھا اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ وہ سارنگی سے نزدیک ہو۔

بہر حال خط کشیدہ عبارت موسیقی سے اس کی دلچسپی اور اس کے اشتیاق کو پوری طرح واضح کرتی ہے۔ موسیقی سے دلچسپی ہی کی وجہ سے اس کی غزلوں میں، غنائیت اور موسیقی کے زیر و بم نظر آتے ہیں۔ قاضی عبدالودود مرحوم نے بھی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے۔

لباس و پوشاک:

بیدل کے لباس کے بابت خوشگو لکھتا ہے:

"مرزائی از سراپایش می بارید۔" (۹۳۹)

اس کے پورے حلیے اور سراپا سے میرزائی ٹپکتی تھی۔

مرزا اصل میں امیرزادہ یعنی امیر کا بیٹا اور سردارزادہ کو کہتے ہیں۔ ایران میں اس لفظ کا اطلاق سادات پر ہوتا ہے پس خوشگو کا مقصد شاید یہ ہے کہ لباس پوشاک کے لحاظ سے اس کی شکل وصورت اور وضع قطع سے سرداری ٹپکتی تھی۔ بیدل کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خوش پوشاک آدمی تھا اور اپنی ظاہری وضع قطع ایسی نہیں رکھتا تھا کہ کوئی اس کو سائل یا گرا ہوا تصور کرتا جیسا کہ بہت سے خود ساختہ

درویش اپنے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اکبرآباد میں قیام کے دوران ایک دفعہ وہ سخت گرسنگی کا شکار ہوا۔ اس موقع پر اپنی ظاہری وضع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"وضعی نداشتم کہ کسی محتاجم تصور نماید۔" (۹۴۰)

میری وضع قطع ایسی نہ تھی کہ کوئی مجھے نادار اور سائل تصور کرتا۔

رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر خرقہ (گدڑی یا پرانا جامہ) گلیم (کمبل) کمبل سیاہ (سیاہ کملی) چھینٹ کے جامہ دار (ایک قسم کی پھول دار چھینٹ) ڈوریہ ہای سفید (ایک قسم کا ولایتی دھاری دار باریک کپڑا) جن کو وہ "زمستانی پوشاک" (سردیوں کا لباس) سے تعبیر کرتا تھا، ان کے علاوہ پارچہ گزی (ایک قسم کا موٹا سوتی کپڑا) اس کے استعمال میں رہے ہیں جو اکثر نواب شکر اللہ خاں اور نواب شاکر خاں اسے ہدیۃً بھیجا کرتے تھے (۹۴۱)۔

یہ سارے لباس ہماری نگاہوں کے سامنے ایک ایسی شخصیت کی تصویر پیش کرتے ہیں جو قلندر سے قریب قریب ہو۔ میر حسین دوست لکھتا ہے کہ دستار کی جگہ پہتہ استعمال کرتا تھا۔ پہتہ چھوٹے دستار کو کہتے ہیں جو سر پر باندھا کرتے ہیں۔ (۹۴۲)

آخر میں بیدل کی سیرت پر اس کی ایک غزل بڑی روشنی ڈالتی ہے جو ترجمہ کے ساتھ پیش ہے۔

بنای رنگ فطرت بر مزاج دوں نمی باشد — زمین خانہ خورشید جز گردوں نمی باشد

پست و دنی الطبع لوگوں پر رنگ فطرت کی اساس قائم نہیں ہوتی۔ خانہ خورشید کی سرزمین آسمان کے سوا کوئی نہیں ہے۔

شکست کار دنیا نیست تشویش دماغ من — خیال موی چینی در سر مجنون نمی باشد

دنیاوی امور میں شکست و ناکامی میرے دل و دماغ کے لئے موجب پریشانی نہیں۔ موئے چینی کا تصور مجنوں کے صفحہ دماغ پر نہیں ابھرتا... میں آزاد منش ہوں اور مست مولا ہوں۔

کمند ہمتم گیرائی دارد کہ چوں گردوں — سر من نیز از فتراک من بیروں نمی باشد

میری ہمت کے کمند میں اتنی گیرائی ہے کہ آسمان کی طرح میرا سر بھی میرے شکار بند سے باہر نہیں آتا --- میں عالی ہمت و بلند حوصلہ ہوں۔

کہ دارد طاقت سنگ ترازوی عدم بودن — کم چندانکہ از من ہیچک افزوں نمی باشد

ترازوئے عدم کے باٹ بننے کا کس میں کس بل ہے میں اتنا ہی کم بمعنیٰ ہلکا ہوں کہ مجھ سے زیادہ ہلکا کوئی نہ ہوگا۔

دم تقریر اگر گاہی نفس وزدم مکن عیبم — بطور اہل معنیٰ سکتہ ناموزوں نمی باشد

تقریر کے وقت اگر دم لینے کے لئے رکا تو میری عیب جوئی نہ کرو۔ اہل معنیٰ کے نزدیک سکتہ ناموزوں نہیں ہوتا ہے۔ کلام میں اگر سکتہ نظر آئے تو اس پر عیب نہ کرنا۔

بسامان لباس از سعی رسوائی تبرا کن   عبارت جز گریباں چاکی مضمون نمی باشد

سامان لباس کے ہوتے ہوئے رسوائی کے جتن سے بیزار رہو۔ عبارت مضمون کی گریبان چاکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

دریں عبرت فضا تا کی بساط کروفر چیدن   زمانی بیش گرد سیل درہا موں نمی باشد

اس عبرت سرا کے ماحول میں کروفر کی بساط کب تک بچھاتے رہوگے۔ سیلاب کا سارا زور دریا میں تھوڑی دیر سے زیادہ نہیں رہتا۔ جاہ وحشمت سے دور رہتا ہوں۔

زر و مال آنقدر خوشتر کہ خاکش کم خورد بیدل   تلاش گنج جز سر منزل قاروں نمی باشد

بیدل! مال و دولت بس اتنی ہی بہتر ہے جسے خاک نہ کھائے۔ تلاش گنج میں سرگرداں رہنا تو قارون کی منزل تک پہونچنا ہے۔ بقدر کفاف روزی بہتر ہے۔

صاف دلی:

نیستم جرعہ کش درد کدورت بیدل   چوں گہر صافی دل بادہ مینائی من است

میں کدورت کا تلچھٹ نہیں پیتا ہوں۔ موتی کی طرح میرا اپنا صاف دلی ہے۔

شرم وحیا:

ز انفعال سرشتند نقش پا بیدل   تری بروں رود از طبع آب دشوار است

میری خمیر میں حیا وشرم کوٹ کوٹ کر بھردی گئی ہے۔ پانی کی طبیعت سے تری ختم ہوجائے ممکن نہیں ہے۔

انکساری وخاکساری:

دیدہ تا دل فرش راہ خاکساری کردہ ام   ازنفس تا موج مژگاں بوریا افتادہ است

آنکھ سے لے کر دل تک سارے اعضا کو راہ خاکساری میں بچھادیا ہے سانس سے لے کر پلک تک بوریا بچھی ہے۔

ادب وتمیز:

با ادب جوشیدہ ای بیدل زہزیاں دم مزن   موج گوہر بستہ را شوخی نخواہد بیش رفت

بیدل ادب وتمیز کی رعایت کیساتھ تمہاری پرورش ہوئی ہے اس لئے ہزیان گوئی مت کرو۔

کسی سے گلہ شکوہ نہیں:

دماغ شکوہ ندارم و گرنہ می گفتم   بدوستاں ز فراموشیم دعا برسد

شکوے کا مزاج نہیں ہے ورنہ میں کہتا دوستوں کو ان کی فراموشی کے سبب دعا پہنچے۔

شوخی طبع:

بیدل مزاج کے لحاظ سے خشک قسم کا نہ تھا بلکہ شوخ طبع، شعلہ مزاج، بذلہ سنج اور سدابہار شخصیت کا مالک کا تھا۔

ز طبع شوخ این ہمہ دربند کلفتیم   بستند چون شرار بسنگ آشیان ما

بحر رازم، پیچ و تاب فکر گرداب من است   شوخی طبع رسا امواج بیتاب من است

ز بسکہ دشمن آسودگی است طینت من   چو شعلہ می شکند رنگم از شکستن تب

طبعم از آشگفتگی دام صفای دیگر است   در خور امواج باشد حسن روز افزوں آب

چمن طبیعت بیدلم ادب آبیار شگفتگی است   زدہ است ساغر رنگ و بو بدماغ غنچہ بہار ما

پیر گردیدی و شوخی یکسر مو کم نہ شد   پیکر خم گشتہ ات ہمچشم ابروی خم است

بیدل کا اندرونی اضطراب:

بیدل دہلی میں اپنے احباب کے درمیان نسبۃً ایک آسودہ اور مطمئن زندگی گذار رہا تھا کہ اچانک ایک زبردست اضطراب اور ہیجان اس کے دل میں برپا ہوا۔ یہ اضطراب درحقیقت دہلی میں قیام کے دوران اس کے چند سالہ مشاہدات کا نتیجہ تھا۔

شکر اللہ خان ثانی کے نام بیدل نے ایک خط ''درعرض احوال خود'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ یہ خط کب لکھا گیا صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا لیکن اس خط سے پہلے جو خطوط لکھے گئے ہیں یا ترتیب میں آئے ہیں ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء میں کام بخش پر بہادر شاہ کی فتح کے بعد لکھا گیا ہے۔

اس خط کا موضوع ہے ''انسان کی موہوم ہستی''۔ ہمیں معلوم ہے کہ پہلی جنگ جانشینی کا جو

اورنگ زیب اور اس کے بھائیوں کے درمیان ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۷ء میں ہوئی تھی اس کا اس نے دور سے مشاہدہ کیا تھا۔ اور اب دہلی میں مستقل سکونت کے دوران ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء میں اعظم شاہ اور بہادر شاہ کے درمیان دوسری دفعہ، پھر ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء میں بہادر شاہ اور کام بخش کے درمیان تیسری دفعہ اور ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء میں جہاندار شاہ اور اس کے بھائیوں کے درمیان چوتھی مرتبہ پھر اسی سال محمد فرخ سیر اور جہاندار شاہ کے درمیان پانچویں دفعہ جنگ جانشینی کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔

آخر کی ان چار خونیں جنگوں کے نتیجے میں سیاسی اسٹیج پر جو انقلابات رونما ہوئے ان سے کیا شاہ و کیا گدا، کیا امیر و کیا غریب، کیا خواص اور کیا عوام سارے طبقے براہ راست یا بالواسطہ متاثر تھے۔ بیدل نے اس عروج و زوال، پستی و بلندی، نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا اور ان سے متاثر تھا اور عبرت حاصل کرتا تھا۔ جیسا کہ اس کی پرچھائیں اس کے بعض اشعار میں موجود ہیں:

از انقلاب دہر بیدل کارم از طاقت گذشت   بعد ازیں از سخت جانی سنگ بر دل بستن است

زمانے کے انقلاب کی بدولت میرا معاملہ یا میرے حالات اب برداشت سے باہر ہو گئے اب اس کے بعد سخت جانی کی وجہ سے دل پر پتھر رکھنا ہوگا۔

اوج و اقبال جہان راپایہ فرصت کجاست   گو بہ اشکی چند بر بام سر مژگان برآ

دنیا کے عروج و اقبال کو کہیں ٹکاؤ کی فرصت نہیں (انقلاب سے متاثر لوگوں سے کہہ دو) آنسوؤں کے چند قطرے بن کر پلکوں کے بام سے باہر نکل آئیں۔

خاک نم گل می کند سامان خشکی از غبار   سیر کن ہنگامہ اقبال و ادبار مرا

تر مٹی غبار سے خشکی کے ساز و سامان نمایاں کرتی ہے۔ ہمارے اقبال و ادبار کا تماشا دیکھو۔

غافلند ارباب جاہ از پستی اقبال خویش   زیر پا بودست صدر آرائی اورنگ ہا

ارباب جاہ و حشمت اپنے عروج و اقبال کی پستی سے غافل ہیں۔ اورنگ شاہی کی صدر نشینی پاؤں تلے پامال ہوتی رہی ہے۔

کردیم تماشای ترقی و تنزل   آئینہ ما ہر نفس از ما بتری داشت

ترقی و تنزل اور عروج و زوال کا تماشا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ہمارے آئینہ دل کا حال ہر آنے والے لمحے میں پہلے سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔

اوج دولت سفلہ طبعان را دو روزی بیش نیست   خاک اگر امروز بر چرخ است فردا زیر پاست

دولت و حکومت کا عروج بیوقوفوں کو دو دن سے زیادہ حاصل نہیں ہے خاک اگر آج آسمان پر ہے تو کل پاؤں تلے پامال ہو رہا ہے۔

سلطنت وہمست بیدل، خاکسار عجز باش   افسر ما چوں رہ خوابیدہ نقش پابس است

بیدل! سلطنت ایک وہم ہے عجز و انکساری اور تواضع و خاکساری اختیار کر۔ خوابیدہ راستے (جس پر کوئی نہ چلے) کی طرح ہمارے تاج کے لئے نقش پا کافی ہے۔

فلک تکلیف جاہت گر کند فال حماقت زن   کہ غیر از گاو نتواند کشیدن بار دنیا را

آسماں اگر کبھی تجھے جاہ و مرتبہ عطا کرے تو اسے حماقت پر محمول کر کیونکہ دنیا کے بوجھ کو بیل بھینس کے سوا کوئی اور نہیں کھینچتا۔

ازاں زماں کہ بسر گشتگی است نسبت من   برنگ خامہ بسی دیدہ ام سیاہ و سفید

سنگی بجگر بستہ ام از سختی ایام   آئینہ ام و جوہر فولاد من اینست

لبقدر کز گرم و سرد دہر داغ عبرتم   شعلہ را باید بحالم تا ابد لرزید و سوخت

در محیط حادثات دہر مانند حباب   از دم خاموشی ما شمع ہستی روشن است

کجا ست امن کہ در مرغزار لیل و نہار   بہر طرف نگری یک پلنگ می گذرد

فیل صاحب منصب است، گاو و خر روزینہ دار   فخر انسانی ز روی منصب و روزینہ نیست

ما درد سر زا افسر دولت نمی کشیم   بخت سیاہ ما چہ کم از سایہ ہماست

امروز قدر ہر کس مقدار مال و جاہ است   آدم نمی تواں گفت آنکس کہ خر نباشد

ز نا ہنجاری مغرور جاہ ایمن مشو بیدل   لگد اندازی در پردہ ہر کہ خر دارد

غرض ان انقلابات نے بیدل کو انسان کی ''موہوم ہستی'' کی طرف متوجہ کیا۔

دارم بیدل از ''ہستی موہوم'' غباری   ای سیل بیا خانہ آباد من اینست

وہ اس وقت اپنے بعض ہمعصر لوگوں کی طرح غیر معمولی قلبی اضطراب سے دوچار اور دنیا سے انتہائی دل برداشتہ دکھائی دیتا ہے۔ حوادث و آلام سے بھری اس زود گذر زندگی کے مقابلے پر وہ کسی قسم کی خوشی اور آسودگی محسوس نہیں کرتا۔ شکر اللہ خاں ثانی کے نام اپنے ایک خط میں ''در عرض احوال خود'' کے عنوان سے لکھتا ہے:

''طلسم حیرت بنای زندگی بفسون وسوسہ نہ بستہ اند، کہ بتاثیر نفس در سینہ وزدیدن کفیل آسودگیش توان گردید۔ یا بتدبیر سنگ بر دل بستن پیام راحتش توان رسانید۔ غباری در کوچہ بند تعلق ہوا افتادہ، اگر گردن ہوس برافرازد، دماغ گردبادی بلند آشفتگی بہم رسانده یا شد و اگر بفکر آرایش تمکین پردازد، خاک گم گشتگی برفرق تو ہم افشاندہ باشد۔ درفراہم آوردن اسبابیکہ رابطہ سلسلہ زندگی دریدہ ایم، نغمات آشفتگی و پراگندگی نیز از ہمان ساز عشرت

آہنگ شنیدہ ایم۔ نہ فطرت را از وضع ترکیب جوارح خبریست کہ بضبط اعمال و افعالش تواند کوشید۔ و نہ از کیفیت حرکات و سکنات حواس و قوی اثری، کہ با آثار و احوال آن تواند وار سید۔ با این برگ و ساز، عجب تر آنکہ از وجدان ہر خیال ہنگامہ وجدی بتصور رچیدن است۔ واز فقدان ہر مطلبی، گریبان چندین قیامت دریدن۔ کاش تماشای این نیرنگ، ہم بیانی داشتہ باشد۔ تا با وہام انتعاش، خرسندی ساختہ را، پیش طبع مشوش توان ساخت۔ یا بہ تخیل آلام بالتزام بیدماغی جاوید باید پرداخت۔ نفس نیم نفس بگوشہ دل نیارامید۔ و نگاہ یک مژہ درخانہ چشم وانکشید۔ تگ و تاز محض تگ و تاز است و نشیب و فراز محض نشیب و فراز است۔ اشکال این خیالات ہر چند بازی تصوری کنم، دل ہیچ خورسند باور ندارد۔ و نقوش این آثار، ہر قدر باطل می اندیشم، یقین خود پسند عرض نمی شمارد۔ حیرانیم ما را باین محفل کہ خواند، و عنان بیرنگی بایں رنگ کہ گرداند۔'' (۹۴۳)

اساس زندگی کا طلسم حیرت وسوسہ کے جادو سے وابستہ نہیں ہے کہ سانس کے سینے میں اٹکنے کی تاثیر سے اس کی آسودگی کا کفیل ہوا جاسکتا ہے یا دل پر پتھر رکھنے کی تدبیر سے اس کی راحت کا پیام پہونچایا جاسکتا ہے۔ گلی کے اندر پڑا غبار ہوا کی قید و بند میں ہے۔ اگر ہوس کی گردن ذرا بلند کرے گرد باد کا دماغ اسے فوراً آشفتہ و پراگندہ کرے گا۔ اگر اپنی جگہ ٹکے رہنے کی فکر کرے تو گم گشتگی کی خاک تو ہم کی پیشانی پر اڑائے۔

جن اسباب کی فراہمی میں سلسلہ زندگی کے رابطے کو درہم برہم کیا ہے، آشفتگی اور پراگندگی کے نغمے بھی اسی سازِ عشرت آہنگ سے سنے ہیں۔ نہ تو انسانی فطرت کو اعضاء و جوارح کی ترکیب کی صورت حال کی خبر ہے کہ اپنے اعمال و افعال پر کنٹرول کرنے کی کوشش کر سکے اور نہ حواس و قوی کی حرکات و سکنات کا اس پر کوئی اثر ہے کہ اس کے آثار و احوال پر غور کر سکے۔ اس سرو سامان کے ساتھ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ہر خیال کے عملی جامہ پہننے سے وجد و سرور کا ہنگامہ عالم تصور میں برپا ہو جاتا ہے۔ (بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے) اور ہر مطلب کے فقدان یا پورا نہ ہونے سے کئی قیامت کے گریباں چاک ہوئے ہیں (بے انتہا غم ہوتا ہے) کاش اس نیرنگ کے تماشا میں بھی کوئی بیان مضمر ہوتا تا کہ حصول خوشی کے وہم میں بناوٹی خوشی کو طبع مشوش کے ساتھ ہماہنگ کیا جائے یا مصائب و آلام کا خیال کر کے دائمی بے صبری اور بدمزاجی کے التزام میں مصروف رہا جائے۔ گوشہ دل میں سانس بلکہ نیم سانس کو بھی آرام کی نوبت نہیں آئی اور خانہ چشم میں نگاہ کو پلک جھپکنے بھر بھی وا ہونے کا موقعہ نہ ملا۔ تگ و تاز اور جد و جہد محض تگ و تاز اور نشیب و فراز محض نشیب و فراز ہے۔ ان خیالات کی شکلوں کو اگر چہ ایک کھیل تماشا سے

زیادہ نہیں سمجھتا ہوں لیکن دل جو کسی چیز سے خوش نہیں ہے اس کو ان باتوں کا یقین نہیں ہوتا ہے اور ان آثار کے نقوش کو میں جس قدر غلط اور باطل سمجھتا تھا یقین خود پسند ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے۔ حیران ہوں اس محفل میں ہمیں کس نے بلایا اور نیرنگی کی باگ کو اس انداز سے کس نے موڑا۔

سادات بارہ کا واقعہ اور بیدل کا لاہور کو فرار:

بیدل اس عالم اضطراب میں زندگی گذار رہا تھا کہ ایک انوکھا واقعہ پیش آیا۔ ایسے وقت میں جب کہ بیدل کو ہر قسم کی ذہنی تناؤ سے پاک سکون کی زندگی مطلوب تھی یہ واقعہ اس کے لئے مزید بے سکونی کا سبب ثابت ہوا۔

پہلے باب میں ہم نے پڑھا کہ محمد فرخ سیر سادات بارہہ (سید عبداللہ خاں صوبیدار الہ آباد، سید حسین علی خاں صوبیدار بہار) کی مدد سے اقتدار کی کرسی تک پہونچا تھا۔ ان کی خدمت کی قدر دانی کے طور پر اس نے بڑے بھائی کو وزارت اور چھوٹے کو امیر الامراء کے اعزاز سے نوازا تھا۔

چند سال کے بعد سادات بارہہ اور فرخ سیر کے درمیان کسی بات پر کدورت پیدا ہوگئی۔ قطب الملک سید عبداللہ خاں نے اپنے بھائی امیر الامراء سید حسین علی خاں کو جو اس وقت دکن کے صوبیدار تھے اپنے پاس بلالیا۔ دہلی آنے کے بعد دونوں بھائی ۲۸ ربیع الاول ۱۱۳۱ھ/ ۸ فروری ۱۷۱۹ء کو اندرون قلعہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے کچھ معتمد نوکروں کو مناسب جگہوں پر تعینات کردیا۔ دس دن کے بعد ان لوگوں نے اپنے نوکروں کو حرم شاہی میں بھیجا۔ فرخ سیر وہاں سادات کے خوف سے چھپا بیٹھا تھا۔ سادات کے نوکروں نے فرخ سیر کو انتہائی رسوائی کے ساتھ باہر لایا اور سادات کے حسب حکم قلعہ ترپولیہ میں قید کر کے اس کی آنکھوں میں سلائی کھنچوادی۔ ٹھیک دو مہینے بعد ۱۲ جمادی الثانی کو قطب الملک کے اشارے سے قید خانے میں اسے مار ڈالا گیا۔ (۹۴۴)

بیدل، جس نے یہ سارے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ خاموش نہ رہ سکا اور ایک رباعی میں سادات کے اس رویہ پر سخت تنقید کی بلکہ اسے سراسر ظلم و بربریت سے تعبیر کیا:

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند　　صد جور و جفا ازرہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود　　سادات بوی نمک حرامی کردند

تو نے دیکھا کہ شاہ گرامی قدر کے ساتھ ان سادات نے کیا سلوک کیا؟ ناسمجھی سے اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ جب عقل سے اس کی تاریخ پوچھی تو اس نے کہا'' سادات نے اس کے ساتھ نمک حرامی کی۔

اس امر میں کہ جرم سادات کا تھا یا بادشاہ کا لوگوں میں بڑا اختلاف ہے۔ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

''......درواخر دولت راہ غلط پیمودند وتا روز قیامت داغ بدنامی برخود بردند۔ اما نزد ارباب انصاف، منشاء زل بادشاہ محض پاس آبر ووحفظ جان عزیز بود کہ ایںہا مدت العمر جانفشانیہا نمودند ولوازم دولت خواہیہا بتقدیم رسانیدند، با دشاہ چشم از حقوق پوشیدہ در صدد قلع وقمع افتاد وتا زندہ بود ہمیں خیال در سر داشت۔ آخر این رای سقیم باعث زوال سلطنت شد و دولت پادشاہ وسادات ہردو برہم خورد۔'' (۹۴۵)

حکومت کے آخری زمانے میں انہوں نے غلط روش اختیار کی اور قیامت تک کے لئے بدنامی کا داغ اپنے سر لے گئے۔ لیکن ارباب انصاف کے نزدیک بادشاہ کو تخت سلطنت سے معزول کرنے کے پیچھے سادات کا مقصد اپنی عزت وآبرو اور جان ومال کی حفاظت کرنا تھا کیونکہ ان لوگوں نے ساری زندگی اس کے لئے جانفشانی کی تھی اور حکومت کی خیر خواہی میں تمام ضروری کام انجام دیئے تھے۔ بادشاہ ان کے حقوق سے چشم پوشی کر کے ان کو قلع قمع کرنے کے درپے ہو گیا اور جب تک زندہ رہا یہی خبط اس کے سر میں سمایا رہا۔ آخر یہ سقیم رائے سلطنت کے زوال کا سبب ثابت ہوئی اور بادشاہ کی حکومت اور سادات کا اقتدار دونوں ہی ختم ہو گیا۔

سچ پوچھئے تو لوگ ولیام بیل کے مطابق دو طبقے میں بٹ گئے تھے۔ کچھ لوگ محمد فرخ سیر کے طرفدار تھے اور کچھ سادات کے۔ بیدل بادشاہ کے طرفداروں میں نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ شاید فرخ سیر کا بیدل کے ساتھ حسن سلوک رہا ہو جیسا کہ غلام حسن مجددی کا خیال ہے (۹۴۵) لیکن سادات سے بھی بیدل کے تعلقات کچھ کم مخلصانہ نہ تھے بلکہ بادشاہ کی نسبت وہ سادات سے زیادہ قریب تھا جیسا کہ بیدل کے احباب کے ضمن میں اس امر پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ سادات بھی بیدل کی بڑی قدر کرتے تھے اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ معاملہ کچھ ایسا ہی رہا ہے، جس کو بیدل نے رباعی میں بیان کیا ہے۔

حال میں ایک کتاب ''سیدان بادشاہ گر'' کے نام سے لاہور میں چھپی ہے جس کے مرتب ڈاکٹر سید صفدر حسین ہیں اور جو ''تاریخ فرخ بخش'' مؤلفہ محمد فیض بخش کاکوروی کے بیان کی اساس پر لکھی گئی ہے، اس کتاب میں مؤلف اور مرتب ہر ایک سادات بارہہ کے طرفداروں میں نظر آتے ہیں۔ تاریخی کتب کے حوالے سے انہوں نے ساری کوشش اس بات پر صرف کردی ہے کہ سادات بارہہ کو فرخ سیر کے قید کرنے اور مار ڈالنے میں حق بجانب ثابت کریں۔

اس سلسلے میں گفتگو کا سلسلہ دراز کرتا ہوا مصنف لکھتا ہے کہ سادات کے بارے میں جو عام

بدگمانی معاشرے میں پیدا ہوئی وہ درحقیقت نظام الملک اور اس کے طرفداروں کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اور ان کے مفصل حالات کی بنا پر (جس کا اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے) کہنا چاہئے کہ نظام الملک اور محمد امین عرفان وغیرہ ہی نے مغل سلطنت کی بنیادیں ہلانے میں اہم رول ادا کیا ہے اور چونکہ آصفیہ سلسلہ دوسو پچیس سال تک قائم رہا اس لئے کسی مؤرخ کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ حقیقی واقعات بیان کرے اور راہ حق میں ان شہید ہونے والوں کے ساتھ انصاف کرے۔ چنانچہ مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی جس کے شاگردوں میں آصف جاہ اول نظام الملک تھے، اپنے شاگرد کی طرفداری میں کہہ گئے ''دیدی کہ چہ باشاہ گرامی کردند الخ''۔ (۹۴۷)

ڈاکٹر صفدر حسین نے اس طرح غریب بیدل کو بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا اور یہ نہ سمجھا کہ دشمن اگر قوی ہے تو نگہبان اس سے زیادہ قوی ہے۔ اس حقیقت کے علاوہ کہ فرخ سیر کے مقابلے پر سادات بارہہ بیدل سے زیادہ قریب تھے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا۔ دلچسپ بات وہ ہے جو ہمارے استاد محترم پروفیسر ولی الحق انصاری صاحب نے فرمایا:

''آصفیہ حکومت صرف دکن میں محدود تھی۔ اس کا دائرہ اثر دکن سے باہر کہیں نہیں تھا پس کیونکر ممکن ہے کہ دکن سے دور دراز علاقے کے مؤرخوں نے مذکورہ بالا ریاست کے خوف سے حقیقی واقعہ بیان نہ کیا ہو۔''

بہر حال، سارے حالات کے پیش نظر ایسا لگتا ہے کہ بیدل نے جس بات کو حق سمجھا اعلانیہ ظاہر کر دیا عظمت اللہ بیخبر نے جو سادات کے طرفداروں میں تھا، بیدل کے رباعی کا جواب اس طرح دیا:

باشاہ سقیم آنچہ شاید کردند — از دست حکیم ہر آنچہ آید کردند
بقراط خرد نسخہ تاریخ نوشت — سادات دوائش آنچہ شاید کردند (۹۴۸)

سقیم رائے رکھنے والے بادشاہ کے ساتھ جو کچھ کرنا تھا انہوں نے کیا، حکیم ودانا کے ہاتھوں سے جو انجام پاسکتا تھا انہوں نے انجام دیا۔ بقراط خرد نے اس کی تاریخ یوں لکھی: سادات نے اس کا جو علاج چاہئے تھا وہی کیا۔

اتفاق سے بیدل کی طبع زاد تاریخ ''سادات بوی نمک حرامی کردند'' زیادہ برجستہ اور برمحل واقع ہوئی تھی، اس لئے بہت جلد لوگوں کی زبان پر چڑھ گئی اور اس قدر مشہور ہوئی کہ بیدل کے لئے تشویش کا باعث بن گئی۔ بیدل کو سادات کی طرف سے انتقام جوئی کا خدشہ لاحق ہوا اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ سادات کے قہر وغضب سے بچنے کے لئے جسقدر جلد ہو سکے اور جتنی دور ہو سکے فرار کر جائے۔ چنانچہ بہ قول آزاد بلگرامی، وہ عازم لاہور ہوا۔ لاہور کے صوبہ دار نواب عبدالصمد خاں نے اس کا پرجوش

خیر مقدم کیا اور اس پر اپنی نوازشوں کی بارش کر دی۔ یہ سفر کب پیش آیا صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے لیکن فرخ سیر کی اسارت کی تاریخ کے پیش نظر قیاس کیا جاتا ہے کہ اوائل یا اواخر ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء میں پیش آیا ہوگا۔

اس اثناء میں سادات نے اول رفیع الدرجات بن رفیع الشان اس کے بعد رفیع الدولہ بن رفیع الشان کو دہلی کے شاہی تخت پر بٹھایا جن میں سے ہر ایک تین مہینے کی حکومت کے بعد دنیا سے رخصت ہوگیا۔ آخر جہانشاہ کے بیٹے محمد شاہ غازی کو تخت پر بٹھایا۔ محمد شاہ نے سادات کے غیر معمولی اثر ورسوخ کو دیکھ کر ان کے خلاف سازش کرنی شروع کی۔ آخر کار اس میں وہ کامیاب ہوا جیسا کہ مقدمہ میں گذرا۔ سید حسین علی خاں ۷ رذی قعدہ ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۱۹ء کو میر حیدر خاں کاشغری کے ہاتھوں مارا گیا اور سید عبداللہ خاں محمد شاہ کے ساتھ معرکہ آرائی میں اول قید ہوا پھر مارا گیا۔

بیدل کی دہلی واپسی:

سادات کے اقتدار کا سورج ڈوبنے کے بعد بیدل دہلی واپس آیا۔ خوشگو لکھتا ہے:

"در سال ہزار وصد وسیوم در ایامیکہ ابوالفتح ناصرالدین محمد شاہ پادشاہ غازی بر سادات بارہہ مظفر ومنصور شد واستقلال سلطنت یافتہ، بدارالخلافہ شاہجہان آباد تشریف آورد۔" (۹۴۹)

۱۱۳۳ھ میں جبکہ ابوالفتح ناصرالدین محمد شاہ بادشاہ غازی کو سادات بارہہ پر فتح نصیب ہوئی اور سلطنت مستحکم ہوگئی تو بیدل دارالخلافہ شاہجہاں آباد واپس آیا۔

قطب الملک کی اسارت کا واقعہ ۱۴ رمحرم ۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۰ء کو رونما ہوا۔ اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کے بعد ہی بیدل دہلی واپس آیا ہوگا۔ اس طرح وہ تقریباً ڈیڑھ سال لاہور میں نواب عبدالصمد خاں (۱۷۱۲ تا ۱۷۲۶ء) کے ہاں قیام پذیر رہا۔ وہاں کے ڈیڑھ سالہ قیام کی تفصیلات کسی تذکرے میں نہیں ملتی ہیں۔ نقوش لاہور نمبر سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نواب عبدالصمد کے دربار سے میر معصوم وجدان بن میر محمد زمان راسخ، میرزا ابوالحسن قابل خاں، مرزا مقیما اور مرزا محمد بیگ نیرنگ وغیرہ وابستہ تھے اس لئے امکان ہے کہ ان کی صحبتیں ان لوگوں کے ساتھ رہی ہوں۔ نواب خود بھی شعر فہم اور شاعر نواز تھا۔ (نقوش لاہور نمبر ص ۸۸۱ تا ۸۸۳) البتہ واپسی کے بعد بیدل نے جو ایک خط نواب شکر اللہ خاں ثانی کو لکھا اس میں اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

"سرگزشت بیدل بیرون از تحریر وتقریر است، ظہور آثار قدرتی کہ شامل ہیچ کس این بیدست وپاست، یکا یک بساط آگہی حاضران آراست۔ تا این بیخبر وقایع وجود وعدم، دم

افاقت توانست نمود...... عبرت آگاہان حال مفصل معروض داشتہ باشند۔" (۹۵۰)

بیدل کی سرگزشت بیان سے باہر ہے اس ناکس اور بے یار ومددگار بندے پر قدرت الٰہی کے جو آثار نمایاں ہوئے وہ حاضرین کی بساط آگہی کو یکا یک آراستہ کر گئے تاکہ وجود وعدم کے واقعات سے یہ ناواقف شخص کو کچھ افاقہ ہو اور بجائے میرے اور لوگ اس واقعہ کو بیان کریں۔ لیکن غفلت سرشت طبیعت پر تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آنکھ کھلنے کے بعد غفلت کی شکلوں کے سوا جس کی وہ حامل تھیں کوئی اور چیز اسے نظر نہیں آتی۔ عبرت آگاہ حضرات نے یہ حالات تفصیل سے بیان کئے ہوں گے۔

نواب نظام الملک کے نام ایک خط میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے:

"قبلہ گاہا! بر نفس پرور اشغال دعا، نیز سانحہ غریبی پیش آمد اما گذشت آنچہ گذشت۔" (۹۵۱)

قبلہ گاہ! دعاؤں میں مصروف اس بندہ کو بھی ایک انوکھے واقعہ سے سابقہ پڑا لیکن جو کچھ گذرنا تھا گذر گیا۔

یٰسین خاں نیازی نے اپنے ایک مقالہ "بیدل کے تعلقات" میں اس واقعہ کی بابت لکھا ہے:

"مرزا کی تصنیفات اگرچہ اس واقعہ پر پوری روشنی نہیں ڈالتیں لیکن ان کا لاہور میں آنا ثابت ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے "وقتی غبار قافلہ تجردم از ساحت عرصہ دہلی بہ سیر پنجاب دامن عزم شکست و درای محمل خیال بہ پیش آہنگی سفر لاہور کمر شوق بست۔" (۹۵۲)

یٰسین خاں نیازی نے بیدل کی تصانیف پر پوری طرح غور وفکر نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ بیدل کے حالات میں ہم نے پڑھا، بیدل کی یہ عبارت جس کا حوالہ یٰسین خاں نیازی نے دیا ہے۔ بیدل کے پہلے سفر لاہور سے وابستہ ہے جو ۱۰۸۵ھ/ ۱۶۷۴ء میں اس نے کیا تھا۔ کیونکہ چہار عنصر کی تصنیف کا کام ۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۴ء میں مکمل ہوگیا تھا اور بیدل کا دوسرا سفر لاہور جو رباعی کے مشہور ہونے کے بعد اس نے کیا ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء میں پیش آیا۔ اس لئے اس سفر کا تذکرہ چہار عنصر میں نہیں ہوسکتا تھا۔ ہاں رقعات میں ہوسکتا تھا لیکن رقعات میں بھی اس نے صرف اشارہ سے کام لیا ہے۔

حسین قلی خاں صاحب تذکرہ "نشتر عشق" نے لکھا ہے کہ نواب نظام الملک نے مرزا بیدل کو لکھا کہ دکن تشریف لے آیئے۔ بیدل نے اس کے جواب میں درج ذیل شعر لکھ کر بھیج دیا۔

دنیا اگر دہند نہ خیزم زجای خویش   من بستہ ام حنای قناعت بپای خویش (۹۵۳)

[دنیا بھی دیں اگر تو نہ جاؤں گا یاں سے میں   مہندی لگائی میں نے قناعت کی پاؤں میں (ظفر)]

غلام حسن مجددی نے اس واقعہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"در اوائل سال ۱۱۳۳ ہجری نظام الملک خود را در دکن مستحکم ساختہ، سپس بیدل را بہ شبہ

جزیرہ مذکور دعوت کرد اما بیدل بقناعت حیات بسری می برد، دعوت را نپذیرفت وچنیں پاسخ داد: دنیا اگر دہند الخ۔" (۹۵۴)

۱۱۳۳ھ کے اوائل میں نظام الملک نے دکن پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد بیدل کو وہاں بلایا لیکن بیدل چونکہ قناعت وسیر چشمی کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے ان کی دعوت منظور نہ کی اور یوں جواب دیا:

"دنیا اگر دہند الخ......"

مجددی نے جس قطعیت کے ساتھ یہ بیان دیا ہے میں نہیں جانتا اس کی بنیاد کیا ہے۔ راقم السطور کے خیال میں یہ ان کا قیاس ہے جو ترتیب واقعات کو سامنے رکھ کر صحیح کہا جا سکتا ہے۔

بیدل کی وفات:

ایسا لگتا ہے کہ اس تھکا دینے والے سفر کے بعد جو تقریباً اسی سال کی عمر میں کیا تھا بیدل اپنی گرتی ہوئی تندرستی کو سنبھال نہ سکا۔ چنانچہ ایک شعر میں کہتا ہے۔

تو ای پیری! مگر بار نفس برداری از دوشم   گراں شد زندگانی بر دل از یاد جوانیہا

اے پیری! میرے کاندھوں سے سانس کا یہ بار گراں بھی کبھی ہلکا کرے گی؟ جوانی کی یاد میں زندگی گراں ہوتی نظر آتی ہے۔

جمعیت حواس بہ پیری طمع مدار   شیرازہ نفس چکند با کتاب صبح

چنانچہ خوشگو کا بیان ہے کہ اسی کے قریب یعنی اواخر محرم ۱۱۳۳ھ / ۲۰-۱۷۲۱ء کو وہ تپ محرقہ (انتہائی شدید بخار) میں مبتلا ہوا جس کا سلسلہ چار پانچ دن تک قائم رہا۔ پھر جب افاقہ ہوا تو غسل کیا لیکن ایک دن کے بعد ہی صفر کی تیسری تاریخ کو بدھ کے دن، شام کے وقت پھر وہی بیماری عود کر آئی۔ ساری رات اسی حالت میں گذری۔ اس وقت بیدل کے ایک دوست نواب غیرت خاں بہادر صلابت جنگ اس کے پاس موجود تھے۔ خوشگو ان کی زبانی بیان کرتا ہے کہ اس حالت میں کبھی بیہوش ہو جاتے اور کبھی ہوش آ جاتا ساری رات اسی طرح کٹی افاقہ کے وقت اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آتی جیسے اپنا شعر پڑھ رہا ہو:

جانان بہ قمار خانہ رندی چنند   بر نسیہ و نقد ہر دو عالم خندند

رندی وشراب نوشی کے قمار خانے میں حسینان عالم دونوں جہاں کے نقد و نسیہ پر کب تک ہنستی رہیں گی۔

غرض مایوسی کا اس پر غلبہ ہونا شروع ہوا۔ صبح تک اس کی حالت اور غیر ہوگئی آخر ۴ رصفر ۱۱۳۳ھ / ۲۰-۱۷۲۱ء کو جمعرات کے دن چھ گھنٹے گذرنے کے بعد ۷۹ سال کی عمر میں خدا کو سدھارے۔ (۹۵۵)

یاد رہے کہ بعض تذکرہ نگاروں مثلاً سید محمد بن عبدالجلیل واسطی اور درگاہ قلی خان نے بیدل کی تاریخ وفات تیسری صفر ۱۱۳۳ھ لکھی ہے۔ (۹۵۶) لیکن خوشگو نے شاگرد ہونے کے علاوہ اس کے مرض الموت سے لے کر وفات تک کے سارے حالات اور کیفیات لکھے ہیں اس لئے اس سلسلے میں اس کا قول بظاہر زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال خوشگو نے اس وقت مرزا کی وفات پر مادہ تاریخ کہا "یوم پنجشنبہ چہارم صفر" (۱۱۳۳ھ) اس کے بعد رباعی ذیل کہی:

افسوس کہ بیدل زجہاں روی نہفت   واں جوہر پاک درتہہ خاک نہفت
خوشگو چوز عقل کرد تاریخ سوال   "ازعالم رفت میرزا بیدل" گفت
[افسوس کہ بیدل ہوا جہاں سے روپوش   کی اس جوہر پاک نے ردائے قبر بردوش
در یافت جو کی عقل سے تاریخ اس کی   ازعالم رفت میرزا بیدل' بولا یہ سروش] (ظفر)

آگے لکھتا ہے کہ بیدل کے لاشہ بے جان کو اٹھانے کے بعد اس کے تکیے کے نیچے ایک کاغذ ملا جس پر بیدل نے ایک غزل اور ایک رباعی لکھی تھی۔ انتقال کے تین دن بعد خوشگو نے مرزا محمد سعید کے پاس جو مرزا عبداللہ کے بیٹے اور بیدل کے بھتیجے تھے اس کاغذ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس غزل کا مقطع اس طرح ہے:

بشبنمی صبح این گلستاں فشاند جوش غبار خود را   عرق چو سیلاب ازجبیں رفت و ماندہ کردیم کار خود را

صبح کے وقت اس باغ نے اپنی ساری گرد شبنم پر جھاڑ دی۔ پسینہ سیلاب کی طرح پیشانی سے بہتا رہا پر ہم اپنے فرائض حیات انجام نہ دے سکے۔

اس غزل کا مضمون بتاتا ہے کہ بیدل نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اپنی تخلیقی صلاحیت ہاتھ سے نہیں دی تھی اور نہ اس میں کسی قسم کا کوئی فتور پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ بڑھاپے میں بھی وہ انداز شوخی کا حامل رہا ہے۔ کہتا ہے۔

گرچہ پیرم فارغ از انداز شوخی نیستم   قامت خم گشتہ ام چشم ابروی خم است
پیر گر دیدی و شوخی یکسر موکم نہ شد   پیکر خم گشتہ ات بچشم ابروی خم است

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسے موت کے قریب آنے اور دنیاوی زندگی کے خیرباد کہنے کا احساس ہو چلا تھا۔ اس لئے غفلت میں گذری ہوئی زندگی اور تلف شدہ اوقات پر پشیمانی کا اظہار کرتا ہے یہی بات اس نے درج ذیل رباعی میں بھی کہی ہے۔

بیدل کلفِ سیاہ پوشی نشوی   تشویش گلوی نوحہ کوشی نشوی
بر خاک بمیر و ہمچنان رو بر باد   مرگت سبک است بار دوشی نشوی (۹۵۷)

بیدل! سیاہ پوشوں اور سوگواروں کے لئے داغ نہ بننا، نوحہ گروں کے گلے کے لئے باعث تشویش نہ بننا۔ مٹی پر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کردے اور اسی طرح راہی عدم ہوجا۔ تیری موت آسان رہے کسی کے لئے بار دوش نہ بننا۔

بیدل کا مقبرہ:

''آرام گاہ بیدل'' کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے ایک گرانقدر مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو بڑی حد تک جامع نظر آتا ہے ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیالات کا خلاصہ کسی قدر ضروری اور مفید حذف واضافہ کے ساتھ پیش ہے۔

بیدل کے مزار کی تحقیق کی ضرورت اس کے لئے پڑی کہ معتبر تذکروں میں جس جگہ بیدل کے مزار کی نشاندہی کی گئی ہے وہ اس جگہ سے بہت مختلف ہے جہاں اس وقت موجود ہے۔ خوشگو لکھتا ہے:

''در ہمان حویلی اقامتگاہ (حویلی لطف علی کہ بیرون شہر دہلی دروازہ و شہر پناہ در محلہ کھیکریان، کنار گذر گہات قرارداد) کہ چبوترہ ای قبراز مدت دہ سال راست کردہ بودند :بخاک سپردند''۔ (۹۵۸)

اسی حویلی (لطف علی میں جو دہلی دروازہ اور شہر پناہ کے باہر محلہ کھیکریاں میں گذر گھاٹ کے پاس واقع ہے) جہاں قبر کے لئے ایک چبوترہ دس سال پہلے سے بیدل نے تیار کر رکھا تھا، وہ سپرد خاک کئے گئے۔

خوشگو کی طرح سید محمد بن عبدالجلیل بھی اکثر بیدل کی صحبت میں حاضری دیا کرتا تھا ۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۰ء کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے:

''ہمدریں سال سیوم ماہ صفر میرزا عبدالقادر بیدل سفر آخرت بر اقامت دنیا برگزید و در دہلی نزدیک گذر سید لطف علی در صحن خانہ سکونت خود مدفون گردید۔'' (۹۵۹)

اسی سال تیسری تاریخ صفر کو مرزا عبدالقادر بیدل نے دنیا کے قیام پر سفر آخرت کو ترجیح دی اور دہلی میں سید لطف علی کے گذر کے پاس اپنے مکان کے صحن میں دفن ہوئے۔

یہ روزنامچہ شاید ڈاکٹر عبدالغنی کی نگاہ سے نہیں گذرا۔ آنند رام مخلص بیدل کا ایک شاگرد تھا ۱۱۶۴ھ...... میں اس کا انتقال ہوا، ڈاکٹر عبدالغنی کے مطابق وہ اپنی ایک تحریر چھوڑ گیا ہے جو اس وقت

ڈاکٹر محمد شفیع کے پاس ہے اس میں بیدل کے مزار کے بابت لکھا ہے:

''در سال یکہزار و یکصد و سی و سہ ودیعت حیات سپردند و در صحن حویلی قبر ایشاں است'' (۹۶۰)

۱۱۳۳ھ میں اس دار فانی کو خیر باد کہا اور اپنی حویلی کے صحن ہی میں ان کی قبر واقع ہے۔

بیدل کے ان معاصر تذکرہ نویسوں کے علاوہ میر غلام علی آزاد جو بیدل کی وفات کے وقت ۱۷ سال کے تھے اور اس لحاظ سے ان کو معاصر تذکرہ نگاروں کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے، اگرچہ ملاقات کی نوبت نہیں آئی، لکھتے ہیں:

''بیدل در صحن خانہ خود مدفون گردید۔'' (۹۶۱)

بیدل کو اپنے گھر کے صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔

ان تمام بیانات کی اساس پر بیدل کے مزار کا محل وقوع یقینی طور پر واضح ہوجاتا ہے اور وہ ہے لطف علی کے گھر کا صحن جو دہلی دروازہ اور شہر پناہ کے باہر، دریائے جمنا کے کنارے، گذر گھاٹ کے پاس اور محلہ کھیکریاں میں واقع ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں کہ ۱۱۵۱ھ/ ۳۹-۱۷۳۸ء میں ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے اور قتل و غارتگری کے وقت نظام الملک دکن سے دہلی آیا۔ اس کا ایک جوانسال درباری ''درگاہ قلی خاں'' اس کے ہمراہ تھا۔ قلی خاں تلوار کا بھی دھنی تھا اور قلم کا بھی۔ اس نے ''مرقع دہلی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس زمانے کے دہلی کے سماجی اور ادبی حالات سے متعلق نہایت اہم امور پر روشنی ڈالی ہے۔

''عرس بیدل'' کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ بیدل کے مزار کے بابت لکھتا ہے:

''تربت موزون ایشان در دہلی کہنہ در محوطہ مختصر برنگ معنی خاص در الفاظ رنگیں واقع است۔''

ان کی موزوں قبر قدیم دہلی کے ایک مختصر احاطہ کے اندر اس طرح واقع ہے جیسے مخصوص مفہوم کو رنگین الفاظ کے جامے میں پیش کیا گیا ہو۔

مشہور ادیب خواجہ حسن نظامی نے جب اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا تو ان کو خیال آیا کہ بیدل کے مزار کی صحیح جگہ اور محل وقوع کی تلاش کی جائے۔ ڈاکٹر عبدالغنی کے خط کے جواب میں خواجہ حسن نظامی نے ان کو لکھا۔ یہ خط مؤرخہ ۲۴ راپریل ۱۹۴۷ء کا ہے۔

میں نے اس کتاب ''مرقع دہلی'' کا اردو زبان میں ترجمہ شائع کیا تو اس پر نوٹ لکھا کہ معلوم نہیں مرزا بیدل کا مزار کہاں ہے۔ یہ نوٹ پڑھ کر حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواری نے مجھ کو لکھا کہ بیدل کا مزار پرانا قلعہ دہلی کے سامنے حضرت ملک نور الدین یار پراں کے مزار کے قریب ہے۔ میں خود وہاں گیا مزار بے نشان ہوچکا تھا مگر جگہ مل گئی تب حضور نظام کو لکھا اور انہوں نے دو ہزار روپے بھیج کر

مزار بنوادیا اور کتبہ بھی لگوادیا۔

اس موقع پر مزار پر جو کتبہ لگوایا گیا اس کی عبارت حسب ذیل ہے:

اس کی ضروری تعمیر و ترمیم اعلیٰ حضرت پرنور آصف جاہ سابع دکن کی توجہات شاہانہ سے ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء میں کرائی گئی''۔

لیکن درگاہ قلی خاں کے بیانات بڑی حد تک مبہم ہیں اور مزار بیدل کے محل وقوع کی مولانا سلیمان صاحب کی طرف سے نشاندہی اور خواجہ حسن نظامی کا اسے عملی شکل دینا خوشگو، سید محمد اور آزاد بلگرامی کے بیانات سے متصادم نظر آتا ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ مزار بیدل غلط جگہ پر تعمیر ہوا ہے کیونکہ پرانا قلعہ دہلی دروازہ اور شہر پناہ سے ساڑھے تین کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے جبکہ مذکورہ بالا تذکرہ نگاروں کے مطابق لطف علی کی حویلی جس کے صحن میں بیدل سپرد خاک ہوئے دہلی دروازہ کے باہر گذر گھاٹ کے قریب واقع تھی۔'' (۹۶۲)

یہ تو تھا ڈاکٹر عبدالغنی کے بیان کا خلاصہ ہے۔ راقم السطور جب تحقیق کے سلسلے میں ۱۹۷۴ء میں دہلی گیا اور خوشگو کے حسب بیان مزار بیدل کے محل وقوع پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہونچا کہ جس کو خوشگو گذر گھاٹ لکھتا ہے وہ غالباً وہی جگہ ہے جس کو آج راج گھاٹ کہتے ہیں اور یہ گھاٹ دہلی دروازہ کے جنوب مشرق میں تقریباً ایک کیلومٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ممکن ہے جمنا ندی اس وقت بہادر شاہ ظفر مارگ سے قریب رہی ہو اس وقت خوشگو کا بیان ''برلب رودخانہ'' درست معلوم ہوگا۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ لطف علی کی حویلی اسی کے آس پاس تھی جہاں اس وقت فلک بوس سرکاری عمارتیں کھڑی نظر آتی ہیں۔

اپنی تحقیق کے سلسلے میں پٹنے میں قیام کے دوران وہاں کی مشہور علمی شخصیت قاضی عبدالودود صاحب سے ایک ملاقات ہوئی ان سے دوران گفتگو اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا تو موصوف نے ازراہ مذاق کہا کہ خواجہ حسن نظامی نے آصفجاہ سے ایک موٹی رقم اینٹھنے کے لئے یہ سب ڈرامہ رچا تھا۔

خواجہ عباداللہ اختر نے اپنی کتاب ''بیدل'' میں ''مزار بیدل'' کے بابت ایک واقعہ لکھا ہے جس کا تذکرہ یہاں لطف سے خالی نہ ہوگا وہ لکھتے ہیں:

۱۹۴۰ء میں مجھے دہلی میں چند ماہ قیام کا اتفاق ہوا۔ جو عقیدت مجھے تھی اس کا تقاضا تھا کہ میں اولین فرصت میں فاتحہ خوانی کے لئے مزار پر حاضر ہوتا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کہاں واقع ہے۔ میرے تصور میں روضہ کا ایک ایسا ہی نقشہ تھا جیسا کہ مشاہیر کا عموماً دیکھ چکا تھا۔ دریافت پر مجھے اتنا معلوم ہوا کہ قبر ریس کورس کے قریب میں ہے میں اس سڑک پر ہولیا جو دہلی سے نظام الدین کو جاتی ہے مگر مجھے

راستہ میں کہیں نشان نہ ملا۔ یہاں تک کہ میں پیدل ہی مقبرہ نظام الدین اولیاء پر پہنچ گیا۔ یہاں میں نے مجاوروں سے دریافت کیا تو ایک نے کہا کہ آپ بیدل کی نسبت دریافت کرتے ہیں جو شاعر تھا۔ مجھے یہ فقرہ سن کر دھکا سا لگا۔ کہا کہ ہاں شاعر تو تھا، اس نے کہا آپ اسی سڑک پر واپس لوٹیں، داہنے ہاتھ بلندی پر مٹکے شاہ کا مزار ہے وہاں آپ کو لکڑیوں پر مٹکے آویزاں دکھائی دیں گے۔ عین اس کے سامنے ایک قبرستان ہے وہاں اس شاعر کی قبر ہے۔ آتے ہوئے میں نے مٹکے لٹکے ہوئے دیکھے تھے اس لئے اطمینان ہوگیا کہ اب مرزا صاحب کے مزار کا پتہ مل گیا میں اس مقام پر واپس آیا۔ سڑک کے کنارے بائیں طرف ایک قبرستان تھا میں نے ان قبروں کو پہلے دیکھا جن کے گرد چار دیواری تھی اور کتبوں کو بھی پڑھا ان میں بیدل کا نام نہ ملا یہ مزار بھی بہت پرانے تھے۔ دیواروں کا کچھ حصہ گر چکا تھا اور کچھ گر رہا تھا اسی طرح اور قبریں بھی دیکھیں جن کے سرہانے کتبے نصب تھے۔ اس فہرست رفتگاں میں بھی مرزا صاحب کا نام نہ تھا۔ کتبوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان میں بعض اللہ والے بھی تھے جن کے نام کے ساتھ مناسب القاب بھی ہے۔ جب مجھے یقین ہوگیا کہ ان قبروں میں آپ کا پتہ نہیں چل سکتا تو سخت افسردہ خاطر ہوا اور حسرت بھری نظر سے اس عبرت گہ کو دیکھتا ہوا پھر سڑک پر اتر آیا۔ معاً مجھے خیال آیا کہ آپ کی قبر آخر انہیں میں ایک ہے۔ چلو یہیں کھڑے کھڑے فاتحہ پڑھ لیں۔ سڑک کے کنارے ایک قبر کے سرہانے میں نے فاتحہ خوانی کے لئے ہاتھ اٹھائے اس کے بعد شہر کی طرف لوٹا۔

ایک ماہ بعد مجھے پھر اسی سڑک پر جانے کا اتفاق ہوا دل میں تھا کہ وہیں سڑک کے کنارے پر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھ لوں گا جب یہاں پہونچا تو میری حیرت کا اندازہ کون کرسکتا ہے کہ یہی قبر جس کے بالین پر میں نے گذشتہ ماہ فاتحہ خوانی کی تھی سیمنٹ کے پلسٹر سے پختہ بنی ہوئی تھی اور سامنے اس پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

''مرقد مرزا عبدالقادر بیدل رحمۃ اللہ علیہ''۔

قبر کے ایک پہلو پر یہ الفاظ تھے'' بہ توجہ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن'' آج اتنے عرصہ بعد مجھے الفاظ یاد نہیں رہے مگر یقیناً یہی کچھ تھے، اگرچہ میری حیرت آمیز مسرت کی انتہا نہ رہی مگر افسوس بھی ہوا کہ خیر بیدل کو تو اس کی پروانہ تھی کہ اس کے قول کے مطابق بعد وفات اس کا کیا فائدہ ہے کہ ''گل کند مقبرہ ام بہزادم'' مگر اعلیٰ حضرت کی شان کے شایان تو کسی طرح نہ تھی۔ اتنا تو مجھے بھی معلوم تھا کہ موجودہ والی دکن کا مورث اعلیٰ آصف جاہ اول بیدل کا شاگرد اور عقیدتمند تھا مگر یہ راز نہ کھلا کہ اتنی پشتیں گذرنے کے بعد حضور نظام کو تعمیر مرقد کا خیال کیسے آیا۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ سب اہتمام ایک عقیدتمند کی خاطر ہی ہوا کہ افسردہ نہ ہو ورنہ۔

ای مردہ دل آرایش مرقد چہ تمناست — نام تو ہماں بہ کہ لب گور نگیرد (۹۶۳)

یہ تھی خواجہ عباداللہ اختر کی سرگزشت۔ اگر اس سال کو خواجہ حسن نظامی کے خط سے مقابلہ کریں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خواجہ عباداللہ اختر جب ۱۹۴۰ء میں بیدل کے مزار کی تلاش میں نظام الدین پہنچے ہیں تو جس نے ان کی رہنمائی کی وہ غالباً خواجہ حسن نظامی ہی تھے۔ ان کو فوراً یہ خیال آیا کہ بیدل کا ارادتمند اس کے مقبرے کی تلاش میں یہاں تک پہونچا ہے، اس لئے جلد از جلد اس کا پتہ لگا کر ایک پختہ مقبرہ تعمیر کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں اس نے ''مرقع دہلی'' کا مطالعہ کیا اور ترجمہ سے لے کر تعمیر تک کے سارے مراحل کل ایک مہینے کے اندر طے کر لئے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مزار بیدل اول ۱۹۴۰ء/۱۳۵۹ھ میں تعمیر ہوا جیسا کہ ڈاکٹر عبدالغنی نے لکھا ہے اور دوسری بار ۱۳۷۴ھ میں افغانی دوستوں کی مدد سے معمولی تبدیلی کے ساتھ تعمیر ہوا جیسا کہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت نے لکھا ہے لیکن بہ قول سعدی۔

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

پہلی اینٹ معمار جب ٹیڑھی رکھتا ہے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی چلی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اسی غلطی کا تکرار کیا ہے ڈاکٹر حکمت نے ''نقش پارسی در احجار ہند'' میں اس کی تفصیلات یوں لکھی ہیں:

دہلی میں پرانا قلعہ کے نزدیک مرزا عبدالقادر بیدل کا مقبرہ ہے جس کو گذشتہ سال اس عظیم شاعر کے افغانی ارادتمندوں نے چندہ جمع کر کے ایک خوبصورت آرامگاہ کی شکل دیدی۔ دہلی میں افغانستان کے سفیر کبیر سردار نجیب خاں نے اس تعمیر کے لئے کافی زحمتیں اٹھائیں۔ اور ان کی قبر پر ۳ رصفر ۱۱۳۳ھ کندہ ہے جو اس مشہور شاعر کی تاریخ وفات ہے۔ فارسی کتبے کی تحریر اس طرح ہے۔

پہلی سطر: آرامگاہ میرزا عبدالقادر بیدل

دوسری سطر: ۱۰۵۴ھ/۱۱۳۳ھ

تیسری سطر: ایں بناء در سال ۱۳۷۴ھ باعانت دوستداراں افغانی بسر رسید۔ (۹۶۴)

ہندوستانی حکومت نے بیدل کی شاعرانہ عظمت اور نبوغ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے صرف اس قدر کافی سمجھا کہ اس کے واسطے مختصر سی چہار دیواری کے ساتھ ایک پارک بنا دیا جائے اور اس کا نام 'باغ بیدل' رکھ دیا جائے اسی احاطے میں بیدل کا مقبرہ موجود ہے۔

اس سلسلے میں افغانی دانشور استاد صلاح الدین سلجوقی نے ایک نئی دریافت پیش کی ہے، قارئین ان کے مغالطہ کا اندازہ خود لگائیں، لکھتے ہیں:

''جب میں ہندوستان میں تھا تو بیدل کے بابت کافی جستجو کی معلوم ہوا کہ ہندوستان کے لوگ بیدل کو فراموش کر چکے ہیں۔ مظہر اور ظہوری ان کے یہاں بیدل سے کہیں زیادہ بلند پایہ شاعر ہیں۔

بیدل کی قبر کا بھی کہیں کوئی نشان پتہ نہ تھا۔ اور میں نے ایک افغانی قونصل جنرل کی حیثیت سے جو ہندوستانیوں کے نزدیک انتہائی باعزت منصب ہے، غیر معمولی کوششیں کیں آخر اس نتیجے پر پہونچا کہ اس کے بچے کھچے جسمانی اعضا کو لوگ کابل لے آئے ہیں۔ اس سلسلے میں میں استاد سید محمد داؤد الحسینی کا ہم خیال ہوں۔ استاد موصوف کے دلائل نہایت ٹھوس ہیں۔ اس کے علاوہ بیدل کی قبر کی ناگہانی گمشدگی کا، وہ بھی ایسے زمانے میں جبکہ اس کا شمار ایک عظیم شاعر، صوفی اور ادیب کی حیثیت سے ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور مطلب نہیں ہے کہ اس کی نعش کو اس کے گھر سے (کیونکہ گھر میں قبر ہونے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ عارضی ٹھکانہ ہے) رسمی طور پر اس کے وطن افغانستان پھر خواجہ رواش گاؤں میں ایسی جگہ لے گئے جو چغتائیوں یعنی بیدل کے قبیلے کے محلّے کے نام سے مشہور اور آباد ہے اور اب تک وحدۃ الوجودی صوفیوں کا مرکز ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حملہ آوروں نے بیدل کی قبر بالکل مسمار کر کے رکھدی۔ یہ بالکل بے تکی سی بات ہے۔ حملہ آوروں نے تو بہت سی قبروں کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا لیکن یہ قبریں ناپید نہیں ہوئیں۔ جامی کی قبر کا بھی یہی حشر ہوا تھا لیکن ان کی قبر ہنوز باقی ہے اور اس وقت خاص و عام سب کا مرکز ارادت ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ حملہ آور ایک زود گذر سیلاب کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ مقبرے جس پر حملے ہوتے ہیں وہ اس کے بعد بھی فطری طور پر محترم تر محبوب تر اور آباد تر ہوتے ہیں۔ (۹۶۵)

صلاح الدین سلجوقی نے سید محمد داؤد الحسینی کے اس دعوی سے اتفاق کیا ہے کہ بیدل کا مرقد کابل میں ''خواجہ رواش'' محلے میں ہے۔

اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا اور عرس بیدل کے بابت آگے جو کچھ لکھا جائے گا جس کے منانے کا سلسلہ ۱۱۸۵ھ/ ۱۷۷۱ھ تک جاری رہا اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیدل کا مزار دہلی ہی میں ہے اگر چہ اس کی جگہ کی تعیین میں کچھ غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ استاد سلجوقی کی یہ منطق کہ گھر میں قبر ہونے کا مطلب عموماً ایک عارضی قبر ہوتا ہے بالکل بے تکی بات ہے کیونکہ عارضی قبر بنانے کا رواج عام طور سے اہل تشیع حضرات میں ہے دوسرے یہ کہ بیدل نے بہ قول خوشگو اپنی موت سے دس سال پہلے ہی سے اسے تیار کر رکھا تھا۔ (۹۶۶) کیا کسی کے صفحہ ذہن پر بھی یہ بات ابھر سکتی ہے کہ یہ سارا اہتمام ایک عارضی قبر کی خاطر تھا؟ ایسی بات بھی نہیں ہے کہ بیدل کی نعش کے بچے کھچے حصے کو وہاں سے کابل لے گئے ہیں، کیونکہ ۱۱۸۵ھ/ ۱۷۷۱ھ تک عرس کا جاری رہنا واضح کرتا ہے کہ اس کا مزار کم از کم مذکورہ سال تک وہاں موجود تھا اور اس وقت تک جبکہ بیدل کی وفات کو ۵۲ سال ہو چکے ہیں اس کی ہڈیوں تک کا برقرار رہنا

بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے استاد صلاح الدین اور ان کے ہمنوا لوگوں کا خیال سراسر خوش فہمی پر مبنی ہے۔ بیدل نے اپنے مسکن اور مدفن کی ویرانی کی طرف درج ذیل شعر میں اشارہ کیا ہے۔

بنیاد خلق امروز گرد خرابہ دیدی　　تا مسکن تو فردا ویرانہ کہ باشد

مخلوق کی بنیاد آج تجھے کھنڈرات کی شکل میں نظر آتی ہے اب دیکھنا ہے کہ تیرا مسکن کل کن کھنڈرات میں تبدیل ہوتا ہے۔

دلیل خویش پس از مرگ ہم توئی　　چو شمع کشتہ کسی جز تو بر مزار تو نیست

بیدل

موت کے بعد بیدل تو خود ہی آپ اپنا رہبر ہے۔ شمع کشتہ کی طرح تیرے مزار پر تیرے سوا کوئی نہ ہوگا۔

بیدل کا عرس:

بیدل کے عرس کے بابت خوشگو کا بیان ہے کہ اس کے ماموں زاد بھائی مرزا عباداللہ کے صاحبزادے مرزا محمد سعید اس کے واحد پسماندہ عزیز کی شکل میں مجلس عرس کا اہتمام اور اس سے متعلق جملہ امور کا نظم و نسق کرتے تھے۔ صفر المظفر کی چار تاریخ کو شہر کے نازک خیال شعرا وہاں اکٹھے ہوتے تھے۔ بیدل نے کلیات کا جو نسخہ اپنی زندگی میں کتابت کرایا تھا نیز اس کی چھڑی ''نولاسی'' کو اس کی مزار کے پاس رکھتے تھے۔ شعراء اول کلیات سے ایک غزل پڑھتے پھر ہر ایک شاعر باری باری سے اپنا کلام سناتا۔ اس طرح ایک بہت ہی عمدہ ادبی و شعری محفل منعقد ہوتی تھی۔ یہ محفل اتنی دلکش اور دلچسپ تھی کہ خوشگو لکھتا ہے:

''چشم بر تفرقہ ازاں مجمع رنگین دور باد۔'' (۹۶۸)

اس رنگین محفل کو پراگندگی کی نظر بد نہ لگے۔

خوشگو نے اپنا تذکرہ ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء میں مکمل کیا اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت تک اور خود اس کی زندگی میں یہ مجلس پورے اہتمام کے ساتھ منعقد کی جاتی رہی ہے۔

سراج الدین علی خاں آرزو نے اس پر کچھ اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کلیاتش روز وفات او کہ چہارم شہر صفر باشد وہمیں تاریخ وفات او ست و مردم ہندستان آنروز چراغان کنند، طعام پختہ بخلایق دہند و عرس نامند، پیوستہ زیارت کردہ می شود'' (۹۶۹)

اس کی وفات کے دن جو صفر کی چوتھی تاریخ ہے اور یہی دن اس کی تاریخ وفات بھی ہے

ہندوستان کے لوگ اس دن چراغاں کرتے، کھانا پکا کر عوام کو کھلاتے اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں۔ اس کی کلیات کی لگاتار زیارت کی جاتی ہے۔

آرزو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۱۶۴ھ تک جو سن تالیف ہے مشاعرہ کے اہتمام کے علاوہ ہندوستان یعنی دہلی اور اس کے اطراف و نواحی کے عوام بھی بیدل کو ایک بزرگ سمجھتے تھے ورنہ عرس کے دن چراغاں کرنے اور کھانا پکا کر غریبوں کو کھلانے کا اہتمام وہ کیوں کرتے۔ اس سے یہ قیاس کرنا بے جا نہ ہوگا کہ بیدل نے عوام کے دل میں بھی اپنی جگہ بنالی تھی شاید اسی بنا پر ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

''بیدل کی وفات دارالخلافہ دہلی کا کوئی معمولی سانحہ نہ تھا، امراء، شعراء اور عوام الناس میں ایک تہلکہ بپا ہوگیا اور انہوں نے بیدل کی یاد کو مجالس عرس کے ذریعہ تازہ رکھنے کا تہیہ کیا اور عرصے تک عرس کی تقریب جاری رہی۔'' (۹۷۰)

اسی طرح بیدل کا ایک شاگرد آنندرام مخلص لکھتا ہے:

''قبر ایشان زیارتگاہ معتقدان است و ہر سال محفل عرس منعقد می شود''۔ (۹۷۱)

بیدل کی قبر اس کے ارادتمندوں کی زیارتگاہ ہے اور ہر سال وہاں عرس منایا جاتا ہے۔

درگاہ قلی خاں، جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا، نواب نظام الملک کے ایک جوان درباری کی حیثیت سے ۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۸ء میں دہلی آیا اور ۱۱۵۴ھ/ ۱۷۴۰ء میں وہاں سے واپس ہوا۔ دہلی میں قیام کے دوران حاصل ہونے والے مشاہدات اور واقعات کو اس نے ''مرقع دہلی'' میں جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں مذکورہ بالا امور کے علاوہ کچھ اور اہم معلومات بھی درج ہیں۔ موصوف مزار بیدل کے تحت لکھتا ہے:

''......سیوم شہر صفر عرس می شود۔ تلامذہ اش و جمیع موزونان شہر، بعزیمت استفادہ روحش حاضر می شوند۔ و دور قبر، حلقہ مجلس ترتیب می دہند۔ کلیاتش کہ بخط گرامی ترتیب و ترقیم یافتہ، مابین حلقہ گذاشتہ، افتتاح بشعر خوانی می نمانید۔ بر عنوانش این رباعی مرقوم است:

ای آئینہ طبع تو ارشاد پذیر　　در کسب فواید نـــمـــائی تقصیر

مجموعہ فکرما صلای عام است　　سیری کن و دست تسلی برگیر

بعد ازیں علی قدر مراتب، نتائج افکار خود را نقل مجلس می سازند۔ حلاوت طرفہ بحصول می پیوندد و انبساط خاصی بحضار عاید می گردد۔ محمد سعید برادرزادہ اش، کہ چون معنی بیگانہ، از نسبت معنوی میرزا بیگانہ است۔ بتواضع حاضران مجلس و ترتیب شمع و چراغ دماغ خود را می سوزد۔ و باتباع ہم معاجین و حبوب اختراعی میرزا، کہ ازان قبیل کیمیاست و در ہمہ دہلی

انگشت نما، صرف معیشت می نماید، طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔'' (۹۷۲)

صفر کی تیسری تاریخ کو عرس منایا جاتا ہے۔ بیدل کے تلامذہ اور شہر کے تمام موزوں طبع شعرا اس کی روح سے فیض حاصل کرنے کی غرض سے اس کے مزار پر اکٹھے ہوتے ہیں اور قبر کے اردگرد ایک مجلس مشاعرہ ترتیب دیتے ہیں، اس کی کلیات جس کی خط جلی میں ترتیب اور کتابت ہوئی ہے، بیچ میں رکھی جاتی ہے اور اس سے شعرخوانی کا آغاز ہوتا ہے۔ جلد کے غلاف پر یہ رباعی لکھی ہے:

ای آئینہ طبع تو ارشاد پذیر   درکسب فواید نمائی تقصیر
مجموعہ فکر ما صلای عام است   سیری کن وسمت تسلی بر گیر

اے وہ شخص کہ ترا آئینہ طبع رشد وہدایت کی بات قبول کرنے کو آمادہ ہے اس سے استفادے میں کوئی کوتاہی نہ کر، میرے افکار وخیالات کا یہ مجموعہ ایک صلائے عام ہے اس کا مطالعہ کر اور اس سے اپنی دلبستگی کا سامان حاصل کر۔

اس کے بعد شعراء علی قدر مراتب اپنا اپنا کلام سناتے ہیں مجھے بڑا لطف آتا ہے اور حاضرین کو مخصوص سرور وانبساط حاصل ہوتا ہے۔ ان کا بھتیجا محمد سعید جو معنی بیگانہ کی طرح مرزا کی معنوی نسبت سے بیگانہ ہے، حاضرین محفل کی خاطر تواضع کرتا اور شمع وچراغ کے نظم ونسق میں دماغ سوزی کرتا ہے نیز مرزا کے ایجاد کردہ معاجین اور حبوب کو جو سارے دہلی میں انگشت نما ہیں، بیچ کر کسب معاش کرتا ہے، طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

معنی یاب خاں کے زیرعنوان لکھتا ہے:

''......اوغزل بسامان تمام گوید، واداہای طرفہ بکاری برد کہ سامع بوجدمی آید۔ سیوم ماہ صفر، کہ عرس میر زا بیدل مرحوم است۔ وجمیع شعرای دہلی بر مزار ایشان مجتمع می شوند۔ ودیوان میر زا را درمیان گذاشتہ افتتاح شعرخوانی از آنجامی کنند۔ وبعد ازین بتدریج مسودات خود را بعرضہ آوردہ از حضار مجلس متوقع تحسین می شوند۔ اول کسیکہ شروع بغزلخوانی می کند ہمین عزیز است۔ ودرحقیقت تقدیمش مستحسن ارباب معنی است۔'' (۹۷۳)

وہ (معنی یاب خاں) اچھی غزل کہتا اور اپنی دلکش اداؤں سے اس طرح پڑھتا ہے کہ سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ صفر المظفر کی تیسری تاریخ کو جو بیدل مرحوم کے عرس کا دن ہے دہلی کے تمام شعراء اس کے مزار کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں، مرزا کے دیوان کو بیچ میں رکھ کر اس سے شعر خوانی کا سلسلہ شروع کرتے پھر بتدریج اپنا اپنا کلام سناتے اور حاضرین مجلس سے داد وتحسین کی امید رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے جو آدمی غزل پڑھتا ہے وہ یہی معنی یاب خاں ہے۔ دراصل اس کا پہل کرنا

ارباب معنیٰ کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے۔

سراج الدین علی خاں آرزو کے بابت لکھتا ہے:

''......روزعرس میر زا بیدل مرحوم، بہ نسبت شاگردیش۔ بزم آرامی گردد۔ وعالمی را از صافیخانہ افکار ذلہ چین منت می گذارد۔'' (۹۷۴)

مرزا بیدل کے عرس کے دن اس کی شاگردی کی نسبت سے بزم آرائی کرتا اور اپنے صاف و شفاف افکار وخیالات پیش کرکے ایک عالم کو ممنون کرتا ہے۔

مرزا ابوالحسن آگاہ کے تحت لکھتا ہے:

''......روزعرس قاری دیوان بیدل است۔'' (۹۷۵)

عرس کے دن دیوان بیدل کی روایت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اب ان بیانات کی تحلیل وتجزیہ ملاحظہ ہو۔ درگاہ قلی خاں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ دہلی کے اپنے سہ سالہ قیام (۱۱۵۱ھ تا ۱۱۵۴ھ) کے دوران درگاہ قلی خاں اپنے شاعرانہ ذوق کی تسکین کی خاطر بیدل کے عرس میں مسلسل حاضری دیتا رہا۔

۲۔ وہاں اس کی ملاقات بہت سے نازک خیال شاعروں سے ہوئی جن میں معنیٰ یاب خاں، سراج الدین علی خاں آرزو اور مرزا ابوالحسن آگاہ جو کسی نہ کسی عنوان سے عرس سے زیادہ وابستہ تھے۔

۳۔ مذکورہ بالا شاعروں کے علاوہ درگاہ قلی خاں نے مرزا جان جاناں کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے۔ شیخ علی حزین، میر محمد افضل ثابت، ابراہیم خاں راقم، میر شمس الدین مفتون، مرزا عبدالخالق وارستہ اور گرامی کا تذکرہ بھی کیا ہے اور ان کے بابت اہم معلومات فراہم کئے ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے بعض سے اس کی وہاں ملاقات بھی ہوئی ہو جیسا کہ لفظ ''جمیع موزونان شہر'' کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔

۴۔ بیدل کا عرس صفر کی تیسری تاریخ کو منایا جاتا تھا اور اس کا تذکرہ اس نے تین جگہ کیا ہے۔ یہ بیان خوشگو اور آرزو کے بیانات سے جس کا تذکرہ پہلے ہوا، مختلف نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں ہم یا تو یہ کہیں کہ قلی خاں کو غلط فہمی ہوئی ہے یا یہ کہ عرس کے لئے تیاری تیسری تاریخ سے ہوتی ہوگی اور چوتھی تاریخ تک اس کا سلسلہ جاری رہتا ہو۔

۵۔ بیدل کے تمام شاگرد اور شہر کے شعراء فاتحہ خوانی اور مشاعرہ میں شرکت کی غرض سے وہاں اکٹھے ہوتے تھے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بیدل کا عرس لگاتار ۱۱۵۴ھ/ ۱۷۴۱ء تک پورے اہتمام سے منایا جاتا رہا ہے اس کے بعد کیا صورت حال رہی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالغنی آب حیات کے مصنف مولانا محمد حسین آزاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا اور میر تقی میر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سلطنت کی تباہی اور مرہٹہ گردی میں شرفا مفلوک اور تباہ حال ہو گئے اور خدا جانے کتنے لوگ پریشان ہو کر دہلی سے نکل کھڑے ہوئے۔ حالات حد درجہ ناساز گار تھے لیکن عرس بیدل پھر بھی منعقد ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک بار عرس بیدل کے موقع پر مولانا ندرت نے میرزا سودا کی ہجو میں ایک فارسی غزل پڑھی جس کا مطلع تھا:

خون معنی تا رفیع بادہ پیما ریختہ   آبروی ریختہ از جوش سودا ریختہ

مرزا سودا نے اس غزل کو مخمس کر کے ندرت کشمیری پر الٹ دیا۔ اس میں عرس بیدل منایا جاتا تھا۔

ایسی غزل کا عرس میں تم سے جو انصرام ہو   بحر میں جس کی ہر طرح شعبہ خاص و عام ہو

بہر حال ان حالات سے واضح ہے کہ ۱۱۸۵ھ/ ۱۷۷۱ء تک عرس بیدل منایا جاتا تھا۔ (۹۷۶)

✪✪✪

حواشی

باب اول

۱۔ چہار عنصر مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۵ء ص ۴۹۱
۲۔ ایضاً ص ۳۱۴
۳۔ نقد بیدل مطبوعہ تہران ۱۳۸۰ھ شمسی ۲۰۰۲ ص ۱۷-۱۱۶
۴۔ چہار عنصر ص ۳۹۰
۵۔ ایضاً ص ۵۱۲
۶۔ ایضاً ص ۴۹۱
۷۔ مجلہ ہنر و مردم ش ۱۰۶ ص ۵۲
۸۔ مجلہ "سخن" دورہ ۲۲، ش ۶، ص ۵۶۹
۹۔ History of Iranian Literature by Jan Rypka P 516-17
۱۰۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۵۱
۱۱۔ مجلہ اقبال کراچی ش ۶
۱۲۔ چہار عنصر ۵۵۱
۱۳۔ (الف) خلاصہ مآثر عالمگیری تالیف محمد ساقی مستعد خان مطبوعہ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ ص ۱ تا ۲۹
۱۳۔ (ب) ایضاً ۵۵۲
۱۴۔ ایضاً ۵۵۲
۱۵۔ مفتاح التواریخ ہالیف سرطامس ولیم بیل ص ۲۶۹
۱۶۔ چہار عنصر ص ۱۸۲
۱۷۔ مفتاح التواریخ ص ۲۹۷
۱۸۔ ایضاً ص
۱۹۔ ایضاً ص ۲۹۹
۲۰۔ ایضاً ۳۰۱ تا ۳۰۳
۲۱۔ جلوہ خضر از صفیر بلگرامی ج ۱ ص ۲۸
۲۲۔ مفتاح التواریخ ص ۳۰۵
۲۳۔ ایضاً ص ۳۰۵
۲۴۔ ایضاً ص ۳۰۶
۲۵۔ ڈاکٹر عبدالغنی نے اپنے ایک مفصل مضمون "بیدل کی ایک جمالیاتی علامت" مجلہ نگار جنوری ۱۹۶۱ء میں عہد مغلیہ کے شاعروں خصوصا بیدل کے ذوق جمال پرستی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔
۲۶۔ مآثر عالمگیری ص ۵۲۷ تا ۵۳۰
۲۷۔ History of Iranian Literature P 517
۲۸۔ اویماق مغل تالیف عبدالقادر خان قراچار ص ۵۵۰
۲۹۔ مآثر عالمگیر ص ۵۲۷ تا ۵۳۰
۳۰۔ دیوان بیدل مرتبہ حسین آہی مطبوعہ تہران ص ۳۱ ایضاً ص ۲۴، ۴۹، ۱۳۲، ۱۴۰، ۷۲، ۲۰۸، ۲۲۲، ۷۰، ۲۷۵۔

۳۱۔ ہندو ایران شمارہ ۱ سال ۵، نفوذ فرہنگ و تمدن ایرانی اسلامی در شبہ قارہ از دکتر علی اصغر حکمت

۳۲۔ اویماق مغل تالیف عبدالقادر خان قراچار ص ۵۱۹

۳۳۔ مآثر عالمگیری ص ۵۳۵

۳۴۔ اویماق مغل ص ۵۵۰

۳۵۔ تذکرہ باغ معانی قلمی خدا بخش لائبریری ورق ۲۰۳ الف

۳۶۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب مطبوعہ انڈو پرشین سوسائٹی دہلی ص ۱۱

۳۷۔ سفینۂ خوشگو ص دفتر ثالث ص ۴۴

۳۸۔ اویماق مغل ص ۵۶۲

۳۹۔ ایضاً ۵۸۲

۴۰۔ مجلہ ہندو ایران ش ۱ سال ۵ ص ۴۴ نفوذ فرہنگ و تمدن ایرانی اسلامی از علی اصغر حکمت

۴۱۔ بہار میں اردو و زبان ادب کا ارتقا سید اختر اورنیوی ص ۱۱۱، ۱۱۲

باب دوم
(حالات زندگی)

۱۔ چہار عنصر صفدری مقدمہ

۲۔ کلیات بیدل (رقعات) ص ۱۵۱

۳۔ بیدل، سپہری و سبک ہندی مطبوعہ ایران ص ۱۲

۴۔ دیوان بیدل مطبوعہ تہران باہتمام حسین آہی ص ۵۲

۵۔ ایضاً ص ۱۲

۶۔ مرآۃ الخیال ص ۵۵۹، ید بیضا ص ۴۰، سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۰۵ نتائج الافکار ص ۱۱، نشتر عشق ص ۳۱۲

۷۔ مخزن الغرائب ص ۱۱۱، نشتر عشق ص ۳۱۲

۸۔ صحف ابراہیم ص ۴۳۱، خلاصۃ الکلام ص ۸۳، سفینۂ عشرت ص ۱۲۵

۹۔ مجمع النفائس قلمی خدا بخش لائبریری ص ۶۵

۱۰۔ History of Iranian Literature ص ۵

۱۱۔ Life and Works of Abdul Qadir Bedil ص ۳۰۲

۱۲۔ فرہنگ ناظم الاطباج ۱ ص ۵۸۳

۱۳۔ Life & Works of Abdul Qadir Bedil ص ۳

۱۴۔ بحوالہ بیدل شناسی ج ۱ ص ۱۲ از غلام حسن مجددی

۱۵۔ History of Iranian Literature P. 517

۱۶۔ ایضاً ص ۵۱۷

۱۷۔ فرہنگ نفیسی ناظم ال الاطباج ۱ ص ۱۱۶

۱۸۔ لغت ترکی بفارسی تالیف فضل اللہ خاں عموزادہ سیف خان ص ۱۱۶

۱۹۔ اویماق مغول تالیف مرزا محمد عبدالقادر خاں قراچار ص ۲۶۹

۲۰۔ ایضاً ص ۳۴

۲۱۔ طبقات اکبری ص ۷۰

۲۲۔ چہار عنصر ص ۵۵۱

۲۳۔ سفینۂ خوشگو ج ۳ ص ۱۰۴

۲۴۔ ایضاً ص ۱۰۶

۲۵۔ چہار عنصر ص ۵۵۱، سفینۂ خوشگو ص ۱۰۸

۲۶۔ شام غریباں ص ۵۳، ۵۴

۲۷۔ ایضاً ۵۳

۲۸۔ چہار عنصر (رقعات بیدل) ص ۱۵۲

۲۹۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۹

۳۰۔ چہار عنصر (رقعات) ۱۴۷

۳۱۔ فقید العصری پارہ دل بیدل، مضمون از صاحبزادہ شوکت علی خاں ٹونک

۳۲۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ۲/ ۱۳۱

۳۳۔ کلیات بیدل نولکشور ص ...... سفینۂ خوشگو ص ۳/ ۱۰۴

۳۴۔ مرآۃ الخیال ص ۴۵۹

۳۶۔ شام غریباں بہ حوالہ مرآہ واردات ص ۵۳

۳۷۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۴

۳۸۔ ید بیضا ص ۵۰

۳۹۔ مجمع النفسائس مخطوطہ خدا بخش لائبریری ج ۱ ص ۶۵

۴۰۔ خزانہ عامرہ ص ۱۵۶

۴۱۔ سرو آزاد ص ۱۴۸

۴۲۔ تذکرہ بے نظیر بہ حوالہ مسلم شعرائے بہار سید احمد اللہ ندوی ص ۱۶۹

۴۳۔ سفینہ ہندی ص ۲۸

۴۴۔ نشتر عشق ص ۳۱۲

۴۵۔ نتائج الافکار ص

۴۶۔ نتائج الافکار ص

۴۷۔ چہار عنصر نولکشور ۴۹۲

۴۸۔ ایضاً ص ۴۵۹

۴۹۔ ایضاً ص ۵۸۱

۵۰۔ ایضاً ص ۴۳۹

۵۱۔ دیوان بیدل مطبوعہ ایران ص ۵۲

۵۲۔ چہار عنصر ص ۳۴۰

۵۳۔ ایضاً ص ۳۴۵

۵۴۔ ایضاً ص ۳۰۷

۵۵۔ ایضاً ص ۳۱۹

۵۶۔ ایضاً ص ۳۱۹

۵۷۔ ایضاً ص ۵۵۱

۵۸۔ ایضاً ص ۵۶۲

۵۹۔ ایضاً ص ۵۶۶

۶۰۔ ایضاً ص ۵۶۹

۶۱۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۳۴۷

۶۲۔ چہار عنصر ۳۹۵، ۳۴۷

۶۳۔ معارف ش اگست ۱۹۴۶ء کیا بیدل عظیم آبادی نہ تھے؟ از سید سلیمان

۶۴۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۵

۶۵۔ ایضاً ص ۱۰۵

۶۶۔ چہار عنصر ص ۳۰۱

۶۷۔ چہار عنصر ص ۳۰۰

۶۸۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۵

۶۹۔ چہار عنصر ص ۳۰۰

۷۰۔ ایضاً ص ۳۰۱

۷۱۔ مجلہ نگار ش مارچ ۱۹۲۵ء

۷۲۔ چہار عنصر ص ۳۰۰، ۳۰۱

۷۳۔ بیدل شناسی تالیف غلام حسن مجددی ۱/ ۵

۷۴۔ مجلہ معارف ش اگست ۱۹۴۰ء (کیا بیدل عظیم آبادی نہ تھے؟)

۷۵۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۵

۷۶۔ بیدل تالیف خواجہ عباد اللہ اختر ص ۱۱

۷۷۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۵

۷۸۔ Life & Works of Bedil

۷۹۔ چہار عنصر ص ۳۴۰

۸۰۔ ایضاً ص ۳۰۱

۸۱۔ ایضاً ص ۳۹۰

۸۲۔ ص ۳۴۰ یہاں بیدل نے ”دو دانشمند بی انصاف“ کی ترکیب استعمال کی ہے۔ بعض لوگ مثلاً خوشگو، نیاز فتحپوری اور حسین قلی خاں نے اس

کا ترجمہ دو طالب علم سے کیا لیکن دوسرے لوگوں نے اس سے دو اساتذہ مراد لئے ہیں جن میں سے ہر ایک کے لئے قرینہ موجود ہے۔ کیونکہ اس کے بعد بیدل نے جملہ ہوا خواہاں ضرب یضرب علم خفت عقل می افراشتند'' استعمال کیا ہے جو واضح کرتا ہے کہ یہ دونوں طالب علم تھے لیکن اس جملہ سے پہلے والا جملہ ''روزی در مجلس علما طرح اجلاس قرار یافتہ بود'' بتاتا ہے کہ یہ بحث دو اساتذہ کے درمیان جاری تھی۔ یہی قول راجح نظر آتا ہے۔

۸۳۔ ایضاً ص ۳۴۱
۸۴۔ ایضاً ص ۳۰۱
۸۵۔ ایضاً ص ۳۰۱
۸۶۔ ایضاً ص ۳۴۲
۸۷۔ ایضاً ص ۳۴۲
۸۸۔ ایضاً ص ۲۴۳
۸۹۔ ایضاً ص ۳۴۰
۹۰۔ ایضاً ص ۳۴۳
۹۱۔ ایضاً ص ۳۳۵
۹۲۔ ایضاً ص ۳۳۵
۹۳۔ ایضاً ص ۳۳۵
۹۴۔ ایضاً ص ۳۳۶
۹۵۔ ایضاً ص ۳۳۸
۹۶۔ ایضاً ص ۳۴۴
۹۷۔ ایضاً ص ۳۴۵
۹۸۔ ایضاً ص
۹۹۔ ایضاً ص ۳۰۱
۱۰۰۔ ایضاً ص ۳۰۲
۱۰۱۔ فیض قدس ص ۱۸
۱۰۲۔ چہار عنصر ص ۳۰۴
۱۰۳۔ ایضاً ص ۳۰۵
۱۰۴۔ ایضاً ص ۳۰۵
۱۰۵۔ ایضاً ص ۳۰۶
۱۰۶۔ ایضاً ص ۳۰۶
۱۰۷۔ ایضاً ص ۳۰۶
۱۰۸۔ ایضاً ص ۳۰۶
۱۰۹۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۰۷
۱۱۰۔ مجلہ دانش، سرینگر جولائی ۱۹۷۱ء
۱۱۱۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۱۲
۱۱۲۔ ''بیدل در دیار بیدلان'' پژوہشنامہ دانشکدہ ادبیات دورہ جدید ص ۴۷۳
۱۱۳۔ شعر العجم فی الہند، شیخ اکرام ص ۱۲۹
۱۱۴۔ چہار عنصر ص ۳۰۷
۱۱۵۔ ایضاً ص ۳۰۷
۱۱۶۔ معارف اعظم گڈھ ش اگست ۱۹۴۰ء
۱۱۷۔ چہار عنصر ص ۳۰۸
۱۱۸۔ چہار عنصر ۳۰۸
۱۱۹۔ ایضاً ص ۳۱۰
۱۲۰۔ ایضاً ص ۳۱۰
۱۲۱۔ ایضاً ص ۳۱۲، ۳۱۱
۱۲۲۔ ایضاً ص ۳۱۵
۱۲۳۔ ایضاً ص ۳۱۵
۱۲۴۔ ایضاً ص ۳۱۵
۱۲۵۔ ایضاً ص ۳۱۵
۱۲۶۔ ایضاً ص ۳۱۵
۱۲۷۔ ایضاً ص ۳۱۸
۱۲۸۔ ایضاً ص ۳۱۸ جناب کاشی ناتھ پنڈتا لکھتے ہیں کہ یہاں ''مصطلحات ہند'' سے بیدل کی مراد

ویدانت کی اصطلاحیں ہیں (مجلہ دانش سرینگر ش ۲ جولائی ۱۹۷۶ء ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں ویدانت کی اصطلاحی کے علاوہ ریختہ یعنی اردو زبان کے لئے بھی استعمال کیا تھا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن بعد کا جملہ ''اقسام لغت رنگ ترتیب ریختہ بود'' واضح کرتا ہے ہندی یا ویدانت کی اصطلاحوں کے علاوہ بہت سی مقامی بولیوں کو استعمال کرتے تھے اور یہ قیاس یقین کے قریب ہے کیونکہ مجذوب لوگ عام طور سے مقامی بولیوں میں بات کرتے ہیں اور اس علاقے کی مقامی بولی بھوجپوری تھی بلکہ ہے جو ہندی کی ایک شاخ شمار کی جاتی ہے اور جس کا آج بھی اس علاقے میں رواج ہے۔

۱۲۹۔ ایضاً ص ۳۱۸
۱۳۰۔ شعر العجم فی الہند ص ۱۲۷
۱۳۱۔ ایضاً ص ۳۱۹
۱۳۲۔ ایضاً ص ۳۱۹
۱۳۳۔ ایضاً ص ۳۲۰
۱۳۴۔ ایضاً ص ۳۲۸
۱۳۵۔ ایضاً ص ۳۲۸
۱۳۶۔ ایضاً ص ۳۲۸
۱۳۷۔ ایضاً ص ۳۲۸
۱۳۸۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۱۳، راقم السطور نے اپنے ایک فارسی مقالہ میں جو ایرانشناسی، امریکہ کے شمارہ ۳، ۴، ۲۰۰۴ اور ۲۰۰۵ء میں بیدل شناسان ہندوستان و پاکستان و ایران و افغانستان و تاجیکستان و اروپا'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس میں ان تمام مقامات کے بیدل شناسوں کے کارناموں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔
۱۳۹۔ ایضاً ص ۳۲۱
۱۴۰۔ ایضاً ص ۳۲۷
۱۴۱۔ ایضاً ص ۳۳۰
۱۴۲۔ ایضاً ص ۳۲۱
۱۴۳۔ ایضاً ص ۳۳۰
۱۴۴۔ ایضاً ص ۳۳۰
۱۴۵۔ ایضاً ص ۳۳۱
۱۴۶۔ ایضاً ص ۳۹۱
۱۴۷۔ ایضاً ص ۳۹۱
۱۴۸۔ نام حسین اور لقب منصور اور کنیت ابوالمغیث ہے۔ یہ حسین بیضاوی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ کیونکہ ان کی جائے پیدائش بیضا ہے۔ ''بیضا'' فارس میں ایک مقام کا نام ہے۔ منصور حلاج شیخ عمر بن عثمان مکی کے مرید تھے اور عمر بن عثمان حضرت جنید بغدادی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ نور الاصل، جسم الاکبر و جسم الاصغر، دبستان المعرفت طاسین الازل کے نام سے حضرت منصور کے چند تالیف ہیں۔ ''انا الحق'' کہنے کے جرم میں منصور کو عباسی خلیفہ معتصم کے زمانے میں شہید کر دیا گیا۔ ان کی تاریخ شہادت ریاض العارفین میں ۳۲۹ھ لکھا تاریخ گزیدہ میں ۳۰۷ھ اور فہرست التواریخ میں ۳۰۹ھ ہے۔ اکثر عارفوں اور شاعروں نے ان کی مدح وستائش کی ہے۔ شیخ شبستری صاحب راز نے ان کے بابت کہا ہے۔ ''روا باشد انا الحق از درختی - چرا نبود روا از نیک بختی''۔ ایک درخت سے انا الحق کی آواز آئے تو جائز ہو سکتی ہے ایک نیک بخت آدمی سے وہی آواز اگر نکلے تو ناجائز کیوں ہو۔ مجلہ ارمغان ش ۱ سال ۵۶

۱۴۹۔ چہار عنصر ص ۳۹۲
۱۵۰۔ ایضاً ص ۳۹۳
۱۵۱۔ ایضاً ص ۳۹۴
۱۵۲۔ ایضاً ص ۳۹۴
۱۵۳۔ ایضاً ص ۳۳۳
۱۵۴۔ مجلہ ادب کابل دورہ ۲۱ ش ۵، ۶ سال ۱۳۵۲
۱۵۵۔ چہار عنصر ص ۵۵۱
۱۵۶۔ ایضاً ص ۵۵۱
۱۵۷۔ ایضاً ص ۵۵۲
۱۵۸۔ ایضاً ص ۵۵۲
۱۵۹۔ ایضاً ص ۵۵۲
۱۶۰۔ ایضاً ص ۵۳-۵۵۲
۱۶۱۔ بیدل کے اس مناسبت سے بیان اور اشعار کے بابت جو مرزا عبداللطیف کے فوجی دستہ کی پراگندگی سے متعلق ہے یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرزا عبداللطیف کے فوجی دستے کی پراگندہ حالت سے وابستہ ہے نہ کہ شجاع کی شکست خوردہ فوج کی حالت سے وابستہ ہے جیسا کہ سیاق عبارت اس کی تائید کرتی ہے۔ غلام حسن مجددی کو غالباً مغالطہ ہوا ان اشعار کو الہ آباد میں شاہ شجاع کی فوج کی پراگندہ حالت سے وابستہ سمجھا لکھتے ہیں: ''قوای شکست خوردہ شجاع بوحشت و سراسیمگی شدیدی گرفتار گردید و بیدل کہ واقعات را بچشم خویش مشاہدہ کردہ بودہ در ابیات ذیل حالت سپاہ شکست خوردہ را ترسیم می کند''
بیدل شناسی ج ا ص ۱۶
۱۶۲۔ ایضاً ص ۵۵۴
۱۶۳۔ ایضاً ص ۵۶۲
۱۶۴۔ ایضاً ص ۵۶۲
۱۶۵۔ ایضاً ص ۵۶۴
۱۶۶۔ ایضاً ص ۵۶۶
۱۶۷۔ ایضاً ص ۵۶۶
۱۶۸۔ ایضاً ص ۵۶۹
۱۶۹۔ ایضاً ص سفینہ خوشگو، دفتر ثالث ص ۱۰۹
۱۷۰۔ مجمع النفائس قلمی ص ۶۶، سفینہ خوشگو ص ۱۰۹
۱۷۱۔ فیض قدس مجلہ دانش اسلام آباد شمارہ ۱۲، ص ۱۳۷
۱۷۲۔ مجلہ ادب کابل شمارہ سال نزدہم ۱۳۵۱ ص ۲۲
۱۷۳۔ بیدل شناسی ج ا ص ۱۹
۱۷۴۔ چہار عنصر ص ۳۹۵
۱۷۵۔ ایضاً ص ۳۴۷
۱۷۶۔ ایضاً ص ۳۷۵
۱۷۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۲۱
۱۷۸۔ چہار عنصر ص ۳۷۴
۱۷۹۔ ایضاً ص ۳۴۷
۱۸۰۔ Life & Works of Mirza Abdul Qadir Bedil By Dr. Abdul Ghani P. 22
۱۸۱۔ چہار عنصر ص ۴۰۴
۱۸۲۔ ایضاً ص ۴۰۳
۱۸۳۔ ایضاً ص ۳۹۵
۱۸۴۔ ایضاً ص ۳۹۷
۱۸۵۔ ایضاً ص ۳۹۷
۱۸۶۔ ایضاً ص ۳۹۸
۱۸۷۔ ایضاً ص ۳۹۸
۱۸۸۔ ایضاً ص ۴۰۳
۱۸۹۔ ایضاً ص ۴۰۳
۱۹۰۔ ایضاً ص ۴۰۳
۱۹۱۔ ایضاً ۳۷۰

۱۹۲۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ص
۱۹۳۔ O Mally Bihar and Orisa District Gaziter Cuttak P 221, 228
۱۹۴۔ چہار عنصر ص ۳۷۴
۳۹۵۔ ایضاً ص ۳۴۷، ۳۶۵
۱۹۶۔ ایضاً ص ۳۴۹
خان دوران کا اصل نام سید محمود ہے۔ خان دوران نصرت جنگ کا بیٹا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد ایک ہزار ذات اور ایک ہزار سوار منصب اسے حاصل ہوا ناصر خان کا لقب بھی اسے ملا۔ شاہجہان کے جلوس کے تیسویں سال عادل شاہی مملکت کی فتح کرنے کے لئے اورنگ زیب کی مدد پر مامور ہوا۔ اور جو خدمات اس نے انجام دیئے تھے اس کی بنا پر اس کے منصب میں اضافہ ہوا تین ہزار ذات اور دو ہزار پانچ سو سوار کے منصب پر فائز ہوا۔ اورنگ زیب نے جب اکبر آباد کا رخ کیا تو وہ اس وقت مالوہ میں ''رائے سن'' کے مقام پر تھا اور خان دوران کا لقب اسے ملا تھا۔ سموگڑھ کی جنگ مین وہ اورنگ زیب کی فوج کے دائیں بازو کا کمانڈر تھا یہاں جنگ میں کامیابی کے بعد وہ پانچ ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار کے عہدے پر ترقی کی۔ واقعات عالمگیری تالیف عاقل خاں رازی ترجمہ انگریزی ص ۳۶
۱۹۷۔ چہار عنصر ص ۳۷۴
۱۹۸۔ ایضاً ص ۳۷۴
۱۹۹۔ ایضاً ص ۳۷۵
۲۰۰۔ ایضاً ص ۳۷۵
۲۰۱۔ ایضاً ص ۳۷۵
۲۰۲۔ ایضاً ص ۳۷۶
۲۰۳۔ ایضاً ص ۳۷۶
۲۰۴۔ ایضاً ص ۳۷۷
۲۰۵۔ مجلہ دانش، اسلام آباد، شمارہ ۵۱، ص ۲۵
۲۰۶۔ مجلہ دانش، اسلام آباد، ش۔ ۵۰ ص ۱۳
۲۰۷۔ چہار عنصر ص ۳۴۶
۲۰۸۔ ایضاً ص ۳۴۵
۲۰۹۔ ایضاً ص ۳۷۸
۲۱۰۔ ایضاً ص ۳۷۸
۲۱۱۔ ایضاً ص ۳۸۰
۲۱۲۔ ایضاً ص ۳۸۱
۲۱۳۔ ایضاً ص ۳۸۱
۲۱۴۔ ایضاً ص ۳۷۷
۲۱۵۔ ایضاً ص ۳۷۷
۲۱۶۔ ایضاً ص ۳۷۳
۲۱۷۔ ایضاً ص ۳۵۰
۲۱۸۔ ایضاً ص ۳۵۱
۲۱۹۔ ایضاً ص ۳۵۱
۲۲۰۔ ایضاً ص ۳۵۳
۲۲۱۔ ایضاً ص ۳۵۳
۲۲۲۔ Persian English Dectionary By Father Stingas P. 5
۲۲۳۔ چہار عنصر ص ۳۵۸
۲۲۴۔ ایضاً ص ۳۶۰
۲۲۵۔ ایضاً ص ۳۶۲
۲۲۶۔ مغربی (وفات ۸۰۹ھ) نویں صدی کا مشہور صوفی شاعر ہے۔ اصفہان کے قریب ایک مقام نائین میں پیدا ہوا اور فارس کے ایک مقام

اصطہبانات میں سپرد خاک ہوا لیکن یہ مغربی تبریزی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ شیخ محی الدین بن العربی کے پیروؤں میں ہے۔ دیوان مغربی غزلیات، ترجیعات اور رباعیات پر مشتمل ہے اور اس کے بیشتر اشعار صوفیاء اور عارفانہ ہیں۔ "فرہنگ ادبیات دری زہرای خانلری کیا ص ۲۷۴"

۲۲۷۔ چہار عنصر ۶۳-۳۶۲

۲۲۸۔ ایضاً ص ۳۶۵

۲۲۹۔ قلمرو سعدی چاپ ابن سینا از علی دشتی ص ۲۰۶

۲۳۰۔ چہار عنصر ص ۴۰۷

۲۳۱۔ راقم السطور کی سمجھ میں نہ آسکا کہ ان اشعار میں صنعت خیفا کا استعمال کیسے ہوا۔ خانم زہرا خانلری نے اس صنعت کی مثال میں درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔ "زین عالم شد او بہ بخشش و مآل- تیغ او زینت مما لک شد" اس میں زین، شد، بہ بخشش، تیغ، زینت، شد نقطہ دار الفاظ ہیں جن میں سے ہر ایک کے بعد ایک ایک بے نقط لفظ آیا ہے جیسے عالم، او، مال، او، مما لک۔

۲۳۲۔ ایضاً ص ۴۰۸

۲۳۳۔ ایضاً ص ۴۰۸

۲۳۴۔ ایضاً ص ۴۱۰ یہاں بیدل نے "مجموعہ رسائل" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ غلام حسن مجددی "بیدل شناسی" میں لکھتے ہیں: "اس سے مراد تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار کا انتخاب ہے اور شاہ صاحب کے حسب ہدایت اس نے اس کتاب کا ایک انتخاب تیار کیا تھا جس کے آخر میں ایک منظوم مقدمہ لکھا تھا لیکن راقم السطور کے خیال میں اس بات کے لئے کہ وہ تذکرۃ الاولیاء کا ایک انتخاب تھا چہار عنصر میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا ہے۔

۲۳۵۔ ایضاً ص ۴۱۱

۲۳۶۔ ایضاً ص ۴۱۱

۲۳۷۔ ایضاً ص ۴۱۴

۲۳۸۔ ایضاً ص ۴۱۴

۲۳۹۔ ایضاً ص ۴۱۴

۲۴۰۔ ایضاً ص ۴۳۶

۲۴۱۔ ایضاً ص ۴۳۶

۲۴۲۔ ایضاً ص ۴۸۳

۲۴۳۔ کلیات بیدل ج ۲ ص ۱۲۷ مطبوعہ کابل

۲۴۴۔ Life & Works of Abdul Qadir P. 30

۲۴۵۔ فال عبور با قاعکدہ شہر دہلی افتاد

۲۴۵۔ چہار عنصر

۲۴۶۔ ایضاً ص

۲۴۷۔ سید محمد بن عبدالجلیل نے اپنے روزنامچہ "تبصرۃ الناظرین" میں بیدل کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ ایک دن ان کی مجلس میں رامی نام کے ایک ہندو نے ایک کبتا سنائی۔ میں نے اس سے کہا کہ بزرگوں کی محفل میں ایسی کبتا نہیں سنانا چاہئے جس کا مضمون مبتذل ہو۔ اس نے کہا اگر تم بہتر سنا سکتے ہو تو لاؤ اس نے پڑھا۔ بیدل نے پوچھا "میں ہندی سے واقف نہیں ہوں مجھے سمجھا دو۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے بیدل اس زبان سے آشنا نہ تھے۔ اس میں شعر کہنا تو دور کی بات رہی۔

۲۴۸۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۱۹۹

۲۴۹۔ مجلہ ندیم گیا بہار نمبر ۱۹۴۰ء (بہار اور اردو از حمید عظیم آبادی)

۲۵۰۔ سفینہ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۰۹

۲۵۱۔ ہندوستان اس زمانے یں دہلی اور اس کے آس پاس کا علاقہ متھرا، اکبر آباد، وغیرہ کہا جاتا تھا جیسا کہ متھرا میں اپنے قیام کے دوران جب ۱۰۹۶ھ میں بدامنی پھیلی تو اس کے سلسلے میں بیدل کہتا ہے: ہر روز حاکمی از دکن متعین می گردید تا بہندوستان رسید انفعال کہنگی می کشید (۵۵۶) (روزانہ دکن سے ایک حاکم متعین کر کے بھیجا جاتا تھا جب تک وہ ہندوستان پہنچتا قدامت اور کہنگی کی ندامت اسے لاحق ہو جاتی۔)

۲۵۲۔ عالمگیر نامہ ص ۸۸۴

۲۵۳۔ چہار عنصر نولکشور ص ۴۲۳

۲۵۴۔ نوائے وطن از شاد عظیم آبادی ص ۶۷

۲۵۵۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۲۷

۲۵۶۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۱ ص ۱۴۱ (مثنوی محیط اعظم)

۲۵۷۔ چہار عنصر ۲۱-۴۲۰

۲۵۸۔ ایضاً ص ۴۲۲

۲۵۹۔ ایضاً ص ۴۲۳

۲۶۰۔ ایضاً ص ۲۵-۴۲۳ شیخ اکرام لکھتے ہیں بیدل کی شاہ کابلی سے ملاقات اوڑیسہ میں ہوئی جبکہ وہ جوانی کے دور سے گذر رہا تھا" شعر العجم فی الہند ص ۱۳۰ جبکہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

۲۶۱۔ ایضاً ص ۴۲۵

۲۶۲۔ ایضاً ص ۲۸-۴۲۶

۲۶۳۔ ایضاً ص ۳۴-۴۳۳

۲۶۴۔ ایضاً ص ۴۳۴

۲۶۵۔ ایضاً ص ۴۳۵

۲۶۶۔ شعر العجم فی الہند از شیخ اکرام ص ۱۳۱

۲۶۷۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۱۸۶

۲۶۸۔ شام غریباں ص ۵۳

۲۶۹۔ چہار عنصر ص ۱۳۳

۲۷۰۔ مفتاح التواریخ از سر ولیم بیل ص ۲۸۷

۲۷۱۔ چہار عنصر ص ۴۳۰

۲۷۲۔ چہار عنصر ص ۱۴۷

۲۷۳۔ ایضاً ص ۷۶

۲۷۴۔ ایضاً ص ۸۲

۲۷۵۔ واقعات عالمگیری، انگریزی ترجمہ از مولوی حاجی ظفر حسن ۱۹۴۵ء ص ۴،۵

۲۷۶۔ چہار عنصر ص ۸۲

۲۷۷۔ چہار عنصر ۴۱۵

۲۷۸۔ ایضاً ص ۴۱۷

۲۷۹۔ ایضاً ص ۳۰۶

۲۸۰۔ ایضاً ص ۴۲۹

۲۸۱۔ شعر العجم فی الہند ص ۱۳۴

۲۸۲۔ چہار عنصر ص ۴۲۹

۲۸۳۔ بیدل از پروفیسر نبی ہادی ص ۲۶

۲۸۴۔ چہار عنصر ص ۴۳۰

۲۸۵۔ صحف ابراہیم ص ۱۴۳

۲۸۶۔ تذکرہ الشعرای ہندی ص ۵۲

۲۸۷۔ مرآۃ الخیال ص ۴۵۹

۲۸۸۔ سفینہ خوشگو ص ۱۰۹

۲۸۹۔ مجمع الانشاء ص ۲۸۰، ۳۳۲، ۱۸۵

۲۹۰۔ مآثر عالمگیری ص ۸۰

۲۹۱۔ ایضاً ص ۵۳۶

۲۹۲۔ مرآۃ الخیال ص ۴۶۹، شہزادہ اعظم ۱۰۸۵ھ تک مختلف عہدوں پر فائز ہو کر دہلی میں ہی مقیم تھا اس کے بعد وہ درج ذیل ترتیب سے مختلف سالوں

میں مختلف مقامات پر رہا ہے۔

۱۰۸۶ھ، ناظم ملتان، مآثر عالمگیری ص ۱۴۹

۱۰۸۸ھ، صوبہ دار پٹنہ، مآثر عالمگیری ص ۱۶۱

۱۰۸۹ھ، صوبیدار اوڑیسہ، مآثر عالمگیری ص ۱۶۹

۱۰۹۰ھ صوبہ دار بنگالہ مآثر عالمگیری ص ۱۸۰

۱۰۹۱ ھ صوبہ دار دکن بخطاب اعظم شاہ مآثر عالمگیری ۲۱۱

۱۰۹۳ھ ناظم بیجاپور، ص ۲۱۹

۱۱۰۲ھ ناظم پنجاب، ۳۲۸

۱۱۱۳ھ صوبہ دار احمد آباد، ۴۴۲

۱۱۱۹ھ ۱۸ ربیع الاول جنگ جانشینی میں مارا گیا۔

۲۹۳۔ شام غریباں ص ۵۴

۲۹۴۔ چہار عنصر ص ۱۳۳

۲۹۵۔ مفتاح التواریخ ص

۲۹۶۔ غیاث اللغات مطبوعہ نولکشور ص ۱۳۱

۲۹۷۔ فرہنگ ناظم الاطباء ج ۴ ص ۲۸۶۱

۲۹۸۔ مجلہ اقبال، کراچی شمارہ ۶ بیدل کی شخصیت اور اس کا اسلوب از ڈاکٹر عبدالغنی

۲۹۹۔ چہار عنصر ص ۴۷

۳۰۰۔ ایضاً ص ۴۲

۳۰۱۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۴۴

۳۰۲۔ ایضاً ص ۱۰۹

۳۰۳۔ تذکرہ حسینی مخطوطہ خدابخش ورق

۳۰۴۔ مآثر عالمگیری ص ۹۸، ۹۹

۳۰۵۔ ریاض الوداد از ایزد بخش رضا مخطوطہ بانکی پور ص ۹

۳۰۶۔ ایضاً ص ۱۰

۳۰۷۔ چہار عنصر ص ۱۵۰

۳۰۸۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۳۵

۳۰۹۔ مآثر عالمگیری ص ۱۰۸

۳۱۰۔ ریاض الوداد قلمی بانکی پور ورق ۱۰

۳۱۱۔ مآثر عالمگیری۔ اس کی پوری تفصیلات حوالجات کے ساتھ حاشیہ نمبر ۲۹۲ پر دیکھی جائے

۳۱۲۔ نشتر عشق قلمی بانکی پور ص ۳۱۴

۳۱۳۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۹

۳۱۴۔ مرآۃ الخیال ص ۴۵۹

۳۱۵۔ ایضاً ص ۴۵۹

۳۱۶۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۳۴، ۳۵

۳۱۷۔ مجلہ ادب کابل ش ۵ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۱۸۸

۳۱۸۔ شام غریباں (بحوالہ مرأت واردات) ص

۳۱۹۔ مرآۃ الخیال ص ۴۵۹

۳۲۰۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۰۹

۳۲۱۔ خزانہ عامرہ ص ۱۵۶

۳۲۲۔ شام غریباں ص

۳۲۳۔ صحف ابراہیم ص ۱۴۳

۳۲۴۔ نشتر عشق ص ۳۴۴

۳۲۵۔ نوائے وطن ص ۶۹

۳۲۶۔ مآثر عالمگیری ص ۲۶

۳۲۷۔ ایضاً ص ۷۵۱

۳۲۸۔ ایضاً ص ۱۹۰

۳۲۹۔ چہار عنصر مطبوعہ نولکشور ص ۱۶۶

۳۳۰۔ کافی تلاش کے باوجود عتیق اللہ کے بابت معلوم نہ ہوسکا کہ کون تھا۔

۳۳۱۔ چہار عنصر مطبوعہ نولکشور ص ۱۶۶

۳۳۲۔ ایضاً ص ۱۶۶

۳۳۳۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۰۹

۳۳۴۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۶۶

۳۳۵۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۷۷

۳۳۶۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۴۱۶

۳۳۷۔ چہار عنصر (رقعات) ص

۳۳۸۔ یہاں بیدل کے وہ تمام خطوط جو مجمع الانشاء میں اعظم شاہ کے نام ہیں نقل کیے جاتے ہیں۔

۳۳۹۔ غزلیات دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص

۳۴۰۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان ص ۲۵۰

۳۴۱۔ مجلہ ادب کابل سال نزدہم حوت شمارہ ۵۰ بخشی در احوال وآثار بیدل

۳۴۲۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۱۸۴

۳۴۳۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۳۱

۳۴۴۔ مجلہ ادب کابل سال نزدہم جوت ۱۳۵۰ شمارہ ۵ ص ۲۴

۳۴۵۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۱۸۵

۳۴۶۔ چہار عنصر ص ۵۸۳

۳۴۷۔ ایضاً ص ۵۸۳

۳۴۸۔ ایضاً ص ۵۸۵

۳۴۹۔ ایضاً ص ۵۸۵

۳۵۰۔ ایضاً ص ۵۸۵

۳۵۱۔ ایضاً ص ۵۸۵

۳۵۲۔ ایضاً ص ۵۸۶

۳۵۳۔ ایضاً ص مثنوی محیط اعظم دیوان بیدل

۳۵۴۔ چہار عنصر ص ۵۸۷

۳۵۵۔ دیوان بیدل ص ۴۱۰

۳۵۶۔ چہار عنصر ص ۴۹۴

۳۵۷۔ ایضاً ص ۴۹۴

۳۵۸۔ ایضاً ص ۴۹۹

۳۵۹۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۱۴

۳۶۰۔ چہار عنصر ص ۴۴۱

۳۶۱۔ ایضاً ص ۴۴۲

۳۶۲۔ چہار عنصر ص ۴۴۰-۴۳

۳۶۳۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۳۵

۳۶۴۔ مآثر عالمگیری ص ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۳، ۳۰۳

۳۶۵۔ سرو آزاد مخطوطہ پٹنہ ورق ۱۴۹

۳۶۶۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۳۶

۳۶۷۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۷۹

۳۶۸۔ ایضاً ص ۱۵۸

۳۶۹۔ ایضاً ص ۱۶۴

۳۷۰۔ ریاض الوداد قلمی بانکی پور ورق ۱۰

۳۷۱۔ چہار عنصر ص ۵۳۰

۳۷۲۔ اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۳۳ء مرزا بیدل کے تعلقات از یٰسین خاں نیازی

۳۷۳۔ مجلہ ادب کابل سال نزدہم خوت ۱۳۵۰ شمارہ ۵ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۱۷۴

۳۷۴۔ مآثر عالمگیری ص ۱۲۳

۳۷۵۔ ریاض الوداد قلمی ورق ۱۰، اصل عبارت یوں ہے ’’آخر شہر رمضان یا اول شوال با پنجامی سد‘‘۔

۳۷۶۔ چہار عنصر ص ۳۲۳

۳۷۷۔ ایضاً ص ۵۳۰

۳۷۸۔ ایضاً ص ۵۳۱

۳۷۹۔ ایضاً ص ۳۲۲

۳۸۰۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۳۸

۳۸۱۔ چہار عنصر ص ۳۲۳

۳۸۲۔ ایضاً ص ۳۲۵-۲۶

۳۸۳۔ تفسیر شبیری ص ۳۵۶

۳۸۴۔ چہار عنصر ص ۳۲۵

۳۸۵۔ ایضاً ص ۳۲۶

۳۸۶۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۱۸

۳۸۷۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۳۸

۳۸۸۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۳۱
۳۸۹۔ ایضاً ص ۱۳۱
۳۹۰۔ ایضاً ص ۱۵۸
۳۹۱۔ ایضاً ص ۱۵۸
۳۹۲۔ ریاض الوداد قلمی ص ۴۶
۳۹۳۔ ید بیضا ص ۱۰۵
۳۹۴۔ ریاض الوداد ورق ۲ بحوالہ فارسی بعہد اورنگ زیب ص ۳۹۶
۳۹۵۔ ایضاً ورق ۲۸
۳۹۶۔ مجلہ ادب کابل ص ۱۳۵۰، شمارہ ۵ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ۱۸۴
۳۹۷۔ ایضاً
۳۹۸۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۹۷
۳۹۹۔ ایضاً ص ۴۴
۴۰۰۔ مجلہ کابل شمارہ ۵، ۶، سال نزدہم ۱۳۵۰ھ
۴۰۱۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۲۸۲
۴۰۲۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۳۹
۴۰۳۔ مقالات دینی و علمی حصہ دوم تالیف ڈاکٹر محمد شفیع ص ۲۹
۴۰۴۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۴۰
۴۰۵۔ مآثر عالمگیری ص ۱۶۴
۴۰۶۔ چہار عنصر ص ۵۳۴
۴۰۷۔ ایضاً ص ۵۳۵
۴۰۸۔ ایضاً ص ۵۳۷
۴۰۹۔ ایضاً (رقعات) ص ۴۷
۴۱۰۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۴۱
۴۱۱۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۳۳
۴۱۲۔ ایضاً ص ۷۶
۴۱۳۔ ایضاً ص ۱۳۲
۴۱۴۔ ایضاً ص ۱۳۲
۴۱۵۔ ایضاً ص ۳۰۱
۴۱۶۔ ایضاً ص ۱۳۹
۴۱۷۔ ایضاً ۱۵۲ ''اسلام آباد متھرا کا نام ہے ۱۰۸۰ھ/ ۱۶۶۹ء میں اورنگ کے حسب حکم ایک بڑا مندر جس کو نرسنگ دیو بندیلا نے وہاں تعمیر کیا تھا۔ منہدم کیا گیا۔ اس کی جگہ ایک عالی شان مسجد تعمیر کی گئی اسی تاریخ سے متھرا کا نام اسلام آباد پڑا اور دفاتر میں اسی نام کو رواج دیا گیا۔ مآثر عالمگیری ص ۹۷
۴۱۸۔ ایضاً ص ۵۱
۴۱۹، ۴۲۰۔ ایضاً ص ۵۷۱
۴۲۱۔ ایضاً ص ۵۷۳
۴۲۲۔ ایضاً ص ۵۷۸
۴۲۳۔ تفسیر شبیری ص
۴۲۴۔ Life & Works Bedil
۴۲۵۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۵۴
۴۲۶۔ Life & Works of Bedil
۴۲۷۔ چہار عنصر ص ۱۵۲
۴۲۸۔ ایضاً ص ۱۵۲
۴۲۹۔ مآثر عالمگیری ص ۳۰۴
۴۳۰۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۰۹
۴۳۱۔ شام غریباں بحوالہ مرآت واردات ص ۵۳
۴۳۲۔ چہار عنصر (رقعات) ۱۴۷
۴۳۳۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۰۹
۴۳۴۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۹۹
۴۳۵۔ ایضاً ص ۱۱۸
۴۳۶۔ ایضاً ص ۱۰۵
۴۳۷۔ ایضاً ص ۱۲۶

۴۳۸۔ ایضاً ص ۱۱۲
۴۳۹۔ ایضاً ص ۱۱۲
۴۴۰۔ ایضاً ص ۱۷۲
۴۴۱۔ Life & Works of Abdul Qadir Bedil
۴۴۲۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۲۱۳
۴۴۳۔ طور معرفت بہ حوالہ بیدل شناسی ج ۲ ص ۴۱۲
۴۴۴۔ چہار عنصر ص
۴۴۵۔ ایضاً ص ۱۲۹
۴۴۶۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۱۲
۴۴۷۔ تبصرۃ الناظرین قلمی ص ۲۵۶
۴۴۸۔ بحوالہ بیدل شناسی ج ۱ ص ۵۸
۴۴۹۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۴۱۶
۴۵۰۔ ایضاً ص ۱۸۸
۴۵۱۔ چہار عنصر ص ۵۵۲
۴۵۲۔ مجمع الانشا محمد امین عرفان ص ۷۰
۴۵۳۔ چہار عنصر ص ۵۵۲
۴۵۴۔ محیط اعظم اعظم مشمول کلیات بیدل مطبوعہ کابل ص ۱۴۱
۴۵۵۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۱۲
۴۵۶۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۳۰
۴۵۷۔ ایضاً ص ۱۳۰
۴۵۸۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۰۶
۴۵۹۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۲۴
۴۶۰۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۵۵۰
۴۶۱۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۱۲
۴۶۲۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۱۵
۴۶۳۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۴۳
۴۶۴۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۸۷
۴۶۵۔ سفینۂ خوشگو دفتر ثالث ص ۱۱۵
۴۶۶۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۸۵
۴۶۷۔ ایضاً ص ۱۸۷
۴۶۸۔ ایضاً ص ۱۸۱
۴۶۹۔ ایضاً ص ۱۹۵
۴۷۰۔ ایضاً ص ۱۹۸
۴۷۱۔ ایضاً ص ۱۸۹
۴۷۲۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۱۸
۴۷۳۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۹۴
۴۷۴۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۷۰
۴۷۵۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۵۶
۴۷۶۔ سفینۂ خوگو ص ۱۱۴
۴۷۷۔ نوائے وطن ص ۶۷
۴۷۸۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۵۶
۴۷۹۔ کلیات بدیل مطبوعہ صفدری بمبئی (دیباچہ) ص ۵
۴۸۰۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۵۴
۴۸۱۔ سرو آزاد ص ۱۴۵
۴۸۲۔ خزانہ عامرہ ص ۱۵۶
۴۸۳۔ مجمع النفائس خطی بانکی پور ص ۶۵
۴۸۴۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۱۴
۴۸۰۔ ایضاً ص ۱۳
۴۸۶۔ مآثر عالمگیری ص ۲۶، ۳۷، ۴۷، ۸۲، ۱۸۳، ۱۷۶، ۱۹۵
۴۸۷۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۳۰
۴۸۸۔ ایضاً ص ۱۳
۴۸۹۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۴۷
۴۹۰۔ ایضاً ص ۸۲
۴۹۱۔ ایضاً ص ۱۳۳

۴۹۲۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۹۷
۴۹۳۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۴۱
۴۹۴۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۹۷
۴۹۵۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۳
۴۹۶۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۵۴
۴۹۷۔ ایضاً ص ۱۳۳
۴۹۸۔ ایضاً ص ۱۳۳
۴۹۹۔ ایضاً ۱۰۳، ۱۳۲، ۱۳۳
۵۰۰۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۵۲
۵۰۱۔ مرآۃ الخیال ص ۳۹۹ تا ۴۰۱
۵۰۲۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۳۱۷، ۳۱۸
۵۰۳۔ صحائف شرائف ورق ۹۳
۵۰۴۔ سرو آزاد ص ۱۵۳
۵۰۵۔ مآثر عالمگیری ص ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۲، ۳۰۳
۵۰۶۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۷۹، ۱۶۳
۵۰۷۔ سرو آزاد ص ۱۵۳
۵۰۸۔ بحوالہ مسلم شعرائے بہار ص ۱۷۰
۵۰۹۔ سرو آزاد ص ۱۵۳
۵۱۰۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۴۶
۵۱۱۔ بیدل شناسی ج ۲ ص ۵۳۱
۵۱۲۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۳۲
۵۱۳۔ ایضاً ص ۹۴
۵۱۴۔ ایضاً ص ۱۱۴
۵۱۵۔ ایضاً ص ۷۹
۵۱۶۔ اص
۵۱۷۔ ایضاً ص ۸۰
۵۱۸۔ ایضاً ص ۱۵۳
۵۱۹۔ ایضاً ص ۱۶۹
۵۲۰۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۴۹
۵۲۱۔ چہار عنصر (رقعات) ۱۵۴
۵۲۲۔ ایضاً ص ۱۵۵
۵۲۳۔ ایضاً ص ۱۵۵
۵۲۴۔ ایضاً ص ۱۳۲
۵۲۵۔ ایضاً ص ۱۰۶
۵۲۶۔ ایضاً ص ۸۹
۵۲۷۔ ایضاً ص ۷۶
۵۲۸۔ ایضاً ص ۹۷
۵۲۹۔ ایضاً ص ۱۰۶
۵۳۰۔ ایضاً ص ۹۶
۵۳۱۔ ایضاً ص ۹۸، ۱۰۰، ۱۱۸، ۱۳۸
۵۳۲۔ ایضاً ص ۱۳۴، ۱۵۱، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۹
۵۳۳۔ ایضاً ص ۸۳، ۸۵، ۹۰، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۴۱، ۱۴۷، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۷۵
۵۳۴۔ ایضاً ص ۸۳
۵۳۵۔ ایضاً ص ۸۵
۵۳۶۔ ایضاً ص ۱۱۷
۵۳۷۔ ایضاً ص ۸۹
۵۳۸۔ ایضاً ص ۱۰۳
۵۳۹۔ ایضاً ص ۸۶
۵۴۰۔ ایضاً ص ۹۵
۵۴۱۔ ایضاً ص ۹۷
۵۴۲۔ ایضاً ص ۱۴۵
۵۴۳۔ ایضاً ص ۸۷
۵۴۴۔ ایضاً ص ۱۰۴
۵۴۵۔ ایضاً ص ۱۳۲
۵۴۶۔ ایضاً ص ۱۳۲
۵۴۷۔ ایضاً ص ۱۳۳
۵۴۸۔ ایضاً ص ۱۱۷

۵۴۹۔ ایضاً ص ۱۳۴
۵۵۰۔ ایضاً ص ۸۹
۵۵۱۔ ایضاً ص ۱۱۰
۵۵۲۔ ایضاً ص ۱۱۰
۵۵۳۔ ایضاً ص ۱۴۷
۵۵۴۔ ایضاً ص ۱۴۳
۵۵۵۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۵۳
۵۵۶۔ سرو آزاد ۱۴۹
۵۵۷۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۴۴
۵۵۸۔ ایضاً ص ۲۰۴
۵۶۰۔ ایضاً ص ۱۷۰
۵۶۱۔ ایضاً ص ۱۶۳
۵۶۲۔ ایضاً ص ۱۶۴
۵۶۳۔ ایضاً ص ۱۱۴
۵۶۴۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۳۳
۵۶۵۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۸۵
۵۶۶۔ ایضاً ص ص ۱۸۷
۵۶۷۔ ایضاً ص ۱۹۵
۵۶۸۔ ایضاً ص ۱۹۳
۵۶۹۔ ایضاً ص ۲۰۸
۵۷۰۔ ایضاً ص ۲۰۵
۵۷۱۔ ایضاً ص ۱۹۶
۵۷۲۔ ایضاً ص ۱۸۷
۵۷۳۔ ایضاً ص ۲۰۲
۵۷۴۔ مآثر عالمگیری ص ۳۱۴، ۳۱۵
۵۷۵۔ چہار عنصر (رقعات) ۱۸۱، ۱۲۵
۵۷۶۔ ایضاً ص ۷۸، ۱۸۱، ۱۲۵
۵۷۷۔ ایضاً ص ۱۷۱
۵۷۸۔ ایضاً ص ۲۰۰
۵۷۹۔ ایضاً ص ۲۰۰
۵۸۰۔ ایضاً ص ۹۸
۵۸۱۔ ایضاً ص ۱۰۶
۵۸۲۔ ایضاً ص ۱۷۷
۵۸۳۔ ایضاً ص
۵۸۴۔ ایضاً ص ۱۵۹، ۱۸۱
۵۸۵۔ ایضاً ص ۱۹۷
۵۸۶۔ ایضاً ص ۱۸۸
۵۸۷۔ ایضاً ص ۹۸، ۱۳۰، ۱۴۱
۵۸۸۔ ایضاً ص ۱۰۶
۵۸۹۔ ایضاً ص ۱۰۵
۵۹۰۔ ایضاً ص ۱۸۹
۵۹۱۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۷۲، ۳۷۱
۵۹۲۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۱۵
۵۹۳۔ ایضاً ص ۱۳۰
۵۹۴۔ ایضاً ص ۱۷۸
۵۹۵۔ ایضاً ص ۸۱-۱۸۰
۵۹۶۔ ایضاً ۱۰۱
۵۹۷۔ ایضاً ص ۱۵۹
۵۹۸۔ ایضاً ص ۸۴
۵۹۹۔ ایضاً ص ۹۵
۶۰۰۔ سفینۂ خوشگو ص ۵۸
۶۰۱۔ ایضاً ص ۵۸
۶۰۲۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۶۵
۶۰۳۔ ایضاً ص ۱۷۶
۶۰۴۔ سیفنۂ خوشگو ص ۵۸
۶۰۵۔ چہار عنصر (رقعات) ۷۶
۶۰۶۔ ایضاً ص ۱۸۴
۶۰۸۔ ایضاً ص ۱۸۶

۶۰۹۔ ایضاً ص۱۴۴
۶۱۰۔ ایضاً ص۱۸۳
۶۱۱۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۷۰
۶۱۲۔ صحایف شرایف قلمی خدابخش ص۳۴، ۳۵
۶۱۳۔ عالمگیر نامہ ص۱۶۲
۶۱۴۔ عالمگیر نامہ ص۸۲۷، ۸۵۶، ۸۸۲، ۸۲، ۱۱۲، ۱۴۰،
۱۵۶، ۱۶۶، ۱۷۲، ۲۱۷، ۲۶۰، ۲۸۱، ۲۹۷، ۳۱۲،
۳۳۰، ۴۸۲، ۴۹۷
۶۱۵۔ چہار عنصر (رقعات) ص۴۹۲
۶۱۶۔ ایضاً ص۴۹۹
۶۱۷۔ ایضاً ص۱۴۴۰
۶۱۸۔ سفینہ خوشگو ص۱۰۹
۶۱۹۔ ایضاً ص۱۰۹
۶۲۰۔ سرو آزاد ص۷۲، ۱۶۲
۶۲۱۔ ایضاً ص۱۶۳
۶۲۲۔ ایضاً ص۱۷۶
۶۲۳۔ تذکرۃ الشعراء ہندی قلمی ورق ۵۳، ۵۴
۶۲۴۔ چہار عنصر (رقعات) ۱۷۴
۶۲۵۔ ایضاً ص۱۷۴
۶۲۶۔ ایضاً ص۱۸۴
۶۲۷۔ سیفہ خوشگو ص۱۱۴
۶۲۸۔ مفتاح التواریخ ص۳۲۷
۶۲۹۔ سفینہ خوشو ص۲۵۲-۵۵
۶۳۰۔ سرو آزاد ص۱۴۹
۶۳۱۔ ایھاً ص۱۸۱
۶۳۲۔ ایضاً ص۱۸۲
۶۳۳۔ ایضاً ص۱۷۱
۶۳۴۔ رقعات بیدل ص۸۴
۶۳۵۔ ایضاً ص۱۴۸

۶۳۶۔ ایضاً ص۱۶۵
۶۳۷۔ سفینہ خوشگو ص۲۵۲
۶۳۸۔ رقعات ص۱۹۲
۶۳۹۔ ایضاً ص۱۹۱
۶۴۰۔ دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص۱۲۴
۶۴۱۔ رقعات ص۲۱۳
۶۴۲۔ سرو آزاد ص۱۴۹
۶۴۳۔ تذکرہ بے نظیر ص بحوالہ تذکرہ سوزن ص۱۶۹
۶۴۴۔ رقعات ص۲۰۹
۶۴۵۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج۱ ص۱۵۴
۶۴۶۔ رقعات ص۲۰۷
۶۴۷۔ رقعات ۲۱۰
۶۴۸۔ ایضاً
۶۴۹۔ سفینہ خوشگو ص۹۷
۶۵۰۔ خزانہ عامرہ ص۱۵۲-۵۳
۶۵۱۔ سرو آزاد ص۱۷۵
۶۵۲۔ رقعات ۲۰۴
۶۵۳۔ رقعات ص۱۶۶
۶۵۴۔ مآثر عالمگیری ص۴۷۱
۶۵۵۔ رقعات ص۱۲۰
۶۵۶۔ ایضاً ص۱۲۰
۶۵۷۔ ایضاً ص۱۶۱
۶۵۸۔ مآثر عالمگیری ص۲۴۲
۶۵۹۔ رقعات ۱۲۴
۶۶۰۔ ایضاً ص۱۵۵
۶۶۱۔ ایضاً ص۱۳۶
۶۶۲۔ مفتاح التواریخ ص۲۸۷
۶۶۳۔ چہار عنصر (رقعات) ص۱۳۳
۶۶۴۔ شام غریباں بہ حوالہ مرآت واردات ص۵۳

۶۶۵۔ سفینہ خوشگو ص۹۷
۶۶۶۔ رقعات بیدل (کلیات بیدل نولکشور) ص۹۲
۶۶۷۔ ایضاً ص۱۹۲
۶۶۸۔ ایضاً ص۹۲
۶۶۹۔ مآثر عالمگیری ص۲۷۲
۶۷۰۔ رقعات بیدل ص۶۱۸
۶۷۱۔ ایضاً ص۱۳۷
۶۷۲۔ ایضاً ص۱۳۷
۶۷۳۔ ایضاً ص۱۴۷
۶۷۴۔ ایضاً ص۲۱۱
۶۷۵۔ سفینہ خوشگو ص۵۷
۶۷۶۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۷۰
۶۷۷۔ ایضاً ص۱۵۵
۶۷۸۔ دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص۳۷۹
۶۷۹۔ مفتاح التواریخ ص۳۱۶
۶۸۰۔ نقوش لاہور شمارہ ۱۳۸، ص۸۲
۶۸۱۔ سرو آزاد ص۱۴۹
۶۸۲۔ سفینہ خوشگو ص۱۲۲
۶۸۳۔ مآثر عالمگیری ص۱۳۶، ۱۵۰، ۱۷۰
۶۸۴۔ ایضاً ص۱۰۰
۶۸۵۔ رقعات بیدل (نولکشور) ص۱۲۷
۶۸۶۔ ایضاً ص۱۵۳
۶۸۷۔ شام غریباں ص۵۳
۶۸۸۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص۴۱۸
۶۸۹۔ رقعات بیدل (نولکشور) ص۱۲۸
۶۹۰۔ سفینہ خوشگو ص۸
۶۹۱۔ ایضاً ص۴۴
۶۹۲۔ مآثر عالمگیری ص۱۹۸، ۹، ۱۳۱، ۱۳۸، ۱۶۴
۶۹۳۔ سفینہ خوشگو ص۱۰۸

۶۹۴۔ رقعات بیدل نولکشور ص۱۶۲
۶۹۵۔ ایضاً ص۱۲۹
۶۹۶۔ ایضاً ص۱۵۰
۶۹۷۔ ایضاً ص۱۴۰
۶۹۸۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص
۶۹۹۔ ایضاً ج ۲ ص۱۳۳، ۱۲۵
۷۰۰۔ مآثر عالمگیری ص۱۶۴
۷۰۱۔ سفینہ خوشگو ص۴۵، ۴۶
۷۰۲۔ ریاض الوداد قلمی ص۹
۷۰۳۔ مجلہ اقبال کراچی شمارہ ۴، ج ۶، مرزا بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب از ڈاکٹر عبدالغنی
۷۰۴۔ ریاض الوداد قلمی ص۴۵
۷۰۵۔ رقعات بیدل نولکشور ص۹۰
۷۰۶۔ ریاض الوداد قلمی ص۴۶
۷۰۷۔ رقعات بیدل ص۷۴
۷۰۸۔ ایضاً ص۷۴
۷۰۹۔ ایضاً ص۹۰
۷۱۰۔ ایضاً ص۱۱۵
۷۱۱۔ سفینہ خوشگو ص۶۵
۷۱۲۔ رقعات بیدل نولکشور ص۱۲۸
۷۱۳۔ ایضاً ص۱۲۸
۷۱۴۔ سفینہ خوشگو ص۷، ۸، تفصیلی حالات کیلئے دیکھے فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۱۶۴
۷۱۵۔ ایضاً ص۳۸ تفصیل کے لئے دیکھئے فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب
۷۱۶۔ ایضاً ص۳۰۲
۷۱۷۔ باغ معانی از نقش علی رستم قلمی ورق ۳۲
۷۱۸۔ سفینہ خوشگو ص۹۷
۷۱۹۔ رقعات بیدل نولکشور ص۱۹۲

۷۲۰۔ سروآزاد ص۱۵
۷۲۱۔ سفینہ بےخبر قلمی علی گڑھ ورق
۷۲۲۔ اویماق مغل ص۵۷۹
۷۲۳۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان ص مرآۃ الخیال ص ۱۸، ۱۳۴، ۱۵۶ تفصیل کے لئے دیکھئے فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص۵۱۴
۷۲۴۔ مجمع الانشاء ص۱۵۷
۷۲۵۔ ایضاً ص۱۵۷
۷۲۶۔ ایضاً
۷۲۷۔ رقعات بیدل ص۱۰۲
۷۲۸۔ کلمات الشعراء ص۱۹۵
۷۲۹۔ رقعات بیدل ص۱۲۷
۷۳۰۔ ایضاً ص۱۳۶
۷۳۱۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص۴۱۸
۷۳۲۔ رقعات بیدل نولکشور ص۱۱۴
۷۳۳۔ ایضاً ص۱۱۳
۷۳۴۔ ایضاً ص۹۱
۷۳۵۔ ایضاً ص۱۲۹
۷۳۶۔ بیدل شناسی ج ا ص۱۶
۷۳۷۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۴۱۲
۷۳۸۔ رقعات بیدل ص۱۸۶
۷۳۹۔ مآثر عالمگیری ص۲۲۶
۷۴۰۔ رقعات بیدل ص۱۷۷
۷۴۱۔ ایضاً ص۱۸۹
۷۴۲۔ شام غریباں ص۲۸۰
۷۴۳۔ لغت نامہ دہخدا سے نقل
۷۴۴۔ چہار عنصر مطبوعہ نولکشور ص ۷-۴۰۶
۷۴۵۔ سفینہ خوشگو ص۱۱۵، ۵۳
۷۴۶۔ تبصرۃ الناظرین قلمی در ذکر حالات ۱۱۳۸ھ
۷۴۷۔ بیدل شناسی ج ا ص۶۸
۷۴۸۔ سروآزاد ص۲۶۱
۷۴۹۔ صحایف شرایف قلمی ص۳۴
۷۵۰۔ مجمع النفائس قلمی ج ا ص۱۵۹
۷۵۱۔ سفینہ خوشگو ص۹
۷۵۲۔ سفینہ خوشگو و فارسی ادب اورنگ زیب کے بعد مقالہ توحید عالم ص۲۱۲
۷۵۳۔ سفینہ خوشگو ص۱۱۳
۷۵۴۔ مآثر عالمگیری ص۱۶۴
۷۵۵۔ سفینہ خوشگو ص۳۷
۷۵۶۔ ایضاً ص۱۶۵
۷۵۷۔ رقعات بیدل ص۸۶
۷۵۸۔ سفینہ خوشگو ص۲۳۳
۷۵۹۔ رقعات بیدل ص۱۱۹
۷۶۰۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص۴۶۷
۷۶۱۔ رقعات بیدل ص۱۵۴
۷۶۲۔ مخزن الغرائب قلمی ص۱۱۲
۷۶۳۔ تذکرۃ الشعرای ہندی ص۵۲
۷۶۴۔ مجمع النفائس قلمی بانکی پور ص۶۶
۷۶۵۔ مرقع دہلی ص۴۵
۷۶۶۔ سفینہ خوشگو ص۳۳۱
۷۶۷۔ معارف ج ا شمارہ ۳۳
۷۶۸۔ مجمع النفائس قلمی ص۷۸
۷۶۹۔ سفینہ خوشگو ص۹۹
۷۷۰۔ رقعات بیدل ۱۳۸
۷۷۱۔ مقدمہ سفینہ خوشگو
۷۷۲۔ سفینہ خوشگو ص۱۱۸
۷۷۳۔ ایضاً ص۱۱۲
۷۷۴۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان ص۲۵۰

۷۷۵۔ سفینہ خوشگو ص۱۷
۷۷۶۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۳۸۸
۷۷۷۔ رقعات بیدل ص۱۴۸
۷۷۸۔ تبصرۃ الناظرین قلمی ص۲۵۶
۷۷۹۔ ایضاً ص۲۵۶
۷۸۰۔ سفینہ خوشگو ص۹۹
۷۸۱۔ بہارستان سخن (بحوالہ مسلم شعرای بہار ص۱۷۱)
۷۸۲۔ سفینہ خوشگو ص۵۴
۷۸۳۔ ایضاً ص۴۷
۷۸۴۔ سفینہ خوشگو ص۱۶۷
۷۸۵۔ مقالات الشعراء ص
۷۸۶۔ سفینہ خوشگو ص۸۱
۷۸۷۔ ایضاً ص۸۷
۷۸۸۔ باغ معانی قلمی ورق ۹۸
۷۸۹۔ سفینہ خوشگو ص۲۶۵
۷۹۰۔ باغ معانی ورق ۸۹
۷۹۱۔ سفینہ خوشگو ص۲۶۵
۷۹۲۔ باغ معانی قلمی ورق ۱۹۹
۷۹۳۔ رقعات بیدل ص۱۰۸
۷۹۴۔ سفینہ خوشگو ص۲۷۰
۷۹۵۔ خزانہ عامرہ ص۴۴
۷۹۶۔ مجلہ نقوش لاہور شمارہ ۱۳۸ ص۱۸۸
۷۹۷۔ سفینہ خوشگو ص۲۷۶
۷۹۸۔ ایضاً ص۲۷۷
۷۹۹۔ ایضاً ص۲۱۳
۸۰۰۔ ایضاً ص۲۴۰
۸۰۱۔ ایضاً ص۲۴۷
۸۰۲۔ باغ معانی قلمی ورق ۷
۸۰۳۔ سفینہ خوشگو ص۲۸۱
۸۰۴۔ رقعات بیدل ص۱۱۶
۸۰۵۔ سفینہ خوشگو ص۳۵۳
۸۰۶۔ ایضاً ص۳۴۸
۸۰۷۔ ایضاً ص۳۱۱
۸۰۸۔ سفینہ خوشگو ص۱۶۹
۸۰۹۔ ایضاً ص۱۸۳
۸۱۰۔ باغ معانی قلمی ورق
۸۱۱۔ تبصرۃ الناظرین قلمی ۲۵۶
۸۱۲۔ گلزار ابراہیم ص۳۰
۸۱۳۔ باغ معانی ورق
۸۱۴۔ مجمع النفائس قلمی ور
۸۱۵۔ رقعات بیدل ص۱۵۴
۸۱۶۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۸۰
۸۱۷۔ تذکرہ حسینی قلمی ص۴۰
۸۱۸۔ کلمات الشعرا ص۴۷
۸۱۹۔ سفینہ بیخبر قلمی آزاد لائبریری ص
۸۲۰۔ مخزن الغرائب قلمی ص۱۱۲
۸۲۱۔ سفینہ خوشگو ص۴۷
۸۲۲۔ مخزن الغرائب قلمی بانکی پور ج ا ص۱۱۳
۸۲۳۔ ایضاً ج ا ص۱۱۳
۸۲۴۔ تذکرہ حسینی قلمی بانکی پور ص۴۱ تا ۴۲
۸۲۵۔ بحوالہ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۸۸، ۸۹ (تذکرہ شیر خاں لودی ص۲۵۸)
۸۲۶۔ سفینہ خوشگو ص۴۷
۸۲۷۔ کلمات الشعراء قلمی ص۱۹
۸۲۸۔ کلمات الشعراء قلمی ۲۹
۸۲۹۔ مجمع النفائس ج ا ص
۸۳۰۔ سفینہ خوشگو ص۵۹
۸۳۱۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۱۲۳

۸۳۲۔ مآثر الامراء ج ۲ ص ۶۸۹
۸۳۳۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۱۳۱
۸۳۴۔ مجمع النفائس ج ۲ ص ۳۲۵
۸۳۶۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۲
۸۳۷۔ چہار عنصر ص ۴۹۳
۸۳۸۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۸
۸۳۹۔ رقعات بیدل ص ۲۱۲
۸۴۰۔ ایضاً ص ۹۱، مجمع الانشاء تالیف محمد امین عرفان میں یہ خط غالب خاں کے نام ہے
۸۴۱۔ ایضاً ص ۱۵۱
۸۴۲۔ ایضاً ص ۱۱۶
۸۴۳۔ ایضاً ص ۱۶۰
۸۴۴۔ ایضاً ص ۲۱۳
۸۴۵۔ ایضاً ص ۲۱۵
۸۴۶۔ کلیات بیدل کابل ج ۲ ص ۱۲۸
۸۴۷۔ ایضاً ص ۱۲۸
۸۴۸۔ ایضاً ص ۱۲۸
۸۴۹۔ ایضاً ص ۱۳۵
۸۵۰۔ مآثر عالمگیری ۲۵۲
۸۵۱۔ کلیات بیدل کابل ج ۲ ص ۱۲۶
۸۵۲۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۹۸
۸۵۳۔ ایضاً ص ۱۰۰
۸۵۴۔ ایضاً ص ۱۳۶
۸۵۵۔ ایضاً ص ۱۳۷
۸۵۶۔ ایضاً ص
۸۵۷۔ کلیات بیدل کابل
۸۵۸۔ مآثر عالمگیری ص ۲۴۵
۸۵۹۔ دیوان بیدل تہران ص ۴۷۵
۸۶۰۔ بیدل شناسی ا ص ۶۸

۸۶۱۔ ایضاً ص ۶۸
۸۶۲۔ ایضاً ص ۴۷
۸۶۳۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۱۵۶
۸۶۴۔ بیدل شناسی ج ص ۴۷
۸۶۵۔ مرأۃ الخیال ص ۴۵۹
۸۶۶۔ رقعات بیدل ص ۹۸
۸۶۷۔ سفینہ خوشگو ص ۱۰۹
۸۶۸۔ چہار عنصر ص ۴۲۹
۸۶۹۔ مثنوی عرفان (کلیات بیدل کابل ج ص
۸۷۰۔ چہار عنصر ۵۷۳
۸۷۱۔ ایضاً ص ۵۷۱
۸۷۲۔ رقعات بیدل ص ۱۵۲
۸۷۳۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۳
۸۷۴۔ رقعات بیدل ص ۱۹۶
۸۷۵۔ سفینہ خوشگو ۱۱۳
۸۷۶۔ رقعات بیدل ص ۱۹۶
۸۷۷۔ ایضاً ص ۱۹۶
۸۷۸۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۲ ص ۱۶۹
۸۷۹۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۲
۸۸۰۔ کلیات بیدل کابل ج ۲ ص ۱۶۹
۸۸۱۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۳، ۱۱۴
۸۸۲۔ کلیات بیدل کابل ج ۲ ص ۱
۸۸۳۔ رقعات بیدل ص ۱۲۸
۸۸۴۔ سفینہ خوشگو ص ۱۲۱
۸۸۵۔ مرقع دہلی ص ۱۰
۸۸۶۔ مجموعہ نغز ج ۲ ص ۱۷۹
۸۸۷۔ رقعات بیدل ص ۹۸
۸۸۸۔ خزانہ عامرہ ص
۸۸۹۔ کلمات الشعراء قلمی ص ۱۵

۸۹۰۔ مجمع النفائس قلمی ص ۶۵
۸۹۱۔ رقعات بیدل ص ۱۶۷
۸۹۲۔ چہار عنصر ص ۵۵۰
۸۹۳۔ ایضاً ص ۷۸
۸۹۴۔ ایضاً ص ۴۹۲
۸۹۵۔ دیوان بیدل ص ۱۷۳
۸۹۶۔ مرآۃ الخیال ص ۲۵۸
۸۹۷۔ کلمات الشعراء ص ۶۵
۸۹۸۔ سفینہ بیخبر قلمی آزاد لائبریری
۸۹۹۔ مرات الخیال ۴۵۹
۹۰۰۔ مرآۃ واردات بہ حوالہ شام غریبان ص ۵۵
۹۰۱۔ مجمع الانشاء ص ۱۵۷
۹۰۲۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۱، ۱۱۲
۹۰۳۔ رقعات بیدل ۱۱۸
۹۰۴۔ ایضاً ص ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۹۲، ۱۳۶
۹۰۵۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۸
۹۰۶۔ فہرست ریو
۹۰۷۔ مجمع النفائس قلمی ص ۶۵
۹۰۸۔ رقعات بیدل ص ۱۲۹
۹۰۹۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۸
۹۱۰۔ مثنوی عرفان (کلیات بیدل کابل ج ۳ ص ۲۰۰
۹۱۱۔ مرقع دہلی ص ۱۰
۹۱۲۔ رقعات بیدل ص ۱۸۹
۹۱۳۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۰
۹۱۴۔ ایضاً ص ۱۱۱
۹۱۵۔ ایضاً ص ۱۱۰
۹۱۶۔ چہار عنصر ص ۵۵۲
۹۱۷۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۰، ۱۱۱
۹۱۸۔ اورینٹل کالج میگزین ماہ اگست ۱۹۳۲ء

۹۱۹۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱
۹۲۰۔ مجلہ اقبال کراچی ج ۴، شمارہ ۶
۹۲۱۔ چہار عنصر ص ۵۷۷
۹۲۲۔ سفینہ خوشگو ۱۱۱
۹۲۳۔ مخزن الغرائب قلمی ج ۱ ص ۱۱۳
۹۲۴۔ سفینہ عشرت قلمی ص ۱۲۸
۹۲۵۔ دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص ۵۱۶۔
۹۲۶۔ اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۳۲ء
۹۲۷۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۰، ۱۰۹
۹۲۸۔ چہار عنصر ص ۳۳۸
۹۲۹۔ چہار عنصر (نکات) ص ۱۰
۹۳۰۔ اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۲ء
۹۳۱۔ مجلہ اقبال کراچی (مرزا بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب) ج ۶ شمارہ ۴
۹۳۲۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۱۱۶
۹۳۳۔ ایضاً ص ۲۱۳
۹۳۴۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۲
۹۳۵۔ رقعات بیدل ص ۸۳، ۹۰، ۹۷، ۱۶۳
۹۳۶۔ ایضاً ص ۱۰۲، ۱۰۷
۹۳۷۔ ایضاً ص ۱۶۱
۹۳۸۔ غیاث اللغات ص ۴۹۱
۹۳۹۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۲
۹۴۰۔ چہار عنصر ص ۵۵۰
۹۴۱۔ چہار عنصر (رقعات) ص ۸۵، ۱۶۱، ۱۷۵
۹۴۲۔ تذکرہ حسینی ص
۹۴۳۔ رقعات بیدل ص ۲۰۴، ۲۰۵
۹۴۴۔ مفتاح التواریخ ص ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳
۹۴۵۔ سرو آزاد ص ۱۶۳
۹۴۶۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۷۲

۹۴۷۔ سیدان شاہ گر ص ۴۸
۹۴۸۔ مفتاح التواریخ ص ۳۰۵
۹۴۹۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۲۱
۹۵۰۔ رقعات بیدل ص ۲۰۹
۹۵۱۔ ایضاً ص ۲۱۰
۹۵۲۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۲ء
۹۵۳۔ نشتر عشق ص ۳۱۳
۹۵۴۔ بیدل شناسی ج ا ص ۸۱، ۸۲
۹۵۵۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۲۱
۹۵۶۔ تبصرۃ الناظرین ص ۲۵۶، مرقع دہلی ص ۱۰
۹۵۷۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۲۲، ۱۲۳
۹۵۸۔ ایضاً ص ۱۲۲
۹۵۹۔ تبصرۃ الناظر قلمی ص ۲۵۶
۹۶۰۔ نگار مئی ۱۹۵۹ء (آرامگاہ بیدل از ڈاکٹر عبدالغنی)
۹۶۱۔ سرو آزاد ص ۱۵۰
۹۶۲۔ نگار مئی ۱۹۵۹ء (آرامگاہ بیدل از ڈاکٹر عبدالغنی)
۹۶۳۔ بیدل ص ۱۰۸ تا ۱۱۲
۹۶۴۔ نقش پارسی در احجار ہند ص ۱۲۰
۹۶۵۔ نقد بیدل ص ۸۷
۹۶۶۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۲۲
۹۶۷۔ دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص ۵۱۰
۹۶۸۔ سفینۂ خوشگو ص ۱۲۲، ۱۲۳
۹۶۹۔ مجمع النفائس قلمی ص ۶۵
۹۷۰۔ مجلّہ نگار مئی ۱۹۵۹ء (آرامگاہ بیدل)
۹۷۱۔ ایضاً
۹۷۲۔ مرقع دہلی ص ۱۰۱، ۴۳
۹۷۳۔ ایضاً ص ۴۲، ۴۳
۹۷۴۔ ایضاً ص ۴۴
۹۷۵۔ ایضاً ص ۴۹
۹۷۶۔ مجلّہ نگار مئی ۱۹۵۹ء (آرامگاہ بیدل)

✪✪✪

کتابیات

تذکرے اور تواریخ

نام کتاب	مصنف، مولف، مترجم	سن تالیف	مطبوعہ یا مخطوطہ	تاریخ کتابت
مرأۃ الخیال	شیر خاں لودی	۱۱۰۲	مطبوعہ	
خزانہ عامرہ	میر غلام علی آزاد	۱۱۷۶	مطبوعہ نولکشور پریس	
نتائج الافکار	قدرت اللہ گوپاموی	۱۲۵۷	مطبوعہ	
عقد ثریا	مصحفی	۱۱۹۹	مطبوعہ	
مخزن الغرائب	شیخ احمد علی	۱۲۱۸	قلمی	
مجمع النفائس	سراج الدین علیخاں آرزو	۱۱۴۶	قلمی	قرن سیزدہم
ریاض الشعراء	علی قلی خان والہ	۱۱۶۱	قلمی	
سرو آزاد	میر غلام علی آزاد	۱۶۶	مطبوعہ لاہور	
تذکرہ بی نظیر	میر عبدالوہاب افتخار	۱۱۷۲	مطبوعہ	
نشتر عشق	آقا حسین خان عظیم آبادی	۱۲۳۳	قلمی	
تبصرۃ الناظرین	سید محمد بن میر عبدالجلیل		قلمی	۱۳۱۵ کاتب ولایت حسین
مرقع دہلی	درگاہ قلی خان		مطبوعہ	
صحف ابراہیم	علی ابراہم خان خلیل	۱۲۰۸	قلمی	
ہمیشہ بہار	کشن چند اخلاص	۱۲۳۶	قلمی	
تذکرہ حسینی	میر حسین دوست	۱۱۶۲	قلمی	
سفینۂ عشرت	درگاداس عشرت	۱۱۷۵	قلمی	
اویماق مغل	میرزا محمد عبدالقادر خان	۱۱۹	مطبوعہ امرتسر	
گل رعنا	لچھمی نرائن شفیق	۱۱۸۱-۸۲ھ	قلمی	
خلاصۃ الکلام	علی ابراہم خاں خلیل	۱۱۸۷-۹۸	قلمی	
تذکرۂ طاہر نصر آبادی	طاہر نصر آبادی	۱۰۸۳	قلمی	

تذکرۃ الشعراء ہندی	سید میر قاسم عرف میر قدرت اللہ قاسم		قلمی
سفینہ بے خبر	عظمت اللہ بیخبر	۱۱۴۱	قلمی
سفینہ ہندی، تذکرۃ شعراء فارسی	بھگوان داس بناری	۱۲۱۹	مطبوعہ ادارہ تحقیقات دیبیہ
کلمات الشعراء	محمد افضل سرخوش		مطبوعہ مدراس یونیورسٹی
مفتاح التواریخ	طامس ولیم بیل	۱۲۶۴	مطبوعہ
ریاض العارفین	رضا قلی ہدایت	۱۲۶۰	مطبوعہ چاپ خانہ آفتاب تہران
شمع انجمن	سید محمد صدیق حسن خان	۱۲۹۳	مطبوعہ رئیس المطالع شاہجہانی
سفینہ خوشگو دفتر ثالث	بندرابن داس خوشگو	۱۱۳۷-۴۷	مطبوعہ لیتھو پریس پٹنہ
شعر العجم فی الہند	شیخ اکرام اللہ		مطبوعہ
ید بیضا	میر غلام علی آزاد	۱۱۴۸	قلمی
تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان	دکتر سید علی رضا نقوی		مطبوعہ تہران
تذکرۃ الشعراء	محمد عبدالغنی خان	۱۳۲۸	مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ
نزہۃ الخواطر	مولانا سید عبدالحی		مطبوعہ حیدرآباد
عمدہ منتخبہ	نواب اعظم الدولہ میر محمد خان بہادر	۱۲۱۹	مطبوعہ دہلی یونیورسٹی
تذکرہ مسلم شعرای بہار ج ا	حکیم سید احمد اللہ ندوی		مطبوعہ کراچی
واقعات عالمگیری	عاقل خان رازی		مطبوعہ علی گڈھ
وفیات الشعراء			مطبوعہ
نکات الشعراء	میر تقی میر		مطبوعہ
تذکرۃ الکتب المصنفین	لامعلوم		مطبوعہ حیدرآباد
مآثر عالمگیری	محمد ساقی مستعد خان		مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی
عالمگیر نامہ	محمد کاظم ابن محمد امین		مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی
تاریخ ادبیات ایران و تاریخ شعرا	حسین فریور		مطبوعہ تہران
تاریخ ادبیات ایران	ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا		مطبوعہ تہران
گنج سخن	دکتر ذبیح اللہ صفا		مطبوعہ تہران
سیدان بادشاہ گر	دکتر سید صفدر حسین		مطبوعہ لاہور

تاریخ جدید صوبہ اوڑیسہ و بہار	سید اولاد حیدر بلگرامی	مطبوعہ
جلوہ خضر ج ا	فرزند احمد صفیر بلگرامی	مطبوعہ نور الانوار آرہ
نوای وطن	علی محمد شاد عظیم آبادی	مطبوعہ
حیات فریاد	سید شاہ الف حسین فریاد	مطبوعہ
بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا	دکتر اختر اورینوی	مطبوعہ
شاہکارہای نثر فارسی	ترتیب و مقدمہ از استاد سعید نفیسی	مطبوعہ کانون معرفت تہران
سبک شناسی ج ۳	محمد تقی بہار	مطبوعہ تہران
فارسی ادب بعہد اورنگ زیب	نور الحسن انصاری	مطبوعہ دہلی
فرہنگ ادبیات فارسی دری	دکتر زہرای خانلری	مطبوعہ بنیاد فرہنگ
در مکتب استاد	سعید نفیسی	مطبوعہ تہران
نقش پارسی در احجار ہند	دکتر علی اصغر حکمت	مطبوعہ تہران
History of Iranian Literature	Jan Rypka	
Life & Works of Abdul Qadir Bedil	By Dr. Abdul Ghani	"
روح بیدل	ڈاکٹر عبدالغنی	مطبوعہ لاہور

کلیات و دواوین و رقعات

کلیات بیدل ۴ چار	مرا عبدالقادر بیدل	مطبوعہ کابل
کلیات بیدل یک جلد	مرا عبدالقادر بیدل	مطبوعہ نولکشور
کلیات بیدل	مرا عبدالقادر بیدل	مطبوعہ صفدر بمبئی
کلیات بیدل	مرا عبدالقادر بیدل	قلمی
کلیات بیدل	مرا عبدالقادر بیدل	قلمی
رباعیات بیدل	مرا عبدالقادر بیدل	قلمی
رباعیات بیدل	مرا عبدالقادر بیدل	قلمی
چہار عنصر	مرا عبدالقادر بیدل	قلمی
ریاض الوداد	ایزد بخش رسا	قلمی
کلمات طیبات	عنایت اللہ خاں شاکر	قلمی
دیوان بیدل	باہتمام حسین آہی	مطبوعہ تہران

محیط اعظم	بیدل	مطبوعہ تہران
صحایف شرایف	محمد عسکری حسین بلگرامی	مطبوعہ تہران
مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی	مطبوعہ

کتب تصوف ونقد ادبیات

کیمیای سعادت	امام غزالی	مطبوعہ نولکشور
لوائح جامی	عبدالرحمٰن جامی	
رسالہ شیخ عبدالباقی	مترجم مولوی محمد حلیم	
نقد وادب	تالیف دکتر مندو ترجمہ دکتر علی شریفی	مطبوعہ تہران
نقد بیدل	صلاح الدین سلجوقی	مطبوعہ کابل
بیدل	خواجہ عباد اللہ اختر	مطبوعہ لاہور
بیدل شناسی دو جلد	غلام حسن مجددی	مطبوعہ کابل
میرزا عبدالقادر بیدل	صدر الدین عینی	مطبوعہ اتحاد شوروی
بکھرے خیالات	ترجمہ از دکتر عبدالحق	مطبوعہ دہلی

Stray Reflection By Dr Iqbal

مطالعہ بیدل فکر برگساں کی روشنی میں	اقبال	مطبوعہ لاہور
سی مقالہ دربارہ بیدل	مرتب سرور پاکفر	
حل نکات بیدل	احمد حسین شوکت	مطبوعہ میرٹھ
شاعر آئینہ ہا	ڈاکٹر شفیعی کدکنی	
بیدل وسبک ہندی	حسن حسینی	مطبوعہ تہران
قلمرو سعدی	علی دشتی	مطبوعہ تہران
سیری در دیوان شمس	علی دشتی	مطبوعہ تہران
مقالات سید سلیمان ندوی	مرتب سید صباح الدین عبدالرحمٰن	مطبوعہ اعظم گڑھ
مباحث ومسائل	ضیا احمد بدایونی	مطبوعہ مجتبائی دہلی
نقد غالب	مرتبہ مختار الدین آرزو	مطبوعہ علی گڑھ

بزرگترین شاعر صوفی بعد از جامی	محمد عثمان خواجہ	ہلال کراچی
دیباچہ کلیات عرفی	عبدالباقی	قلمی
فہرست ریو	دکتر ریو	

رسائل

عنوان نویسندہ نام مجلّہ جلد وشمارہ

رسائل

عنوان	نویسندہ	نام مجلّہ	جلد	شمارہ
ملاحظاتی در بارہ ریالزم بیدل	الکساندر بوزانی	ادب کابل	۱۳	۴
وصف طبیعت در اشعار بیدل	الکساندر بوزانی	ادب کابل	۱۳	۴
میرزا عبدالقادر بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب	عبدالغنی	اقبال لاہور	۶	۴
مکتب ہندو مکتب بیدل	حبیبی عبدالحی	کابل	۴	
تذکرہ بیدل		اورینٹل کالج میگزین لاہور	۲۸	۴
میرزا عبدالقادر بیدل	قاری عبداللہ	کابل	۱	۴
میرزا عبدالقادر بیدل	نیازی یٰسین	اورینٹل کالج میگزین لاہور	۸	۴
بیدل	شاہ ولی الرحمٰن	نقوش لاہور شخصیات نمبر۲	۹	۲،۱
کیا بیدل عظیم آبادی نہ تھے	سید سلیمان ندوی	معارف اگست ۱۹۴۰		
میرزا عبدالقادر بیدل	ڈاکٹر محمد شفیع	مقالات دینی وعلمی حصہ دوم		
عبدالقادر بیدل	نیاز فتحپوری	نگار		
اشعار بیدل	نیاز فتحپوری	نگار		
ذکر بیدل	نیاز فتحپوری	نگار		
بیدل کے اشعار	نیاز فتحپوری	نگار		
(مزار بیدل) آرامگاہ بیدل	دکتر عبدالغنی	نگار		
میرزا بیدل	اسرار احمد ندوی	ندیم گیا		
سطحیات سید سلیمان ندوی	م.ا.	نگار		

بیدل کی ایک جمالیات علامت	دکتر عبدالغنی	نگار		
میرزا بیدل کے تعلقات	نیازی یٰسین	اورینٹل کالج میگزین		
رامایِن بیدل	قاضی عبدالودود	معاصر پٹنہ		
بحثی در احوال و آثار میرزا عبدالقار بیدل	پروفسور میر حسن شاہ مترجم	ادب کامل		۶،۵
تجلی عرفان و تصوف در ادب پارسی	دکتر سید جعفر سجادی	ہنر و مردم		۱۳۲
شعر چیست	عبدالعظیم یمنی	ارمغان		۱۲،۱۱
یک تحقیق علمی در بارہ رویا	کالون. ایس. ہال	سخن	۲۱	۳
انواع وسبک ہای ادبی	پرویز ناتل خانلری	سخن	۲۲	۵
زبان فصیح	پرویز ناتل خانلری	۲۴	۲	
زبان و ادب فارسی	جعفر محجوب	یغما	۲۸	۵
طبیعت در نظر صائب	پرویز ناتل خانلری	سخن	۲۵	اردی بہشت

✪✪✪

Rampur Raza Library Publications Series

About the Book:

Name of the Book : **Mirza Abdul Qadir Bedil:Hayat Aur Karname** (Life and Works) (Vol-I [Hayat])

Name of Author : **Dr. Syed Ahsanuz Zafar**

Published by : **Prof. Shah Abdus Salam**
O.S.D. Rampur Raza Library
Rampur

First Edition : 2009

Printed by : Diamond Printers, New Delhi
9811126868

Pages : 504

Price : Rs.500/-

Rampur Raza Library
Hamid Manzil,
Rampur - 244 901

Phone Library : 0595-2325045, 2327244
0595-2325346
Fax : 0595- 2340546
Website : www.razalibrary.com
E-mail : osdrampurrazalibrary@gmail.com

MIRZA ABDUL QADIR BEDIL
HAYAT AUR KARNAME
(Life and Works)

(A comprehensive and reliable study of life and works of Mirza Abdul Qadir Bedil, The greatest exponent of Indian style of Persian poetry, based on latest researches

Vol-I
(Hayat)

Dr. Syed Ahsanuz Zafar
Ex Reader Deptt of Persian
Lucknow University, Lucknow

Rampur Raza Library
Rampur (U.P.) 244 901